حامد حسین نانوطی

وکیل سیریز

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ

میرے ان بندوں کو خوشخبری دو جو باتین سب سنتے ہین مگر پیروی انہین سی بہتر کلام کی کرتے ہین

دین و دانش

جس مین

حکیمانہ اصول سے اسلامی تعلیمات کا سائنس سے

موازنہ کیا گیا ہے

از

مولوی محمود علی صاحب پروفیسر کینوتھلہ کالج

۱۳۲۹ھ
۱۹۱۱ء

مطبوعہ روز بازار سٹیم پریس امرتسر

شیخ عبد العزیز پرنٹر

مختصر فہرست کتب

جو ر[illegible] زار پریس امرتسر سے مل سکتی ہین اور ہندوستان کے بہترین دل و دماغ کے علمی نتائج ہین

نام کتاب	تعداد صفحہ	نام مصنف	قیمت
اساس الاخلاق	۷۴۳	خان بہادر مرزا سلطان احمد خان	عا/
ماحضر فی ردالطعن علے خیر البشر ..	۶۰	مولانا مولوی محمود علی پروفیسر کپورتھلہ کالج	۳/
سوانح مولانا روم	۲۰۰	شمس العلما مولانا شبلی	۱۴/
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ..	۱۳۷	" "	۸/
حیات خسرو۔ امیر خسرو علیہ الرحمہ کی مفصل سوانح	۱۷۷	منشی سعید احمد مارہروی	۱۲/
سیاحت ہند معہ چالیس تصاویر ..	۳۴۸	حافظ عبدالرحمن مرحوم	عا/۸
تاریخ عرب قدیم	۱۰۸	مولانا عمادی	۸/
حیات صالح۔ نواب سعداللہ خان مرحوم وزیر شاہجہان بادشاہ کی مکمل سوانح	۸۳	منشی سعید احمد مارہروی	۴/
رسالہ علم الغیب	۱۶	مولوی امام الدین	ا/
مائدہ محمدیہ	۱۵	مولانا حسام الدین احمد	۲/
تفسیر غایۃ البرہان (ہر سہ جلد)	۱۶۴۱	حکیم سید محمد حسن مرحوم	۱۴/
ارشاد القرآن	۱۷۶	مولانا فتح محمد خان	۸/
نفائس القصص و الحکایات ..	۱۱۸	" "	۶/
اسرار نماز	۱۲۰	امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ	۴/
آداب و اخلاق	۰	" "	۲/
کتاب الزکات	۶۴	مولانا عمادی	۲/
تذکرۃ المصطفٰے	۲۰۲	مولانا سید نواب علی	۱۴/

صحت نامہ کتاب دین و دانش

صفحہ	سطر	خطا	صواب
۲	۱۰	ذریعہ سے	ذریعہ ہے
//	۱۱	نامحسوس	نہ محسوس
//	۱۴	پایا نہین	پایا نہین جاتا
۳	۲۱	منحصر تھا	منحصر ہوتا
۵	۲	تب تک اس	اور اس
۱۴	۱۸	اور معلق	اور مطلق
۱۴	۱۴	انکو مناتے	انکو سناتے
۱۵	۱۵	تجس	متجس
۱۶	۱۰	کس قدر	جس قدر
//	۱۸	بھی چیزین	یہی چیزین
۱۸	۱	کامکہ	کاملہ
۲۳	۱۷	کچھ تہذیب	کچھ عرصہ تہذیب
۲۴	۳	اور الربیت	اور تربیت
۳۱	۱۲	عیاشیون	عیاشون
۳۲	۱۰	اوگون	لوگون
۳۴	۱۶	مناسب بھی	مناسب یہی
۳۵	۱۷	اوصاف کو	ان اوصاف کو
//	۲۰	استغناء	استثناء
۳۶	۳	پیدائش	پیدائشی
۴۱	۱۸	اب فضول	ایسا فضول
۴۲	۱۹	حاصل کرتا	حاصل کرنا
//	۲۰	دور ہوتا	دور ہونا
۴۴	۱۸	بڑے بڑے زور	بڑے زور

صفحہ	سطر	خطا	صواب
۴۹	۱	حامی ہی ہین	حامی رہے ہین
۵۶	۱۰	سفید جانور	سفید جانور
۶۱	۱۱	مجبور بتاتا	مجبور بناتا
۷۳	۱۲	دندہ الفعاف	وہ انصاف
۷۸	۵	بدلائل عقلی	ودلائل عقلی
//	۱۹	اسی طرف	اسی کی طرف
۹۱	۲۱	وحی ہو	وحی نہ ہو
۹۸	۶	کیسی	کسی
۱۰۳	۳	محل کا قاعدہ	عمل کا قاعدہ
//	۴	سیو نگئے	سیو نگے
۱۰۵	۱۶	مثال ہونا	شامل کرنا
۱۱۰	۳	اسی طرح اپنی	اسی طرح وہ اپنی
۱۱۱	۱۹	بادی النظر	بادی النظر مین
۱۱۵	۲	خاک ایک ذرہ	خاک کے ایک ذرے
۱۱۶	۱۵	اپنے درجات	انہی درجات
۱۱۷	۱	کرسکتے ہین مگر	کرسکتے ہین - پس گناہگار اور پارسا دونو گروہ ہین جنسے برائیان ہین جب تک مرتکب ہین مگر
۱۲۰	۱۱	کہ کچھ کہا	کہ جو کچھ کہا
۱۳۱	حاشیہ	جسم ارادی	جسم مین ارادی
۱۳۹	۴	ڈائیلٹیکل	ڈائیلیکٹیکل
۱۴۴	۱	کس طرح وجد	کسی طرح کے وجد
//	۱۵	کیون چسپان	کیونکر چسپان

صفحہ	سطر	خطا	صواب
۱۴۹	۱۸	کہ اب بھی	کہ اب ہے
۱۶۰	۱	شک سے	شک ہے
〃	۱۱	زیبا ہوگا	زیبا نہ ہوگا
۱۶۶	۲	داخل نہ دیا	دخل نہ دیا
۱۶۸	۲	نباتات مین	نباتات سے
۱۷۰	۹	درمیانی معنون	درمیانی اسباب
۱۷۵	۱۵	ان مین نہایت	اس مین نہایت
۱۷۶	۴	تجربہ ہی	تجربہ بھی
۱۸۱	۶	ہوسکتی ہے	ہوسکتی ہین
۱۸۶	۳	انسان کی	حیوان کی
۱۸۸	۳	لہ انسان	کہ انسان
۲۰۱	۳	یا اعلی ہمتی	یہ عالی ہمتی
۲۰۲	۴	کام اعلے ہمتی	کام عالی ہمتی
〃	۱۶	اسی قسم کی	اس قسم کی
۲۰۴	۴	اسی لیئے مذہبی	اسلئے مذہبی
〃	۷	اس لئے	پس
۲۰۵	۵	قاعدے کبھی	قاعدے سے کبھی
۲۰۷	۱	یہ حلقے بھی	یہ حلقے ہی
۲۰۸	۵	امریکہ مین تمام	امریکہ مین بلکہ تمام
〃	۱۳	اور آئندہ سائنس کو بہی سوال ہوگا	×
۲۱۰	۱۵	تجربہ ہی دیکھتا	تجربہ سے دیکھتا
۲۱۲	۵	یا انسان	یا بعض انسان
〃	۱۷	عقل انسان	عقل انسانی
۲۱۵	۵	ہوتی کہ	ہوتی ہے کہ

صفحہ	سطر	خطا	صواب
۲۱۶	۲	سے موجودہ	مین موجودہ
۲۱۷	۵	ہے جنہون نے	ہین جنہون نے
〃	۱۰	اور اسی طرح	اور اس طرح
۲۲۱	۲۰	ان کی بقا	انکی بقا
۲۲۲	۵	بڑے کوہ تک	بڑے کرہ تک
۲۲۵	۱	اسی تک	اسی حد تک
۲۲۸	۵	اوہی اوصاف	وہی اوصاف
۲۲۹	۱	مین انقہ	مین انقلاب
〃	۳	سے ہست	سے ہیبت ہونا
〃	۵	چیزون کر	چیزون کو دیکھا
〃	۶	بڑے بڑے	بڑے بڑے عقلا
۲۳۳	۱۸	خاکی بیداری	خاکی جسم بیداری
۲۳۵	۱۸	مین یعنی عالم	مین عالم
۲۳۸	۱۱	قدیم ہے ہر زمانہ	قدیم سے ہر زمانہ
۲۴۲	۱۶	آتا کہ سکون قاضی	آتا تا کہ قاضی
۲۴۳	۴	عکس سایہ	عکس اور سایہ
۲۴۴	۳	اضداد یا ہمدگر	اضداد کے باہمدگر
〃	۷	حال اُن کا	حال مین اُنکا
۲۵۱	۱۵	مگر فضا	مگر یہ فضا
۲۵۲	۷	آپ اپنے آگے	اپنے آگے
۲۵۳	۱۱	اور تجدیت	اور بعدیت
〃	۱۷	کے ہم معدوم	کے معدوم
〃	۲۰	کا فرض تصور	کا تصور
۲۵۵	۸	مین اسوقت قابل	مین قابل

صفحہ	سطر	خطا	صواب	صفحہ	سطر	خطا	صواب
۲۵۷	۴	وجود ٹھرایا	وجود پر ٹھرایا	۳۴۷	۱۷	بالکل اور	اور بالکل
۲۶۵	۱۱	اس غیر محدود	اُسکا غیر محدود	۳۵۱	۲	کاش میت میت	کاش مین
۲۷۸	۱۹	دہی خداوندی	وہی ذات خداوندی	۳۵۴	۵	عمل سے نفرت سکے	نفرت سکل سے
۲۸۷	۱۳	لنگن جانیولے	سے نکلے جاےوالے	۳۵۵	۱۶	یا تو یہ	یا تو یہ
۲۹۰	۲۱	اگر نور	اگرچہ نور	۳۵۷	۶	صداقت ہی قریب	صداقت سے قریب
۲۹۱	۱۴	جہالت اگر برائی	جہالت برائی	〃	۱۵	اور اپنے	اور اپنے
۲۹۲	۱۹	مین عود ذات	مین خود ذات	۳۸۰	۱	سے بے سود	سے اُسے بے سود
۲۹۳	۱۰	معدوم کر دیا	جاری کر دیا	〃	۱۴	گیا تہا اگر	گیا تہا تو ظلم ہوتا اگر
۳۰۲	۱۰	خط پر نہ آیا	خط پر کیون نہ آیا	۳۹۷	۷	اور چونکہ	وہ چونکہ
۳۰۵	۴	ہمارا ہی فرض	ہمارا یہی فرض	۴۰۵	۸	یہی ماہتاب	یہی کرہ ماہتاب
۳۰۷	۱۱	کافر اور	کافر ہین اور	〃	۲۱	اور پائدار	اور زیادہ پائدار
۳۰۹	۱۱	جس پیز کی	جس چیز کی	۴۰۷	۷	شہادت کے نہ ہونے	شہادت نہ ہونے
۳۱۱	۲۱	کفر ہی کی	کفر کی	〃	۲۱	مین یہی استدلال	مین یہی استدلال
۳۱۲	۲۰	ان پر باتین	ان سے باتین	۴۰۹	۷	لطف اُٹھاسے	لطف اُٹھائے
۳۱۳	۸	نہین اور	نہین رہتا اور	۴۱۵	۱	لوازم صحبت	لوازم صحت
۳۲۵	۱۴	توجہ پیدا ہونے کو توجہ کرنیکو	توجہ پیدا ہونے کو	۴۲۳	۲۲	اڈورڈ کلاڈکی	اڈورڈ کلاڈکی
۳۲۷	۱۲	برابر جو	برابر ہے جو	۴۲۵	۴	اپنی دونو	انہی دونو
۳۲۹	۱۴	اس سے	اس مین سے	〃	۱۸	خوراک وشکل	خوراک کی شکل
۳۳۳	۲	اپنی محبت	اپنی حجت	۴۲۶	۱۲	سائنس اپنا	سائنس نے اپنا
〃	۱۰	محبت کامل	حجت کامل	۴۳۱	۳	جانے قوت	جانے والی قوت
۳۳۶	۲۱	کا دیر ٹرہے	کا دائرہ ہے	۴۳۳	۱۹	ایزا و تنزل	ایزاد تنزل
۳۳۹	۳	ایسا ہونا ضرور	ایسا ہوتا ضرور	۴۳۵	۱۱	زمانے زیادہ	زمانے مین زیادہ
۳۴۵	۵	وَسِعَتْ	وَسِعَتْ	۴۳۹	۴	مادی کی طرف	مادی ترقی کیطرف
〃	۱۷	اورات کی	اور رات کی	۴۴۰	۸	سمجہتا ہے	سمجہا جاتا ہے

صفحہ	سطر	خطا	صواب
۴۴۰	۱۴	قوسے اور	قوی اور
۴۴۴	۴	ایک مکمل	ایک نامکمل
۴۴۴	۱۱	مِنْ قَرَآئِہٖ	وَمِنْ قَرَآئِنِہٖ
۴۵۱	۵	ماننے والے	ماننے والون
۴۵۴	۱۵	اعتراض جو	اعتراض ہے جو
۴۵۶	۱۵	کے لئے ہی کہین	کے لیے بہی کہین
″	۲۱	کوئی اور اعلے	کسی اور اعلے
۴۵۷	۸	بہت کم زور	بہت کچھہ زور
۴۵۸	۱۱	حاوث کی	حاوث ہونیکی
۴۵۹	۶	انسان مین ابتداء	انسان بہی ابتدا سے
″	۱۹	احسام رکھی	اجسام مین رکھی
۴۶۴	۱۷	اگر دیکھنے	اگرچہ دیکھنے
۴۶۵	۱۴	تمسا تاہے	تمتما اٹھتا ہے
۴۶۸	۲۱	ثبعت کا تناسخ	ثبوت تناسخ
″	″	علاوہ ان جن	علاوہ اور جن
۴۶۹	۱۱	چاہیے اُن کا	چاہیے اُس کا
۴۷۳	۱۱	روح بہی وہ	روح بہی وہی
۴۷۴	۱۹	حواس رگرفت	حواس کی گرفت
۴۷۸	۶	ہر وقت	بہر وقت
۴۷۸	۶	بڑی برتری	بڑی بدتری
″	۱۰	حالات قوانین پر	حالات پر قوانین
۴۷۹	۱۳	اٹما سفیر	اٹما سفیئر
″	۲۰	ٹھیک دہان	ٹھیک وزن
۴۸۰	۱۱	جاندار ہین	جاندار ہین
۴۸۱	۵	کرنے لگتی ہے	کرنے لگتی ہین
″	۸	متفرقہ خارجی	متفرقہ پر خارجی
۴۸۲	۱	انکی حرارت	انکی حرکت
۴۸۶	۱۲	معرفت بانی	معرفت ربانی
۴۹۰	۹	مال ومذہب	مال مذہب
۴۹۱	۲۰	حسن وسلوک	حسن سلوک
۴۹۷	۳	مین نہین سکتا	بن نہین سکتا
″	۱۶	اس خیال اس	اس خیال سے اس
″	۱۸	حاصل کرنے	حاصل کرنا

فقط

فہرست مضامین

باب نہم

باب دہم

حامد حسین ہاشمی



بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۚ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۚ

فی زمانہ قوم مین ایک طرف ایسے لوگ موجود ہین جو مذہبی بحث و تکرار کو غیر ضروری تصور کرتے ہین تو دوسری جانب ایک گروہ نہ صرف اصول مذہب مین بلکہ اسکے فروعی مسائل مین بھی رد و قدح کا حد سے زیادہ اہتمام کرتا ہے - اور ایک اور فرقہ فرعی بحث کو غیر ضروری جانتا ہے مگر ضرورت محسوس کرتا ہے کہ جس طرح ایک زمانہ مین فلسفی علوم کی اشاعت پر حمایت مذہب مین علم کلام ایجاد ہوا تھا اب جدید طرز استدلال اور تازہ علمی انکشافون کے اثر سے جو غلط فہمی مسلمات مذہب مین پیدا ہو رہی ہے اس کا تدارک کرنے کیلئے جدید علم کلام مرتب ہونا چاہئیے ؛

میرے دل پر پہلے فریق کا خیال اثر نہین کرتا اور اسکی پہلی وجہ شاید یہ ہے کہ مین مذہب کو ایسا ضروری سمجھتا ہون کہ اس پر کاربند ہونا نوع انسانی کیلئے سب فائدون سے بڑھ کر مفید ہے

اور اسکو ترک کرنا سب مضرتون سے زیادہ مضر اور اس لیئے میرے نزدیک مذہب کو ایسا ضروری سمجھنے والون کا اخلاقی فرض ہے یا بالفاظ دیگر وہ مجبور ہین کہ ایسے حتمی فائدے اور ایسے ضروری نقصان سے جو لوگ چشم پوشی کرتے ہین انہین کسی نہ کسی طرح آگاہ کرین اور ان لوگون کی پاس خاطر سے جو اس گفتگو کو لاطائل سمجھتے ہین اپنی یقین کی آنکھون سے لوگون کو کنوئین مین گرتے دیکھ کر خاموش نہ رہین ۞

بلکہ اس بارہ مین میرے نزدیک اصول و فروع کی بھی حدبندی نہین ہوسکتی کیونکہ جو مسئلہ ایک کے نزدیک فروع مین داخل ہے اور زیادہ مہتم بالشان نہین ممکن ہے کہ دوسرے کے نزدیک وہی اصل الاصول ہو یا کوئی شخص اسے فرعی سمجھ کر بھی ایسا مہتم بالشان سمجھتا ہو کہ اس کو ترک کرنے سے اصول قائم نہین رہ سکتے اور انجام ہلاکت پر ہوتا ہے چنانچہ اگر کوئی شخص بالفرض یقین رکھتا ہو کہ روزانہ صبح کو غسل نہ کرنے سے انسان کافر اور دائمی عذاب کا مستحق ٹھیرتا ہے تو خواہ واقع مین ایسا اصرار غلط ہو مگر وہ شخص صدق دل سے ایسا عقیدہ رکھنے کے سبب مجبور ہے کہ اپنے بھائیون کو اسکی غلطی پر متنبہ کرے - اور وہ اس عقیدہ کو مناسب طریہ پیش کرے تو کسی کو حق نہین کہ اس پر طعنہ زن ہو ۞

یہ تو وہ وجہ ہے جس سے مین مذہبی بحث و تکرار کو ضروری سمجھتا ہون لیکن اگر ایک لحظے کیلئے اپنے اور اپنے ہمخیالون کے خیال سے قطع نظر کرون تب بھی اس واقعہ کو تو کسی طرح آنکھون کے سامنے سے دور نہین کرسکتا کہ مذہب کے بارہ مین دنیا کے اہل الرائے کا اختلاف موجود ہے - پس ایک طرف سے اسکے فضول ہونے اور دوسری طرف سے ضروری ہونیکا اصرار دیکھ کر جو شخص اپنے خیال سے قطع نظر کرسکتا ہے وہ صرف مذبذب ہونیکی ڈگری پاسکتا ہے اور اب اسے دیکھنا چاہیئے کہ اس تذبذب کو دور کرنے کیلئے دنیا کے اور اختلافون مین کیا تدبیر مفید ہوتی ہے - دنیا مین علمی اور ملکی اور تمدنی معاملات مین بے انتہا اختلاف موجود ہین اور ہوتے رہتے ہین اور اگر ان سب مین بحث و تکرار کو بند کردیا جائے اور کوئی شخص کسی خیال کو بہتر سمجھ کر ظاہر کرنیکا

مرتکب نہ ہو تو کسی رائے کی غلطی اور کسی اور رائے کی صحت بھی معلوم نہ ہوگی اور دنیا جس حالت مین ہے اس سے ترقی نہ کریگی۔ مگر یہ نتیجہ یقیناً کسی عاقل کو گوارا نہ ہوگا اور بیشک سب کے نزدیک یہی مناسب ہوگا کہ ہر شخص کی رائے مع اسکی دلائل کے دیکھی جائے اور باہمی مقابلہ و تطبیق سے سقم و صحت کا فیصلہ ہو۔ اور مقابلہ و تطبیق کی غرض اسی طرح پوری ہو سکتی ہے کہ جو خیالات فی الواقع صحیح ہین انکے ساتھ وہ خیالات بھی معرض بحث مین آئین جن کو بعد مین غلط ہونیکا فتوی دیا جائیگا۔ اس لئے سقم و صحت کا فیصلہ کرنے اور انسان کو ترقی کی راہ پر لانیکے لیئے جو کام صحیح خیالات سے نکلتا ہے وہی خدمت غلط خیالات اپنی بحث و تکرار سے بجالاتے ہین اور دنیا کے تمام معاملات غلطی اور صحت کی اسی جد و جہد سے صفائی کے قریب آتے ہین۔ اور جب یہ صورت ہے تو مذہبی اختلاف مین جو فی الواقع دنیا مین موجود ہے مذہبی بحث و تکرار ان لوگون کیطرف سے جو مذہب کو ضروری سمجھتے ہین یا انکی طرف سے جو مذہب کو مٹانا چاہتے ہین اگر انکا خیال غلط ہو تب بھی غیر ضروری نہین ہوسکتا۔ بلکہ انسان کی مختلف ترقیون مین سے ایک ترقی کا رستہ صاف کرنے کی خدمت ادا کرتا ہے اور اسلیئے مفید ہے ؛

غرض میرے نزدیک اہل مذہب کا اپنے خیالات کو شائع کرنا اور جن امور پر وہ سب سے بڑے سود و زیان کو مرتب سمجھتے ہین اُن کو بنی نوع کے کانون تک پہنچانے کی کوششون مین مصروف رہنا کسی طرح غیر مفید اور قابل تحقیر نہین۔ البتہ مین دیکھتا ہون کہ دنیا کی کسی کوشش مین حد مناسب سے تجاوز کرنا اور بد اخلاقی و فتنہ انگیزی سے کام لینا مفید نہین ہوتا۔ بلکہ اکثر اوقات کسی صحیح مسئلہ پر نامناسب زور دینے سے اُلٹا اثر ہوتا ہے اور اس فعل سے مخالف کو جو رنج و غصہ پیدا ہوتا ہے وہ اسکو صداقت کے قریب نہین آنے دیتا اور غلطی پر اصرار کرنے کا محرک ہوتا ہے۔ بعض لوگ ملکی صنعت کو رواج دینا چاہتے ہین جو واقع مین شریف خیال ہے مگر لوگون سے منوانے کیلئے غیر ملکی چیز جسکے پاس دیکھتے ہین چھین کے جلا دیتے ہین اور خریدنے والیکو ایذا پہنچاتے ہین یا بعض لوگ حکام سے ملکی حقوق منوانے چاہتے ہین اور اس غرض

کیلئے حاکم کے کارندون اور دیگر ہیکتا ہون کو تیر و تفنگ اور دشنام و لعنت کا نشانہ بناتے ہین
ان افعال سے دعوی کی صداقت کو کوئی تعلق نہین اور جو لوگ اس دعوی کو نہین مانتے اگر
وہ غلطی پر ہون تو انکی غلطی ثابت نہین ہوسکتی۔ بلکہ تکلیف اور فساد سے متاثر ہو کر مخالفون کو تدبیر کے
ساتھ تدبیر پیدا کرنے والے خیال کو اور زیادہ غلط سمجھنے کی ترغیب ہوتی ہے اور جو لوگ قوت رکھتے
ہین وہ اس خیال کو دبانے کی پہلے سے زیادہ کوشش کرنے لگتے ہین اور وہ فساد پھیلتا ہے
جس کا انجام ضعف و قوت کی لڑائی مین خواہ کسی فریق کے موافق ہو مگر غلط رائے کی غلطی اور صحیح
کی صحت ثابت ہونیکا نتیجہ ایسی کوشش پر کبھی مرتب نہین ہوتا اور اگر کسی خیال کو مقبول بنانا ہو
تو اسکی صرف یہی سبیل ہے کہ متانت اور تہذیب کے ساتھ رائے اور اسکے دلائل پیش کیجائین ؀

یہی کیفیت مذہبی بحث و تکرار کی ہے۔ اسمین جبر و تشدد اور مار پیٹ کا دور اب سے
بہت دور رہ گیا ہے اور ترقی تہذیب نے لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ کا سبق لوگون کو یاد کرا دیا ہے
مگر تہذیب و متانت کے استعمال مین ابھی بہت زیادہ اہتمام درکار ہے۔ اگر ہم غیر مذہب کے مقتداؤن
کا ذکر بے ادبی سے کرین۔ مخالف کا نام ذلت سے لین۔ اصل مسئلہ پر روشنی ڈالنے کی بجائے شخصی
عیوب کو تحقیر سے دہرائین۔ کتاب کا نام ایسا تجویز کرین جس سے نفرت و عداوت کا اظہار ہو بلکہ اگر
مخالف کے خیال کو حماقت اور جہالت وغیرہ غضب انگیز نامون سے یاد کرین تو ظاہر ہے کہ ان تمام
افعال سے نفرت اور ملال بلکہ غصہ اور عداوت کو تحریک ہوگی اور جس وقت قلب کی یہ کیفیت ہو راست
پسندی اور نصفت شعاری کی صفت دور ہو جاتی ہے اسلئے وہ صداقت جسے ہمنے غیر مہذب
کلام مین مخالف کے سامنے پیش کیا ہے اسکو قریب لانے کی بجائے اور زیادہ دور کرنیکا باعث ہوگی
اور اسلئے ایسی مذہبی بحث و تکرار جسمین تہذیب سے چشم پوشی کیگئی ہے کسی طرح مفید نہین اور انسانی ترقی
کیلئے وہی بحث و تکرار ضروری اور مفید ہے جسمین ملال انگیز طرز ادا سے بلکلی اجتناب کیا جائے اور
نہایت مہذب طریق سے محض نفس مطلب کو ظاہر کرنے پر اکتفا ہو۔ چنانچہ اسلام اسی قسم کی مذہبی تبلیغ
کو فرض گردانتا ہے بلکہ جو لوگ بدی سے پیش آئین انکو بھی تہذیب کے ساتھ جواب دینے کی ہدایت

کرتا ہے اور اسکا نتیجہ یہ بتاتا ہے کہ جو تمہارے دشمن ہیں وہ بھی دوست ہو جائینگے ۔ ارشاد ہے

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (نحل پارہ ۱۴ ع ۱۶)	اپنے خدا کے رستہ کیطرف دانائی اور نیک نصیحت سے بلاؤ اور وہ بحث کرو جو بہتر ہو۔
فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ؕ (طٰہٰ پارہ ۱۶ ع ۲)	پس تم دونو (موسیٰ ہارون) اُسسے نرم بات کہو شاید وہ نصیحت قبول کرے یا ڈرے۔
ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ (مومنون پارہ ۱۸ ع ۶)	بدی کا ایسی تدبیر سے مقابلہ کرو جو نیک ہو۔
وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ؕ (عنکبوت پارہ ۲۱ ع ۵)	اہل کتاب سے جھگڑا مت کرو مگر جو نیک ہو۔
وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ؕ (حم سجدہ پارہ ۲۴ ع ۵)	نیکی اور بدی مساوی نہیں تم نیکی کے ساتھ مقابلہ کرو۔ اس طرح جو تمھارا دشمن ہوگا وہ بھی دیکھو گے کہ ولی دوست ہو گیا۔

تہذیب و متانت کے علاوہ مذہبی بحث و تکرار کیلئے یہ بھی ضرور ہے کہ جو مسئلہ زیر بحث ہو اسکے موافق اور مخالف تمام پہلو پورے طور پر ذہن نشین ہوں اور بالخصوص جبکہ فرامین مذہبی کو عقلی پہلو سے دیکھنا ہو اور مروجہ علوم عقلیہ سے مقابلہ کرنا ہو تو اس وقت ایک طرف مذہبی واقفیت مکمل ہونی چاہیئے اور دوسری جانب علوم عقلیہ میں کامل مہارت کی ضرورت ہے اور اس طرح پر اصولی بحث کے لئے سائنس و فلسفہ اور احکام مذہب کی مختلف شاخوں کیلئے قانون۔ اخلاق۔ پولیٹیکل اکانمی۔ تاریخ اور سائیکالوجی وغیرہ علوم عقلیہ کے تمام جدید انکشافوں سے آگاہ ہونا ضرور ہے اور علامہ شبلی بجا فرماتے ہیں کہ "جبتک قوم میں فارابی نہ پیدا ہوں غزالی کا وجود میں آنا ممکن نہیں" اور میرے خیال میں مذہبی واقفیت کی ضرورت دیکھتے ہوئے اس کلیہ میں اس قدر اور اضافہ ہونا چاہیئے کہ جبتک فارابی کے ساتھ مالک و ابو حنیفہ کا اثر نہ ہو صرف فارابی سے بوعلی پیدا ہو سکتا ہے اور غزالی بننے کی تحریک نہیں ہوتی۔ اور یہاں یہ کیفیت ہے کہ ایک طرف

مالک و بوحنیفہ کا اثر یعنے مذہبی واقفیت کا شوق اور جوش بو نافیو نا رو بتنزل ہے
اور دوسری طرف فارغیت پیدا ہونے مین بہت دیر معلوم ہوتی ہے۔ اور تمام ملک مین علوم
عقلیہ ابھی تک آبادی کے بہت مختصر حصہ مین اور وہ بھی بالعموم محض تقلید کی شکل مین داخل
ہوئے ہین اور تمام قوی اور ضعیف علمی مسائل پر اسلئے یقین کیا جاتا ہے کہ وہ مسلم الثبوت استادون
کی طرف سے پیش ہوئے ہین ورنہ یقین کو ظن سے اور تھیوری کو فیکٹ سے تمیز کرنے کی مہارت
شاذ و نادر ہی موجود ہوگی چہ جائیکہ خود موجد یا محقق ہونیکا درجہ حاصل ہو یا اہل علم کی کثرت ہو بیشتر
آبادی عام علمی اصطلاحون اور واضح اصول سے آشنا ہونیکا فخر کر سکے اور جبتک مذہب اور عقلی علوم
کی واقفیت اس درجہ پر ہے کچھ شک نہین کہ علوم عقلیہ کے مقابلہ مین مذہبی حمایت کا دعویٰ نہین ہوسکتا
لیکن اس عجز کا یہ اثر ہو کہ نامعلوم عرصہ کے لئے مذہبی بحث و تکرار کو ترک کر دیا جائے اور
اس خرمن کا انتظار کیا جاوے جسکی تخم ریزی کیلئے علیگڈھ اور لکھنؤ کی زمین ہموار ہورہی
ہے تو ایسی موسم آنے سے پہلے فاقہ کش تباہ ہو چکینگے اور کیا عجب ہے کہ فارابی زراعت مخالف قوت
کو بالکل نابود رکھنے سے ایسا پھل لائے جو مذہبی مذاہب کیلئے زہر کا اثر رکھے یا اگر اس وقت تک دونو
طاقتین پوری نشو و نما پا جائین جب بھی۔ گر از پس من کہ فیکون شد شدہ باشد۔ اسوقت کی
ارزانی سے کوئی اور نسل فائدہ اٹھائیگی نہ ہم لوگ۔ اسلئے گو مرض سخت ہے اور معالج ناپید مگر جبتک
مناسب علاج نہ ہوسکے تیماردار اپنی ہمت کے موافق بیمار کی خبرگیری سے دریغ نہین کرتے
اور جو کوششین اس بارہ مین موجودہ وسائل کو جتنے الوسع کام مین لاکر ہوسکتی ہین انکو وہ ہرچند کی
عقلی مدافعانہ کہا جائے تب بھی وہ مذہبی غذا کو کسی حد تک صاف اور خوشگوار کرنے مین ضرور مدد دیتی
ہین اور اسلئے فائدہ سے خالی نہین اور کیا عجب ہے کہ یہی تدبیر ترقی کرتی ہوئی ایک وقت پر ازالہ
مرض کے لیے تیر بہدف ہو۔ شاید کہ ہمین بیضہ برآرد پر و بال۔ عنقا گردد۔
علاج بیشک ڈاکٹر ہی کرسکتے ہین مگر تیمارداروں مین وہ شخص بھی شامل ہے جو صاف
کرنے کے لئے پانی کو جوش دے چنانچہ ایسی ہی خدمت کی آرزو مجھے بھی ہے اور آج

کل کے مخالفانہ خیالات مین سے جو میرے دلکو پریشان کرتے رہے ہین اگرچہ ان کے لائق سامان میری دسترس مین نہین مگر ایک عرصہ تک غور و تامل مین مصروف رہنے پر جن وجوہ سے مجھے تسکین ہوئی ہے انہین پیش کرنے کی جرأت کرتا ہون - مین نہین کہہ سکتا کہ یہ تحریر اُن لوگون کو منوانیکا کام دیگی جنھون نے ان مسائل پر غور کیا ہے اور مخالف راے قائم کر چکے ہین اور یہ بھی دعوے نہین ہوسکتا کہ وہ لوگ تسلیم کرینگے جو مذبذب ہین مگر میلان دوسری طرف رکھتے ہین البتہ جو لوگ مذبذب ہین - اور کسیقدر میلان بھی میرے موافق رکھتے ہین - انمین سے بعض ممکن ہے کہ انہی وجوہ سے تسکین پائین جو مجھے مطمئن کرتی ہین - اور مین سمجھتا ہون کہ ایسے لوگون کے لیئے (اگر کوئی ہون) میری تحریر مفید ہوگی - یا جو لوگ پہلے سے میرے ہمخیال ہین اور میری جیسی طبیعت رکھنے کے سبب میرے دلائل کو پسند کرسکتے ہین انہین ایک ہمخیال کی آواز بلند ہونے سے مسرت ہوگی اور مخالف خیالات کے قابو مین نہ آنے کیلیئے پہلے سے زیادہ مستعد ہوجائینگے یا اگر کوئی شخص میری تمام تحریر سے متفق نہ ہو لیکن اسکے بعض مقامات سے اپنے بعض خیالات مین ترمیم کی ضرورت محسوس کرے تو بھی ایک فایدہ ہوگا - اور یہ سب فائدے ضرورت کے لحاظ سے اگرچہ کم ہین لیکن اگر حاصل ہون تو نہ ہونے سے بہتر ہین اور اگر نہ ہون تو بھی انکی آرزو مین اپنے نقطۂ خیال سے ایک مناسب آرزو اور اُس کیلیئے کوشش انسانی فرض سمجھتا ہون

مجھے مفصل معلوم نہین کہ خاص ان مضامین مین قوم کے قابلون نے کس قدر کام کیا ہے اگر کوئی تحریر انہی عنوانون پر شائع ہو چکی ہے مگر نتائج اور پیدا کیئے گئے ہین تو میری کوشش جداگانہ نتائج پیش کرنیکے سبب ضرور توجہ کی مستحق ہوگی - اور اگر انہی نتائج کو ثابت کیا جا چکا ہے تو بھی ایک مضمون کی دو تحریرین طرز بیان مین ضرور مختلف ہونگی - اور اگر کوئی مضمون توجہ کے قابل ہو تو اُسکا مختلف طرزون سے پیش ہونا بہرحال مفید ہے اور مین اس مضمون کو توجہ کے قابل سمجھتا ہون اس لیئے ایسی کوشش کو اس صورت مین بھی فضول نہین سمجھہ سکتا -

اس تحریر مین جو نقص ہونگے وہ دیکھنے والون کو نظر آئینگے۔ البتہ مجھے اس کی دلالت اور پیچیدگی کی نسبت خیال ہے کہ شاید عیب معلوم ہو لیکن اول تو یہ گذارش ہے کہ میرے دعاوی اگرچہ دیرینہ ہین مگر اُن کو ثابت کرنیکا طرز (کم از کم میرے خیال مین) ضرور نیا ہے اور مین سمجھتا ہون کہ جن رستون مین ہو کر مین منزل مقصود تک پہنچنا چاہتا ہون اُردو دان پبلک کو انہین دیکھنے کا کم اتفاق ہوا ہوگا۔ بلکہ اکثر اوقات مجھے اُن مضامین کو اُردو لباس پہنانے مین وقت پیش آئی ہے اسلئے میری توجہ تمامتر اسی جانب مصروف رہی ہے کہ کسی طرح اُن مضامین کو اوا کرسکون اور کسی مقدمہ کو جس قدر الفاظ سے مین اپنے ذہن مین قائم کرسکا ہون جب لکھنے کے وقت انہین واضح نہین پایا تو اور طول دینا پڑا ہے اور اس وجہ سے عجب نہین کہ کہین ناگوار طول۔ کہین تکرار اور کہین سلجھانے کی کوشش مین اور پیچیدگی پیدا ہوگئی ہو۔ اور دوسرے مجھے اپنے قصور کا اعتراف ہے کہ مین کسی مضمون کو منشیانہ قابلیت سے ادا نہین کرسکتا۔ لیکن نقص اگر ہے تو اس کا الزام ایک شخص واحد پر ہوگا اور با انصاف ناظرین سے یہ توقع بیجا نہین کہ نفس مضمون کی صحت وسقم کو پرکھین۔ اور اگر صداقت نظر آئے تو عبیر فصیح کلام کے سبب گرد آلود چہرہ کی ذاتی خوبی دیکھنے مین توجہ سے دریغ نہ فرمائین۔

اس تحریر مین جس قدر مطالب دیگر اہل الرائے سے اخذ کئے گئے ہین اُن کو ظاہر کرنیکا حتی الوسع اہتمام کیا ہے لیکن اگر کسی اور کا مضمون اس طرز پر ادا ہوا ہو کہ بظاہر مصنف کا طبعزاد سمجھا جائے تو یہ سہو انسانیت ہوگا ورنہ مجھے اعتراف ہے کہ میرا طبعی کارنامہ کچھ بھی نہین اور جو کچھ ہے وہ اہل علم کی خوشہ چینی کا ثمر ہے۔ اور بعض اوقات کسی مصنف یا سپیکر کا خیال اس طرح ذہن مین در آتا ہے کہ اُس کا فیضان محسوس نہین ہوتا لیکن متفکرہ پر اثر کرتا ہے اور جب انسان ذہنی عمل سے اسی نتیجہ پر پہونچتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ خود اس کا فعل ہے حالانکہ حقیقت مین خارجی ترغیب کا اثر ہوتا ہے اور اس طرح پر ممکن ہے کہ میرے اکثر بلکہ تمام مضامین کی لہر اسی قسم کے شبنمی قطرون سے مرکّب ہو۔

مجھے اکثر جگہ آیات قرآنیہ کا حوالہ دینے کی ضرورت پیش آئی ہے اور ہم مسلمانوں کے نقطۂ خیال سے قرآنِ پاک کا ہر حرف اور ہر حرکت بیشمار لطائف و نکات سے معمور ہے اسی لیے اس کا ترجمہ جس قدر دشوار ہے محتاج بیان نہیں اور میں نے جو ترجمہ لکھا ہے وہ آیت کے تمام مطالب پر نہ حاوی ہو سکتا تھا اور نہ ایسی کوشش کی گئی ہے بلکہ صرف اس مدعا کو ظاہر کرنا مدنظر رہا ہے جس کے لئے کسی آیت سے استناد کیا گیا ہے۔ والسلام۔ تحریر ۱۰ صفر ۱۳۲۸ھ

راقم

محمود علی عفی اللہ عنہ

کپورتھلہ



زیب عنوان

تصنیف کو کسی قابل تعظیم بزرگ کے نام سے مزین کرنا اہل تصنیف کا عام دستور ہے جس سے کتاب کو کسیکی ذاتی عظمت سے معزز کرنا یا کتاب کی پائیداری سے کسی محسن کی یادگار قائم کرنا مقصود ہوتا ہے اور میرے خیال میں کتاب سے خود مصنف کی بقا اسی لیے متصور ہے کہ اسکی کوشش نے کتاب کو موجود کیا۔ اس لیے مصنف کے علاوہ اور جو لوگ کتاب کی ہستی کا باعث ہوں وہی سب سے زیادہ کتاب کے ساتھ قائم رہنے کیلئے شایاں ہیں اور انہی کے نام سے کتاب کو زینت ہونی چاہیئے۔ مجھے اس تحریر کی توفیق اسی لئے ہوئی کہ ایک عرصہ تک بعض اہل علم کی کفش برداری کا شرف حاصل کیا ہے سب سے پہلے اور بہت عرصہ تک جس مکتب سے فیضیاب ہوا ہوں وہ بادشاہ بحیر آغوش پدری تھی۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ وہ روحانی تعلق جس کے بغیر انسان کو انسان کہنا شرافت نہیں کو شیر پستان کا خطاب دیتا ہے اور جس کا فی زمانہ بہت کم اور محض رسمی

لحاظ رکھا جاتا ہے مجھے وہ تعلق بھی جیسا کچھ ہے اُسی جناب سے ہے جس کا توسّط عیسائی وہبروکا باعث ہوا۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رح فخر کرتے ہین کہ اُن کے والد والد بھی ہین اُستاد بھی ہین اور پیر بھی ہین۔ اس اعزاز سے فائدہ اُٹھانا خوش نصیبون کا حصہ ہے مگر الحمد للہ کہ یہ فخر مجھے بھی حاصل ہے۔ تہیدستی شامل اعمال ہے ورنہ میرا عقیدہ ہے کہ جس جناب سے مجھے یہ تینون تعلق ہین اُنکی ذات سے ہر طرح کی دولت حاصل ہوسکتی تھی *

پدری تربیت کی اثنا مین اور اُسکے بعد اکثر بزرگوارون کی آستان بوسی باعث افتخار ہوئی اور آخر مین بخت بیدار شمس العلما مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی پروفیسر اورینٹل کالج کی خدمت مین لیگیا اور مجھے بجا فخر ہے کہ جس پایہ فضیلت سے سب کے بعد جیب و دامن بھرنیکا موقع ملا وہ اپنے کمال مین گذشتہ اسلامی فہم و فراست کی بےنظیر یادگار ہے اور اسی خوان نعمت کی ریزہ چینی کا اثر ہے کہ باوجود بیسامانی میدان تصنیف مین قدم رکھنے کی جرأت ہوئی۔

پس مین اس ناچیز تحریر کو اپنے والد بزرگوار میر سید علی دہلوی مرحوم اور مفتی صاحب قبلہ کے اسمائے گرامی سے مزین کرتا ہون۔ والد ماجد جہان فانی کو طے کر چکے ہین اسلئے اُن کی خدمت مین عرض کرنے کی صرف یہی شکل ہے کہ نامحسوس قلبی صدا فضائے خیال سے عالم روحانی تک پہنچاؤن اور اپنی آرزو کیلئے غائبانہ شرف قبول کی التجا کرون البتہ مولانا مدظلہ کی خدمت مین یہ ناچیز ہدیہ پیش کرنیکے بعد اجازت کی درخواست کر سکتا تھا جو نہین کرسکا۔ کیونکہ میرے خیال مین جس طرح اپنے محسن کی یاد کا دل مین موجود رہنا ایک فطری کشش ہے اور اس موقع پر اجازت کا ذکر ایک بے اختیاری فعل پر داد کی طلب ہے اور جس طرح اپنے محسن کا ذکر زبان پر لانا اخلاقی فرض ہے اور اسکے ساتھ اجازت کا تذکرہ زیبا نہین اسی طرح اپنے محسن کا نام نامی تحریر مین لانا تحریر کرنیوالے کا اپنا فخر ہے اور اس لئے یہان بھی اجازت کو دخل دینا فرض و احسان کو احسان کے لباس مین جلوہ گر کرنا ہے۔ اور اُدھر گرانباری احسان اصرار کرتی ہے کہ جب مصنف کا نام جو حقیقت مین کچھ نہین

کتاب کے ساتھ وابستہ ہے تو جس سرچشمہ سے یہ نم پیدا ہوئی ہو اُس کا ذکر نہ کرنا کفران نعمت ہے۔ بیشک جو نتائج مینے پیدا کئے ہین وہ غلط ہون تو الزام مجھ پر ہوگا اور شاگردی تعلق سے اساتذہ جواب دہ نہین ہوسکتے مگر تمنا ہے کہ جو قابل یادگار ہین اُن کے اسماگرامی ہمیشہ صفحہ ہستی پر ثبت رہین۔ یہ عاجز نہ رہیگا لیکن جو فیضان اِسے متحرک کرتا ہے وہ قائم رہے تو اور موجین اس سے بہتر و برتر پیدا ہوسکتی ہین ؎

در چمن خندۂ گل از اثر بادِ صباست
گل نماند مگر این بادِ بہاری ماند

حامد حسین ولد محمود حسین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

باب اول

مذہب اور فطرت

مذہبی احساس کی قوت ۔ مذہب کو نابود کرنے کی کوشش اور اُس کا انجام ۔ مذہب کو پیدا کرنیکے اسباب بھی فطری ہیں ۔ کیا مذہب استدلال سے پیدا ہوا ہے ۔ مذہب کے خلاف کوئی دلیل موجود نہیں عقلی ترقی سے مذہب روشن ہوتا گیا ہے ۔ سائنس مذہب کی کیا خدمت کرتی ہے ۔ مذہب اور مقتدایان قوم ۔ مذہب کا معبود ہمیشہ ایک نہیں رہا ۔ ایک معبود ہونے کی وجہ ۔ بعض قومیں مذہب سے معرّا ہیں اکثر اشخاص لا مذہب ہوتے ہیں ۔ تربیت کا اثر اور نیز استثنا بھی قانون قدرت ہے ۔ لا مذہب بھی اکثر کسی نہ کسیطرح کا مذہب رکھتے ہیں ۔ مذہب کی تعریف ۔ ایک دہریہ کے قول میں مذہبی نشان ۔ در پردہ مذہبی کشش کے چند اور نمونے ۔ مذہب فطرت میں وہی درجہ رکھتا ہے جو عقل و ترقی وغیرہ صفات کو حاصل ہے

انسان کسی چیز کو دیکھتا ہے ۔ اُسکی شکل صورت اور قطع وضع سے رغبت یا نفرت کا خیال دل میں پیدا ہوتا ہے ۔ اگر عقل خدا داد یاری کرتی ہے تو اُس کے متعلق تحقیق و تفتیش میں مصروف ہوتا ہے جو اس ظاہری کو حتی الوسع پورے طور پر کام میں لاتا ہے پھر فکر و تخیّل سے مدد لیتا ہے

استقراء و قیاس تمثیل و ترجیح کے قاعدے استعمال کرتا ہے اور کسی نتیجہ پر پہنچ کر اسے ہاتھ میں لانے یا اس سے اجتناب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر تہذیب و تربیت سے بے بہرہ ہوتا ہے تو محض حواس ظاہری یا خیالِ باطل سے متاثر ہو کر فوراً اسکی طرف جھپٹتا ہے یا خوف زدہ ہو کر بے تحاشا بھاگ جاتا ہے۔ غرض تمام مظاہر عالم اور تمام مناظر قدرت کے پیش نظر ہونے پر عالم و جاہل اپنے اپنے مدارج علم و جہل کے مطابق اِسی روش پر کاربند ہوتے ہین اور اِسکے برخلاف جس چیز تک نظر یا دیگر حواس کی رسائی نہیں ہوتی نہ اس سے محبت یا نفرت پیدا ہوتی ہے اور نہ اُس کی نسبت فہم و ادراک مصروف کار ہوتے ہین اور نہ اس کے متعلق حصول یا مدافعت کی کوشش ظہور مین آتی ہے۔ اگر اس کو قوت مدرکہ کا ایک کلیہ قاعدہ مان لیا جائے جیسا کہ نظام انسانی دل و دماغ کے تمام حرکات اور اعمال سے ثابت ہوتا ہے تو بیشک بعض کہنے والون کے ساتھ ملکر کہنا پڑے گا کہ محض حواس ظاہری اور عقل ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے نتائج اخذ کئے جا سکتے ہین۔ اور نتائج کے بعد توجہ یا گریز کا اثر مرتب ہوتا ہے اور جو چیز کہ محسوس ہو اور نہ عقل اُسے استنباط کر سکے وہ نہ چیز کہلانے کی مستحق ہے اور نہ اُسکی نسبت کسی قسم کا علم و یقین پیدا ہو سکتا ہے۔ اور فی الحقیقت قوت مدرکہ اور طبیعت انسانی کی یہ خاصیت ایسی عام اور وسیع ہے کہ جہان تک عام طور پر تلاش و تجسس کی حد ہے اس کے خلاف پایا نہیں جاتا اور اسلیئے اِس کو قاعدہ کلیہ ماننے مین تامل نہ ہونا چاہیئے ؎

لیکن جس طرح دُنیا کے اکثر کلیہ قاعدوں میں استثنا ہوا کرتا ہے اسی طرح استثنا سے یہ قاعدہ بھی بری نہیں ہے۔ بیشک ہم کسی چیز سے بغیر دیکھے نہ ڈرتے ہین اور نہ اس کیطرف رغبت کرتے ہین مگر یہ بھی قریباً ساری دُنیا اور غالباً تمام بنی نوع انسان کا متفقہ میلان ہے کہ کم از کم ایک نادیدہ ہستی کی طرف انکی رغبت ہے اور رغبت بھی ایسی کہ اور تمام رغبتوں سے فائق اور اُسی ایک نادیدہ ہستی سے خوف ہے اور خوف بھی ایسا کہ دُنیا کی بڑی سے بڑی چیز بھی ایسی خوفناک نہین۔ وہ اُسے دیکھ نہیں سکتے لیکن جو کچھ بھی دیکھتے ہیں اُس میں اُسی کا

جلوہ نظر آتا ہے - اور جس کو دیکھتے ہین اُسکے وجود مین شک کرین تو کرین لیکن جس کا نور آنکھون مین سما رہا ہے اُس پر بے دیکھے ایسا یقین ہے کہ اُسکے خلاف ہزار حجتین پیش ہون لاکھ دلیلین بیان کی جائین اور انسان عقلی طور پر جواب دینے سے عاجز آجائے بلکہ کسی وقت مخالف کی مخالفت سے مغلوب ہو کر اُس یقین کو چھوڑنا چاہے غرض کیسی ہی کد و کد اور بحث و تکرار ہو دل جسمین یقین گھر کیئے ہوئے ہے وہ فنا ہوجائے تو ہوجائے مگر یقین فنا نہین ہوتا اور اعتقاد زوال نہیں پاتا - وہ اسے سمجھ نہین سکتے اور عقل جو ہر میدان مین جولانیان دکھا دکھا لوگون کو حیران و ششدر کر رہی ہے اُس کے سراپردۂ جلال پر جاکر خود حیران و ششدر رہجاتی ہے مگر جن عقدون کو سمجھنے کا دعوے کیا جاتا ہے اُن مین سے ہر ایک اُس ناقابل فہمیدہ ہستی کو زبان بے زبانی سے ایسا سمجھا رہا ہے کہ سمجھی ہوئی باتین غلط ہون تو ہون مگر اُس برتر از خیال و قیاس ہستی کا جو قبضہ خیال و قیاس پر ہے خود خیال و قیاس کے فنا ہونے پر بھی زائل نہین ہوتا

اور چونکہ یہ اعتقاد جاہل و عالم عامی و عارف ہر شخص کے دل پر کم و بیش قبضہ کئے ہوئے ہے اور دُنیا کا کوئی حصہ اور زمانہ کا کوئی عرصہ ایسا متحقق نہین ہوتا جس مین لوگ اس یقین سے قطعاً بے بہرہ ہون اس لیئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ یقین عقل و استدلال سے پیدا نہین ہوا - کیونکہ اس یقین کے دلائل عقلیہ یہان تک پیدا ہوسکے ہین ایسے دقیق اور پیچیدہ ہین کہ جب کبھی ہستی باری تعالی کے ثبوت کو محض ان دلایل پر منحصر سمجھ کر بحث و تکرار کیا گیا ہے تو بڑے بڑے عقلا کو اس ثبوت مین طرح طرح کے شکوک اور فیصلہ کے وقت اُن کے گوناگون مذاہب پیدا ہوتے رہے ہین جس سے ثابت ہوتا ہے کہ محض عقل ایسے جوہر کا پیدا کرنے کے قابل نہین اور اگر ہے تو بھی نہایت ہی باریک بین اور نکتہ رس عقول کا کام ہے کہ محض استدلالی طریق سے اُس ہستی کا پتہ لگائین اور چونکہ عقل کو روشنی اور جلا کا یہ درجہ تعلیم و تہذیب کے اعلےٰ پایہ پر پہونچ کر حاصل ہوسکتا ہے اس لیئے ضرور تھا کہ ہستی باری تعالیٰ کا یقین اگر محض استدلال پر منحصر ہوتا تو جاہل قومون مین پایا نہ جاتا بلکہ تہذیب کے ابتدائی مراتب

مین بھی اِسکا وجود نہ ہوتا حالانکہ واقعیت اِس کے خلاف ہے اور جُہلا کے دلون مین جس وثوق اور اطمینان کے ساتھ یہ یقین موجود رہتا ہے وہ بسا اوقات علماء کے لئے قابل رشک ہوتا ہے اس لیئے خیال ہوتا ہے کہ اگر وجود باری تعالیٰ کا یقین عقلی استدلال پر موقوف نہین اور باوجود اِس کے ہر زمانہ اور ہر ملک مین اس عموم کے ساتھ پایا جاتا ہے تو ضرور ہے کہ فطرت انسانی مین دیگر فطری خواہشون کیطرح یہ یقین بھی ازل سے ودیعت ہوگا ؞

ونابود کرنے
ن اور اسکا

اگرچہ یہ ضرور ہے کہ کم از کم تاریخی زمانہ کے ہر عرصہ مین ایسے چند اشخاص بھی موجود رہے ہین جو اس یقین سے بالکل معرّا ہون - بلکہ وہ لوگ اپنی طاقت کے موافق اِس امر کی کوشش بھی کرتے رہے ہین کہ اس خیال کو لوگون کے دل سے مٹا ئین اور جو بندشین انسان کے خیالات اور اعمال پر خدا کے یقین سے لازمی طور پر عاید ہوتی ہین اُن کو زایل کرین اور چونکہ خود انسان کی فطرت مین بندشون سے رہائی پانے کی خواہش نہایت قوّت کے ساتھ موجود ہے اور ضروریات زندگی کو مہیا کرنے اور نفسانی خواہشون کو برلانے کیلئے وہ چاہتا ہے کہ ہر طرح کی آزادی سے بہرہ یاب ہو اور لذائذ جسمانی کے حصول مین کوئی مزاحمت سد راہ نہ ہو اس لیئے چاہئے تھا کہ خدا کے یقین کو زائل کرنے کی کوشش اس کے اپنی دنیوی خواہشون کی مدد سے نہایت آسانی کے ساتھ کامیاب ہوتی - اور دوسرے بسا اوقات دنیوی تہذیب کی ترقی سے تعلیم و تربیت بھی ایسی رائج ہو جاتی ہے جسمین منہمک دیکھ کر کچھ عرصہ کیلئے اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے کہ مذہبی قیود اور خدا کا یقین ایسی نسل یا ایسے مُلک سے بالکل زائل ہو جائے گا جسمین محض مادی تعلیم و تربیت پر مدار کار رہ گیا ہے - مگر زمانہ چکر کھاتا ہوا چلا جاتا ہے - مادی علوم و فنون اپنی ترقّی و تنزّل کے آثار چڑھاؤ سے اپنی اپنی نوبت مین ہر ملک اور قوم کو کمال و زوال کی چاشنی چکھاتے ہوئے جاتے ہین اور ایسے لوگ اپنے دلکش ترانون اور فرحت بخش نغمون سے عوام الناس کو اپنی طرف کھینچنے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کرتے اور کسی کسی وقت انکی کامیابی کا گمان بھی ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی ایسی خوشگوار آزادی کو پسند کرنیوالون اور مذہب سے بیزار ہو کر اُن لوگون کے

ساتھ سر ہلانے والوں کی تعداد کو اُن لوگوں کی تعداد سے مقابلہ کیا جاوے جو باوجود آزادی کی خواہش اور اُن لوگوں کی کوشش کے مذہبی دائرہ سے قدم باہر نہیں نکالتے یا نہیں نکال سکتے تو عاجز آکر ان آزاد خیال بزرگواروں کی اپنے خلاف نے انتہا کثرت دیکھ کر اس کی وجہ تلاش کرتے ہوئے بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ:-

"جب تک انسانی زندگی انسانی تمناؤں کو برلانے کے ناقابل ہے تب تک یہاں کی کامیابیوں سے بالاتر لذائذ کا اشتیاق قایم رہیگا تب تک اس اشتیاق کو صریح تسکین مذہب سے حاصل ہوگی جب تک دنیوی زیست تکالیف سے معمور ہے تسلی کی ضرورت رہیگی جو خودغرضوں کو بہشت کی امید سے اور پارسا لوگوں کو خدا کی محبت سے حاصل ہوگی" ✠

مطلب یہ کہ واقع میں مذہب یا ایمان میں کوئی خوبی نہیں بلکہ انسان مبتلا ہی ایسی حالتمیں ہوا ہے جس میں ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے عاجز آتا ہے تو روحانی اور مابعد الموت فوائد پر بھروسہ کرکے اپنے دل کو اطمینان دیتا ہے +

لیکن مذہب ضروری اور مفید ہو یا نہ ہو سر دست دیکھنا یہ ہے کہ جس خیال کو وہ اپنے زعم میں بالکل غلط اور بے سروپا سمجھتے ہیں اسمیں غور کرتے ہوئے وہ خود کس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ وہ مذہب کو یا خدا کے یقین کو انسانی فطرت میں داخل نہیں سمجھتے مگر نوع انسانی کو پابند مذہب دیکھ کر اسکی وجہ تلاش کرتے ہیں اور اس جستجو میں مذہب کو پیدا کرنے والے اسباب وہ نظر آتے ہیں جو خود قدرت نے اپنے ہاتھ سے پیدا کئے ہیں اور انسانی اختیارات و تصرّف کو اُن میں دخل نہیں۔ انسان کا اپنی تمناؤں کو برلانے کے ناقابل ہونا یہاں کی کامیابیوں سے بالاتر لذائذ کا اشتیاق قائم رکھنا، اور انسانی زندگی کا تکالیف سے خالی نہ رہنا یہ تمام اسباب فطری ہیں پس جو نتیجہ ان فطری اسباب پر مرتّب ہوتا ہے یعنی مذہب اگر وہ فطری نہ ہو اس لیئے کہ اس کے اسباب ان حکیموں کو معلوم ہو گئے ہیں تو انسان کے دیگر فطری خواص بھی اسی دلیل سے غیر فطری ثابت ہو سکتے ہیں۔ مثلاً بھوک و پیاس انسان و حیوان کی سب سے مقدم فطری خواہش ہے لیکن کیا بھوک پیاس کا

✠ مسٹر جان سٹوآرٹ مل۔ ایسے۔ ۲۰ ۔ ۲۱ ۔ ۱۸۷۴ ۔ ٹو حکفا

کوئی سبب موجود نہین یا معلوم نہین ہوا؟ اور کیا اسکو غیر فطری ثابت کرنے کیلئے نہیں کہہ سکتے کہ جبتک حرکت حرارت وغیرہ اسباب انسان کے جسم کو تحلیل کرتے رہتے ہین اور جب تک معدہ اور دیگر اعضائے غذائیہ اپنے موجودہ ذخیرہ کو بدل ما تحلل مین خرچ کرکے اپنے سکڑنے اور کشش پیدا کرنے سے ایک طرح کی تکلیف پیدا کرتے رہتے ہین انسان وحیوان کو بھوک پیاس کی تکلیف مضطرب کرتی رہے گی پس اگر اس دلیل سے بھوک پیاس کا فطری نہ ہونا تسلیم کیا جاسکتا ہے تو بیشک مذہبی احساس بھی چونکہ دنیوی تکالیف سے پیدا ہوتا ہے فطری نہ ہوگا۔ بلکہ ترقی جو انسان کی سب سے ممتاز اور اسے دیگر حیوانات سے برتر ثابت کرنے والی خاصیت ہے وہ خود انسان کی ناحاصل شدہ تمناؤن اور موجودہ تکالیف کے سبب سے پیدا ہوتی ہے اور اسکی نسبت بعینہٖ مسٹر مل کے الفاظ مین استدلال کیا جاسکتا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ۔

"جب تک انسانی زندگی انسانی تمناؤن کو برلانے کے ناقابل ہے تب تک "موجودہ حالت سے برتر حالت" کا اشتیاق باقی رہیگا اور اس اشتیاق کو صریح تسکین "ترقی" سے حاصل ہوگی۔ جب تک دنیوی زیست تکالیف سے معمور ہے تسلی کی ضرورت رہیگی جو محض "ترقی" سے حاصل ہوگی۔"

لیکن یہ ایک دھوکا ہے جو ان لوگون کو مذہبی احساس کے کچھ اسباب معلوم ہوجانے سے لگا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس عالم اسباب مین ہر چیز کے لیئے اسباب و علل ہوا کرتے ہین چنانچہ خواص فطرت بھی اس سے مستثنیٰ نہین ہین لیکن چونکہ ان کے اسباب خود فطری اور انسانی اختیار سے بالاتر ہین اس لیئے اس بنا پر بھوک پیاس ہو یا مذہب اور ترقی کسی کے فطری ہونے سے انکار نہین ہوسکتا +

ایک اور صاحب اسی بحث کو یون پیش کرتے ہین † کہ انسان اپنی جہالت و وحشت بہت سے لال سے ہوا ہے۔

---

† سر چارلس بریڈلا نے اپنی کتاب "فری تھنکرس ٹکسٹ بک" مین ایک صاحب کو پابند مذہب ظاہر کرکے انکا ایک بہت لمبا مضمون ترد ید علائم مذہب مین نقل کیا ہے یہان انکے ایک مقام کا خلاصہ لکھا گیا ہے ص ۱۸۱ و ۱۸۲

کے زمانہ مین اکثر چیزون سے خوف کھاتا ہے اور بعض مناظر کو دیکھ کر پسند کرتا ہے۔ کبھی کبھی بلا مین مُبتلا ہو کر یاس و نا امیدی کا شکار ہوتا ہے کبھی بے انتہا لذت پاتا ہے اور فرطِ مُسرت سے بے اختیار ہو جاتا ہے مگر اپنی نادانی کے سبب ان مناظر کے مادّی اسباب و علل معلوم نہیں کرسکتا اور قوانین قدرت کو نہ جاننے اور نیچر کے بے انتہا وسائل کو نہ سمجھنے کے سبب اپنے دل کو تسکین نہین دیسکتا۔ فرط حیرت سے اُن کو کسی مخفی کارکُن اور غیر محسوس طاقت کی طرف منسوب کر دیتا ہے اور رُوح ' دیوتا ' خدا وغیرہ مُبہم الفاظ سے اپنی دانست مین قدرت کا راز دریافت کرنیکا دعوے کرنے لگتا ہے اور یہی خیال باپ سے بیٹے تک منوارث چلا آتا ہے اور پھر ایسے لوگون مین سے بڑی سمجھ بوجھ کے لوگ یا حکّام اور مذہبی پیشوا لوگون کو اپنی اطاعت مین رکھنے اور اُن سے ذاتی مفاد حاصل کرنے کیلئے اس خیال کو قوی کرتے رہتے ہین۔ اپنے معبودون کے عبادت کے قاعدے قانون بناتے رہتے ہین اور یون لوگون کے غلط خیال اور عجیب خوف سے اُن کی جہالت کے سبب یہ لازمی نتیجہ یعنی مذہب پیدا ہوتا اور بڑھتا رہتا ہے ؎

اُن کے نزدیک جو فطری اسباب مذہب پیدا کرنے کے ہین مثلاً عجائبات اور باعث تکلیف اشیا کا دیکھنا اور اُن کو جہالت کے سبب حل کرنے کے ناقابل ہونا اُن کے بعد مذہب کو پیدا کرنے مین استدلال کو بھی دخل ہے اور انسان غور و فکر کرنے کے بعد اپنی نادانی سے خدا اور دیوتا کے وجود کا غلط نتیجہ نکال لیتا ہے۔ لیکن اگر مذہب استدلال سے پیدا ہوا ہے اور استدلال جس سے وہ پیدا ہوا ہے اُن کے نزدیک حقیقت مین غلط ہے تو جیسا کہ دیگر غلط استدلالون کی حالت ہے تمدن و تہذیب سے اُس کی غلطی معلوم ہونے لگتی اور جون جون بقول اُن کے قوانین قدرت اور نیچر کے بے انتہا وسایل کا علم ہوتا جاتا اِس استدلال کا ضعف معلوم ہوتا رہتا اور بتدریج مذہبی احساس کم ہوتے ہوتے بالکل فنا ہو جاتا اور چونکہ یہ استدلال بھی اُن کے خیال کے مطابق نوعِ انسان کی محض ابتدائی حالت مین پیدا کیا گیا تھا اِس لیئے تاریخی

زمانہ سے بھی بہت عرصہ پہلے سے اُسکی نسبت شکوک پیدا ہونے لگتے اور پھر وہ شکوک علم وشعور کی ترقی سے اعتراض اور اعتراض سے مذہب کے خلاف قوی دلایل مین تبدیل ہوجانے اور ہوتے ہوتے مذہب اِس وقت تک کبھی کا صفحۂ ہستی سے یا کم از کم مُہذّب قومون سے نابود ہو جاتا ۔ جیسا کہ انسانی قربانی، ستی ہونے کی رسم اور عورتون کو مردون کی غلام اور اُن سے بہت کم درجہ کی مخلوق سمجھنے کے خیالات اور ان کے سوا اور وحشیانہ رسوم وعقاید جنکا وجود مذہبی احساس پیدا ہونے سے یقیناً بعد ہے اور دُنیا کی اکثر قومون مین نہایت کثرت سے رائج رہے ہین غلط استدلال پر مبنی ہونیکے سبب عموماً مہذّب بلکہ نیم مہذّب ممالک سے بھی حرف غلط کیطرح مٹ چکے ہین ۔ یا جیسا کہ عرصہ دراز تک قوم کا سردار یا ملک کا بادشاہ بالکل خود مختار اور مطلق العنان اور رعایا کی جان مال اور آبرو کا بے شرکت غیرے مالک ومختار مانا جاتا تھا اور اس کے ہر فعل کو خواہ کیسا ہی خلاف انصاف اور خلاف انسانیّت ہو حکم آسمانی اور ناقابل اعتراض سمجھا جاتا تھا اور اَب اِس کے بالکل برعکس حاکم وقت کو رعایا کا خادم اور پبلک کی عام رائے کے ماتحت ثابت کیا جاتا ہے اور جان وآبرو ایک طرف اس کو لوگون کی ذراسی چیز کو بے وجہ صرف کرنیکا مجاز نہین سمجھا جاتا اور اِسبارہ مین پہلے لوگون کے غلط استدلال اور لغو نتایج غبار بنکر ایسے اُڑ گئے ہین کہ اب خیال مین بھی نہین آسکتا کہ اِن لوگون نے کیون کر اپنے ایک ہمجنس کو ایسے خدائی اختیارات دے رکھے تھے اور ان تمام غلط نتایج کے برخلاف مذہبی احساس کی یہ کیفیت ہے کہ ۔

مذہب کے خلاف کوئی دلیل موجود نہین

اوّل تو اس کے خلاف تلاش کرنیوالون کو بھی آج تک کوئی قوی دلیل دستیاب نہین ہوئی جس سے وجود ربّانی ناممکن ثابت ہوسکے مسٹر بریڈلا جو انکار خدا مین بہت سرگرم ہین لکھتے ہین کہ

"منکر خدا یہ نہین کہتا کہ خدا نہیں ہے بلکہ یون کہتا ہے کہ مین نہین جانتا لفظ خدا سے تمہارا مطلب کیا ہے ۔ میرے دماغ مین خدا کا خیال موجود نہین اور لفظ خدا میرے نزدیک ایسی آواز ہے جس کا صاف اور ممتاز مطلب ہو مین خدا کا انکار نہین کرتا کیونکہ جو چیز میرے تصور مین نہین اور جس کا تصور ماننے والون کے دماغ مین بھی ایسا نامکمل ہے کہ وہ اسکی تعریف وتحدید نہیں کرسکتے مین ایسی چیز کا انکار کیونکر کرسکتا ہون۔" †

† فری تھنکرز ٹکسٹ بک ۱۸۸۲ء صفحہ ۱۱۸ ۔

اِس کے آگے مسٹر ولیم آر گریگ کا قول نقل کرتے ہین کہ۔

"ایک دائمی قدیم اور شخص خدا کا تصوّر مجھے بہت دشوار معلوم ہوتا ہے اور ایسے شخص خالق کے بغیر پیدایش اور ترقّی کا تصوّر بھی ایسا ہی دشوار ہے کہ اُس پر غالب نہیں آسکتے۔"

مسٹر جان ایس مل جو آزاد خیالی کے ساتھ علم و فضل اور معقول پسندی میں بھی ممتاز ہین تحقیق مذہب کے بعد اپنی بیچ اور تقریر مین یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ۔

"ایمان کے ثبوت کا اور ایمان کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے متعلق وحی و الہام کے ثبوت کا امتحان کرنیکے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مذہب خواہ الہامی ہو یا فطری دونو مین جس قدر ما فوق العادت کا تعلّق ہے اُسکی نسبت ایک ذی شعور قلب کا عقلی میلان انکار کی جانب ہے۔ لیکن یہ انکار جیسا کہ ایک طرف خدا کے اقرار سے جدا ہونا چاہیئے ویسا ہی دوسری جانب انکار خدا سے بھی علیحدہ ہونا ضرور ہے اور یہ انکار خدا جس سے ہم اپنے انکار کو جدا رکھنا چاہتے ہین یہ بھی سلبی اور ایجابی دو قسم کا ہے یعنے ہمکو اس خیال سے بھی علیحدہ رہنا چاہیئے کہ "خدا نہین ہے" اور اس خیال سے بھی الگ رہنا چاہیئے کہ "خدا کے ثبوت کی کوئی دلیل نہین ہے" کیونکہ عملاً اس آخری انکار کا بھی وہی نتیجہ ہے جو وجود خدا کو ناممکن ماننے کا ہوگا پس اپنی گذشتہ تحقیق مین جن نتائج تک ہم پہونچے ہین اگر وہ صحیح ہون تو معلوم ہوتا ہے کہ وجود خدا کی شہادت موجود ہے مگر اسکو ثابت کرنے کیلیئے ناکافی ہے البتہ ایک کم درجہ کا گمان غالب پیدا کرتی ہے۔" ‡

اِس زمانے کے مشہور فلاسفر ڈاکٹر ہربرٹ سپنسر لکھتے ہین

"اگر کچھ ایسے لوگ ہین جنہون نے قابل نفرت خیالات مذہب مین ملا کر اسکی اصلی خوبی کو جو سب مذاہب مین مشترک ہے نابود کر دیا ہے تو ایسی جماعت بھی ضرور ہے جو سائنس دان کہلا کر مذہبی عقاید پر ایسی نکتہ چینی کے مرتکب ہوتے ہین جس سے اُن کو نفس علم کی نسبت سخت تعصب پیدا ہو جاتا ہے حالانکہ اُنکی اِس نفرت کے لیئے کوئی دلیل بھی اُن کے پاس نہین۔ وہ صرف اُن ناشایستہ صدمون و اعتراضون سے واقف ہین جو سائنس نے ان کے بعض عقاید پر پہنچائے ہین

‡ کتاب تھری ایسیز آن ریلیجین سنہ ۱۸۷۴ء صفحہ ۲۴۲

اور اس سے گمان کر بیٹھے ہین کہ شاید سائنس ان کے تمام مذہبی خیالات کا استیصال کر دیگی اور اس طرح ایک مہمل خوف مین مبتلا ہو گئے ہین" †

[...]ا ترقی سے مذہب [...]ف ہوتا گیا ہے

دوسرے جس چیز کو وحشیانہ خوف اور تعجب کی پیدائش مانا گیا تھا اسمین بجائے ضعف اور شک پیدا ہونے کے اور بجائے آہستہ آہستہ فنا ہو جانے کے جیسا کہ دیگر غلط استدلالون کی حالت دیکھی گئی ہے تمدن وتہذیب کی ترقی سے اور جلا آتی گئی ہے اور قوانین قدرت اور نیچر کے بے انتہا وسائل کی شناسائی ہوتے جانے سے اعتقاد وایمان کا رستہ زیادہ صاف ہوتا گیا ہے۔ پہلے زمانے کے جہلا کسی خوب صورت اور عجیب درخت پتھر یا حیوان کو دیکھ کر اپنے مذہبی میلان کو اسی مین صرف کر دیتے تھے اور خدا مانکر اسکی پرستش کرنے لگتے تھے آگے چل کر جب کثرت مشاہدہ اور عقل وشعور کی ترقی سے اِن چیزون کے خواص دریافت ہونے شروع ہوئے اور دیکھا گیا کہ یہ عدم سے وجود مین آتی ہین اور کچھ مدت کے بعد فنا ہو جاتی ہین اور نیز اُن کے پیدا اور فنا ہونے کے اسباب کا پتہ لگنے لگا تو جن طاقتون کا علم حاصل ہوتا گیا اور جو نسبتاً ان سے زیادہ روحانی اور جسمانیت سے بعید تھین خدا کو ڈھونڈنے والے هٰذَا رَبِّیْ (میرا خدا یہ ہے) کہہ کر اُن کیطرف جھکتے گئے اور بجائے محسوسات کے اُن ارواح اور طاقتون کو خدا ماننے لگے جن کا اثر وہ اپنے حواس سے محسوس کرتے تھے اور اس طرح بارش کا دیوتا اور ہوا کا دیوتا وغیرہ فرض کیے گئے۔ اِس سے قدم آگے بڑھا اور ان طاقتون کو بھی ان سے بالائی طاقتون کا محکوم اور ہستی کی زنجیر مین پابند پایا تو اپنے شاہد مقصود کو ان ابتدائی منزلون سے دور نسبتاً زیادہ مجرد فضا مین دیکھنے لگے اور سمجھے کہ اگرچہ یہ طاقتین یا بالفاظ دیگر یہ دیوتا بھی اس کے مظہر اور جلوہ گاہ ہین لیکن حقیقت مین وہ ان سے بالاتر اور ان سب کا حاکم وفرمان روا ہے اور پھر جب تمام عقل وشعور مین آنے والی ہستیون کے کمال عجز اور بے بسی کا یقین ہوا تو لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ (مین زائل ہونیوالون کو پسند نہین کرتا) کہہ کر اور تمام مظاہر قدرت سے منہ پھیر کر اس ایک ہستی کی طرف متوجہ ہوئے جسکی شان ہے لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ

† کتاب فرسٹ پرنسپلز باب اول خلاصہ صفحہ ۱۰۷ و ۱۰۸ اشاعت ۱۸۶۲ء

فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ط لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۔ یعنے نظر اُسے پا نہیں سکتی کوئی علم اُس تک پہنچ نہین سکتا اور کوئی مثال اسے واضح نہین کر سکتی ۔

ڈاکٹر ہربرٹ سپنسر اپنے نقطۂ خیال سے اِس مضمون کو خوب ادا کرتے مین چنانچہ فرماتے ہین

" مذہب کا اصلی مدعا یعنی ایک ناقابل فہمید ہستی کا اعتقاد اس کو مذہب کی مختلف شاخین چھپاتی آئی ہین اور ہر ایک مذہب اپنے اپنے دائرہ مین اُسکو کسی نہ کسی قدر قابل فہمید مانتا آیا ہے مگر یہ مذہب پر سائنس کا احسان ہے کہ وہ اس مسئلہ کو صاف کرتی جاتی ہے اور ہر ایک محدود علت کے اوپر اس سے عام تر علت ثابت کرتے کرتے وہ آخر اس اعم العوام علت العلل تک پہنچانے کا رستہ صاف کرتی آتی ہے ۔"

چنانچہ اسکی مثال یون دیتے ہین کہ ۔

" آفتاب کو پرانے زمانے مین دیوتا کی گاڑی سمجھا جاتا تھا اور یون اُسکی حرکت کا ایک ایسا ہی سبب مقرر کرکے جیسا کہ عام طور پر دُنیا مین پایا جاتا ہے اسکی علت کو قابل فہمید بنایا ہوا تھا کئی صدیون کے بعد کیپلر نے ثابت کیا کہ تمام سیارے آفتاب کے گرد پھرتے ہین اور ہر ایک کے خاص دائرہ ہے اور اس کے بعد اُس نے مانا کہ ہر ایک سیارہ مین روح ہے جو اُسکو حرکت دیتی ہے۔ اِس طرح اس وقت کی بہری سائنس نے ذریعۂ حرکت ایسا ہی ثابت کیا جو بُت پرستون کے نقطۂ خیال سے ملتا جلتا تھا مگر اسے نامحدود اور کسی قدر کم سمجھ مین آنیوالا مانا۔ بعد کے زمانے مین تمام حرکات کو کشش ثقل کا اثر مانا گیا اور کیپلر کی ارواح کو غلط ٹھیرایا تو اب خیال مین آ سکنی والی علت کی بجائے ایک خیال مین نہ آ سکنے والی علت قایم ہوئی کیونکہ کشش ثقل اگرچہ ہمارے ذہن کی گرفت کے اندر ہے مگر پھر بھی اس کو خیال مین بالکل مشخص و معین کر لینا ناممکن ہے اور خود نیوٹن نے مانا ہے "کہ کشش ثقل ناقابل فہمید ہوتی اگر درمیان مین ایتھر کا واسطہ نہ ہوتا " مگر ہم دکھا چکے ہین کہ ایتھر کے واسطہ کو مانکر بھی یہ عقدہ حل نہین ہوتا اور کشش ثقل کا اثر سمجھ مین نہین آتا۔ غرض سائنس کی ترقی سے عام در عام ذرایع اور علل دریافت ہوتے جاتے

ہین اور یہ علل جو زیادہ سے زیادہ نامشخص ہوتے جاتے ہین ضرور ہے کہ ان کو سمجھنے کی قابلیت بھی درجہ بدرجہ کم ہوتی جاتی ہے۔"

آگے چل کر فرماتے ہین۔

"سائنس نے بھی اپنا فرض پورے طور پر ادا نہین کیا۔ پہلے قدم پر جب سائنس نے مظاہر کا باہمی مسلسل تعلق معلوم کیا اور یون مختلف ارواح کو ذریعہ کاروبار ٹھہرانے سے انکار کیا تو خود بھی ایسے ہی اسباب تسلیم کئے جو پرسنل (مشخص) تو نہین تھے تاہم کانکریٹ (محدبستہ) ضرور تھے اور اس طرح واقعات کو تشریح کرنیکا ایسا طریق اختیار کیا گیا جو اگرچہ موجودہ مذاہب کے طریق سے مختلف تھا مگر پھر بھی انہین مختلف علل کو مانا گیا تھا اور اس طرح نامعلوم کو معلوم سمجھ لیا گیا تھا یعنے آن ملکوتی علل کو چھوڑ کر سائنس نے برق، حرارت، کشش ثقل واتصال وغیرہ مختلف علتین تسلیم کین۔ اور آزادانہ طور پر دیکھا جائے تو سائنس کا یہ طریق غیر فلسفیانہ ہے جیساکہ مذہب کا طریق مروجہ (بہت سے دیوتاؤن کو ماننا) غیر مذہبی ہے کیونکہ دونو ناقابل فہمید کو قابل فہمید بنانے کی کوشش کرتے ہین۔ مگر تاہم حال ہین بعض سائنس کے اعلیٰ درجہ کے ماہر حرارت، روشنی، مقناطیس وغیرہ طاقتون کو چھوڑ کر جن کو جداجدا علتین ماناجاتاہے اب یہ کہنے لگ گئے ہین کہ یہ سب طاقتین کسی ایک اور محیط کل طاقت کے مختلف مظاہر ہین اور اس طرح یہ لوگ اس طاقت کو قابل فہمید سمجھنے سے بازآنے لگے ہین۔"

پھر کہتے ہین۔

"جب سائنس یہ مان لیگی کہ اس کے دعاوی بہت ہی قریب کی چیزون اور صرف تعلقات تک محدود ہین اور مذہب یہ مان لیگا کہ جس راز کو وہ مانتا ہے وہ انتہائی اور مطلق ہے (یعنی جب سائنس حقیقت اشیاء کو جاننے کا دعویٰ چھوڑ دیگی اور جب مذہب خدا کو جاننے کا دعویٰ ترک کر دیگا) اسوقت دونو بالکل متحد ہو جاینگے" †

غرض یہ شان ہے اس احساس کی جس کو غلط استدلال پر مبنی ماناگیا تھا کہ بجائے کم ہونیکے سائنس و فلسفہ کی ترقی سے وہ اور بھی قوی اور قریب بہ صحت ہوتا گیا اور یہ جو امور انسانی استدلال

† کتاب فرسٹ پرنسپلز خلاصہ باب پنجم صفحہ ۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۷ مطبوعہ ۱۸۶۲ء۔

مذہب ہیں ملاتا رہا ہے مثلاً خدا کا درخت پتھر وغیرہ مین محدود کرنا یا اُس کے بعد محسوسات مین ظاہر ہونیوالی طاقتون مین منحصر سمجھنا یا آگے چلکر ان سے زیادہ مخفی قوتون کو اپنا معبود ٹھیرانا ان امور پر عقل و شعور اور تہذیب و تعلیم کا اثر پڑا اور نور تہذیب نے ان تاریک خیالات کو بتدریج فنا کر دیا اور ایسا ہی ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ یہ امور انسان کے اپنے پیدا کردہ اور غلط استدلال پر مبنی تھے۔ پس بریڈ لا کی تقریر مین اگر کوئی بات ہے تو وُہی جو مسٹر مِل نے کہی تھی کہ جب تک انسانی زندگی تکالیف سے معمور ہے مذہب انسان کیلئے باعث تسکین رہیگا۔ مطلب یہ کہ جبتک زمانے مین انقلاب و تغیر موجود ہے (اور یہ ہمیشہ رہیگا) تب تک انسان ان سے اپنے معبود کی طرف توجہ کرنیکا سامان پائیگا اور چونکہ یہ سامان خود نیچر کا پیدا کردہ ہے اس لیئے جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے مذہبی احساس کے فطری ہونے مین اس سے کوئی شُبہ واقع نہین ہوتا۔

شائد اس اعتراض مین یہی نُقص تھا جسکی وجہ سے مسٹر بریڈ لا اور اُن کے ہمخیالون کو عجائبات عالم کو مذہب کا محرک ماننے کے بعد مقتدایان قوم کی تعلیم و تربیت کا بہانہ بھی تلاش کرنا پڑا لیکن یہ عذر بھی کچھ وقیع معلوم نہین ہوتا کیونکہ جب مقتدایان قوم کے بنائے ہوئے دیوتا اور اُن کی تعلیم کردہ رسوم تمدنی اور عبادات مذہبی جن پر اپنے اپنے وقت مین نہایت سختی سے عمل ہوتا رہا ہے تہذیب و تعلیم سے ایک ایک کرکے نابود ہوتی گئین اور اُن بزرگون کا اثر اس سے مانع نہ ہو سکا بلکہ ترقی نے خود بزرگون اور سب سے بڑھ کر بادشاہون تک کی بالاتری اور خود مختاری کو دلون سے مٹا دیا اور صرف ایک قدر مشترک یعنی مذہب نہ صرف نابود ہونے سے محفوظ رہا بلکہ اور درخشان ہوتا گیا تو ضرور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مذہب جسطرح غلط استدلال سے پیدا نہین ہوا اسی طرح مقتدایان قوم کا پیدا کردہ بھی نہین - ڈاکٹر سپنسر لکھتے ہین :-

"شہادت ثابت کرتی ہے کہ مذہب کو مقتدایان مذہب کا پھیلایا ہوا کہنا غلط ہے اور یہ خیال

کہ نوع انسان کے ایک جگہ سے منتشر ہونے سے پہلے ہی مذہبی خیال معتقدایان مذہب نے پھیلا دیا تھا فلا لوجی (علم اللسان) کے خلاف ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان مذہب کو ظاہر کرنے کے لایق زبان حاصل کرنے سے پہلے ہی پھیل گئے تھے" ‡

باب معبود وحشیہ ایک نہین رہا

مذہب یا اعتقاد کے فطری ہونے پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مہذب اور وحشی قومون کا خدا ایک نہین ہے - چنانچہ مسٹر جے ایس مِل کہتے ہین

" وحشیون کا مذہبی یقین مذہب عقلی کے خدا کا یقین نہین ہے کیونکہ وہ لوگ تمام قدرتی طاقتون کو جن کا ماخذ جان نہین سکتے اور جن کے عمل کو سمجھ نہین سکتے زندگی شعور اور ارادہ سے منسوب کر دیتے ہین اور ان طاقتون کو جو ناکمل سی تعمیم ان کے سمجھ مین آتی ہے اپنی جانب مین اسکی اصلاح کر کے خدا کہنے لگتے ہین اور جتنی یہ طاقتین ہین . . . اتنی ہی تعداد ان کے خداؤن کی ہے - ان کے نزدیک ہر ایک دریا چشمہ اور درخت کا خدا جداگانہ ہے - پس ابتدائی جہالت کی اس غلطی کو دیکھ کر یہ سمجھنا کہ اُس بالاتر ہستی یعنے خدا نے اپنی مخلوقات کی فطرت مین اپنی ہستی کا علم ودیعت رکھا ہے خدا کی تعریف نہین بلکہ تحقیر ہے - وحشیون کا مذہب نہایت ہی بھدی قسم کی محسوس پرستی ہے - وہ جس کو دیکھتے ہین اسے ذی حیات و ذی ارادہ مان لیتے ہین اور پھر بھجن اور چڑھاوون سے اُنکو مناتے رہتے ہین . . . . پھر جب مشاہدہ ترقی کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر محسوس چیزون کی بڑی بڑی خاصیتین اُس قسم یا نوع کے تمام افراد مین یکسان موجود ہین اور خاص خاص حالتون مین جو اثر ان سے ظاہر ہوتا ہے وہ اس حالت کے پیدا ہونے پر ہمیشہ یکسان رہتا ہے اور یون محسوسات کو معبود سمجھنے کے بجائے غیر محسوس معبود مانے جاتے ہین جن کی نسبت فرض کیا جاتا ہے کہ وہ تمام نوع پر حکمران ہین اور خاص سے عام کی طرف جانیکا یہ قدم نہایت آہستگی تامل اور خوف کے ساتھ اُٹھایا جاتا ہے جیسا کہ اب بھی جاہل لوگون میں دیکھا جاتا ہے کہ تجربہ کس دشواری سے اُنکو اپنے کسی خاص بُت کی ہیبت ناک نارضامندی اور فوق الفطرت طاقت کے اعتقاد سے ہٹا کر راہ راست پر لاتا ہے اور وحشی لوگون کا یہ مذہبی

‡ فرسٹ پرنسپلز باب اول خلاصہ صفحہ ۱۳ سنہ ۱۸۸۸ء -

خیال اگرچہ کچھ کچھ اصلاح پذیر ہوتا جاتا ہے مگر پھر بھی زیادہ تر اسی خوف کی وجہ سے مدتوں قایم رہتا ہے حتیٰ کہ مہذب و باغوں کا مذہب ان کی جگہ لے لیتا ہے۔ اور جس کو مہذب لوگوں کا مذہب کہا جاتا ہے وہ یا تو ان دلایل کا نتیجہ ہوتا ہے جسکو براہین عقلیہ کے نام سے نامزد کیا جاتا ہے اور یا مظاہر قدرت کا"† -

جہان تک واقعات کا تعلق ہے مسٹر مِل کا بیان بالکل بجا اور درست ہے اور واقعی مہذب اور وحشی لوگوں کے معبودوں میں زمین آسمان کا فرق ہے اور جب ان کے معبود ایک نہیں ہیں تو بظاہر یہی نتیجہ درست ہوگا کہ وہ سب تلاش بھی ایک چیز کو نہیں کرتے اور اس لیئے احساس بھی ان سب کا ایک نہیں ہے پس مذہب اور ایک مذہب یعنی خدا کا یقین سب کی فطرت مین داخل نہ ہوا۔ مگر اس نتیجہ پر یقین کرنے سے پہلے گرد و پیش کے اور حالات کو دیکھنا بھی ضرور ہے مثلاً ابتدا میں جب انسان زمین پر آباد ہوا ہوگا تو اسکو خیال بھی ہوگا کہ یہ زمین جس پر وہ چلتا پھرتا ہے کیا چیز ہے کیونکر بنی ہے؟ کس شکل کی ہے؟ کس چیز پر قایم ہے؟ اور انسان کا اُس وقت ان خیالات سے معرّا ہونا بالکل یقینی ہے کیونکہ آج اس قدر زمانہ گذر جانے کے بعد کروڑون جاہل افراد اور اقوام موجود ہین جن کے دماغ ان فکرون سے پاک ہین۔ اچھا تو پھر کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد اور اپنی آس پاس کی بہت سی چیزون کی قطع و صنع اور ترکیب و تحلیل کے منظر دیکھنے اور کچھ کچھ واقفیت پیدا کرنے کے بعد جس تختہ پر اُن کی بود و باش کا سامان آراستہ کیا گیا ہے اُسکی نسبت انکی تجسس نگاہین دوڑنی شروع ہوئی ہونگی اور یہ پہلا قدم ہوگا جو زمین کے متعلق تلاش تفتیش کا اُٹھایا گیا۔ اِس کے بعد نہ معلوم کس کس زمانے مین کیا کیا خیالات زمین کے متعلق قایم ہوئے ہون گے کیونکہ انسانی تاریخ اس قسم کی تفاصیل ظاہر کرنے سے قاصر ہے مگر اتنا یقین کرنے کے وجوہ موجود ہین کہ اُنھون نے پہلے پہل یا چند خیالات کو قایم کرنے اور پھر غلط ماننے کے بعد یہ خیال قایم کیا ہوگا کہ زمین مسطح اور ہموار فرش ہے کیونکہ اس خیال کا پتہ اب بھی جاہل قومون مین مل سکتا ہے اور اس سے آگے بڑھکر کسی وقت وہ خیال قایم ہوا ہوگا جو اب تک ضرب المثلون اور شعرون مین ظاہر کیا جاتا ہے کہ زمین ایک گائے یا سانپ کے سر پر قایم ہے اور گمان ہوتا ہے

† تھری ایسیز آن ریلیجن صفحہ ۱۱۳ء

کہ یہ خیال انسان کے بہت ہی ترقی کرنے کے بعد اُس وقت پیدا ہوا ہوگا جب وہ اِن دلایل کو سمجھنے کے قابل ہوا کہ ہر چیز کسی دوسری چیز پر قایم ہوا کرتی ہے اور بغیر کسی جاے قیام کے معلق رہنا ممکن نہین۔ پھر اس خیال کے بعد جس خیال کا ہمین علم ہے وہ ہے جو ابھی ابھی علمی دُنیا سے فنا ہوا ہے یعنی یہ کہ زمین گول ہے اور وہ کسی اور چیز پر قایم نہین بلکہ تمام موجودات کے عین وسط مین ہے اور پیاز کے چھلکون کی طرح اس پر ہوا اور آگ اور متعدد آسمانون کی تہین چڑھی ہوئی ہین اور سورج چاند اور تمام سیارے اِس کے گرد گھومتے ہین۔ اِس کے بعد ہمارے زمانے کا دَور ہے جسمین آگ کا غلاف اور آسمانون کی تہین غبار بن کر ایسی اُڑی ہین کہ کہین دکھائی نہین دیتین اور اب آفتاب دیوتا کی مانند وسط مین اور زمین اور دیگر ستارے راجہ اِندر کی پریون کیطرح ہوا مین معلق اِس کے گرد طواف کرتے مانے گئے ہین۔ آگے آگے خدا جانے کیا کیا گُل کھلین گے اور کس راجا کا راج ہوگا مگر اب تک کس قدر انسانی عقل کی ہمت ہے اِس خیال کو یقینی اور ہر طرح سے قابل تسلیم مانا جاتا ہے۔

اِسی طرح انسان ابتدائی حالت مین جس پھل کو دیکھتا ہوگا بھوک سے لاچار ہو کر مُنہ مین ڈال لیتا ہوگا جیسا کہ اب بھی اکثر گنوار سیب ناسپاتی اور کھیرے ککڑی کو بے چھیلے اور صاف سُتھرے اُڑا جاتے ہین پھر ذرا تمیز پیدا ہوئی ہوگی اور خربوزہ تربوز وغیرہ کا چھلکا کھانے کے بعد اُس کے مغز کا ذایقہ چھلکے سے بہتر اور خوشگوار معلوم ہوا ہوگا تو پھل کا پوست اُتار کر کھانے کا رواج پڑا ہوگا اور یہ پہلا قدم ہوگا جو اشیا کی تحلیل اور اجزا کی شناخت کی طرف اُٹھایا گیا ہوگا۔ پھر جب ذرا اور غور و فکر کی عادت پڑی ہوگی تو سمجھنے لگے ہون گے کہ پھل کے عناصر چھلکا مغز اور اُس کے اندر کی گُٹھلی اور بیج بھی چیزین ہین اِس کے بعد جب تجربہ بڑھا ہوگا تو بعض چیزون کو پگھلتے اور پانی بنتے اور بعض کو بخار بن کر اُڑتے اور بعض کو خاک ہوتے دیکھا ہوگا اور سمجھے ہونگے کہ چھلکا اور مغز وغیرہ عناصر نہین ہین بلکہ پانی اور ہوا وغیرہ اصلی اجزا ہین جن سے کوئی چیز بنتی ہے اور یون رفتہ رفتہ وہ خیال قایم ہوا ہوگا جس کا جنازہ موجودہ زمانے والون نے پڑھا ہے اور جسکی گور کے نشان ابھی موجود ہین

کہ اربعہ عناصر ہر چیز کا اصل ہین اور آگے ان کی تحلیل نہیں ہو سکتی۔ مگر زمانے کو ایک بات پر چین کہان
ڈھونڈنے والے ڈھونڈتے رہے اور کھودنے والے کھودتے رہے حتی کہ مٹی کو پیسا اور پانی کو چھانا۔
انھون نے بات کر دکھائی اور چار کی جگہ ساٹھ سے زیادہ عناصر نکال کر رکھ دیے۔ اکائیون سے دہائیون
کے آخر تک پہنچ گئے اب سینکڑون اور ہزارون کا نمبر باقی رہا۔ البتہ پچھلون کی غلطی سے فایدہ
اٹھا کر ان لوگون نے یہ عقلمندی کی کہ عنصر کی تعریف کو بدل دیا پہلے عنصر کو ناممکن التحلیل کہتے تھے
اب عنصر اسے کہتے ہین جو موجودہ ذرائع اور وسائل سے تحلیل نہ ہو سکے۔ گو آئندہ ترقی کرنے اور کسی اور
طرح کے وسایل بہم پہنچانے پر وہ بھی صاحب اجزا ثابت ہون اور اس طرح پانی کو عنصر کہنے والے جھوٹے
ٹھیرے مگر ہیڈروجن اور آکسیجن کے اجزا معلوم ہونے پر ان کو عنصر ماننے والے جھوٹے نہ ہون گے
کیونکہ موجودہ وسائل سے تحلیل انھی پر ختم ہوتی ہے اور آیندہ جو عناصر ثابت ہون گے وہ بھی وہی
ہون گے جن تک اس زمانہ کے موجودہ وسایل پہنچائین گے۔

غرض یہ ہے انسانی عقل اور عقلی ترقی کی حالت کہ وہ پیدا ہوئی تو ہزارون ٹھوکرین کھا کر اور
ہزارون غلطیان کر کے یہان تک پہنچی ہے اور مسٹر مل جو کچھ کہتے ہین اس سے انسانی مذہب کی
حالت بھی یہی ثابت ہوتی ہے۔ انسان نے زمین اور پھل کو دیکھا اسمین غور کیا یہ اسکی عقلی خوبی تھی
اسی طرح کسی عجیب درخت اور پتھر کو دیکھا اسمین سے قابل تعظیم ہستی کی قدرت کو تلاش کیا یہ مذہبی
خوبی ہے۔ زمین کو دیکھ کر مسطح مانا اور پھل کو دیکھ کر چھلکے اور گودے کو عنصر سمجھا یہ انسانی کمزوری تھی
اسی طرح درخت اور پتھر کو خدا جانا یہ بھی سہو انسانیت تھا۔ آگے چلکر عقل اور مذہب دونو نے انسانی
کمزوری اور سہو کو محسوس کیا زمین کو گول چھلکے کو قابل تحلیل اور خدا کو محسوسات سے بالاتر مانا مگر
کمزوری نے پیچھا نہ چھوڑا اور ایک اور ٹھوکر کھائی کہ عناصر کو چار زمین کو ساکن اور خدا کو قوائے
عالم مین منحصر مانا۔ رفتہ رفتہ عقل اور مذہب زور پکڑتے گئے انسانی کمزوری کم ہوتی گئی عقل نے
اپنی حالت کو پہچانا عجز کا اعتراف کیا اور کہا کہ واقعیت میری گرفت سے باہر ہے البتہ وسایل
تجربہ جس حد تک مدد کرتے ہین اسی قدر یقین کرنے کا حکم نافذ کرتی ہون۔ اسی طرح مذہب نے اعلان

کیا کہ میرا معبود احاطہ فہم و ادراک سے بالا ہے مگر ذرائع کشف و شہود جس درجہ تک اسکی صفات کا کہ ظاہر کرتے ہین اُسی حد تک ایمان لانیکا فتوے دیتا ہوں ۔ پس اگر مذہب فطرت مین داخل نہین ہے اس لیئے کہ وحشیون کا مذہب اور چیز کو خدا سمجھتا تہا اور تربیت یافتہ لوگوں کا اعتقاد اور خدا کی پرستش کرتا ہے اور اس لیئے دونو کا مذہبی احساس ایک نہین ہے تو عقل بھی انسان کی فطرت مین داخل نہ ہوگی اسلیئے کہ وحشیون کی عقل اور چیز کو امر واقع سمجھتی تہی اور تربیت یافتہ دماغ اور سمجھتے ہین اور اسلیئے دونو کا عقلی میلان ایک نہین ہے ۔ مگر نہین عقل کے داخل فطرت ہونے سے انکار نہین ہو سکتا اسلیئے کہ تلاش واقعیت عقل کو ہمیشہ سے رہی ہے اسی بنا پر مذہب کے داخل فطرت ہونیسے بھی انکار نہ ہونا چاہیئے کیونکہ تلاش خدا مذہب کا دائمی خاصہ رہا ہے ۔

شاید وہم کا یہ ہوا ہے کہ اس اعتراض کے پیش کرنیوالون نے جذبۂ فطرت اُس خاصہ کو سمجھا ہے جو شروع سے مکمل اور ناقابل ترقی ہو مثلاً کھانے پینے کی خواہش یا نشو و نما پانے کی طاقت کہ ایسے خواص جس طرح ابتدائے آفرینش مین کام کرتے تھے اسی طرح ہر زمانے مین کرتے آئے ہین اور ایسا نہین ہو سکا کہ ابتدا مین خوراک کی خواہش کم ہو اور بعد مین اُس کے اندر ترقی ہوئی ہو پس وہ سمجھتے ہین کہ جذبۂ فطری وہی ہوتا ہے جو اس طرح ابتدا سے آخر تک ایک حالت پر رہے اور چونکہ مذہب کی یہ صورت نہین ہے اسلیئے وہ اسکو جذبۂ فطرت ماننے سے انکار کرتے ہین مگر یہ ایک غلطی ہے جو حیوانی یا نباتی خواص فطرت اور انسانی جذبات فطرت مین تمیز نہ کرنے سے پیدا ہوئی ہے ۔ حالانکہ جس قدر جذبات فطرت شروع سے مکمل اور ناقابل ترقی ہین وہ یا نباتی ہین مثلاً قوت نشو و نما اور یا حیوانی مثلاً بھوک پیاس کا احساس اور اجسام حادثہ چونکہ نباتی اور حیوانی درجہ سے ترقی کرتے ہوئے انسان تک پہنچے ہین اس لیئے انسان بھی جسم نامی اور حیوان کی قسم سے شمار کیا جاتا ہے اور وہ تمام نباتی اور حیوانی جذبات رکھتا ہے جو اسکی ترقی یافتہ حالت کے منافی نہ تھے اور ایسے جذبات بیشک اس کے اندر مکمل حالت مین ہین مگر جو جذبات فطرت انسانی نے پیدا کئے ہین یا جن نباتی اور حیوانی جذبات کو ذات انسانی نے ترمیم و اصلاح کے ساتھ قایم رکھا ہے ان مین سے غالباً کوئی بھی شروع سے

مکمل اور ناقابل ترقی نہین ہے مثلاً نشو و نما ایک نباتی خاصہ ہے اور اپنے سادہ طریق پر انسان کے اندر شروع سے مکمل ہے لیکن اس کے واسطے اسباب و وسائل کا تلاش کرنا انسانی خاصہ ہے یا یون کہا جائے کہ جذبہ نباتی مین انسانی فوقیت کی جانب سے ایک اصلاح ہے کیونکہ نباتات پر اسباب و وسائل کی تلاش فرض نہین کیگئی بلکہ قدرت خود ہی اسکا انتظام کرتی ہے اور انسان کے لیئے جو ایک کارکن مخلوق تھا یہ رعایت روا نہ رکھی گئی اور فرض گردانا گیا کہ وہ خود اسباب و وسائل کو مہیا کرے اور یہی فرض حیوانات کی گردن پر بھی رکھا گیا تھا مگر فرق تکمیل اور عدم تکمیل کا ہے کہ حیوانات کی تلاش ازل سے ابد تک یکسان ہے اور انسان نے اسبارہ مین ابتدائی نسل کی نسبت آجتک بہت ترقی کر لی ہے - ابتدائے آفرینش کے انسان محض حیوانون کیطرح نشو و نما پاتے تھے اور قدرت کے دستر خوان پر جو الوان نعمت اس غرض کے لیئے چنے گئے تھے بے سمجھے بوجھے ان سے کام لیتے تھے مگر آجکا انسان بہت سے قواعد حصول معیشت، حفظ صحت، افزائش نسل اور ترقی نمو کے دریافت کر چکا ہے اور بڑی حد تک سمجھ گیا ہے کہ کیونکر نشو و نما مین ترقی ہو سکتی ہے اور کن اسباب سے اس مین نقص پیدا ہوتا ہے اور اسی طرح بھوک پیاس اگرچہ مکمل خاصہ ہے مگر انسان نے اپنی ترقی سے بہت کچھ بھوک پیاس بڑھانے کے وسائل اور کم ہونیکے اسباب دریافت کر لئے ہین *

یہ تو ان جذبات فطرت کی حالت تھی جو انسان مین نباتیت اور حیوانیت کے درجہ سے منتقل ہو کر آئے ہین اب ان جذبات کو دیکھا جائے جو فطرت نے خاص انسان کیلئے پیدا کئے ہین تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام جذبات نہایت ہی ضعیف اور نامحسوس حالت مین پیدا کئے گیئے ہین اور کمال سب کا آہستہ آہستہ اور بہت سی غلطیون کے بعد ہوا ہے مثلاً صداقت، شجاعت، عدالت، رحم، ہمدردی، نفاست اور خود عقل اور ترقی سب فطری خواص ہین مگر ابتدا سے اب تک انمین سینکڑون تغیر اور ان کے مفہوم مین کئی طرح کے اختلاف پیدا ہوتے آئے ہین - وحشت کے زمانے مین اپنے دشمن کو پامال کرتے ہوئے ضعیفون، اپاہجون، عورتون اور بچون تک کو بیدریغ تہ تیغ کیا جاتا تھا اور بیکسون کی فریاد و زاری اور آہ و بکا پر ترس نہ کھانے کی تعریف

ہوتی تھی اور اس وصف کو شجاعت اور بسالت کے خطاب سے مخاطب کیا جاتا تھا اور کوئی شخص کیسا ہی ظلم و ستم کرنے کا عادی ہو لیکن جب کسی بڑے آدمی کے پاس آکر ذلت کے ساتھ پناہ مانگے تو حمایت کو فرض سمجھا جاتا تھا اور اگر اتفاق سے وہ شخص پناہ دینے والے کے دشمنون پر کوئی مصیبت ڈال کر آیا ہے تو اسکی طرفداری اور بھی امر لازم اور فرض اتم مانی جاتی تھی اور ایسے پناہ مانگنے والے کی حمایت کو ہمدردی و رحم سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ یا ایک زمانے مین دشمن سے مغلوب ہو جانے پر اپنے ہاتھ سے اپنی عزیز اولاد اور وفادار عورتون کو قتل اور جانورون کو تباہ کر دیا جاتا تھا اور مال و اسباب کو جلا دیتے تھے اور پھر دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے اور اس فعل کو مقتضائے شرافت و غیرت اور دشمن سے ایک طرح کا انتقام سمجھا جاتا تھا۔ علی ہذا جھوٹ اور فریب سے احتراز محض اپنے دوستون کیساتھ ضرور تھا اور دشمنون سے اس قسم کا سلوک جائز بلکہ بعض اوقات واجب سمجھا جاتا تھا۔ غرض یہ اور اس قسم کی ہزارون غلطیان تھین جو ان اوصاف حسنہ کی حقیقت سمجھنے مین کی جاتی تھین اور بتدریج اور زمانے کا نامعلوم عرصہ گذرنے کے بعد اخلاق حسنہ کی وہ تعریف و تحدید ہوئی ہے جو آجکل بالعموم تسلیم کیجاتی ہے ٭

مسٹر مل ایک موقع پر صداقت و ہمدردی وغیرہ چند اوصاف کا ذکر کرتے ہین اور دعوے کرتے ہین کہ ان کا کمال بہت کچھ تربیت پر منحصر ہے اور آگے چل کر تسلیم کرتے ہین† کہ ان اوصاف کا تخم انسان کی فطرت مین موجود ہے۔ اس اظہار سے اس مقام پر جو نتیجہ وہ نکالتے ہین وہ درست ہو یا غلط مگر یہ ضرور کہنا پڑتا ہے کہ وہی مل جو مذہب کو داخل فطرت ماننے سے انکار کرتا ہے اس بنا پر کہ وہ شروع سے مکمل نہین بلکہ بہت سی غلطیون کے بعد اس حالت تک آیا ہے وہ بہت سے دیگر خواص کو تربیت کا محتاج اور باینہمہ فطری تسلیم کرتا ہے اور جب بعینہ یہی حال مذہب کا ہے کہ اس کا کمال اگرچہ تربیت سے ہوا مگر نامکمل حالت مین موجود وحشیون مین بھی تھا اور نیز بعینہ یہی شکل عقل اور خاصۂ ترقی کی ہے پس عقل ترقی اور دیگر تمام خواص کے تخم و داخل فطرت انسانی ماننے کے بعد اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ مذہب کا تخم بھی اسی طرح داخل فطرت ہے۔

† ایسے ٹف صفحہ ۵۳ سے ۵۴ تک۔

اسی مضمون پر مسٹر مِل† مسٹر ہربٹ لاؔ‡ اور شہور نلا سفر ڈارون‡‡ چند وحشی اقوام کو پیش کرتے ہین جو مذہب سے بالکل مُعرّا ہین اور دعویٰ کرتے ہین کہ مذہب فطرت انسانی مین داخل نہین ورنہ یہ قومین انسان ہو کر اس سے خالی نہ ہوتین۔ مگر ایک تو مسٹر تھیوڈور پارکر اس کے جواب مین سچا کہتے ہین کہ :۔

"ایسے سیّاح (جو لامذہب اقوام کا پتہ دیتے ہین) اکثر غلطی کرتے ہین۔ وہ جس قوم کا ذکر کرتے ہین اُس کے اطوار و رسوم سے کماحقہ واقف نہین ہوتے اور سرسری معاینہ سے حکم لگا دیتے ہین اور اس کے سوا اُنکا تعصب بھی اکثر اندھا کر دیتا ہے وہ باقاعدہ عبادت، مذہبی اصول و فروع، مذہبی مقتدا، عبادت خانے اور مذہبی رسوم و قواعد تلاش کرتے ہین حالانکہ مذہبی احساس کا ایک درجہ ایسا بھی ہے جسمین یہ علامات بالکل نہین ہوتین اور تاہم مذہب موجود ہوتا ہے۔ سیّاح لوگ عبادت کے مروجہ قاعدے نہین دیکھتے تو سرے سے عبادت کے وجود کا ہی انکار کر دیتے ہین اور اس سے بڑھ کر اُس قوم مین مذہبی احساس کو بھی معدوم مان لیتے ہین لیکن اگر کوئی شخص ایسی قوم کو دیکھے جسمین کھانا پکانے کی کوئی علامت اور اس قسم کا سامان موجود نہ ہو تو اس سلبی ثبوت سے کیا یہ نتیجہ نکالنا عقلمندی ہوگا ؟ کہ وہ لوگ سرے سے کھاتے پیتے ہی نہین اسی قسم کی شہادت سے بت پرست قدیم عیسائیون کو لامذہب کہدیا کرتے تھے اور بعد مین عیسائی بت پرستون کو کہنے لگے۔" ‡‡‡

اور دوسرے ایسی شہادت کو مانکر اور ایسی اقوام کا وجود تسلیم کرنے کے بعد جو مذہب سے بالکل معرا ہین دیکھنا یہ ہے کہ آیا کوئی اور فطری خاصہ ایسا نہین ہے جس سے کوئی قوم معرا ہو اور کیا ترقی اور عقل انسان کا فطری خاصہ نہین ہے ؟ کیونکہ آجتک جبکہ دنیا کی اکثر قومون نے بے انتہا ترقی کر لی

---

† ایسیے ۳ صفحہ ۱۵۵ سنہ ۱۸۷۴ء

‡ فری تھنکرز ٹکسٹ بک صفحہ ۹۹ سنہ ۱۸۸۳ء

‡‡ ڈیسینٹ آف مین باب سوم۔

‡‡‡ کتاب اے ڈسکورس آف میٹرز پرٹیننگ ٹو ریلیجین باب سوم صفحہ ۱۶ سنہ ۱۸۷۶ء۔

ہے اور جبکہ بعض قومین ترقی کی ایک حد تک پہنچ کر پھر اس دائرہ کے دوسری قوس یعنی تنزل کے راستہ پر بھی ہولی ہین اسی مختصر زمین سکے آباد حصہ ہین اکثر قومین موجود ہین جنہون نے حیوانیت سے ایک انچ بھر بھی ترقی نہین کی۔ وہی جنگل کی خودرو گھاس پات پر گذارہ ہے اور وہی صحرائی جھاڑیون مین بسیرا ہے اور اسی لیے انکا نام بُش مین یعنی جھاڑیون مین رہنے والے انسان رکھا جاتا ہے۔ پس جبکہ مذہب فطری نہین ہے اس لیئے کہ وہ بعض قومون مین پایا نہین جاتا تو ترقی اور عقل بھی انسانی فطرت مین داخل نہوگی کیونکہ یہ بھی اکثر قومون مین آجتک معدوم ہے۔ مگر ترقی کو غیر فطری ماننے سے تو یہان تک گریز ہے کہ جب مسٹر ڈاروِن پر اعتراض ہوا کہ انسان ترقی کرنیوالی مخلوق ہے اور حیوانات ترقی نہین کرتے اور نیز انسان پابند مذہب ہے اور حیوانات نہین ہین اس لیئے انکا دعوےٰ کہ دونو ایک نسل سے ہین غلط ہوگا تو اُنہون نے مذہب کو انسانی فطرت سے نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ رخصت کردیا مگر ترقی سے اُسے محروم نہ کرسکے بلکہ نہایت رکیک تاویلون سے حیوانات کو بھی قابل ترقی ثابت کرنے مین مصروف ہوگئے † اور حق یہ ہے کہ بعض قومون مین ترقی

---

† مثلاً وہ کہتے ہین کہ کسی جنگل مین زیادہ شکار کیا جائے تو وہان کے جانور دوسرون کی نسبت زیادہ ہوشیار ہوجاتے ہین۔ حالانکہ یہ دلیل اگر ثابت کرتی ہے تو صرف اس قدر کہ انمین قوت استدلال ہے اور ترقی اگر ہوتی تو اسکی صورت یہ ہونی چاہئے تھی کہ ایک نسل کسیقدر ہوشیار ہوتی تو دوسری نسل اس سے ترقی کرکے گریز کی کوئی اور سبیل ایجاد کرتی اور تیسری نسل بجائے گریز کے مقاومت کی سبیل نکالتی۔ حالانکہ یہان یہ کیفیت نہین بلکہ مصیبت کے وقت جس قسم کی ہوشیاری وہ ظاہر کیا کرتے ہین اس کی نوعیت قرنین اور صدیان گذر جانے پر آج تک وہی ایک ہے۔ یا مثلاً وہ کہتے ہین کہ کُتے جو بھیڑیا اور گیدڑ کی ترقی یافتہ نسل ہے اس نے گیدڑ اور بھیڑیئے سے چستی اور شک اور مکر مین کمی کرلی ہے اور محبت اعتماد اور ملنساری مین بڑھ گیا ہے۔ مگر یہ دلیل بعینہ اپنے دعوے کو ثبوت مین پیش کردینا ہے کیونکہ ترقی کی یہ مثال اسی شخص کو مسلم ہوگی جو پہلے ان کے دعوے پر یقین کرلے کہ حیوانات ایک دوسرے سے بنے ہین حالانکہ یہ بھی ایک امتحان ہے ملاحظہ ہو ڈیسنٹ آف مین باب سوم ۔

اور عقل نہ ہونے سے یا مذہب کا نشان نہ ملنے سے ان اوصاف کو خارج فطرت نہیں کہہ سکتے اور ڈاکٹر سپنسر کا فیصلہ اس بارہ میں بہت مناسب ہے کہ:-

"بعض قوموں کا مذہب نہ رکھنا خلاف فطرت ہونیکو ثابت نہیں کرتا کیونکہ ایک خاص موجہ ذہانت کا مطلوب ہے جس کے بعد مذہب پیدا ہوا کرتا ہے ...... مذہب یا تو براہ راست خدا نے پیدا کیا ہے یا اور اوصاف انسانی کیطرح خاص حالت انسانی میں پیدا ہو کر بتدریج بڑھتا گیا ہے اور ہر طرح قابل تعظیم ہے۔"✝

منکرین خدا تردید مذہب کے لئے اپنے وجود کو بھی ایک دلیل گردانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لاکھوں انسان لامذہب اور دہریہ موجود ہیں پس اگر یہ جذبہ فطری ہوتی تو اس قدر ناآشنا موجود نہ ہوتے✝ لیکن اس عذر کا فیصلہ بھی اسی طریق سے ہو سکتا ہے جس سے مذکورہ بالا اعتراضوں کو حل کیا گیا ہے یعنے دیگر خواص فطرت کا مطالعہ۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ کسی قوم پر عرصہ دراز تک بیرونی اور جابر حاکموں کا تسلط رہنے اور مدت تک ان کے خلاف جد وجہد کرنے پر ناکامی اٹھانے سے اور ان کے ظلموں کو برداشت کرتے کرتے اس حالت کے خوگیر ہو جانے سے اس قوم کی شرافت صداقت اور بہت سے اوصاف حسنہ تباہ ہو جاتے ہیں اور انکی جگہ کمینہ پن، مکر و فریب دروغگوئی اور دیگر رذایل طبیعت ثانیہ بن کر اس قوم کی قومیت کو برباد کر دیتے ہیں یا کوئی قوم کچھ مدت دولت و اقبال سے بہرہ ور اور برتری اور حکومت کے نشہ میں سرشار رہنے سے اور بیرونی دشمنوں کے ساتھ جنگ و مقابلہ کا موقع پیش نہ آنے سے محنت کشی اور شجاعت کے جوہر سے تہیدست اور بزدلی اور آرام طلبی کی عادی ہو جاتی ہے یا کچھ تہذیب و تربیت سے بے بہرہ رہنے پر عدالت اور رحم بلکہ عقل اور ترقی سے بھی ناآشنا ہو جاتی ہے اور ظلم ناخداترسی اور جہالت کو اپنا شعار بنا لیتی ہے اور ایسی حالتوں میں وہ لوگ ان اوصاف حسنہ سے ایسے بیگانہ ہو جاتے ہیں کہ جب اس قوم کی خوش قسمتی سے پھر کچھ اسباب ان کو تنبیہ دینے والے پیدا ہوتے ہیں اور کچھ لوگ عقل و شعور اور دیگر کمالات کیطرف توجہ دلاتے ہیں تو شروع شروع میں بلکہ بعض اوقات بہت عرصہ تک وہ لوگ اپنے رہنماؤں اور ناصحوں کو دشمن اور انکی ہدایتوں کو اپنے

✝ فرسٹ پرنسپلز باب اول خلاصہ صفحہ ۴ اور ۱۶ اشاعت ۶۲ ✝ کتاب فری تھنکرز ٹکسٹ بک صفحہ ۱۸ و ۱۹

حق ہیں ستم قاتل سمجھ کر اُن سے برسرِ پرخاش رہتے ہین اور جبتک ہر طرح سے مجبور نہین ہوتے باعرصہ تک دیگر صاحبان کمال کی نظیر اور اس کے فوائد کا کثرت کے ساتھ تجربہ نہین کرتے اپنی خلاف فطرت عادات وخصائل سے باز نہین آتے مگر کیا تمدن اور تربیت کے اِس قسم کے آثار دیکھکر یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ صداقت و رحم و شجاعت و عدل اور اس سے بڑھکر عقل اور ترقی وغیرہ جذبات انسانی فطرت مین داخل نہین ورنہ وہ تربیت کے اثر سے زایل نہ ہوتے ۔

تربیت کا اثر اور نیز استثنا بھی قانون قدرت ہے۔

حق یہ ہے کہ جہان انسان کے اندر اور بہت سی خواص فطرت ودیعت ہین وہان ایک خاصہ اثر صحبت اور تربیت پذیری بھی ہے اور نیز خواص فطرت جہان اکثر مین پائی جاتے ہین وہان بعض مین سرے سے موجود ہی نہین ہوتے اور اس قسم کا استثنا شخصی اور قومی ہر طرح کے خواص مین پایا جاتا ہے۔ قوت رجولیت اور گویائی وغیرہ فطری قوتین ہین مگر بعض انسان مادرزاد نامرد اور گونگے پیدا ہوتے ہین اسی طرح مہذب اور تعلیم قومون مین بعض اشخاص محض کودن اور ناقابل تعلیم نکل آتے ہین اور بعض قومین سب کی سب کسی خاص جذبہ فطری سے محروم پائی جاتی ہین۔ بعض دماغی قوتون سے عاری ہوتی ہین تو بعض قلبی ملکات سے حصہ نہین رکھتین پس یہی تربیت اور استثنا کا عام قانون مذہب پر بھی حاوی ہے اور جس طرح بعض اشخاص نامرد یا بعض قومین ناقابل ترقی نکل آتی ہین اسیطرح بعض لوگ مذہبی احساس سے بے بہرہ پائے جاتے ہین اور جس طرح گردوپیش کے حالات سے بعض آدمی اپنی رجولیت اور دیگر قوئے کو زائل کردیتے ہین یا بعض قومین ترقی سے تنزل کیطرف آجاتی ہین اِسی طرح کسی زمانہ مین محض جسمانی اور مادّی تعلیم کا زور رہنے اور روحانی تاریکی اور جہالت پیدا ہوجانے سے مذہبی جذبہ افسردہ ہوکر تمام فضامین دہریت کی ہوا پھیل جاتی ہے مگر جب عقل و ترقی کے زائل ہونے پر اس کے داخل فطرت ہونے سے انکار نہین کیا جاتا تو انصاف کے رو سے مذہب کو خارج فطرت یا اکتسابی کہنا بھی روا نہ ہوگا ۔

...ی اکثر کسی
...مذہب
...ت ۔

اور دوسرے اگرچہ محض مادی تعلیم اور دنیوی توغل کے سبب بلاشبہ مذہبی جذبہ بہت کچھ دب جاتا ہے اور لوگ کثرت سے مادہ پرست اور دہریہ ہوجاتے ہین لیکن اگر غور سے دیکھا جائے

توجہالت کی اشاعت سے جس قدر عقل اور ترقی پر زوال آتا ہے مادّیت کی تعلیم سے مذہب کو اس قدر نقصان نہیں پہنچا اور جس مبالغہ سے لامذہبون کی تعداد بیان کیجاتی ہے حقیقت مین اُن کے اعداد و شمار اس سے بہت کم ہین مذہب کی تعریف جو مسٹر پادکرنے کی ہے یعنے

"مذہب خدا کے اُن اندرونی اور بیرونی قوانین کی اطاعت کا نام ہے جو اس نے ہماری فطرت مین رکھے ہین اور جو مختلف طریقون سے عقل حیوانی، عقل انسانی، ضمیر اور مذہبی جذبہ کی وساطت سے ظاہر ہوتے ہین"۔ ا

یہ تعریف تو ایسی عام ہے کہ غالباً دنیا کا ہر ایک کام اس کے رو سے مذہب مین داخل ہو جاتا ہے مگر جو تعریفین اس سے خاص اور مذہب کو نمایان طور پر تعبیر کرنے والی بیان کیگئی ہین مثلاً فچے کا قول ہے کہ "مذہب دنیا کی اخلاقی سلطنت پر اعتقاد رکھنا ہے" + یا افلاطون کی رائے ہین "مذہب اپنی استطاعت کے موافق خدا کے ساتھ مناسبت پیدا کرنیکا نام ہے" ‡ یا پروفیسر ولیم جیمس ایل ایل ڈی اپنی بے نظیر کتاب مین لکھتے ہین کہ "اگر مذہب کے کوئی ایسے خواص پوچھے جائین جو سب مین پائے جاتے ہون تو جواب یہ ہے کہ مذہب ایک نادیدہ نظام کا یقین دلاتا ہے اور انسان کی سب سے فائق بھلائی اپنے تئین اسکے ساتھ ہم آہنگ کرنے کو بتاتا ہے پس یہی یقین اور یہی ہم آہنگی ہے جو روح کے اندر مذہبی عنصر ہے" ‡ ان تعریفون سے جس مذہب کا پتہ لگتا ہے اس سے ناآشنائی محض دنیا مین بہت ہی کم ہون گے یا کم از کم عقل و ترقی سے محروم رہنے والون کی تعداد ضرور ایسے لوگون سے زیادہ ہوگی کیونکہ اخلاقی گورنمنٹ یا نادیدہ نظام کا یقین اور اس سے مناسبت پیدا کرنے کی کوشش کی ایک تو یہ صورت ہے کہ کسی خاص ہستی کو معبود ٹھیرا کر اسکی خوشنودی حاصل کرنیکی کوشش کرین اور اس حالت کو علانیہ مذہب کے نام سے پکارین اور دوسری صورت یہ

ا - اے ڈسکورس آف میٹرز پرٹیننگ ٹو ریلیجن باب چہارم صفحہ ۲۴ سنہ ۱۸۷۵ء۔

+ ایضاً صفحہ ۲۵۔

‡ کتاب ورائٹیز آف دی ریلیجس ایکسپیریئنس لیکچر نمبر ۳ صفحہ ۵۳ سنہ ۱۹۰۲ء

بھی ہے کہ کسی قسم کے اسباب سے معبود، خدا اور مذہب کے نام سے چڑین اور مذہب کا اقرار کرنے والون کے مقرر کردہ اطوار سے جسکو عبادت کہا جاتا ہے نفرت کرین مگر دوسرے نام اور دوسرے طریقون سے کسی خاص مدعا کو اسی عظمت اور اہتمام شان کا حقدار بنائین جو پابندان مذہب معبود کیلئے قرار دیتے ہین اور اس تک پہنچنے کی اور اسکو اشاعت دینے کی ویسی ہی کوشش کرین جیسی مذہب والے اپنے اعتقاد کیلئے کرتے ہین کہ اس صورت مین بھی وہی نادیدہ نظام کی کشش ہے جو کسی خاص تربیت کے سبب دوسری شکل مین جلوہ گر ہوئی ہے اور ایسے لوگ جوان دونو صورتون سے بے بہرہ ہون بہت کم ہون گے۔ وہ لوگ جو ٹیمپرینس سوسائٹی (فریق مانع مسکرات) یا ویجیٹیرین سوسائٹی (فریق نباتات خوار) وغیرہ نامون سے اپنا ایک خاص مدعا قرار دیتے ہین اور اس کو سب سے زیادہ اچھا اور مفید جان کر رات دن اسی خیال مین محو رہتے ہین اور اسکی اشاعت کے لیئے جنگل اور پہاڑ کاٹ کر ملکون ملکون چکر لگاتے ہین، اسکی منادی کرتے ہین، اسکی تعریف وتوصیف کے لکھ دیتے ہین اور بھجن گاتے ہین اگرچہ وہ مذہب کا نام اپنے لیئے گوارا نہین کرتے مگر مذہب نہ سہی سوسائٹی سہی اور اگرچہ کسیکو اپنا معبود نہین کہتے مگر معبود نہ سہی نصب العین سہی ایک اشتیاق ہے جوان کے دل کو بیقرار کیئے ہوئے ہے اور ایک کشش ہے جو ان کے قلب وجگر کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ کسی نے قابل تعظیم ہستی کو تلاش کیا اور درخت پتھر مین اس کا جلوہ دیکھ کر سجدہ مین گر پڑا لوگون نے کہا مذہبی دیوانہ ہے تو کسی اور نے اس سب سے اچھے کو ڈھونڈا تو ترک مسکرات مین خوبی نظر آئی اسکے پیچھے سرگردان پھرنے لگا اسے مذہبی دیوانہ نہ کہو سوسائٹی کا دلدادہ کہو مگر دونو مین فرق کچھ نہین۔ کھانے کی خواہش فطری ہے مگر تندرست کو وہی خواہش الوان نعمت اور لذیذ غذاؤن کیطرف کھینچتی ہے اور ایک قسم کے بیمار مین وہی خواہش مٹی کھانے کی ترغیب دیتی ہے ایسا ہی مرض یہان کام کر رہا ہے کہ فطری جذبہ مطلوب کیطرف کھینچتا ہے لیکن یہ دیوانے اس تک پہنچ نہین سکتے اور اینٹ پتھر یا وہم وخیال کے پیچھے پھرنے لگتے ہین مٹی کھانیوالا اور پتھر یا خیال کو پوجنے والا قابل رحم دونو ہین مگر فطری جذبہ سے محروم نہین ہین۔

اور تو اور وہ خدا کا بندہ جس نے پروفیسر سٹاربک کی گشتی چٹھی کے جواب میں نہایت بیگانگی ظاہر کی ہے اور اس سوال کے جواب میں کہ "تمھارے نزدیک مذہب کا کیا مطلب ہے" لکھا ہے کہ

"میرے نزدیک مذہب کا کچھ بھی مطلب نہیں اور جہاں تک میں خیال کرتا ہوں یہ اوروں کے لیئے بھی بیہودہ ہے۔ میری عمر ستر ہٹھ سال کی ہے اور میں مقام اکس میں پچاس سال رہا ہوں اور پینتالیس سال کاروبار کیا ہے۔ اس لیئے مجھے مردوں کی اور کسیقدر عورتوں کی زندگی کا تھوڑا بہت تجربہ حاصل ہے اور میں جانتا ہوں کہ سب سے بڑے پابند مذہب اور سب سے بڑے پارسا لوگ راستی اور اخلاق میں سب سے زیادہ ناقص ہوتے ہیں اور وہ لوگ جو عبادتخانوں میں نہیں جاتے اور مذہبی میلان نہیں رکھتے سب سے بہتر ہوتے ہیں۔ عبادت، حمد سرائی اور مذہبی رسوم منحوس کام ہے یہ باتیں سکھاتی ہیں کہ کسی فوق الفطرت طاقت پر بھروسہ کرو حالانکہ ہمکو خود اپنے اوپر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ میں خدا کا بالکل منکر ہوں۔ خدا کا خیال جہالت تو ف اور قوانین فطرت کی عام ناواقفی سے پیدا ہوا ہے۔ اگر میں اس وقت مر جاؤں مگر جس قدر میری عمر کے لحاظ سے ہوسکتا ہے میں قلبی اور جسمانی طور پر تندرست ہوں تو میں مرنے کے وقت ایسا ہی خوش ہونگا جیسا کہ اب ہوں بلکہ اگ رنگ شکار یا اور ایسے ہی عاقلانہ تفریحوں سے لطف اُٹھاتا ہوا جان دیدونگا جس طرح ایک ٹائم پیس ٹھیر جاتا ہے ہم مرجاتے ہیں اور روح کے لیئے کوئی بقا بعد الموت نہیں ہے"۔[1]

افسوس ہے کہ مجھے اس شخص کا نام معلوم ہونے کی بھی عزت حاصل نہیں حالانکہ دل میں اشتیاق اسکی زیارت کا ہے کیونکہ باوجود اس ناآشنائی کے جو وہ اپنی طرف سے نہایت زور کے ساتھ ظاہر کرتا ہے مجھے محبوب ازل کا قبضہ اُسکے دل پر بھی نظر آتا ہے وہ مذہب اور مذہب والوں ہی کیوں نفور ہے؟ اس لیئے کہ راستی اور اخلاق جسکو وہ سب سے اچھی چیز سمجھتا ہے اس کو اُن لوگوں میں نہیں پاتا۔ وہ خدا کا کیوں انکار کرتا ہے؟ اس لیئے کہ اسکو جہالت اور ناواقفی پر مترتب سمجھتا ہے اور ان توہمات سے اُسے نفرت ہے پس کون کہہ سکتا ہے کہ اسکو مکمل خوبی اور مکمل علم کی تلاش نہیں

[1] دی اسٹیز آف ریلیجیس ایکسپیرینس لکچر نمبر ۵ صفحہ ۹۲ ۱۹۰۲ء۔

مگر افسوس یہ ہے کہ بیچارہ بیمار ہے مکمل ہستی کا اشتیاق اسکو اپنی طرف کھینچتا ہے لیکن نظر مین ضعف ہے کھینچنے والے کو نہین دیکھتا اور اس دُنیوی خوبی اور دنیوی علم کو جو حقیقت مین کھینچنے والے کی رسیان اور خدا تک پہنچنے کا ذریعہ ہین بعینہ کھینچنے والا سمجھ لیتا ہے اور اسلیئے جو لوگ ان رسیون سے پرے کسی اور کو دیکھ رہے ہین ان پر خفا ہوتا ہے اور ان کے خیال سے نفرت کرتا ہے۔ بچہ بیماری مین کسی ایسی چیز کیلیئے ضد کرتا ہے جو طبیب اُس کیواسطے مضر بتاتا ہے۔ سرپرست بجائے اُس چیز کے کوئی مفید اور صحت بخش غذا کھلانے لگتے ہین بچہ غصہ مین آکر لات مارتا ہے اور مفید چیز کو ضایع کر دیتا ہے یہی کیفیت اس غریب کی ہے صرف حسن اخلاق اور دُنیوی علوم کو معراج کمال سمجھتا تھا اور مذہب اس سے گذر کر اور مدعا کیطرف بھی لیجانا چاہتا تھا بچون کیطرح غصہ آگیا اور حقیقی مدعا سے نفرت ظاہر کرنے لگا لیکن جس طرح بچہ حقیقی صحت کی خواہش رکھتا ہے گو اسے نہین سمجھتا اور صحت بخش چیز کو نہین پہچانتا اسی طرح اُسکے دل مین کامل خوبی حاصل کرنے کی خواہش ہے مگر بیماری کے سبب کامل خوبی تک پہنچانے والے مذہب سے بیزار ہوتا ہے -

پروفیسر جیمس اس شخص کا قول نقل کرتے ہوئے بجا فرماتے ہین کہ

"اس راقم کی دلی حالت کو بیشک وہ بیشیانی مذہب کہا جاسکتا ہے کیونکہ وہ تمام اشیا کی فطرت کی طرف رجوع کرتا ہے در اس مین باقاعدگی اور میلان ہے اور اپنے تئین وفاداری کے ساتھ ایک خاص قلبی نصب العین سے وابستہ کرتا ہے"

ہمارے داستان وہریت کے ہیرو مسٹر بریڈلا مذہب کے بڑے بھاری مخالف ہین اور اسکو اپنے خیال مین گویا بڑی بُری قسم کا جنون سمجھتے ہین جسمین دُنیا کا بڑا حصہ مبتلا ہے اور ایک وہ یا "ایک ارب تیس کروڑ انسانون مین سے صرف چند ملین" ان کے بخیال اس مرض سے بری اور تندرست ہین۔ مگر مجھے وہ بھی اسی مرض مین مبتلا نظر آتے ہین۔ بظاہر یہ ایک عجیب خیال ہے مگر ان کا وہ جوش جوان کو تردید مذہب مین محو کیئے ہوئے ہے اور وہ تصانیف اور مباحثون کا سلسلہ جو بابت ان مذہب کے خلاف نہائت کوشش سے جاری

وہ مذہبی کشش کے ور نمونے -

رکھا گیا ہے † یہ خود ایک مدعا ہے جس کو وہ سب سے زیادہ پاک اور سب سے زیادہ لائق اشاعت اور قابل اعتقاد سمجھتے ہین - خدا یا کوئی دیوتا اِن کا معبود نہین مگر مذہب کی تردید بجائے خود ایک معبود بنکر اِن کے دل پر قبضہ کیئے ہوئے ہے - وہ معبود کے آگے سجدہ نہین کرتے منتین نہین مانتے مگر اسکی خدمت مین انکی تمام عمر صرف ہوئی ہے - پس مذہبی جذبہ دل مین قائم ہونے کے لحاظ سے ان کو مریض کہنا انکے اپنی خیال کو ظاہر کرنا ہے وہ اِس لحاظ سے میرے نزدیک تندرست ہین البتہ دوسری حیثیت سے وہ بیشک بیمار بلکہ مُہلک مرض مین گرفتار ہین کیونکہ تلاش مین تھے نوشدارو کے اور دھوکہ مین کھا گئے زہر ہلاہل اور وہی دوسرون کو نوشدارو سمجھ کر کھلانا چاہتے ہین -

میدان آزاد خیالی کے دوسرے شہسوار مسٹر مِل مذہب کے داخل فطرت ہونے سے کانون پر ہاتھ دھرتے ہین بلکہ اِس طرف پر خدا کا ثبوت دینے کو اُن سائنٹیفک یعنی غیر عالمانہ بتاتے ہین مگر معلوم ہوتا ہے کہ اِس فطری کشش نے اُن کے دل و دماغ دونو پر قبضہ کیا ہوا ہے

† تردید مذہب مین مفصلہ ذیل مضمون پر مسٹر بریڈلا کی تصانیف اور مباحثات ہین "آزاد خیالی انکار قصہ آدم و انکار خدا" "مذہب عیسوی کیا سکھاتا ہے" "خدا انسان اور بائبل" "الحاد کے اخلاق اور فائدے" "خدا کا خالق اور اخلاقی حاکم ہونا" "ہماری انجیلین کب لکھی گئین" "کیا انسان مین روح ہے" "انکار خدا اور اعتقاد خدا کے ساتھہ عیسائیت کا تعلق" "کیا خدا کی عبادت کرنا عقلمندی ہے" -

مین یہ فہرست تھاٹ پبلشنگ کمپنی کی فہرست کتب سے نقل کرتا ہون ورنہ مجھے اُن کی صرف پہلی کتاب دیکھنے کی عزت حاصل ہوئی ہے اور اسی ایک مین انہون نے اپنے نزدیک مذہب کا تسمہ لگا نہین چھوڑا اور معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون سے انھین کامل عشق ہے لیکن جس دلیل سے مسٹر بریڈلا کو پابند مذہب کہتا ہون اُسی دلیل سے اس فری تھاٹ پبلشنگ کمپنی یعنی آزاد خیالی کی اشاعت کرنیوالی جماعت کو بھی مذہب کے دائرہ مین مقید سمجھتا ہون کیونکہ وہ بھی ایک مدعا کو اعلیٰ انسانی فرض سمجھ کر اپنی کتابون اور اخبارون کی وساطت سے اسکی اشاعت مین سرگرم ہے -

دماغ پر اس خیال کا قبضہ یون ثابت ہوتا ہے کہ تردید مذہب کی تین کوششون یعنی اِن کے تین لکچرون
مین سے ایک لکچر محض فطرت اور اُس کے آثار و احکام کی تحقیق سے مخصوص ہے جس سے جہان
تک مین سمجھ سکا ہون یہ مطلب ہے کہ انسان کو عقل دیکر فطرت پر حاکم اور اپنی ضرورتون کے مطابق
اس سے کام لینے والا بنایا گیا ہے پس جب فطرت کا قانون یا جذبہ معلوم ہو اُسکا اثر یہ نہیں ہونا چاہئیے
کہ ہمیشہ اسکی اطاعت کیجائے بلکہ کبھی ترمیم اور کبھی تنسیخ کا عمل جاری کر کے ہمیشہ اپنا مطلب نکالنا
چاہئیے - یہ تمام کوشش اسی لیئے ہے کہ مذہب کے فطری ہونے کو وہ کچھ نہ کچھ زوردار سمجھتے
ہین اور اس لیئے یہ حجت پیدا کرنی چاہتے ہین کہ مذہب اگر فطرت مین ہو تب بھی ضرور نہین کہ اسکی
پابندی کیجائے - اور ان کے دل پر اثر ہونے کی یہ کیفیت ہے کہ خود ایک مذہب کا بانی بننا چاہتے
ہین اور ریلیجیئن آف ہیومینیٹی یعنی مذہب انسانیت کے نام سے ‡ ایک نیا مذہب
بنانے کی ترغیب دیتے ہین جسمین بجائے خدا کو ماننے کے نوع انسان کی ہمدردی کو مقصد اعلیٰ
قرار دیا جائے - بات وہی ہے کہ سب سے اعلیٰ ہستی اور سب سے اعلیٰ فائدے کی تلاش دل مین موجود ہے
مگر نظر دنیا تک محدود ہے یہین کی اعلیٰ ہستی یعنی انسان کو معبود گردانتے ہین اور یہین کے اعلیٰ
فائدون یعنے اخلاق حسنہ کو معراج کمال سمجھتے ہین اور یہ وہی مرض ہے جس سے بنی اسرائیل
کی اشتہا من و سلویٰ کو چھوڑکر جنگلی گھاس پات اور لہسن پیاز کی طرف مبذول ہو گئی تھی یا کوئی
بیمار مفید غذا کو چھوڑکر مٹی پھانکنے لگتا ہے -

مسٹر مِل لکھتے ہین کہ "رومۃ الکبریٰ کا ملک کئی نسلون تک اہل ملک کے لیئے مذہب
بنا رہا تھا بعینہٖ جیسا کہ یہووا (خدا) یہودیون کے لیئے نہین بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ
وہ کبھی اپنے ملک کی پرستش سے نہین اُکتائے جیسے یہودی اپنے خدا کی عبادت سے سرتابی
کرتے رہے ہین" ‡ اس واقعہ سے جو نتیجہ وہ نکالتے ہین (یعنی دنیوی فرائض کی پابندی
خدا پر ایمان لانے کے بغیر بھی ملک یا نوع انسانی کو مدعائے اعلیٰ بنانے سے ہو سکتی ہے اس لیئے
خدا کی ضرورت نہین) اسکو ماننے کیلیئے اگرچہ مین آمادہ نہین ہون کیونکہ اس نتیجہ پر پہنچنے کیلیئے

* ... صفحہ ۱۰۵ ‡ ایضاً سنہ ۳ صفحہ ۱۴۷ سنہ ۱۸۷۴ء

پہلے یہ فرض کرلیا جاتا ہے کہ خدا کو ماننے کی اگر ضرورت ہے تو صرف دنیا مین اخلاق وعادات کی اصلاح اور انتظام عالم کی بہتری کیواسطے ہے حالانکہ جیسا اپنے موقع پر بیان ہوگا حقیقت مذہب کچھ اور ہے اور دنیوی انتظام اسکا دوسرے درجہ کا نتیجہ ہے اور وہ بھی جیسا کچھ ہونا چاہئے خدا کو ماننے کے بغیر نہین ہوسکتا مگر اس بحث کو اپنے موقع مناسب کیلئے ملتوی چھوڑکر بہر صورت جو استحقاق کسی واقعہ سے ہر ایک شخص کو نتیجہ نکالنے کا ہے اُسے ہاتھ مین لیکر رومتہ الکبرٰی کے اس واقعہ سے ہم یہ نتیجہ ضرور نکال سکتے ہین اور سٹر مِل کو دکھا سکتے ہین کہ جس فطرت کا آپ انکار کرتے ہین یہ بھی اسی کا جلوہ ہے اور وہی کشش جو صاحب کشف کو نادیدہ خدائے لایزال کیطرف اور وحشی کو اینٹ پتھر کی طرف کھینچتی ہے وہ عقل وخرد کے دعویدارون سے جو محض دنیوی مفاد کو معراج کمال سمجھتے ہین ملک یا بنی نوع کے آگے سجدہ کروا رہی ہے اور چاہے کسی رنگ مین ہو پیچھا ہرگز کسی کا نہین چھوڑتی -

غرض مذہب سے محض بیگانہ وہی لوگ رہتے ہین جن کو ابتدا سے دنیوی تعلیم اور جسمانی خیالات مین منہمک رکھا گیا ہو اور تمام عمر اسی قسم کے کاروبار مین سرتاپا غرق رہین ‡ اور یہ لوگ جیساکہ

‡ اور ایسے لوگون کے دنیوی انہماک کو یا عیاشون اور بدمعاشون کی عیش پرستی اور سیہ کاری کے توغل کو جو بھی مذہب کے معزز خطاب سے ممتاز نہین کرسکتا حالانکہ وہ بھی ایک دُھن مین لگے رہتے ہین تو اسلئے کہ مذہب کا بھی ایک خاصہ ہے کہ اسکو ماننے والے دل سے چاہتے ہین کہ اور لوگ انکے ہمخیال ہوجائین اور اسلئے وہ اپنے خیال کی اشاعت مین حتی الوسع مصروف رہتے ہین اور اسکی بھلائیان اور اُسکو ترک کرنیکی برائیان لوگون پر ظاہر کرتے رہتے ہین اور مذہب کو اور مذہب کی اشاعة کو سب سے اعلےٰ خوبی سمجھتے ہین اور یہ وصف عیاشون اور بدمعاشون مین نہین ہوتا بلکہ انصاف کے رو سے وہ عموماً اپنی طرز وروش کو قبیح جانتے ہین اور اسکی بجاآوری کو اپنی ضرورت کے سبب مجبوری جائز سمجھتے ہین - اور دنیوی کاروبار مین منہمک رہنے والے اگر مدعیان روشن خیالی کے زیر اثر نہ ہون تو وہ گو اپنے فعل کو جائز یا واجب سمجھتے ہین مگر اسکو سب سے بڑی خوبی نہین جانتے اور پابندان مذہب کے برسر غلط ہونیکا یقین نہین رکھتے بلکہ اس بارہ مین نیوٹرل یعنے اقرار وانکار دونو سے بیگانہ ہوتے ہین اور اگر بالفرض ان مین سے کوئی شخص اپنے کام کی نسبت ایسا ہی خیال رکھتا ہو جیسا مذہب کا خاصہ بیان کیا گیا ہے یعنے وہ اپنے کام کو سب سے بہتر اور اُس کے خلاف روش اختیار کرنیوالون کو گمراہ جانتا ہو تو پھر اس شخص کو بھی پابند مذہب کہنے مین تامل نہ ہوگا کیونکہ اب اُس کا معبود وہی اُس کا کام ہے -

اوپر ذکر ہو چکا ہے اسی قاعدہ استثنا کے ماتحت اور اسی فیض صحبت سے متاثر ہیں جس کے رو سے بعض لوگ مادر زاد نابینا یا دیوانہ پیدا ہو جاتے ہیں یا محض جاہل اور وحشی سوسائٹی میں پرورش پانے کے سبب جذبۂ ترقی سے کام نہیں لے سکتے۔ ورنہ دہریت کی منادی کرنیوالوں اور دیگر روشن خیالوں کا حال دیکھ کر یہ مذہبی احساس کا معجزہ معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس میں غور کرتے ہیں وہ اگر فطرت سلیم نہیں رکھتے تب بھی ضرور کسی نہ کسی شکل میں کسی نہ کسی مدعا کو بطور معبود کے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ پروفیسر ولیم جیمس لکھتے ہیں

"بہت سے ایسے فرقے جو خدا کو نہیں مانتے مگر اخلاق کے حامی ہیں اور اخلاقی سوسائٹیوں کے نام سے آجکل تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں ان میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک امر انتزاعی کو معبود ٹھیرایا جاتا ہے اور قانون اخلاق کے نام سے اسکو مقصد اعلیٰ فرض کیا جاتا ہے۔ اور بہت سے لوگوں کے نزدیک آجکل سائنس نے مذہب کی جگہ لے لی ہے اور ایسے سائنس دان تو انہیں فطرت کی معبود کے طور پر تعظیم کرتے ہیں"۔ ٭

مذکورہ بالا تحقیق سے جس مدعا تک ہم پہنچ سکے ہیں وہ یہ ہے کہ جذبہ فطری اگر اس کشش کو کہتے ہیں جس کا تخم انسان کی فطرت میں موجود ہو اور باستثنائے واقعات نادرہ ہر ایک شخص میں اس کشش کا اثر نظر آئے مگر انسان کی عقل اور تجربہ کے تفاوت سے وہ اثر مختلف شکلوں میں ظاہر ہو تو مذہب بیشک ایک جذبہ فطری ہے۔ لیکن اگر اس تعریف کو غلط مانا جائے اور جذبۂ فطرت کسی اور چیز کا نام ہو تو اس صورت میں مذہب کو شاید جذبۂ فطرت نہ کہ سکیں لیکن اتنا پھر بھی یقیناً تسلیم کرنا پڑیگا کہ مذہب انسان کا اسی قسم کا خاصہ ہے جس قسم کا خاصہ عقل، ترقی، عدالت، شجاعت وغیرہ امور کو مانا جاتا ہے کیونکہ جس طرح ابتدائی حالت کے وحشیوں میں مذہب نہیں اسیطرح ان میں عقل و ترقی بھی نہیں اور جس طرح کسی قدر تربیت کے بعد مذہب غلط شکلوں میں نمودار ہوتا ہے اسی طرح عقل و ترقی بھی بہت سے غلط راستے دکھاتی ہے اور جس طرح مذہبی احساس کے ظہور کے واسطے دنیوی مصائب و آلام ایک ظاہری سبب ہیں اسی طرح عقل و ترقی کے ظہور کے واسطے

...بت میں وہی درجہ ...ہی جو عقل و ترقی ...صفات کو حاصل ہے

بھی یہی اسباب کام دیتے ہیں اور جسطرح کسی خاص تربیت کی اشاعت سے مذہب پر ضعف یا عدم طاری ہوتا ہے اسی طرح کسی خاص تربیت سے عقل و ترقی بھی معدوم ہو جاتی ہے اور جس طرح مذہب کے عموم میں بعض بعض استثنا پائے جاتے ہیں اسی طرح عقل و ترقی سے بھی بعض لوگ فطرۃً محروم ہوتے ہیں بلکہ دیکھا جاچکا ہے کہ عقل و ترقی سے محروم رہنے والے زیادہ اور مذہب سے بالکل بیگانہ نسبتہً کم ہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ط (اعراف پ ۹ ع ۲۲)

اور جب لیا تیرے پروردگار نے بنی آدم یعنی ان کی پشتوں سے انکی اولاد کو اور گواہ بنایا انکو خود ان کے اوپر (اور سوال ہوا کہ) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو سب نے کہا کہ بیشک تو پروردگار ہے اور ہم اس پر گواہ ہیں (اور یہ اس لیے کیا گیا) تم قیامت کے دن نہ کہو کہ ہم اس سے بیخبر تھے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ط فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ط (روم پارہ ۲۱ ع ۴)

پس قایم کر اپنے تئیں دین کیلئے سب طرف سے منہ پھیر کر یہ خدا کی فطرت ہے جس پر اوس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ خدا کی پیدایش میں تغیر نہیں ہوتا۔ یہ سیدھا رستہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

باب دوم

تحقیق مذکور کے نتائج

مذہب کی اصلاح و ترقی انسان کا اولین فرض ہے۔ کیا کوئی جذبہ فطرت تباہ کرنے کے قابل ہے۔ جذبات فطری کے امراض غلطی فائدے سے محروم رکھتی ہے غلطی سے نقصان

پہنچتا ہے۔ اخلاقی افعال پر بھی یہی قانون حاوی ہے مذہبی صحت وغلطی کے بارہ مین کیا قانون ہونا چاہیئے ہ۔ تمام مذاہب کو یکسان سمجھنے کی وجہ۔ مذہب کے بغیر اخلاق کا وجود ناممکن ہے۔ مہذب ممالک کے اخلاق۔ مل کی تدبیر اور اُسکا نقص۔ مذہب عین اخلاق نہین۔ پابندی اخلاق مذہبی ترقی کا ذریعہ ہے۔ مختلف مذاہب ایک دوسرے سے بہتر ہین مذہب کی تدریجی ترقی۔ بعثت انبیاء۔

جذبۂ فطری کی تعریف کو جو ابھی ذکر ہوئی ہے صحیح مانکر مذہب کو داخل فطرت انسانی سمجھا جائے یا کوئی اور فرضی تعریف تسلیم کرکے اُسکو عقل و ترقی کا ہم پلہ مانا جائے۔ دونو صورتون مین مذہب کی اِس خصوصیت پر چند نتائج مرتب ہوتے ہین۔

اول جس طرح سے عقل ترقی، عدالت، شجاعت وغیرہ صفات کو اگر کوئی انسان صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کرے تو ایسی کوشش کے لیئے ناکامی کے سوا کوئی ثمرہ نہ ہوگا اور جس طرح عقل کا مقتضا ان اوصاف کے بارہ مین یہ سمجھا جاتا ہے کہ حتی الوسع ان اوصاف کو حد کمال تک پہنچایا جائے اور جو غلط خیالات عقل کو اور جو نازیبا آمیزش عدالت شجاعت وغیرہ کو عیب لگانے والے ہین اُن کو مٹاکر ان اوصاف کا حقیقی رنگ بخوبی ظاہر کیا جائے یہی استحقاق عقل و ترقی کے ہم پلہ اور برابر کے حصہ دار یعنی مذہب کو بھی حاصل ہے۔ یعنی وہ بھی ایسی خصوصیت ہے کہ نوع انسانی کو اِس سے پاک کرنا اور صفحہ ہستی سے اس کا نام مٹانا ناممکن ہے اور انسان کو اِس بارہ مین مناسب یہی ہے کہ اس خاصہ کو اس کے معراج کمال تک ترقی دے اور انسانی جہالت اور تربیت کے اثر سے جو غلطیان اور قباحتین اس خاصہ کو مکدر اور ناشائستہ بنانے والی ہین ان کو دور کرے پس جو لوگ تعلیم و تربیت اور عقل و شعور حاصل کرنے اور بزعم خود فرائض انسانی کو سمجھنے کے بعد محض دنیوی کاروبار اور لذائذ جسمانی مین مصروف و منہمک رہنا شرافت انسانی کا اعلیٰ مقتضا سمجھتے ہین اور مذہبی ضرورت کو محسوس نہین کرتے بلکہ پابندان مذہب اور اسکی اشاعت اور اصلاح کرنیوالون کو عقل سے بیگانہ سمجھکر ان پر تمسخر کرتے ہین نہ معلوم وہ خود کہان تک دعویٰ

...کی اصلاح
...ان کا
...ض سہے

عقل و خرد مین صادق ہین اور کیا مذہب کے سوا کسی اور جذبۂ فطرت کا نشان دی سکتے ہین جسکو اِس طرح بیکار چھوڑنا اور اسکی اصلاح و ترقی کی کوشش نہ کرنا داخل انسانیت اور مقتضائے دانشمندی ہو؟

مسٹر مل کی مضمون آفرینی اور بلند پروازی قابل تعریف ہی کہ وہ جب جذبۂ مذہبی کو کشتنی و گردن زدنی ثابت کرنا چاہتے ہین تو قتوائے موت کیوقت اپنے فیصلہ مین اُس کی نظیرین درج کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ گو اکثر خواص فطرت کے بارہ مین یہی ضرور ہے کہ انکی اصلاح کیجائے اور معدوم نہ کیا جاوے مگر سب خواص فطرت کا یہ حال نہین بلکہ بعض قابل انعدام بھی ہین اور قابل انعدام جذبات فطرت مین تباہ کرنیکی خواہش، خود مختار یا غالب رہنے کی خواہش اور ظلم کرنے کی خواہش کا ذکر کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ بعض لوگون مین یہ خواہشین فطری ہوتی ہین مگر باوجود فطری ہونے کے اُنکو تباہ کرنا ضرور ہے نہ کہ ان کو بڑہانا اور پرورش کرنا †

لیکن اول تو وہ خود تسلیم کرتے ہین کہ یہ خواہشین بعض اشخاص کی فطرت مین ہوتی ہین پس اُن کو عام نوع انسانی یا کسی خاص قوم کی فطرت سے بھی تعلق نہین اور ایسی عادت کو جو کبھی شاذ و نادر کسی شخص مین دکھائی دیتی ہے جذبۂ فطری کا خطاب اور وہ بھی ایسے فلاسفر کی طرف سے حاصل ہو جو مذہب جیسی عام اور عالمگیر صفت کو بعض انسانون مین نہ پائے جانیکے سبب فطرت سے خارج کرتا ہے نہایت تعجب ہے۔

اور دوسرے اوصاف کو مستقل جذبات فطرت کہنا اس لئے بھی غلط ہے کہ فی الحقیقت جو جذبات فطرت نوع انسان مین ودیعت ہین اُن پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کے ساتھ مختلف امراض بھی ہوتے ہین جو کامل تربیت نہ ہونیکی حالت مین زور پکڑتے ہین یا بعض اوقات کسی شخص مین استثناد کے طور پر ایسے امراض پیدایشی ہوتے ہین مثلاً قوت نمو فطری ہے لیکن اکثر نقص تربیت کے سبب اسمین کئی طرح کے نقص پیدا ہو جاتے ہین یا بعض

† ایسے ہنر اصفحہ ۵۶ و ۵۷ رسالہ ہذا

اوقات بعض انسان پیدائشی پست قامت اور بالشتئے ہوتے ہین یا بعض انسان پیدائش مین عام انسانی یا قومی مقدار نمو سے زیادہ ملبند بالا او بدنما طویل القامت نکل آتے ہین مگر کسی شخص کی پیدائش ٹھنگنا یا لم ڈھینگ ہونے پر یا نقص تربیت سی اس قسم کا نقص پیدا ہونے پر ہنہین کہا جاتا کہ پست قد یا طویل القامت ہونا انسان کا فطری خاصہ ہے علیٰ ہذا اپنی ضروریات اور خواہش کے مطابق اپنے مال کو صرف کرنا انسانی جوہر ہے مگر یہ ہی ترقی مین اسراف تک اور کبھی تنزل مین بخل تک پہنچ جاتا ہے۔ اور بعض شخص پائے جاتے ہین جو فطرۃً مسرف یا بخیل ہوتے ہین لیکن ایسے شخصون کے وجود سے اسراف یا بخل کو فطرت انسانی کہنا غلط ہوگا اسی طرح ایک قوت انتقام انسان مین فطرۃً ودیعت ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جس شخص یا جس چیز سے اسے نقصان یا تکلیف پہنچی ہے اسکو حتی الامکان دور کرے اب اس جذبہ کی صحیح اور تندرست حالت یہ ہے کہ جس شخص یا جس چیز سے واقعی نقصان یا تکلیف پہنچے اسکو اسی حدتک نقصان یا تکلیف پہنچانے کی کوشش کرے جس حدتک فی الواقع اس کا ہرج ہوا ہے اور اس معیار کے دونو جانب مرض کے بیشمار درجات ہوسکتے ہین بعض اشخاص یا بعض قومین انتقام کے موقعون کو سستی بزدلی یا کسی اور سبب سے ضائع کرتے کرتے ذلت اور کمینہ پن تک پہنچ جاتے ہین اور ایسا ہی دوسری جانب بعض اشخاص واقعی نقصان اور تکلیف سی بڑھکر خیالی بلکہ وہمی نقصان و تکلیف پر بھی انتقام لینے کیلئے آمادہ ہوجاتے ہین اور نیز انتقام کی کیفیت مین حد سے بڑھکر ایسی تکلیف پہنچانے لگتے ہین جو انہین خود برداشت کرنی نہ پڑی ہوتی کہ یہ مرض ترقی کرتا ہوا بعض اشخاص مین اس حدتک پہنچ جاتا ہے کہ جو چیز ان کو بدنما معلوم ہو یا جس شخص کے اطوار و عادات انکو مکروہ نظر آئین ایسے شخص یا ایسی چیز کا ان کے سامنے آنا یا رہنا انکو ایک تکلیف مالایطاق معلوم ہوتا ہے اور پھر اس وہمی تکلیف سے متاثر ہوکر وہ انتقام کی کیفیت مین بھی انصاف کو روا نہین رکھنے اور چاہتے ہین کہ وہ مکروہ اور بدنما منظر صفحہ ہستی سی معدوم ہوجائے اور اس وقت اگر وحشت و جہالت کے مرض مین بھی مبتلا ہون اور نیز زور اور غلبہ رکھتے

ہون تو وہ حالت پیدا ہوتی ہے جس کو ڈاکٹر مل تباہ کرنے کی خواہش کہتے ہین یعنی وہ شخص اپنی حالت جنون ہین ہر بدنما چیز کو توڑنے اور ہر مکروہ شخص کو مارنیکا عادی ہوجاتا ہے اور اِس وقت جس فعل کو ڈاکٹر صاحب جذبۂ فطری کا معدوم کرنا سمجھتے ہین اور جایز جانتے ہین حقیقت مین وہ جذبۂ فطری کا معدوم کرنا نہین بلکہ ایک جذبۂ فطری کی اصلاح کرنا اور اُس کے مرض کو معدوم کرنا ہے یعنی ایسی تباہ کرنیکی خواہش کو دبانا یا دوسری جانب پست ہمت لوگون کو انتقام کیلئے اُبھارنا حقیقت مین یہ دو نو فعل جذبۂ انتقام کو اصلی حالت پر لانے اور ترقی دینے کیلئے ہین۔ علیٰ ہذا القیاس جسکو وہ ظلم کی خواہش کہتے ہین وہ بھی درحقیقت کہین شجاعت اور جوانمردی کی صفت کا اور کہین جذبۂ انتقام کا ایک مرض ہے جو کسی شخص مین اسی طرح پیدا ہوجاتا ہے جس طرح کوئی شخص بالشتی یا لمڈھینگ بن جاتا ہے پس اس مرض کا ازالہ بھی حقیقت مین ایک اور جذبۂ فطری کی اصلاح و ترقی ہے نہ کسی جذبۂ فطری کی ہلالت و انعدام

البتہ ایک تیسرا وصف جو ڈاکٹر مل نے قابل انعدام مانا ہے یعنی خودمختار یا غالب رہنے کی خواہش اس کو ہم بیشک عام نوع انسانی کا جذبۂ فطری ماننے مین تامل نہین کرتے مگر جس شکل مین یہ انسانی جذبۂ فطرت مانا جاسکتا ہے اُس شکل مین اسکو قابل انعدام کہنا فاش غلطی ہوگی کیونکہ اگر خودمختار یا غالب رہنے کی خواہش انسان مین نہ ہوگی اور وہ کسی اور کے بس مین اور کسی اور کا مغلوب بنکر خوش رہ سکتا تو وہ انسان کی ابتدائی وحشیانہ حالت جسمین اُسکو خوراک بہم پہنچانا موسمی خودرو ساگ پات اور پھل پھول کے بس مین' پانی دینا بارانی چشمون کے اختیار مین' گرمی دینا آفتاب کے قبضہ مین اور سردی پہنچانا رات کی ٹھنڈی ہوا کے تصرف مین تھا انسان ہی بے بسی کیحالت مین آجتک رہتا اور یہ بے انتہا ذرائع حصول اسباب معیشت جن پر نوع انسانی کو بجا فخر ہے کبھی عدم سے وجود مین نہ آتے یہ انسان کے خود مختار بننے کی خواہش ہی تھی جس نے اُسکو خودرو پھلون کی بجائے اپنے اختیار سے کاشت کرنیکا رستہ دکھایا نالون کی جگہ کوئین اور نہرین کھدوائین گرمی اور سردی کے واسطے طرح طرح کی غذائین قسم قسم کے لباس اور

دیگر ذرائع مہیا کرتے کرتے اب اسٹیم اور بجلی سے بھی یہ کام لینے کا ڈھنگ بتایا - اور نیز اگر دوسرے کی مرضی پر منحصر رہنے کی خاصیت ہوتی اور اپنے اختیار برتنے کی خواہش نہ ہوتی تو دیگر جذبات فطرت میں جو امراض پیدا ہوتے ہیں ان سے نوع انسانی نقصان اٹھا اٹھا کر جلد روئے زمین سے فنا ہو جاتی مثلاً کسی شخص کے جذبہ شجاعت میں مرض نمودار ہونے سے وہ ظالم ہو جانا یا کوئی حصول معاش کے جذبہ میں مرض پیدا ہونے سے حریص اور مکار بن جاتا تو دوسرے لوگ چونکہ دوسروں کی مرضی پر خوش رہنے والے ہوتے اس لئے کسی کی ظلم اور مکاری کا سدباب نہ کرتے اور اس طرح سرقہ رہزنی اور قتل و غارت سے مزاحمت ہوتے ہوتے یہ نوع تھوڑے عرصہ میں نابود ہو جاتی پس یہ خود مختار رہنے کی خواہش ہے جس نے حکومت و سلطنت کی بنیاد ڈالی اور دنیا کے انتظام کو قایم رکھا اور پھر یہ خود مختار رہنے کی خواہش ہے جس نے بادشاہوں اور حاکموں کی جانب سے ظلم و زیادتی ہوتے دیکھ کر انکی مزاحمت کی اور اس طرح حاکم و محکوم کے فرایض اور شاہ و رعیت کے تعلقات معین ہو کر انسان کو وہ دستور العمل ہاتھ لگا جس سے وہ امن و آسایش کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو گیا ہے اور آیندہ اس دستور العمل کو اور ترقی دینے سے اور زیادہ راحت و آرام سے بہرہ ور ہوگا -

پس خود مختار اور غالب رہنے کی خواہش بیشک فطری اور اسلئے بیشک قابل اصلاح و ترقی ہے - اس کو قابل انعدام کہنا نہیں معلوم کس وجہ سے کسی دماغ میں جاگزین ہوا ہے ہاں بیشک دیگر خواص فطرت کیطرح اسمیں بھی مرض اور نقص ہوتے ہیں مثلاً کسی شخص کو خود مختار رہنے کی یہاں تک خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے اوپر نہ صرف کسی انسان کی بلکہ قوانین قدرت کی حکومت بھی پسند نہیں کرتا پس اس نقص کو دور کر کے خواہش غلبۂ اختیار کو اسکی حد مناسب پر لانا اور اختیارات انسانی سے شخصی اور نوعی فواید اور راحت و آرام کا کام لینا اس فطرت کو نور اور جلا بخشنا ہے نہ تباہ و برباد کرنا -

غرض کوئی جذبہ فطرت نہیں پایا جاتا جس کو صفحہ ہستی سے معدوم کرنا قرین مصلحت ہو

یا اسکی اصلاح و ترقی باعث بہبود عالم اور انسان کے لئیے فرض و واجب نہ ہو پس جو لوگ
مذہب کی طرف سے بے پروا اور اسکی اصلاح و ترقی کیجانب سے غافل رہتے ہین اور اس بارہ
مین غور و تامل کرنے کو لغو اور جاہلانہ فعل سمجھتے ہین وہ یقیناً انسانیت کے ایک بڑے
فرض کو ترک کرنے کے مجرم اور نوع انسانی پر ایک سخت ظلم روا رکھنے کے مرتکب ہین۔

دوم عقل و ترقی اور شرافت و عدالت وغیرہ صفات انسانی کا یہ ایک عام اور کلیہ قاعدہ
ہے کہ نوع انسانی کو ان مین سے کسی صفت کا سچا فائدہ محض اسی حالت مین پہنچتا ہے کہ انسان
اسکی حقیقی اور واقعی مفہوم تک پہنچ جائے اور جبتک یہ کیفیت حاصل نہ ہو اور انسان غلطی سے
کسی صفت کے اصلی مطلب تک نہ پہنچے اس صورت مین خواہ وہ کیسا ہی نیک نیتی اور صدق دل سے
کام لے غلطی سے ہرگز منزل مقصود تک نہین پہنچتا۔ عقل انسانی نے اپنی طرف سے نہایت خلوص
کے ساتھ غور کیا اور اپنی طاقت کے موافق زور لگایا مگر جب تک زمین کو ایک مسطح فرش اور گائے
کے سینگ پر ٹھیرے ہوئے سمجھا اسکو وہ فائدے ہرگز حاصل نہ ہوئے جو زمین کو گول اور چارون
طرف سے فضا مین محصور ہونے کے علم سے حاصل ہونیکو تھے۔ اس وقت تک وہ دنیا کے گرد چکر
لگا سکا اور نہ ان ویرانہ و آباد ممالک کو پا سکا جو اسکی جائے سکونت سے دوسری جانب واقع تھے
اور اس طرح ان تمام فواید سے محروم رہا جو زمین کی اصلی حالت دریافت ہونے پر مترتب تھے
اسی طرح اس نے حتی الوسع غور کیا اور مرکبات کو تحلیل کرنیکے بعد چار چیزون کو بسیط اور ناقابل
تجزی سمجھا اس وقت تک قدرت نے اسکو ان تمام نعمتون سے بے بہرہ رکھا جو ان مفروضہ
عناصر کو تحلیل کرنے اور آئندہ بہت سے عناصر دریافت ہونے پر منحصر تھین۔ قدرت کے رازون
کو تلاش کرنیکی کوشش ہمیشہ رہی اور اپنے اپنے وقت پر اکثر عقلا نے علم و ہنر مین انا و لا غیری
کا دعوی کیا مگر خشکی و تری مین قطع مسافت کے حیرت انگیز کارنامے انہی کی قسمت مین تھے
جن کو سٹیم کی طاقت دریافت ہوئی صنعت و حرفت کے بیشمار وسایل انھی کو حاصل ہوئے
جنھون نے مکینیکل قوانین معلوم کئے اور نامہ و پیام کے معجز نما کرشمے انھی کے حصے مین آئے

جنہون نے برقی طاقت پر قابو پایا۔

غلطی سے نقصان پہنچتا ہے۔

اور نہ صرف یہی کہ مفید چیز تک رسائی نہ ہونے سے اُس کے فوائد سے محروم رہنا پڑتا ہے بلکہ ہمیشہ جس چیز کو غلطی سے مفید مان لیا گیا ہے اُسکے نقصان بھی ضرور ہی برداشت کرنے پڑتے ہین۔ تلاش ہوتی ہے قیام صحت اور درازی عمر کی اور اُس کے لیئے مناسب غذا خوشگوار آب وہوا اور دیگر وسایل کی جستجو رہتی ہے مگر جو شخص اِس مبارک تلاش مین غلطی سے مضر غذا، بدآب وہوا یا دیگر منافی صحت وسایل کو مناسب سمجھ کر اختیار کرلیتا ہے وہ نہایت اشتیاق سے اپنی طاقتون مین افزایش کا منتظر رہتا ہے مگر دفعتہً امید کے خلاف خوفناک امراض اور سخت تکالیف مین مبتلا ہوجاتا ہے پھر اپنی طاقت کے موافق پوری کوشش سے ازالہ مرض کی تدبیر کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ تیر بہدف دواؤن اور حتمی تدبیرون سے اپنی گذشتہ صحت کو واپس لائے مگر اس حق بجانب و دڑ دھوپ مین جہان اپنی غلطی یا دیگر نادان معالجون کی کوتاہی سے کسی مخالف دوا یا بیموقع عمل سے کام لیتا ہے تو اپنی آرزو کے خلاف غلطی کے نقصان کا شکار ہوجاتا ہے اور بجائے صحت کے موت کا لقمہ بنتا ہے۔

اخلاقی افعال پر بھی یہ قانون حاوی ہے

اور فائدے کو تلاش کرتے ہوئے غلطی سے نقصان اُٹھانا نہ صرف افعال جسمانی تک محدود ہے بلکہ یہ قانون افعال اخلاقی پر بھی اسیطرح حاوی ہے اور انسان جب کبھی کسی بدعادت کو اپنے خیال مین نیک اور باعث برتری سمجھ کر اختیار کرتا ہے تو اُس کا نیک سمجھنا اس عادت کی فطرت کو بدل نہین سکتا اور جو فائدہ وہ سمجھے ہوئے ہوتا ہے وہ حاصل نہین ہوتا اور جو نقصان اُس عادت مین ودیعت ہوتا ہے وہ نہین ٹلتا۔ انسان نے جبتک دشمن کے زن وبچہ کو بیدریغ تہ تیغ کرنا اور بیکسون کی فریاد وزاری پر ترس نہ کھانا زیور شجاعت سمجھا پناہ مانگنے والے ظالم کی بیجا حمایت کو شرافت مانا وہ شجاعت وشرافت کے اصلی جوہر سے قطعاً محروم اور انسانیت کے مفہوم سے بالکل بے بہرہ رہا۔ جس شخص نے جھوٹ کو فعل مذموم نہ جانا اور ریاکاری سمجھ کر اسکا مرتکب ہوا یا سرقہ اور قتل کو ظلم اور بیرحمی نہ سمجھا اور اپنے خیال مین امر مباح سمجھ کر اس فعل سے معاش

حاصل کرتا رہا جو کہ فریب کی عادت جھوٹ سے پیدا ہوا کرتی ہے اور جو قساوت اور سخت دلی قتل و غارت کا نتیجہ ہوتی ہے وہ ناوان اس اثر سے ہرگز بری نہین رہا اور قدرت نے جس قدر دل کی سیاہی ایسے فعل کی سزا مقرر کی ہوئی ہے اس سے کبھی معاف نہین رکھا اور اس کی نادانی پر ترس نہین کھایا۔ بھیل قوم کا بچہ جو ویران جنگل مین پیدا ہوا ہے اور ایسے لوگون مین پرورش پاتا رہا ہے جو رات دن قتل و غارت اور لوٹ مار کے سوا کوئی کام نہین کرتے اور جو اپنے بچون کو ہوش سنبھالتے ہی اِس کام کی تعلیم دینے لگتے ہین اور رحم یا انصاف کی آواز کبھی کان تک نہین آنے دیتے وہ بچہ بڑا ہو کر اس تعلیم و تربیت کے اثر سے ضرور صدق دل سے اِس فعل کو جائز اور اپنی بہبود کیلیئے ضروری سمجھتا ہے لیکن باوجود اس فعل کی این جہانی سزا سے بری نہین رہتا اور ضرور سخت دل سیہ کار اور قسی القلب ہو جاتا ہے +

+ ڈاکٹر پال ڈوائسن (کتاب ایلیمنٹس آف میٹا فزکس حصہ دوم باب پنجم صفحہ ۳۱۱ سنہ ۱۸۹۴ء) لکھتے ہین کہ جب انسان کی اصلی قدر و قیمت یعنی اخلاقی اوصاف کا سوال ہو تو ہم اُس کی صحت یا غلطی کو نہین دیکھا جاتا بلکہ اُس اثر کیلیئے جو قبر سے پرے تک جاتا ہوا مانا جاتا ہے انسان کے فعل کو اور صرف فعل کو اِس حیثیت سی دیکھا جاتا ہے کہ وہ اسکی صفتِ خواہش کا ظہور ہے (یعنی یہ کہ اسکی نیت کیسی ہے) اس دلیل سی وہ ثابت کرنا چاہتے ہین (تفصیل دلیل کیلیئے ملاحظہ ہو باب ۱۲ کتاب ہذا) کہ انسان کی اصلی یعنی روحانی صفت خواہش ہے نہ علم۔ یہ خیال اِس حد تک بیشک درست ہی کہ بسیط اور دائمی روح کی صفت دائمی ہونی چاہیئے اور علم چونکہ جسم کی ضعف و قوت سی گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اِس لئے وہ روح کی صفت نہ ہوگا اور اُن کے اس خیال کو مانکر کہ روح نے جسم کی وساطت سی علم کی صفت حاصل کی ہے پہر بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ انسان کو جو نعمت عقل و شعور کی دیگئی ہے یہی ایک صفت ہے جس سی انسان کی روح حیوان کی روح سے افضل مانی جاتی ہے اس لئے اسکو اب فضول سمجھنا کہ اُسکی غلطی اور صحت کو انسانی قدر و قیمت مین کچھ دخل ہی نہین یہ بھی بڑی زبردستی ہے اور جیسا کہ ہماری پیش کردہ مثالون سی ظاہر ہوتا ہے انسان کے غلط اعتقاد کا اثر نہ صرف جسم تک ہی محدود ہے بلکہ اسکی روحانی حالت مین سختی یا نرمی پیدا کرنے مین بھی ویسا ہی دخیل ہے۔ (باقی برصفحہ ۴۲)

غلطی نے کیا قانون بنائے ؟

غرض فطری اور کسبی روحانی اور جسمانی ہر قسم کے تمام افعال کا یہ کلیہ قاعدہ ہے کہ جو اثر کسی فعل مین ودیعت ہی اُسکا بجالانے والا اِس اثر سے بے بہرہ نہین رہتا اور جس چیز کو غلطی سے اپنا مدعا و مقصود سمجھا جاتا ہے وہ کبھی مدعا و مقصود کا کام نہین دیتی اور عقل انسانی یا جذبۂ اخلاقی کو جہان دھوکا ہوتا ہے وہین ضرور نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اب اِس قانون فطرت کو ملحوظ رکھکر مذہب کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جس چیز کو تلاش کیا ہے اُسکے دھوکے مین بہت سی چیزون کیطرف متوجہ ہوا ہے کبھی اینٹ پتھر وغیرہ کو خدا سمجھ لیا ہے اور کبھی بارش اور ہوا کی طاقتون کو سجدہ کرکے متعدد معبودون کا معتقد ہو گیا ہے اور کبھی اُسے واحد سمجھا ہے تو بہت سی جسمانی خواص اسمین تسلیم کرنے لگا ہے۔ کبھی ممتاز انسانون کے جسم مین اُسکے حلول کا قائل ہوا ہے اور اُسکو جسمانی ضروریات مین مبتلا مانکر بجائے نادیدہ اور پاک خدا کے خاکی انسان کی پرستش مین محو ہو گیا ہے اور کبھی دیگر انسانی ضروریات سے پاک مانا ہے تو باپ بیٹے کا رشتہ فرض کرکے ایک انسان کو خدائی طاقتون مین اُسکا شریک ٹھیرالیا ہے اور کبھی نظام عالم اور کُنہ خالقیت کو سمجھنے کے بہانہ سے اُسکی صفات کو ناقص اور مفروضہ چند اشیا کو اُسکے ساتھ قدامت وغیرہ مین شریک گردان لیا ہے اور اگرچہ اُسکی نسبت عقل و قیاس سے بالاتر اور اُس کے کارخانہ قدرت کے ناقابل فہمید ہونیکی آواز بھی انسان کے منہ سے نکلی ہے مگر پھر دیگر انسانی خیالات کی آمیزش سے حلول اور نقص خالقیت وغیرہ عیوب نے اس خیال کو مٹا دیا ہے اور اس طرح کے بہت سے انقلابون کے بعد صاف لفظون

---

۱ [illegible]

اور دوسرے قبر سے پرے تک جاتیوالے اثر یعنے عذاب و ثواب کا اصول جیسا کہ اپنے موقع پر ظاہر ہوگا یہ نہین کہ خدا کسیکی نیک نیت کو دیکھکر اُسکو دنیوی بادشاہونکی طرح کوئی جاگیر بخش دیتا ہے بلکہ عذاب و ثواب کا اصول حقیقت مین صداقت کو پیدا کرنیسے اُس بڑی صداقت یعنی خدا سے قرب حاصل کرتا ہی اور صداقت سے دور ہونیکی صورت مین اس حقیقی صداقت سے دور ہوتا ہے اور جب یہ کیفیت ہی تو جس صورت مین کسی شخص نے قتل ناحق کو ثواب کا کام سمجھنے کا خلاف واقع اعتقاد رکھا ہے اُس وقت مین اس دماغی غلطی کیوجہ سے اُسمین صداقت پیدا ہی نہین ہوئی اس لیئے اُسوقت اصلی صداقت سے قرب حاصل ہونا بھی خیال محال ہی غرض یہ جہان ہو یا وہ جہان انسان ہوکر عقل کی وساطت کے بغیر کمال حاصل کرنیکا امید رکھنا اپنی روح کو انسانی روح سمجھنے کی بجائے حیوانی روح سمجھنا ہے

مین اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ط اور وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ کی آوازنے اسکی کامل توحید و تنزیہ اور انسانی عقل کی کوتاہی کا اظہار کیا ہے۔

پس جذبۂ فطرت کے ان تمام اختلافات اور معبود کی نسبت اِن متضاد خیالات مین جتنے جو اعتقاد درست اور واقع کے مطابق ہوگا مذکورۂ بالا قانون عام کو دیکھ کر یقیناً کہنا پڑتا ہے کہ مذہب کا حقیقی فایدہ اس اعتقاد پر مترتب ہوگا اور اس کے علاوہ دیگر تمام قسم کے عقاید چونکہ غلط ہین اس لئے حسب درجہ وہ ضرور مضر ہون گے یا کم از کم اُن سے کچھ فائدہ نہوگا مثلاً اگر معبود واقعی تمام کمالات سے متصف اور تمام عیوب سے بری اور تمام احتیاجون سے پاک ہے تو جس نے اُسے درخت سمجھا ہے اس پر وہی اثر ہوگا جو غذا کی تلاش مین زہر کھانے والے پر ہوتا ہے۔ دودھ پینے کیلئے پیالہ کٹورا گلاس وغیرہ مختلف وسائل ہین لیکن انمین دودھ ڈالکر پینے کی بجائے اگر کوئی خالی برتنون کو کوٹ کر پھانک جائے تو اس فعل سے دودھ کا فائدہ ایک طرف اُلٹا معدہ تباہ ہوجائیگا اسی طرح آگ پانی وغیرہ مختلف طاقتون کو جو نادیدہ ہستی کے اظہار قدرت کا نشان ہین دیوتا اور خدا مان کر پرستش کرنے سے خدا کی معرفت ہرگز حاصل نہ ہوگی بلکہ جہالت کی تاریکی اور بڑھ جائیگی۔ طبیب صحت کی تدبیر اور مرض کی دوا بتانے والا ہے لیکن اگر کوئی بیمار طبیب کی بتائی ہوئی دوا استعمال کرنے کی بجائے طبیب ہی کو مجسّم صحت سمجھ کر اُسکی آستان بوسی پر اکتفا کرے تو مرض ہرگز دور نہ ہوگا اسی طرح جو لوگ کسی برگزیدہ بندے کو خدا کا اوتار سمجھ کر عبادت کرین وہ گمراہی سے نجات نہ پائین گے۔ ہوا کے بغیر انسان زندہ نہین رہ سکتا لیکن اگر کوئی شخص ہوا کی اس خاصیت کا معترف ہوکر سمجھتا ہو کہ بجائے پاکیزہ ہوا کے بدبودار اور متعفن ہوا کی ضرورت ہے اور اسی کی تلاش مین سرگرم رہے وہ صحت بخش ہوا کے فائدون سے محروم اور مختلف امراض مین مبتلا رہیگا اسی طرح جو لوگ معرفت خدا کو باعث نجات سمجھتے ہین مگر شرک ولدیت اور دیگر عیوب اور جسمانی خواص سے اسکو متصف مانتے ہین اور اسی طرح کے خدا کا اعتقاد رکھتے ہین وہ سچے خدا کی معرفت سے بیگانہ اور نور بے کیف سے

ناآشنا ہین گے۔ سیاریت (ایک عنصر کا نام ہے) ایک چیز ہے مگر جب اُسمین روشنی کی صفت ہوتی ہے تو ہیرا بنجاتا ہے اور یہ صفت نہ ہو تو وہی کاربن محض ایک کوئلا ہوتی ہے پس جو شخص ہیرے کو تلاش کرتا ہو مگر روشنی کی صفت سے ناآشنا ہو وہ لیبرٹری مین ہیرا بناتا ہوا کوئلے سے ہاتھ کالے کریگا۔ اسی طرح اگر خدا ایک واحد ہستی ہے جو تمام صفات کمال رکھتی ہے تو اُسکو تلاش کرنیوالا جب کسی صفت مثلاً خالقیت یا قدامت وغیرہ مین لاشریک اور یگانہ ہونا اُسکی ذات سے منفک سمجھے تو وہ کامل خدا کا ایسا ہی عارف ہوگا جیسا روشنی کے بغیر ہیرے کو تلاش کرنیوالا۔

غرض جس طرح عقل کا حقیقی مدعا یعنی سچا علم اور اس کا فائدہ اسیوقت حاصل ہوتا ہے جب تلاش مین کسی قسم کی کوتاہی اور تدبیر مین کسی طرح کی غلطی نہ ہو اسی طرح مذہب کا اعلیٰ مقصد یعنی وصال ربانی اور عرفان الٰہی بھی جبھی پیدا ہوگا کہ اسکی نسبت کوئی غلط فہمی اور کوتہ اندیشی واقع نہ ہونے پائے اور جس طرح سے نیچر عقل کو اسکی غلطی پر ضرور سزا دیتی ہے خواہ غلطی کرنیوالا کیسا ہی نیک نیت اور طالب صادق ہو اسی طرح عقل جیسا دوسرا جذبہ فطری یعنی مذہب بھی غلطی کرنے سے مستوجب سزا ہوگا اور اس لئے عقل اور مذہب دونو مین بے سوچے سمجھے دوسرون کی کورانہ تقلید سے قدم اُٹھانا باعث ہلاکت اور پوری تحقیق و تدقیق اور کامل سعی و کوشش سے واقعیت کو تلاش کرنا فرض اتم اور لازم مانا گیا ہے۔ بیشک جو لوگ مذہب کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہین مگر کہتے ہین کہ مذہب ہر شکل و صورت مین اور مدعائے مذہب یعنی معبود کی پرستش ہر طریق اور کیفیت سے باعث نجات ہے اور اس خیال کو اپنے زعم مین فلسفیانہ مذہب اور سلامتی کا رستہ سمجھتے ہین اور اس کے خلاف کسی ایک روش کو مدار نجات سمجھنے والا اُن کے نزدیک تنگ خیال اور متعصب ٹھیرتا ہے ان کا یہ خیال اُن کے نزدیک چاہے کیسا ہی شریف اور اعلیٰ ہو مگر نیچر کا مطالعہ اور قوانین قدرت کے تمام مناظر اس خیال کی بڑے بڑے زور سے تکذیب کرتے ہین۔ اگر کاڈلوراٰئل کا کام مٹی کے تیل سے اور شیر مادہ کا فایدہ سنکھیا سے حاصل ہو سکتا ہو تو بیشک نادیدہ خدا کا وصال پتھر کی پوجا سے میسر آجائیگا۔ اور اگر یہ کہنے والا کہ لوگ مختلف کثافتون مین مبتلا رہتے ہین اور صفائی کا خیال نہین رکھتے اس لئے طاعون

کا نشہ کا رہوتے ہین یا مسکرات کو استعمال کرتے ہین اسلئے اعصابی اور دماغی طاقتون سے محروم رہتے ہین، تنگ خیال اور متعصب ہے تو بیشک مختلف ناقص مذہبون کو باعث ہلاکت کہنے والا اور ایک کامل خدا کے اعتقاد پر اصرار کرنے والا بہی اسی خطاب کا مستحق ہوگا۔ پس نہین معلوم جو لوگ لعل اور کنکر کو برابر سمجہتے ہین وہ اپنے خیال کو فلسفیانہ اور سائنٹفک کہسکتے ہین یا وہ لوگ جو کہتے ہین :-

هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ (انعام پارہ ۷ ع ۱۰)	کیا اندھا اور بینا برابر ہین کیا تم فکر نہین کرتے ؟
لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ (مائدہ پارہ ۷ ع ۱۲)	ناپاک اور پاک برابر نہین خواہ تم کو ناپاک کی کثرت سے دھوکا ہو -
وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ (فاطر پارہ ۲۲ ع ۳)	اندھا اور بینا برابر نہین اور نہ روشنی اور تاریکی برابر ہے اور نہ دھوپ اور چھاؤن برابر ہے اور نہ زندہ اور مردہ برابر ہین -
هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (زمر پارہ ۲۳ ع ۱)	کیا برابر ہین وہ لوگ جو جانتے ہین اور وہ لوگ جو نہین جانتے ۔ بیشک نصیحت عقلمند ہی حاصل کر سکتے ہین -

آفتاب کی روشن شعاعین اور اس کا چمکتا ہوا چہرہ آنکھون کو خیرہ کردیتا ہے اور لوگ اسکی گرمی اور نور کے لطف مین محو ہوکر اسکی حقیقت کو دریافت کرنے سے غافل ہوجاتے ہین اور بہت کم روشن دماغ ہوتے ہین جو آفتاب کی ماہیت کو تلاش کرنے کی تکلیف گوارا کرتے ہین یہی کیفیت مذہب کی ہے کہ اسکے چہرہ پر جو اخلاق کا گلگونہ نظر آتا ہے اکثر دیکھنے والے اسی کے نظارہ مین غرق ہوجاتے ہین اور چونکہ اخلاق کا اثر اور فائدہ نمایان اور محسوس ہے اور اسی لیئے مذہب

کی نہایت ابتدائی اور بدنما شکلوں میں بھی اُس وقت کے لوگ اخلاق کے بہت کچھ حامی ہی ہیں لہذا اکثر غور کرنیوالے دھوکا کھا جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مذہب میں جو کچھ فائدہ ہے وہ یہی حسن اخلاق کی اشاعت ہی ہے پس انہیں سے جو لوگ مذہب کی دوسری تعلیم یعنی خدا پر ایمان لانے سے چڑتے ہیں وہ کوشش کرنے لگتے ہیں کہ کسی طرح اخلاق کی اشاعت مذہب کے بغیر ممکن ثابت کریں اور جو لوگ خدا کے اعتقاد کو ایسا خوفناک و بُرا نہیں سمجھتے مگر اُسکی ضرورت اور سچے عرفان کے لطف سے بھی چندان آشنا نہیں ہوتے وہ محض اخلاق کو اپنا منتہائے نظر ٹھیرا کر چونکہ اخلاق کا جلوہ کم و بیش ہر مذہب میں دیکھتے ہیں اسلئے یہ دعوے کرنے لگتے ہیں کہ ہر ایک مذہب اپنے واحد مقصود کو پورا کر رہا ہے اور اس لیئے سب کی پیروی باعث نجات ہے مگر حقیقت میں یہ دونو فریق غلطی پر ہیں - نہ اخلاق کی اشاعت مذہب کے بغیر ممکن ہے اور نہ مذہب میں اخلاق اور نہ مذہب کا فایدہ محض حسن معاشرت -

بغیر اخلاق ناممکن ہے

انسان کی فطرت ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ اپنے فائدہ سے اسی صورت میں دست بردار ہوتا ہے جب اس سے بہتر کسی اور فائدہ کی توقع ہو یا کسی بڑی نقصان کا اندیشہ ہو - طالبعلم جو اپنے مطالعہ میں رات کی میٹھی نیند کے فائدے سے دستکش ہے تو محض اسلیئے کہ اس فائدے کو چھوڑ کر علم کے بے بہا فوائد سے بہرہ اندوز ہوگا اور کاشتکار جو گرمیوں کی دھوپ میں ہل چلانے میں مصروف ہے اور ٹھنڈی ہوا اور سایہ کے فائدہ سے محترز ہے تو محض اسی لیئے کہ ہوا کھانے سے سال بھر تک بھوکا مرنا پڑیگا اور اگر یہ خیال نہ ہو تو صرف دوسروں کے نقصان کا خیال کبھی فائدہ حاصل کرنے سے روک نہیں سکتا - انسان تمام دنیا کی جڑی بوٹی اور چرند کو اپنی غذا بناتا ہے اور تمام جاندار اور بے جان چیزوں کو اپنے صرف میں لاتا ہے حالانکہ یہ تمام فایدے دوسری مخلوق کو بیشمار نقصان پہنچا کر حاصل ہوتے ہیں مگر چونکہ اپنا کوئی اور بڑا فائدہ ہاتھ سے جاتا یا کوئی بڑا نقصان اپنے اوپر عائد ہوتا نہیں نظر آتا اس لیئے اوروں کے نقصان کی ذرا پروا نہیں کرتا اور نہ صرف یہ کہ انسان غیر انسان مخلوق کے نقصان کی پروا نہ کرتا ہو بلکہ اپنے ہی نوع کی بھی پروا نہیں

کرتا اور جتنی چیزوں کی عام بنی نوع کو ضرورت ہو اُن کو مہنگے داموں خرید کر اپنے صرف مین لاتا ہے اور جو لوگ اس قدر قیمت نہین دے سکتے اور اس سے لیئے تکلیف اُٹھاتے ہین اُن کی رعایت نہین کرتا اور جب یہ صورت دُنیا کے ہر ایک کام مین دیکھی جاتی ہے تو اگر ایک لحظہ کے لیئے مذہب کو مٹانے کی کوشش بار ور مان لیجائے اور خدا کا وجود اور اُسکے جزا و سزا کی طاقتون کو معدوم فرض کر لیا جائے اُس وقت جو لوگ دوسرون کا مال چھیننے اور جان و آبرو لینے مین اپنا فائدہ تصور کرتے ہون اور بغیر دُنیوی حکومت کے دائرہ اثر سے باہر یا خود برسر حکومت ہونے کے سبب پورے طاقتور ہون یا مخفی ریشہ دوانیون سے کامیاب ہو سکتے ہون وہ اپنی انسانی نا مہربان فطرت کے ہاتھون کیا کچھ طوفان بپا نہ کرینگے اور دُنیا پر کیا بلا نہ لائینگے اور اس وقت کونسی طاقت ہوگی جو ان لوگون کو حسن اخلاق پر مجبور کرے گی اور دُنیا مین امن و امان قایم رکھیگی؟

کہا جاتا ہے کہ آجکل مہذب ممالک مین اکثر لوگ مذہب کو چھوڑ چکے ہین اور باوجود اس کے وہ حسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہین اور معاشرت کو ترک مذہب سے کوئی نقصان نہین پہنچا مگر اول تو دیگر کمزور اقوام کے ساتھ انکا برتاؤ بہت کچھ انکی اخلاقی حسن و خوبی پر روشنی ڈالتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ نیک برتاؤ محض اُنہی کے ساتھ ہے جو برابر کے طاقتور اور کلا بہ کلہ جواب دینے والے ہین مگر اس گفتگو کو طول دینے کے بغیر دوسری بیتہ کی بات یہ ہے کہ مذہب کا ہزارہا سال کا طولانی اثر چند صدیون مین بھی زایل نہین ہو سکتا چہ جائیکہ چند نسلون کی مادی تعلیم اس کو بالکل فنا کر دے تعلیم کہ بُرائی کا اثر روح کو تاریک کرنیوالا اور اب اور آیندہ ہزارہا جسمانی اور روحانی نقصان پہنچانے والا ہے اور کوئی ایسا قانون یا قانون کا بنانے والا ہے جو عالم کے ذرہ ذرہ پر حکومت کرتا ہے اور اسکی نظر کبھی اور کسی وقت خطا نہین کرتی غرض یہ خیال مذہب کی برکت ہی اب تک تمام دُنیا کی فضا مین پھیلا ہوا ہے اور اسی کی کشش ہے جو اب تک عقلا اور جہلا کے دلون کو پورے طور پر جیسی غائب کی طرف متوجہ نہین ہونے دیتی اور یہی کشش ہے جو ڈاکٹر مل کے قول بہ روحتہ الکبریٰ مین کئی نسلون تک خدا سے غافل ہونے پر بھی ملکی خدمت کی تشکل مین حکمران ہی

پس مذہب کے بغیر اخلاقی ترقی کی نظیر اس وقت پیش ہو سکے گی جب یہ مادی تعلیم اور خدا کا انکار بھی مذہب کے عمر کے برابر طول کھینچے اور تمام زن و مرد پر مذہب کیطرح قابض ہو اور پھر اُس وقت کے لوگ اخلاق میں نمونہ بن سکیں۔ اور حقیقت میں اگر خدانخواستہ کبھی ایسا زمانہ آئے کہ تمام عالم خدا سے منکر ہو تو وہ وقت نہایت منحوس ہوگا اور یہ انسانی مخلوق اگر اس وقت بھی انسان ہی رہے اور فرشتہ نہ بن جائے تو نہ ملکی حکومت و قانون کی پیش جائیگی اور نہ کھوکھلی اخلاقی تعلیم کے بنائے کچھ بنیگا اور جو لوگ فائدہ حاصل کر سکتے ہونگے وہ وہ قیامت برپا کریں گے کہ عالم تہ و بالا ہو جائیگا مگر یقین ہے کہ بفضل خدا ایسا دن نہیں آئیگا اور جبتک مذہب انسانی فطرت میں داخل ہے ان مشتے چند رواداری کرنے والوں کی کوشش مذہب کو نابود کرنے میں کامیاب نہ ہوگی کیونکہ فطرت کو بدلنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔

ایسی کوشش کرنیوالے اب بھی اگرچہ چاہتے ہیں مگر مذہب سے بے نیاز نہیں ہو سکتے رومہ والوں نے ملک کو دیوتا مانا تو اب ڈاکٹر میل اخلاق کو بحال رکھنے کیلئے انسانی زندگی کو معبود بنانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں † کہ "بجائے نادیدہ طاقت کے اس زمینی زندگی کو خدا مانکر ہم اعلےٰ اخلاقی خیالات کی اشاعت کر سکتے ہیں" یعنی خدا کے لئے بلکہ اپنی انسانی زندگی کیلئے ہم ناجائز فائدوں سے دستبردار ہو سکتے ہیں تو اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ

"یہ چھوٹا سا حصہ اور یہ تھوڑی سی بے حقیقت عمر اگر دنیا کے پرے تک دراز نہ مانی جائے تو ایسے چھوٹے سے پیمانہ پر اعلےٰ خیالات کی بنیاد رکھنی ناممکن ہے اور ایسی چھوٹی عمر کا یقین کر لینے کے بعد تو وہی یونانی فلاسفر ایپی کیورس کا عقیدہ اشاعت پا سکتا ہے کہ کھا لو اور پی لو کل تو مرنا ہی ہے"

اس کے جواب میں وہ فرماتے ہیں کہ

"افراد انسانی کی زندگی اگرچہ حقیر ہے مگر نوع انسان کی زندگی خاصی طویل اور بے انتہا ہے

† ایتھیکس صفحہ ۱۰۹ اشاعت ۱۵؁

اور جب انہین سے خاص خاص ملکوں کی زندگی نمایان ہوسکتی ہے چنانچہ رومہ والون نے ایسا کر دکھایا

تو عام نوع انسان کی زندگی سے یہ اثر کیون نہ پیدا ہوسکیگا"

چنانچہ ایسا اثر پیدا ہونیکی تدبیر بتاتے ہوئے لکھتے ہین کہ

"اعلیٰ اخلاق اپنے عروج کیلئے کسی معاوضہ کی امید پر منحصر نہ ہوگا بلکہ اسکا ایسا معاوضہ ہوگا جو دیکھا جاسکے اور جو تکلیف کے وقت تسلی اور کمزوری کے وقت سہارے کا کام دے اور وہ معاوضہ اگلے جہان کی مشتبہ زندگی نہین بلکہ اسی زندگی مین ان لوگون کی خوشنودی ہے جنکی ہم عزت کرتے ہین اور خیالی طور پر ان تمام مُردہ اور زندہ لوگون کی پسندیدگی ہے جنکی تعریف و تعظیم کے ہم معترف ہین کیونکہ یہ خیال کہ ہمارے مردہ آبا و اجداد ہمارے اطوار کو پسند کرتے ہون گے ایسا ہی طاقتور ہے جیسا یہ خیال کہ زندہ لوگ پسند کرتے ہین اور یہ تصوّر کہ سقراط، ھاورڈ، واشنگٹن، انٹانی نس یا مسیح ہمارے ساتھ ہمدردی رکھتے ہونگے یا یہ کہ ہم بھی اسی نیّت سے کام کرتے ہین جس نیت سے وہ کرتے تھے بہت سے نیک دلون کے لیئے اعلےٰ خیالات کیواسطے قوی محرک ہوا ہے"

ڈاکٹر موصوف اِس تدبیر سے نیک اخلاق پیدا کرنیکے لیئے خدا کو چھوڑ کر کوئی محسوس محرک پیدا کرنا چاہتے ہین مگر جہان آکر ٹھیرے ہین دیکھا گیا تو تکیہ اسی غیر محسوس طاقت پر ہے یعنی خدا نہ سہی اپنے آبا و اجداد اور بزرگون کے ارواح کو حاضر ناظر مان کر اُنکی خوشنودی کا فائدہ مدنظر رکھنا پڑا اگر انکی زوردار تقریر کے ساتھ جسمین بزرگون کو شفیع بنایا گیا ہے وہ فلسفیانہ خیال بھی لکھ دیا جاتا کہ روح کوئی چیز نہین اور مرنے کے بعد جسمانی اجزا اپنے اپنے عناصر مین مل جاتے ہین اور غبار بن کر اُڑ جاتے ہین تو پھر دیکھتے کہ یہ مُردہ اور زندہ لوگون کی خوشنودی کیونکر ہم سے ہمارے مفاد کو چھڑواسکتی کیونکہ جب وہ مرکر کچھ رہے ہی نہین تو اب خوشنودی مٹی اور ہوا کی کیا تسکین دیگی! غرض ناممکن ہے کہ کوئی طاقت خوشنود ہونیوالی اور جزا و سزا دینے والی ماننے کے بغیر انسان نیک اطوار پر مجبور ہوسکے پس فطرت انسانی مین داخل ہونے کے سبب اگر مذہب کی اصلاح

و ترقی انسانی فرض ہے تو مدار اخلاق ہونیکے باعث اُسکی تلقین و اشاعت اخلاقی فرض ہے ۔

ان لوگون نے مذہب کی ضرورت کو محسوس نہین کیا اور اس لیئے مذہب کو چھوڑکر اخلاق پیدا کرنا چاہتے ہین مگر معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کی ماہیت سے نا آشنا نہین ہین اور جانتے ہین کہ مذہب خدا پر ایمان لانیکا نام ہے لیکن جو لوگ تمام مذاہب کو باعث نجات اِس لئے ملنتے ہین کہ سب مین اخلاقی تعلیم موجود ہے وہ لوگ مذہب کی ضرورت کو تسلیم کرنے کے باوجود مذہب کی حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہین اور نہین دیکھتے کہ اسکی اصلی خواہش خدا کا اعتقاد اور اسکی ذات وصفات کی معرفت ہی اسلئے کہ شروع سے لیکر آج تک مذہب کی تمام شکلون مین اور مذہبی ترقی کے تمام مدارج مین ایک بالاتر ہستی کا یقین کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کو اعلیٰ مقصد اور منتہائے نظر مانا جاتا ہے اور جب مذہب کا یہ مطلب ہے تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ اور چیز ہے اور رحم و انصاف شرافت و شجاعت وغیرہ جداگانہ اوصاف ہین پس جس طرح شجاعت اور دلیری کی مشق کرنے سے صنعت و حرفت یا نجوم کی مہارت سی نجاری و معماری کا علم حاصل نہین ہوسکتا سچائی اور ہمدردی کا وصف پیدا کرنے سے علم و حکمت کا وقوف پیدا نہین ہوتا اسی طرح انسان نیک برتاؤ اور حسن معاشرت مین لاکھ امتیاز پیدا کرے معرفت و شہود سی بہرہ یاب نہ ہوسکیگا پس جو لوگ محض اخلاق سے خدا تک پہنچنا چاہتے ہین وہ زمین پر چلنے سے آسمان پر چڑھنے کی امید رکھتے ہین ۔ غرض اگر دنیا مین علت و معلول کا قانون ناقابل تنسیخ ہے اور اگر ہر ایک مدعا کیلئے اس کے مناسب حال اسباب ضرور ہوا کرتے ہین تو یا تو خدا کا عرفان حاصل کرنیکے لیئے مذہب کی اُس حد تک پہنچنا ضرور ہوگا جسمین خدا کی سچی معرفت کی تلقین ہو اور خدا کو اُنہی اوصاف و خواص سے ماننا ہوگا جو واقعیت رکھتے ہون اور اگر نہین یعنے اگر خدا کی حقیقی معرفت پیدا کرنے کی ضرورت نہ ہو تو پھر یہ کہنا چاہیئے کہ مذہب کی اصلی کشش انسان کے اندر ایک غیر ضروری عنصر ہے اور اس طرح نتیجہ وہی ہوگا جو مذہب سے انکار کرنیوالے ملنتے ہین فرق صرف اس قدر ہوگا کہ وہ لوگ مذہب کے علانیہ دشمن ہین

اور یہ بظاہر اسکی ضرورت کا دعوی کرتے ہین اور درپردہ بیخکنی چاہتے ہین اور انکی جانب سے جو حمایت ہوتی ہے وہ درحقیقت ایک اور جذبۂ فطرت یعنی اخلاق کی ہوتی ہے -

اسمین شک نہین کہ خدا کی معرفت پیدا ہونیکے بعد خواہ وہ کسی درجہ کی ہو اسکو ساتھ مناسبت اور تعلق پیدا کرنے کی خواہش ہوتی ہے اور اس کے واسطے ایک طریق وہ غور و فکر کی شکلین ہین جن کو عبادت کہا جاتا ہے اور دوسرا طریق یہ ہے کہ جس قسم کے اوصاف اور خواص خدا کے معلوم ہوتے ہین اسی قسم کے اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کیجائے مثلاً خدا رحم انصاف انتقام وغیرہ قوانین سے دنیا کو قایم رکھتا ہے اس لئے انسان بھی اپنی طاقت کے موافق ان اوصاف کو حاصل کرے اور مخلوق خدا کے ساتھ وہی سلوک روا رکھے جو اپنے ذہن مین خدا کی طرف منسوب کرتا ہے اس لیئے اخلاق بہت بڑی حد تک مناسبت اور تعلق مین مدد دینے والے ہین اور نہ صرف دنیوی حیثیت سے بلکہ مذہبی حیثیت سے بھی نہایت ضروری اور مفید ہین اور اس لیئے مذہب اعتقاد کے بعد اخلاق کی بھی ویسی ہی تاکید کرتا ہے جیسی غور و فکر یعنی عبادت کی - مگر یہ بھی یاد رہے کہ اخلاق اور عبادت سے جو مناسبت اور تعلق خدا کی ذات سے پیدا ہوگا وہ قدر و کیفیت مین اسی درجہ پر ہوگا جس درجہ تک خدا کی معرفت حاصل ہوچکی ہے مثلاً اگر کوئی شخص خدا کو مجسم اور زمان اور مکان مین محصور سمجھتا ہے اور پھر عبادت اور اخلاق سے اس کے ساتھ تعلق پیدا کرتا ہے تو اس کا تعلق ایک مجسم چیز سے ہوگا اور اسی کی معرفت کا نقش دل پر گہرا ہوتا جائیگا اور یہ نہ ہوسکیگا کہ مجسم سمجھکر عبادت کرتا ہو اور اس عبادت سے ہی اس کا جسم سے پاک ہونا دل مین بیٹھ جائے - پس اخلاق کو تعلق اور مناسبت کیلئے ضروری اور مفید تسلیم کرنے کے بعد بھی مذہب کا مدار معرفت ہی پر رہتا ہے اور کسیطرح ثابت نہین ہوتا کہ ناقص معرفت کے وقت اخلاق حسنہ حاصل کرنے سے انسان عارف کامل بن سکیگا اور محض حسن معاشرت سے سچے خدا تک پہنچ سکے گا -

اور علے ہذا اسمین بھی شک نہین کہ مذہب کی مختلف شکلون مین سے بعض مین بعض

کی نسبت خدا کی واقعی معرفت تک پہنچنے کی قابلیت زیادہ ہے اور اس لحاظ سے ناقص مذاہب
میں سے بعض کو بعض سے اچھا کہہ سکتے ہیں مثلاً اگر درخت یا پتھر کو خدا سمجھا جاتا ہے تو چونکہ
پتھر اور خدا میں بہت بڑا تفاوت ہے ایک محسوس ہے تو دوسرا غیر محسوس ایک مادی ہے اور
دوسرا غیر مادی ایک محدود ہے اور دوسرا غیر محدود اسلئے یہ خیال خدا کی معرفت سے بہت دور
بلکہ اس سے متناقض ہے اور اگر خدا کو درخت اور پتھر سے بالاتر سمجھا جاتا ہے مگر اعتقاد کیا جاتا ہے
کہ انسان کو متوجہ کرنے کیلئے اس نے درخت میں ظہور اور حلول کیا ہے تو یہ خیال پہلے خیال کی
نسبت معرفت سے کم بُعد رکھتا ہے مگر اس وجہ سے کہ وہ شخص خدا کو جسم میں آنے اور محتاج بننے
کے لائق سمجھتا ہے سچے عرفان سے بیگانہ ہے اور اگر خدا کو جسم میں در آنے سے بھی پاک سمجھا
جاتا ہے مگر ولدیت وغیرہ بعض جسمانی صفات سے متصف مانا جاتا ہے یا اسکی صفات کمال
میں سے کسی صفت سے عاری مانا جاتا ہے تو بعینہٖ خدا کے حلول کرنیکی نسبت یہ خیال شریف اور
برتر ہوگا مگر ایک گونہ ناقص سمجھنے کے باعث سچی معرفت سے ہمیں بھی ناآشنائی ہے اور جس طرح
بچہ پیدا ہونے کے بعد بالغ ہونے تک اپنی نشو و نما کے مدارج میں رفتہ رفتہ جوانی سے قریب ہوتا
جاتا ہے اور بلوغ کی استعداد میں ترقی کرتا جاتا ہے لیکن اگر بالغ ہونے کے وقت سے ایک دن پیشتر
بھی مر جائے تو خواہ اُسے ایک شیرخوار کی نسبت بہت زیادہ لذتیں اور فائدے حاصل ہو گئے
ہوں گے مگر بلوغ اور جوانی کی نعمت سے ضرور محروم جائیگا اسی طرح معرفت کامل کی استعداد خواہ
کیسی قوی پیدا ہو چکی ہو لیکن اُس تک پہنچنے سے پہلے جس درجہ پر انسان ٹھہر جائیگا اگرچہ اپنے
سے پست تر خیالات کی نسبت فائدے میں رہیگا مگر اس بالاتر نعمت سے ضرور ناآشنا رہیگا۔
اور جس طرح قریب البلوغ لڑکا کبھی بے اعتدالی سے ایسا مریض ہو سکتا ہے کہ شیرخوار بچے جیسی [illegible]
اور لذت کو بھی کھووے اسیطرح خدا کی نسبت کوئی [illegible]
اور نقص کے اعتقاد کو اعلےٰ خیالات سے ملا کر معرفت سے ایسا [illegible]
ہستی کو ماننے والا اُس سے بہتر ہو۔

غرض دُنیا کا نظام قدرت اور نیچر کے تمام کاروبار بالاتفاق اور بلا استثنا شہادت دیتے ہیں کہ مذہب کا سچا فائدہ اسی صورت میں حاصل ہوگا جبکہ مذہب سچا ہو اور جھوٹے مذہب سے سچے فائدے کی امید رکھنا سراب سے دریا کو پانا اور شیر قالین سے شیر نیستان کا کام لینا ہے یعنی ہیچ -

سوئم - عقل کا ترقی اور دیگر جذبات فطرت کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ان کا تخم انسان کی فطرت میں موجود ہے مگر ہر ایک کی ترقی اور اُس کا کمال عموماً تربیت اور دوسروں کی رہنمائی پر منحصر ہے اور جب انسان کو ایک حالت میں رہتے ہوئے کچھ عرصہ گذرتا ہے اور جدت پسندی کی برکت سے اور ایک حالت مستمرہ سے ملول ہو جانیکے باعث کہ یہ بھی انسان کی فطرت میں ودیعت ہے کسی میں اپنی حالت کو بدلکر اُس سے بہتر حالت میں جانیکی استعداد پیدا ہوتی ہے تو اُس وقت اپنی حالت پر متجسسانہ نگاہ ڈالتے رہنے سے اور گاہ کسی اور قوم کی بہتر حالت پر مطلع ہونیسے ان میں سے کسیکو کوئی نیا خیال سوجھتا ہے اور اکثر مہتم بالشان اور باریک نکات کو دریافت کرنیکیلئے دیکھا گیا ہے کہ کبھی تمام قوم نے دفعتہً ترقی نہیں کی بلکہ عموماً اپنے زمانہ میں کسی ایک یا چند اشخاص کو اختراع و ایجاد کی عزت حاصل ہوتی ہے اور پھر اُس ایک یا چند افراد کی کوشش سے اور نیز اپنی موجودہ حالت کی ملالت سے ملک اور قوم اس جانب توجہ کرتی ہے اور اگرچہ عموماً ایسے لوگ بھی اسوقت موجود ہوتے ہیں جو نئے نکات کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس سے اختلاف ظاہر کرتے ہیں لیکن اگر نیا خیال واقعی ترجیح اور برتری رکھتا ہو تو ایجاد کی کوشش بارور ہو جاتی ہے اور بتدریج پرانے اوہام نئے خیال کیلئے جگہ خالی کر دیتے ہیں - زمین کے مسطح ہونیکے بعد حرکت کرنیکا' اشیاء کے میلان طبعی کی بعد کشش ثقل کا' عام وسایل نقل و حرکت کے بعد بخار کی طاقت سے کام لینے کا' نامہ و پیام کیلئے اور دیگر تبادلہ خیالات کیلئے عام ذرائع کے بعد برقی طاقت کو استعمال کرنیکا اور [illegible] ٹیلیگراف کا ایجاد [illegible] ایک جگہ سے دوسری جگہ ایک خیال کا پیغام پہنچنے اور اس سے کام لینے کے لئے انسان میں قابلیت

ہوئی کہ اور طرف توجہ کرے اور پھر اُس وقت کسی بندۂ خدا کو نیا خیال سوجھا اور رفتہ رفتہ اُس کا رواج ہوا۔ ڈاکٹر ایچ اے مل انرجی یعنی طاقت کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ :-

"طاقت دنیا میں مادہ کے علاوہ ایک اور حقیقی وجود ہے جو ہمارے حواس پر ایسا براہ راست اثر نہیں کرتا جیسے مادہ کرتا ہے اور پچاس سال گزرے کہ اس ہستی کا کسیکو علم نہ تھا اور استدلال کا ایک لمبا سلسلہ ضروری تھا جس کے بعد اس کے موجدوں کو اس کے وجود اور اس کی حقیقت کا یقین آیا" +

اور زمین کے گول ہونیکا خیال تو خیر بہت پرانا ہے مگر ان دوسرے خیالوں کی ایجاد کا وقت زمانہ کو یاد ہے اور وہ بتاتا ہے کہ اُس وقت تمام دنیا میں سے ایک ہی مرد ایسا نکلا ہے جس نے خلاف معمول ایک انوکھی بات معمولی واقعات میں سے نکال لی سیب کا درخت پر سے گرنا کس نے نہیں دیکھا اور دیگچی پر سرپوش کی حرکت سے بیا اور طرح پر بخار کی طاقت کو کون نہ جانتا تھا مگر نیوٹن اور جیمس واٹ ہی وہ خوش قسمت تھے جن کو ایسے معمولی واقعات نے کشش ثقل اور سٹیم انجن جیسے گرانمایہ اور مہتم بالشان نتائج تک پہنچایا۔ انسان کو بیرحمی سے پکڑنا اور اینٹ پتھر کیطرح اُن سے سلوک کرنا کس کی آنکھوں سے پوشیدہ تھا مگر کسی نے ترس نہ کھایا اور جو ترس کھاتے تھے اُن کا کہنا زمانہ نے نہ سنا اور گرینول شارپ ہی وہ با اقبال نکلا جسکی باریک نظر نے اِس اخلاقی نقص کو دور کرنے کی تدبیر نکالی اور انسداد غلامی میں وہ کام کر گیا جسکو آج زمانہ فخر سے یاد کرتا ہے۔ اور دوسری طرف یہ قاعدہ بھی اِن تمام قسم کی ترقیوں میں دیکھا جاتا ہے کہ جہالت کی تاریکی میں جب کسی ترقی کا شرارہ چمکتا ہے تو اگرچہ فی ذاتہ وہ شرارہ پاک اور بے عیب ہوتا ہے مگر اکثر اوقات گردوپیش کی تاریکی اُس نور میں کئی طرح کی آمیزش کر دیتی ہے اور وہ خیال باوجود پاک اور اعلیٰ ہونے کے دوسرے خیالوں میں ملکر ناپاک اور پست ہو جاتا ہے۔ بجائے سطح ہونیکے زمین کے گول ہونیکا خیال ایک واقعی اور سچا خیال تھا مگر اس کے ساتھ دوسرے مسلمات ملگئے اور گول مانکر اس کو عالم کے وسط میں ساکن تسلیم

+ کتاب مرحلۂ آف نیچر باب دوم صفحہ ۱۶ سنہ ۱۹۰۲ء

کیا گیا اور عالم کا مرکز ٹھیرا کر تمام موجودات کو اُسکے گرد حرکت کرنیوالا اور اِس طرح اس چھوٹے سے کُرّہ کو تمام ستارون اور سیارون کی پیدایش کا مقصد سمجھ لیا گیا۔ غرض دوسری خیالات کی آمیزش سے زمین کی نسبت جو یقین قایم ہوا وہ راستی سے بہت دور ہو گیا علیٰ ہذا جب سیارون کو آفتاب کے گرد چکر لگاتے ہوئے مانا گیا تو اس خیال کے ساتھ جسکی واقعیت آجتک مسلّم ہے یہ آمیزش ہو گئی کہ ہر ایک سیارہ مین ایک روح مانی گئی جو اِس سے آفتاب کے گرد طواف کرواتی ہے کیونکہ اس سے پہلے جو آسمانون کی چند تہین مانی ہوئی تہین انمین بہی روح اور حرکت ارادی کا وجود مانا جاتا تھا پس اسی تاریک خیال کے بعد جب یہ روشن خیال کیپلر نے پیدا کیا تو روحین آسمانون کی بجائے سیّارون مین فرض کر لی گئین اور بہیئت مجموعی سیّارون کے بارہ مین واقعی علم حاصل نہ ہوا۔

غرض اس غور و فکر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان جذبات فطری مین ترقی درجہ بدرجہ ہوتی ہے اور تربیت پر منحصر ہے اور ہر ایک ترقی کو پانیوالے ابتدا مین چند افراد ہوتے ہین اور ترقی کے درمیانی درجون مین ایجاد کرنیوالون کی تعلیم گردوپیش کے تاریک خیالون سے مل کر مکدّر ہو جاتی ہے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد کوئی اور روشن خیال پیدا ہوتا ہے جو اپنی حیثیت کے موافق تاریکی کے کسی حصہ کو دور کر کے کسی اور موحد کیلئے جگہ خالی کر جاتا ہے۔ یہی صورت مذہب مین دیکھی جاتی ہے کہ اُس کا تخم فطرت مین موجود ہے اور انسان اپنی جبلی کشش کے سبب سے اسکی تلاش شروع کرتا ہے مگر نقص بشریت اور کوتاہی نظر کے باعث غلطیون مین مبتلا ہو جاتا ہے اور طرح طرح کے ناپاک خیالات اور افعال کو اُس پاک کشش کے ساتھ ملا لیتا ہے مگر کچھ مدت یہ حالت قائم رہنے کے بعد حسب قاعدہ ملالت اور ناپسندیدگی کا میلان پیدا ہوتا ہے اور کسی نور کو قبول کرنے کی استعداد حاصل ہوتی ہے اس وقت کوئی خدا کا بندہ پیدا ہوتا ہے جو اس زمانہ اور حالات کے موافق مذہب کے متعلق کوئی روشن خیال پیش کرتا ہے اور اگرچہ ابتدا مین اُس کے جدت اور انوکھے پن سے اختلاف پیدا ہوتا ہے مگر آخر وہ استعداد جو قوم مین

پیدا ہوچکی ہوتی ہے غالب آتی ہے اور اس خیال کو تسلیم کرنیوالے پیدا ہونے لگتے ہین اور کچھ عرصہ اُس روشنی کا فروغ رہنے کے بعد پھر گردو پیش کے تاریک خیالات غلبہ پاکر اسکی خوبی کو ڈھک لیتے ہین اور نیک و بد خیالات ملکر بہیئت مجموعی وحیت سی دور رہجاتے ہین اور پھر اسی قسم کا کچھ عرصہ گذرنے کے بعد کوئی اور شخص پہلے شخص کی تعلیم کے ساتھ دیگر تاریکیون کے متعلق اپنے چند اور روشن تجربے لیکر پیدا ہوتا ہے اور حسب دستور پھر باقیماندہ تاریکیون کے سبب سے کوئی اور شکل پیدا ہوجاتی ہے اور اس طرح کا ایک سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مثلاً زمانہ جہالت و وحشت مین جب فطری کشش نے مجبور کیا اور یہ پاک خیال پیدا ہوا کہ کوئی ہستی ہم سے برتر اور ہماری مالک اور پرستش کے لایق ہے توچونکہ ان لوگون کی نظر صرف محسوسات قریبہ تک محدود تھی اس لیئے کسی نے کسی خوب صورت پتھر کو کسی نے کسی عجیب درخت کو اور کسی نے کسی سفید جانور کو محسوسات مین سب سے برتر سمجھکر اسکی پرستش شروع کی اور یہ وہ پہلا اختلاف ہوگا جو اس کے ماقبل کے متحدہ خیال کے بعد پیدا ہوا اور پھر اس حالت مین رہنے کے بعد جب ترقی کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی تو کوئی شخص اُٹھا جس نے درخت پتھر وغیرہ کو بیقدر اور ناقابل عبادت بنایا اور اُن کے خیال کو ان محسوسات سی بالاتر لیجانا چاہا مگر چونکہ انکی نظر وسیع نہ تھی اس لیئے جو طاقتین ان چیزون سے دوسرے درجہ پر تھین صرف انہی کیطرف متوجہ ہوسکے جس سے وہ اس کوشش مین توکامیاب ہوگیا کہ یہ درخت پتھر ہی سب سے بالاتر نہین ہین بلکہ اِن کے اوپر بارش اور ہوا آفتاب اور ماہتاب وغیرہ کی طاقتین ہین جو محسوسات پر حکمران ہین اور واقع مین یہان تک جو نتیجہ نکالا گیا ہے وہ بالکل سچا اور درست ہے اور اس لیئے اس مسئلہ کو صرف اسی درجہ تک ماننے والے اور اینٹ پتھر کو معبودیت سے اس بنا پر برطرف کرنیوالے کہ اِن سے بالاتر اور بھی کوئی ہستی ہے اس بارہ خاص مین برسر حق ہین مگر پھر اس خیال مین دیگر تاریک خیالات کی آمیزش کا موقعہ آیا اور ہر چیز کو بے سمجھے بوجھے خدا مان لینے کی جو عادت تھی اُس نے درخت پتھر کو چھوڑکر آفتاب و ماہتاب وغیرہ

دیوتاؤں کو سجدہ کروایا اور درخت پتھر کی ناقابل عبادت ہونیکا پاک خیال ہوا اور آگ کی خدائی کے ساتھ ملکہ حقانیت سے دور جا پڑا۔ اس کے بعد آگے بڑھنے کی استعداد پیدا ہونے پر اسی طرح کے روشن خیالوں کی تعلیم سے ترقی کرتے کرتے اس درجہ پر آئے کہ کسی نے سب سے بالاتر اور حواس سے پرے کسی ہستی کا نشان بتایا اور اس عالم کی محسوس اور نامحسوس تمام اشیا کا تغیر اور انقلاب دکھا کر اس معبود کا پتہ دیا جو ہمیشہ یکسان رہتا ہے اور اس خیال کو تسلیم کرنے کے بعد انسان کی دنیا پرست نظر نے ایک اور شکل مین اپنی تاریکی کو ظاہر کیا کہ کبھی اپنے صبیح تعلقات اور رشتے مان کر اور کبھی اس خیال سے کہ جب وہ ہماری گرفت سے باہر ہے تو ہماری دستگیری اور مدد کے لیئے کسی نہ کسی شکل مین ظہور کرتا ہوگا اس کے لئے اولاد اور اوتار تسلیم کیئے اس طرح باوجود نادیدہ خدا کو ماننے کے اپنی تمام توجہ دیدنی اشیاء مین صرف کرنے لگے اور کبھی دنیوی اشیا کو باعظمت اور برتر ماننے کی جو عادت راسخ ہو چکی تھی اس کے سبب یک لخت سب چیزون کو اس کا مخلوق اور محکوم ماننے پر رضامند نہ ہوئے اور اگرچہ اپنے تئین اس سے بے نیاز نہ مان سکے مگر یہان کی بعض چیزون کو جو سب سے بڑی نظر آئین مثلاً مادہ یا روح اور ان کے خواص کو اسکی خالقیت سے مستغنی اور اسکی طرح قدامت اور عظمت سے بہرہ ور سمجھنے کا نقص اس پاک تعلیم مین ملا کر ایسی تاریکی پیدا کی جس سے شاہد ازل کا چہرہ اپنے واقعی حسن کے ساتھ انکی کوتاہ نظرون مین جلوہ گر نہ ہو سکا۔

غرض عقل اور مذہب کے یکسان داخل فطرت ہونے اور ایک دوسرے کے مشابہ ہونے سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ ابتدا مین سب بنی آدم محض فطری حالت مین ہون گے اور مذہب کی نسبت یکسان کیفیت رکھتے ہون گے جیسے کہ اس وقت عقل کی نسبت ابتدائی اور یکسان حالت مین تھے مگر مدعائے مذہب یعنی خدا کی تلاش مین مصروف ہو کر جو کشش ان کو قدرت کی جانب سے دی گئی تھی اسمین اپنی خواہشون کو ملا کر اسکے متعلق مختلف رستے اختیار کیئے ہونگے جیسے مدعائے عقل یعنی فلاسفی یا اصلیت کی تلاش مین واقعیت کو بہت سے غیر واقع خیالات سے

ملاکر مختلف روشین اختیار کر رہے ہین پھر مذہبی تجربہ کار وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہے ہونگے جو مناسب حال کوئی خاص تعلیم دیتے ہونگے اور لوگون کے مختلف عقائد کا فیصلہ کرتے ہونگے جیسے عقلی تجربہ کار اپنے اپنے وقت مین نئے فلسفیانہ نکات کی تعلیم دیکر اختلافات عقلی کا فیصلہ کرتے رہے ہین۔ پس جن لوگون مین طلب صادق اور شوق حقانیت موجود ہوتا ہوگا وہ ان ہادیون کے فیصلہ پر کاربند ہوکر اپنے مدعا مین کامیاب ہوتے ہونگے جیسے طالبان واقعیت اور شائقین فلسفہ عقلا کی رہنمائی سے علم و ہنر کا لطف اُٹھاتے ہین اس طرح ایک طرف عقلی فرقے اور سکول ہوتے گئے اور دوسری جانب مذہبی گروہ اور شاخین نکلتی آئین ایک اپنے رہنماؤن کو موجد کہتے ہین اور دوسرے اپنے ہادیون کو پیغمبر۔ ایک طرف ڈیوی[1]، جینر[2]، ایڈیسن[3]، واٹسن[4]، ہرٹز[5] اور رانجن[6] ایسے رہنما تنگنائے عقلی فضا مین قابل تعظیم و تسلیم قرار پائے تو دوسری طرف کرشن اور زردشت بدھا اور کنفیوشس۔ موسیٰ اور مسیح مذہبی دنیا مین لائق عقیدت اور مدار ایمان ٹھیرے

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۶)

(پہلے) لوگ ایک فرقہ تھے پھر خدا نے انبیاء خوشخبری دینے والے اور (عذاب سے) ڈرانے والے بھیجے اور اُن کے ساتھ احکام ربانی نازل فرمائے تاکہ لوگون کے مابین اُنکے اختلافون کا فیصلہ کرین اور اختلاف اُنہی لوگون نے کیا جنکو وہ (حکم ربانی) بخشا گیا تھا اور اختلاف ایسے وقت کیا جبکہ اُن کے پاس روشن دلیلین آچکی تھین (اور اختلاف اپنی خواہشون کے سبب کیا) پس خدا نے اپنی حکم سے اس اختلاف کے بارہ مین ان لوگون کو ہدایت کی جو ایمان لائے اور خدا جسے چاہتا ہے سیدھے رستہ کیطرف ہدایت کرتا ہے

۱۔ معدن کا چراغ بنانیوالا۔ ۲۔ علاج کیلئے ٹیکا لگانیکا موجد۔ ۳۔ فونوگراف کا موجد۔ ۴۔ تاربرقی کا موجد۔ ۵۔ برقی لہرون کو ثابت کرکے بے تار پیام رسانی کا خیال پیدا کرنیوالا۔ ۶۔ اکسریز یعنی فوٹوگرافی کا موجد جس سے زندہ انسان کی ہڈیون کا عکس لیا جاسکتا ہے۔

باب سوئم

وحی

کیا وحی انسان کا اپنا فعل ہے؟ - مسٹر پارکر کا خیال - روحانی حواس - کشف کی چند مثالیں - یقین حاصل ہونیکی عقلی اور قلبی صورتین - خدا کو ماننے کے دو طریق - جذبہ فطرت اور استدلال کی آمیزش - استدلالی یقین انسان کی اپنی ترقی ہے - عقل مذہب کو پیدا نہین کر سکتی - مذہب کے تین خادم ہین - تجربہ مین قوی عامل ہوتا ہے اور ضعیف معمول - وحی مین خدا عامل ہوتا ہے اور انسان معمول - نبی اگرچہ بہت ہین مگر تمام انسان نبی نہین ہو سکتے - استعداد مین تفاوت درجات کا ہے یا نوع کا؟ تفاوت حالات - انبیا کی ضرورت - الہامی کتابون کی ضرورت - نسخ شرائع - احکام شریعت کے فائدے حقیقت مین تجربے سے معلوم ہو سکتے ہین تعلیم کے علاوہ نبی کا اُمت مین کچھ عرصہ تک رہنا بھی ضرور ہے - سلسلہ ارشاد و ہدایت کی ضرورت - وحی اور الفاظ -

جس طرح سے عقلی موجدون پر فلسفہ کے نئے نکات کا ظاہر ہونا خلاف عقل نہین اسی طرح مذہبی مسلون پر معرفت کے تازہ دقایق کا انکشاف قدرت کے عام قانون کے مخالف نہین مگر اب سوال یہ ہے کہ آیا جس طرح سے عقلی موجد غور و فکر اور استدلال و استقرا سے کسی نکتہ کو دریافت کرتے ہین اور انکی اپنی طبیعت کا میلان اور محض ذاتی کوشش اُن کو کسی ایجاد تک پہنچا دیتی ہے اسی طرح انبیا بھی اپنی ذاتی قابلیت اور فطری استعداد سے اس نعمت کو پا لیتے ہین یا اُن کے انکشاف مین جس کو وحی والہام کہتے ہین کسی بالائی طاقت کا بھی دخل ہوتا ہے - پس جو لوگ فلسفیانہ نظر سے مذہبی خوبیون کا اعتراف کرتے ہین وہ عموماً پہلے خیال کے حامی ہین چنانچہ مسٹر ٹی پارکر اس مضمون کو نہایت قابلیت سے لکھتے ہین اور "مذہب کا فطری نظارہ یا سپر چوئلزم" کا عنوان قایم کر کے فرماتے ہین کہ :-

ہرباٹ لوکا خیال

"اِس عقیدہ کی یہ تعلیم ہے کہ جس طرح جسمانی خواہشوں کیلئے فطرت نے اُن کے سامان مہیا کئے ہین اسی طرح روحانی خواہشون کیواسطے بھی مہیا کئے گئے ہین اور یہ کہ جیسی روشنی اور آنکھ آواز اور کان ۔ خوراک اور ذائقہ ۔ راستی اور ذہن ۔ حُسن اور تخیل مین باہم تعلّق ہے اسی طرح خدا اور روح مین بھی تعلق ہے اور یہ کہ جیسے طبعی میلان کی پیروی اور جسمانی قوانین کی اطاعت کرنے پر جسم کی خواہشون کیلئے نیچر کیطرف سے سامان مہیا پاتے ہین اور صحت اور قوت حاصل کرتے ہین اور جیسے قلبی قوانین کی پابندی کرنے پر قلبی ضرورتون کا سامان مہیا پاتے ہین اور دانائی یا قابلیت کو جو قلبی صحت ہے حاصل کرتے ہین اسیطرح اگر ہم ایک اور طبعی میلان کی پیروی کرین اور خاصہ اخلاقی و مذہبی کو ملحوظ رکھین تو انکی ضرورتون کیلئے بھی سامان مہیا پائینگے اور سب سے بڑا اخلاقی صحت یعنی اخلاقی اور مذہبی راستی اور روحانی امن شعور اور راحت حاصل کرینگے ۔ اِس عقیدہ کی یہ تعلیم ہے کہ خدا اور روح مین جو قرب ہے دُنیا اور جسم کا قرب اِس سے زیادہ نہین کیونکہ ہم خدا ہی مین زندہ ہین اوسی مین چلتے پھرتے ہین اور اسی مین ہمکو وجود حاصل ہوتا ہے اور جیسے مادہ پر قبضہ پانے کیلئے اور جسمانی ضروریات مہیا کرنے کیلئے ہم جسمانی حواس رکھتے ہین جن سے فطری طور پر تمام مادی اشیاء کو جو ضروری ہون حاصل کرتے ہین اسی طرح خدا تک پہنچنے کیلئے اور روحانی ضروریات مہیا کرنے کیلئے ہم روحانی حواس رکھتے ہین جن سے تمام روحانی اشیاء کو جو ضروری ہون حاصل کرتے ہین ۔ جب ہم جسمانی حالات کا لحاظ رکھتے ہین تو فطرت کو اپنے پہلو مین پاتے ہین اور جب روحانی قوانین کا لحاظ رکھتے ہین تو خدا کو اپنے پہلو مین پاتے ہین اور جو لوگ ان حالات کو مدنظر رکھین وہ ان سب کو صداقت بخشتا ہے ۔ ہم عقل ضمیر اور جذبہ مذہبی کی وساطت سے اسکی بارگاہ مین دخل پا سکتے ہین جیسے آنکھ کان اور ہاتھ کی وساطت سے براہ راست نیچر تک پہنچ سکتے ہین پس انہی راستون مین سے اور ایک کشش ثقل جیسے یقینی بانتہیب اور عام قانون کے ذریعہ سے خدا انسان پر وحی کرتا ہے اور اس پر راستی کا الہام کرتا ہے

اور کیون نہ ہو کیا ہستی خدا کا ویسا ہی خاصہ نہین جیسے حرکت مادہ کا خاصہ ہے؟ اس لیئے اگر خدا ہر جگہ حاضر و ناظر اور ہمیشہ کیلئے فاعل ہے تو وحی کوئی معجزہ نہین بلکہ ذی شعور روح پر خدا کے اثر کرنیکا ایک باترتیب قاعدہ ہے جیسے کشش ثقل بے شعور مادہ پر اثر کرنے کا قاعدہ ہے پس وحی کو گاہ گاہ خدا کا تنزل نہین سمجھنا چاہیئے بلکہ انسان کا دائمی عروج - اور فرائض کا علم حاصل کرنیکے لیئے انسان کو اُسکی اپنی ذات سے پرے پُرانی دستاویزون (الہامی کتابون) کیطرف نہین بھیجا جاتا کیونکہ اعتقاد اور عمل کا واحد قاعدہ یعنی کلمۃ اللہ انسان سے بہت ہی قریب اور خود اس کے دل مین موجود ہے اور اسی کلمہ کے ساتھ وہ تمام دستاویزون کی خواہ کوئی بھی ہون پڑتال کرسکتا ہے - خدا کے حضور مطلق کیطرح وحی اُن چند مصنفین پر محدود نہین جن کو یہودی عیسائی یا مسلمان مانتے ہین بلکہ اسکی وسعت اسی قدر ہے جس قدر نسل انسانی وسیع ہے - خدا تمام فضا مین ہے اسی طرح تمام روحون مین ہے اور جس طرح وہ بے شعور اور مجبور مادہ پر اثر کرتا اور اسکو مجبور رکھتا ہے اسی طرح آزاد اور ذی شعور انسان پر وحی کرتا ہے اور اُسکا مددگار رہتا ہے"

جس صفت کو مسٹر پارکر مذہبی خاصہ اور روحانی حواس کہتے ہین اور جس کے قوانین کا لحاظ رکھنے سے اُن کے نزدیک کشف و الہام پیدا ہوتا ہے اسکو پروفیسر جیمس ایل ایل ڈی انسانی وجود کا نہ صرف مذہبی بلکہ ایک عام حاسہ مانتے اور اپنے لیکچر مین جو انھون نے "نادیدہ ہستی کی تحقیق" کا عنوان قائم کرکے دیا ہے مختلف واقعات اور تجربون کے بنا پر اسکو ثابت کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ †

"ہماری مثالون کے تمام سلسلہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسانی شعور کے اندر دیگر حواس کے علاوہ اور ان سے زیادہ پرزور اور عام ایک اور حاسہ ایسا موجود ہے جو (بغیر چشم و گوش کی وساطت کے) کسی چیز پر کے تحقیق اور وجود خارجی کا حکم دیتا ہے اور وہ ایسا تصور ہے جسکی بنا پر انسان کہہ اٹھتا ہے کہ "وہ دیکھو وہ چیز موجود ہے" اور جسکی نسبت موجودہ سائیکالوجی (علم النفس) کا فیصلہ

† کتاب دی ورائٹیز آف دی ریلیجیس ایکسپیرینس لکچر ۲ صفحہ ۵۸ سنہ ۱۹۰۲ء

ہے کہ ہر قسم کی واقعیت کا یقین اسی حاسہ سے پیدا ہوتا ہے"

لیکن خواہ مذہبی خاصہ جداگانہ موجود ہو یا پروفیسر جیمس کا ہی حاسہ تحقق ہو مذہبی کشف پیدا کرنے کیلئے اس خاصہ کا ظہور جس وضاحت سے پروفیسر مذکور نے بیان کیا موجودہ طرز بیان میں وہ انہی کا حصہ ہے اور میرے نزدیک اس مضمون سے بہت کچھ تعلق رکھتا ہے کیونکہ میری تحریر میں اب تک مذہب کا ذکر اسی حیثیت سے ہوا ہے کہ وہ اکثر حالات میں جذبۂ عقلی سے مشابہت رکھتا ہے اور جو خصوصیتیں مذہب کو ممتاز کرتی ہیں اور جس طرز سے مذہبی تجربہ یعنی کشف والہام کا ظہور ہوتا ہے اسکا ابھی ذکر نہیں ہوا پس مسٹر پارکو کے خیالات پر رائے قایم کرنے سے پہلے ان کے لکچر کا کچھ حصہ نقل کرنا ضرور ہے تا کشف کی صورت سے کسیقدر شناسائی حاصل ہو جائے اور فیصلہ کرنے میں تمام پہلوؤں کا لحاظ رکھنا آسان ہو اور اس مضمون کی عظمت کے لحاظ سے اس اقتباس کی طوالت میں خیال کرتا ہوں کہ قابل معافی ہوگی۔ پروفیسر مذکور مذکورہ بالا نتیجہ کو چند اور نظایر سے ثابت کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ †

" اب ہم یقینی طور پر اس دعوے کو پیش کرتے ہیں کہ خالص تجربہ ہائے مذہبی کے عالم میں ایسے بہت سے اشخاص ہیں (اگرچہ ہم بتا نہیں سکتے کہ ان کی تعداد کس قدر ہوگی) جو اپنے معتقد علیہ اور اپنے ایمانیات کو نہ صرف اسی قدر سمجھے ہوئے ہیں جس قدر ان کا ذہن تصور کرسکے بلکہ حقیقت پذیر ہستی کے طور پر براہ راست آشنا ہوتے ہیں اور چونکہ کشفی مشاہدہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اس لئے ایسے ایماندار کے اعتقاد میں بھی قبض وبسط کی موجیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور کلیات کے طور پر اس قاعدہ کو بیان کرنے کی نسبت مثالوں سے واضح کرنا زیادہ مفید ہوگا اس لئے میں چند حوالجات پیش کرتا ہوں اور پہلے ایسی نظیر کا ذکر کرتا ہوں جس میں ایسے کشف کے زوال کا ذکر ہے اور یہ میرے ایک دوست کی مذہبی زندگی کا نقشہ ہے وہ ایک سائنٹیفک مین یعنی اہل علم ہے اور اسکا تجربہ ظاہر کرتا ہے کہ ایسا کشف ذہنی تخیل کی نسبت احساس سے زیادہ مشابہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ :-

چند مثالیں

† کتاب دی ورائٹیز آف دی ریلیجیس ایکسپاریئینس لکچر نمبر ۳ صفحہ ۶۴ سنہ ۱۹۰۲ء

"بیس اور تیس سال کے اندر مین رفتہ رفتہ لا اَدریہ اور لامذہب ہوتا گیا لیکن پھر بھی مین نہین کہہ سکتا کہ مینے کبھی اِس ناقابل تحدید حقیقت کو بالکل کھو دیا ہو جس کو ہربرٹ سپنسر "مظاہر کے پیچھے چھپی ہوئی مکمل ہستی" کے نام سے نامزد کرتا ہے بلکہ سپنسر تو اسکو تعقل مین نہ آنیوالی ہستی کہتا ہے مگر میرے لیئے وہ ایسی بالکل ناقابل فہم بھی نہ تھی کیونکہ اگرچہ مینے خدا کی طفلانہ عبادت چھوڑی ہوئی تہی اور کبھی دستور کے موافق نماز کی رسمین ادا نہین کرتا تھا مگر موجودہ تجربہ یا مکاشفہ ثابت کرتا ہے کہ میرا اس کے ساتھ ویسا ہی عملی تعلق تھا جیسا عبادت مین ہوا کرتا ہے۔ جب کبھی مجھے کوئی تکلیف ہوئی اور خصوصًا جب کبھی امور خانہ داری یا کاروبار منصبی مین کوئی جھگڑا پیش آیا یا فکر لاحق ہوا۔ مین اب سمجھتا ہون کہ اُن دنون ایسی حالت کے اندر مین مدد کیواسطے اسی کیطرف جھکتا تھا جسکو "وہ" کے لفظ سے تعبیر کرتا ہون۔ غرض ایسی تکالیف کے وقت مین وہ میرے پہلو مین ہوتا تھا یا مین اُس کے پہلو مین کچھہ ہی سمجھو مگر تعلق ضرور ہوتا تھا جو مجھے تشفی دیتا تھا اور ایسی بے پایان پایداری بخشتا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ حاضر ہے اور حمایت کر رہا ہے اور حقیقت مین وہ زندہ انصاف صداقت اور قوت کا نہ غائب ہونیوالا سرچشمہ تھا جسکی طرف مین اپنی کمزوری کی حالت مین علانیہ جھکتا تھا اور وہ ہمیشہ مجھہ کو اس حال سے نجات بخشتا تھا۔ مجھے اب معلوم ہوا کہ میرا اُس کے ساتھ نمایان اور مشخص تعلق تھا کیونکہ گذشتہ سالون سے مجھے اُس رابطہ و پیام کی قوت نے چھوڑ دیا ہے اور مین جانتا ہون کہ مجھے ایک کامل اور نمایان نقصان پہنچا ہے۔ اُن دنون جب کبھی مین اسکی طرف جھکا اُس کو پانے مین ناکام نہین رہا لیکن پھر چند سال ایسے آئے کہ کبھی تو مین اسے پا لیتا تہا اور کبھی بالکل نہین پا سکتا تہا۔ مجھے بہت سے ایسے موقعے یاد ہین کہ تمام رات اِس رنج مین نیند نہین آئی اور مین تاریکی مین کروٹین بدلتا رہا ہون کہ اپنے اُس اعلے اور بہتر شناسا کا دامن پکڑ سکون جو پہلے ہر وقت ساتھہ رہتا تھا اور حمایت کرتا تھا مگر اب اسکی برقی رو کہین کہو گئی ہے اور بجائے اسکے میرے سامنے ایک ہو کا میدان ہے جسمین کچھہ نہین ملتا اور اب قریبًا پچاس سال کی عمر مین اس کشفی طاقت نے مجھے

بالکل ہی چھوڑ دیا ہے اور مجھے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ایک بہت بڑی مدد سے محروم ہو گیا ہوں بلکہ میری زندگی موت سی بدل گئی ہے، اور اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور اب مجھے معلوم ہوا کہ میرے وہ گذشتہ تجربے اور خوش اعتقاد لوگوں کی نماز یکسان تہی اگرچہ مینے اسکو کبھی نماز نہیں کہا اور (اب معلوم ہوا کہ) جس کو وہ کے لفظ سے تعبیر کرتا ہوں وہ میرے لئے سپنسر کی "ناقابل فہم ہستی" نہ تہی بلکہ میرا اپنا معین و مشخص خدا تھا جس پر مین حمایت کیلئے پورا توکل کرتا تھا اور جس کو مینے اب کہین کھو دیا ہے"

مذہبی تاریخ مین اس سے زیادہ کثیر الوقوع واقعہ کوئی نہ ہوگا کہ ایمانداروں کا ایمان اور اعتقاد قبض و بسط یا قوت و ضعف مین ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور غالباً ہر مذہبی آدمی کو کوئی خاص وقت ایسا ضرور یاد ہوگا جبکہ صداقت کا سیدھے واسطہ مشاہدہ اور زندہ خدا کی ہستی کا براہ راست تخیل آکر اس کے اعتقاد کے ضعف اور سستی کو فنا کر دیتا ہو جیمس رسل لاول کا تجربہ اسی قسم کا ہے وہ اپنے ایک خط مین لکھتے ہین:-

"مجھے گذشتہ جمعہ کی شام کو ایک الہام ہوا۔ مین مقام مایری مین تہا اور اپنے احباب کے ساتھ حاضرات ارواح کے بارہ مین گفتگو کر رہا تہا جنکی نسبت مینے کہا کہ بہت کم شناسا ہوں مسٹر پٹنام روحانی حالات پر بحث کرنے لگے اور اثنائے گفتگو مین مینے دیکھا کہ گویا تمام عالم میرے سامنے ایک دھندلی سی چیز کی طرح گہراؤ سے نکل کر آکھڑا ہوا ہے اور اس سے پہلے مینے کبھی ایسی صفائی کے ساتھ خدا کی ہستی کو اپنے اندر اور اپنے اردگرد محسوس نہین کیا تہا۔ تمام کمرہ میرے نزدیک خدا سے گھرا ہوا تھا اور تمام ہوا ایک ایسی چیز کے وجود کے ساتھ لہرا رہی تہی جسکو مین نہین جانتا کہ یہ کیا ہے اور مین اس وقت ایسی صفائی اور اطمینان سے بول رہا تہا جیسے پیغمبر بولتے ہین۔ مین نہین بتا سکتا کہ وہ الہام کیا تہا مینے اس وقت تک اسکا تجربہ نہین کیا تہا لیکن مین کسیدن اس کو مکمل کر لونگا اور اس وقت تم سنو گے اور اسکی عظمت کا اعتراف کرو گے"

ایک اور طویل اور زیادہ مکمل تجربہ ایک پادری کا ہے جو مین سٹاربک کے قلمی مسودہ سے نقل کرتا ہوں

وہ کہتے ہین :-"

"مجھے وہ رات بہی یاد رہے گی اور قلہ کوہ کی وہ جگہ بہی یاد رہیگی جہان میری روح کھل کر ایک غیر محدود ہستی کیطرف گئی تہی اور جہان اُسوقت ظاہری اور باطنی دونوں جہان ایک جا جمع ہو گئے تہے - وہ ایک عمیق ہستی کا دوسری عمیق ہستی کیطرف جانا تھا یعنی ایک عمیق ہستی میرے اندر سے ظاہر ہوئی تہی اور ایک دوسری عمیق ہستی تک پہنچ گئی تہی جو بے تھاہ تہی اور ستارون سے بھی پرے تک پھیلی ہوئی تھی - مین تنہا اس ایک کے ساتھ کھڑا تھا جس نے مجھے بنایا ہے اور دنیا کی خوبی، محبت اور غم وغیرہ تمام حالتون کو پیدا کیا ہے - مینے اُسے تلاش نہین کیا تہا مگر پھر بہی میری روح کا اُس کے ساتھ کامل اتحاد محسوس ہوتا تہا اور دیگر گرد و نواح کی اشیا کا معمولی احساس اُسوقت میری آنکہون سے پوشیدہ ہو گیا تہا - اس لحظہ کیلئے سب چیزین سوا ایک ناقابل بیان مسرت اور جوش کے نابود ہو گئی تہیں - اِس نظارہ کو مفصل بیان کرنا ناممکن ہے اسکی مثال صرف یہ ہو سکتی ہے کہ گویا باجے کی ایک روشن چوکی بج رہی ہے جسمین تمام مختلف سُر ملنے کے بعد ایک ہم آہنگی اور ایک آواز پیدا ہو رہی ہے اور جسمین سننے والا اور کچھ محسوس نہین کرتا سوا اس کے کہ اسکی روح اوپر کو اُچھل رہی ہے اور اپنے جوش مین پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہے رات کے سکون مین ایک اُس سے بھی زیادہ سنجیدہ خاموشی کے اثر سے تھرتھری پیدا ہوئی تھی اور تاریکی مین ایک ایسا وجود پیدا تہا جس کو مین معلوم کرتا تہا مگر دیکھ نہ سکتا تہا اور مجھے اپنے وجود کی نسبت شک ہو تو ہو لیکن اُس کے وجود کی نسبت کوئی شک نہین تہا اور فی الحقیقت اس وقت میری اپنی ہستی اسکی ہستی سے کم تہی - خدا کی نسبت نہایت اعلیٰ ایمان اور اسکا نہایت ہی سچا تصور میرے دل مین اسیوقت پیدا ہوا ہے - مین اس وقت گویا کوہ طور پر کھڑا تھا اور اس سرمدی ہستی کو اپنے ارد گرد دیکھ رہا تہا اور دلی جوش اُس وقت جیسا پھر کبھی پیدا نہین ہوا - مین اُس وقت بالکل خدا کے سامنے کھڑا تھا اور اُسکی روح نے مجھے نئی زندگی بخشی ہوئی تہی - یہ میں مانتا ہون کہ اُس وقت میرے خیال یا اعتقاد مین کوئی نیا تغیر پیدا نہین ہوا تھا سوا اس کے کہ وہ پہلا اعتقاد جو ایک

بھدّا سا عقیدہ تھا اُس وقت شگفتہ ہو کر پھول بنگیا تھا۔ اس وقت میرا پہلا عقیدہ تباہ نہین ہو گیا تھا بلکہ نہایت تیزی سے اور نہایت عجیب طور پر اُسکی تہ کھل گئی تھی اُسوقت سے کوئی بحث جو خدا کی ہستی کے خلاف ہو میرے عقیدے کو متزلزل نہین کر سکی اور ایک بار خدا کی حضوری محسوس کرنے کے بعد مینے آج تک اُسے گم نہین کیا بلکہ اُسکی ہستی کی یقینی شہادت میرے دل مین اسی وقت سے مستحکم ہوئی ہے اور مطالعہ اور غور و تأمل سے معلوم ہوا ہے کہ ایسا ہی اعلیٰ تجربہ اور لوگون کو بھی ہوا ہے جنھون نے خدا کو پالیا ہے اور مین جانتا ہون کہ بیجا طور پر ایسے معرفت کہ سکتے ہین میرا ایسقدر فلسفہ نہین پڑھا ہون جو اس تجربہ پر واقع ہونیوالے اعتراضون کو دفع کر سکے اور نہ لکھنے مین اُس کو واضح کر سکا ہون بلکہ میرے الفاظ نے اُس کے اصلی رنگ پر کسی قدر پردہ ڈال دیا ہے مگر جیسا کچھ بھی وہ ہے مینے اسکو اپنی طاقت کے موافق بیان کر دیا ہے۔"

اور ایک اور اس سے زیادہ واضح تجربہ ہے جو ایک سوٹزلینڈ کے باشندے کو پیش آیا ہے اور مین اُسے فرانسیسی زبان سے ترجمہ کرتا ہون۔ وہ لکھتا ہے:۔

"مین بالکل تندرست تھا ہم لوگون کے سفر کا چھٹا دن تھا اور سب انتظام عمدہ تھا۔ ہم ایک دن پہلے مقام سکسٹ سے ٹریئنٹ کو جانے کیلئے روانہ ہوئے تھے۔ مین نہ تھکا ہوا تھا اور نہ بھوکا پیاسا تھا اور میرا قلب بالکل سکون مین تھا اور مقام فارلز پر ہمکو گھر کی خیر و عافیت بھی معلوم ہوگئی تھی اور نہ مجھے کوئی فکر و اندیشہ نہ تھا اور ہمارا راہبر بھی واقف کار تھا اور جس راستہ پر ہمکو جانا تھا اُسکی نسبت بھی کسی غلطی کا گمان دل مین نہ تھا۔ غرض میری حالت بالکل اطمینان اور تسکین کی تھی ایسی حالت مین ناگہان مجھے ایک شے کی حضوری ہوئی جو میرے اوپر چھا گئی۔ مختصر یہ کہ مین نے جانا کہ مین خدا کے حضور مین ہون اور معلوم ہوا کہ اُسکی نیکی اور اُسکی طاقت میرے باطن مین در آئی اور اس جوش کا ہیجان ایسا سخت تھا کہ مینے رفیقون کو کہا کہ تم چلو اور میرا انتظار نہ کرو اور میں کھڑا نہ رہ سکا اور ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے۔ مین نے خدا کا شکر کیا کہ اُس نے مجھے اس زندگی مین اپنی معرفت دی اور مجھ جیسے ناچیز اور گنہ گار پر عنایت کی اور مینے نہایت خضوع و خشوع سے

دعا کی کہ میری زندگی اُس کے کاموں کیلئے مخصوص ہو۔ مجھے اسکی طرف سے جواب ملا وہ یہ تھا کہ مجھے ہمیشہ اسکی رضامندی کے کام کرنے چاہئیں۔ اور اپنے تمام کاروبار کا فیصلہ اسی پر چھوڑنا چاہئیے۔ پھر آہستہ آہستہ اس حالت وجد نے میرے دل کو چھوڑنا شروع کیا یعنی میں نے معلوم کیا کہ خدا نے جو تعلق میرے ساتھ کیا تھا وہ ختم ہو گیا ہے لیکن اب بھی اندرونی شورش کا ایسا اثر تھا کہ میں چلنے کے قابل تو ہو گیا مگر آہستہ آہستہ اور چونکہ میں زار زار رو رہا تھا میری آنکھیں سُرخ تھیں اور میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے رفقا میری اس حالت کو دیکھیں ۔۔۔۔ وجد کی حالت چار یا پانچ منٹ رہی ہوگی مگر مجھے اس کا عرصہ طویل معلوم ہوتا تھا۔ میرے رفیقوں نے مقام باہون کے گذر پر میرا دس منٹ انتظار کیا لیکن میں ان سے کوئی پچیس یا تیس منٹ میں مل سکا۔ وہ نقش میرے دل پر ایسا گہرا تھا کہ میں پہاڑ پر چڑھتا ہوا خیال کرتا تھا کہ کیا حضرت موسیٰ ع نے طور سینا پر اس سے زیادہ خدائی جلوہ دیکھا ہوگا؟ اتنی بات اور سن لو کہ میرے اس وجد میں خدا کی نہ کوئی شکل تھی نہ رنگ تھا نہ بو نہ مزہ اور نہ اس کا جلوہ کسی خاص سمت کو تھا۔ بس ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے وجود کو اُس رُوح الارواح نے بدل دیا ہے اور جس قدر میں کوشش کرتا ہوں کہ لفظوں میں اس حالت کا نقشہ کھینچوں اسی قدر مجھے یہ کوشش ناممکن ثابت ہوتی ہے اور زیادہ سے زیادہ جو میں کہہ سکتا ہوں یہ ہے کہ خدا حاضر تھا گو دکھائی نہ دیتا تھا اور نہ کسی اور حاسہ کے تحت میں آ سکتا تھا تاہم میری قوت فہم نے اُسے پہچانا "

(دو نظیروں کو چھوڑ کر) یہ تو گاہ گاہ خدا کی حضوری کی مثالیں تھیں مگر خدا کی حضوری کا خیال داخل عادت ہونا اس تجربے میں نظر آتا ہے جو میں پروفیسر سٹاربک کے قلمی مسوّدہ سے نقل کرتا ہوں اور غالباً ہزاروں بے تصنّع عیسائی اس قسم کے تجربے بیان کر سکتے ہیں۔ یہ ایک اُنچاس سالہ شخص کا تجربہ ہے وہ کہتا ہے کہ "

خدا میرے لیئے تمام خیالات تمام اشیا اور تمام اشخاص سے زیادہ ثابت اور متحقق ہے۔ میں اسکی حضوری کو صحیح طور پر محسوس کرتا ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ میں بالکل اسکے قوانین کے

مطابق زندگی بسر کرتا ہون جو میرے جسم اور میرے دل مین لکھے ہوئے ہین - مین اس کو دھوپ مین اور بارش مین ہر جگہ محسوس کرتا ہون اور مین اپنی اس کیفیت کو صرف یون بیان کرسکتا ہون کہ وہ خوف اور ایک لذیذ اطمینان کا مجموعہ ہے - مین اس سے دعا اور حمد مین اس طور پر باتین کرتا ہون گویا اپنے کسی رفیق سے گفتگو کررہا ہون اور ہماری گفتگو بہت ہی مسرت بخش ہوتی ہے وہ مجھے ہر بار جواب دیتا ہے اور بعض وقت تو جواب الفاظ مین اور ایسا صاف ہوتا ہے کہ مین خیال کرتا ہون کہ میرے جسمانی کان اسے سنتے ہین مگر عموماً وہ جواب ایک مضبوط قلبی نقش ہوتا ہے اور اکثر بائبل کی کوئی آیت ہوتی ہے جس سے اسکا کوئی نیا نظارہ اور اُس کے رحم اور اسکی حمایت کا منظر پیش نظر ہوتا ہے اور طالبعلمی کے حالات اور خانگی کاروبار اور مالی مشکلات کی بابت اسکی مدد اور حمایت کی سینکڑون مثالین پیش کرسکتا ہون جنہین مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ میرا ہے اور مین اسکا ہون وہ مجھے کبھی نہیں چھوڑتا اور اسکی وجہ سے میرے اندر ایک پائدار مسرت موجود رہتی ہے - اُس کے بغیر زندگی ایک لق و دق میدان اور بے پایان و بے نشان صحرا سے مشابہ ہے "

چند مثالین اور مختلف العمر ذکور و اناث کی ذکر کرتا ہون - یہ سب پروفیسر سٹاربک کے قلمی نسخہ سے لی ہین اور ایسی مثالین بیشمار مہیا ہوسکتی ہین - یہ تجربہ ایک ستائیس سالہ شخص کا ہے وہ کہتا ہے کہ :-

" خدا میرے لیئے بالکل متحقق ہستی ہے مین اس سے باتین کرتا ہون اور اکثر جواب پاتا ہون اور جب کبھی خدا سے ہدایت کی درخواست کرتا ہون تو ایسے خیالات میرے دل مین پیدا ہوتے ہین جو دفعتہً آتے ہین اور تمام اُن خیالات سے جدا اور ممتاز ہوتے ہین جو میرے دل مین اور ذرائع سے موجود ہون - ایک سال کا عرصہ گذرا ہو کہ مجھے چند ہفتہ تک ایک بڑی تشویش رہی تھی - جب پہلے پہلے وہ تشویش پیدا ہوئی ہے تو مین ششدر رہگیا تھا مگر تھوڑی سی دیر مین یعنی دو یا تین گھنٹہ مین مینے صریح طور پر بائبل کا ایک فقرہ سنا کہ ' میری عظمت تیرے لیئے کافی ہے ' اور پھر جب مجھے اُس تشویش کا خیال آیا مینے وہی فقرہ سنا - مجھے یاد نہین کہ مینے کبھی خدا کے وجود کی نسبت شک کیا ہو یا اُس کا یقین میرے دل سے نکل گیا ہو - اور اکثر خدا نے نمایان طور پر میرے کاروبار مین دخل دیا ہے اور مین محسوس کرتا

ہون کہ اُس نے ہمیشہ مجھے مختصر تفاصیل سے آگاہ کیا ہے اور دو یا تین دفعہ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ اُس نے مجھے ایسی تدبیر کی ہدایت کی ہے جو میرے میلان اور میری تجویز کے بالکل خلاف تھی"۔

ایک اور سترہ سالہ شخص کا تجربہ ہے جو اگرچہ ایک بچے کا ہے مگر سائیکالوجی (علم النفس) کے رو سے کچھ کم نتیجہ خیز نہین ہے۔ وہ کہتا ہے۔

"مین بعض اوقات گرجا مین جاتا ہون وہان بیٹھتا ہون اور فریضہ ادا کرتا ہون مگر باہر آنے سے پیشتر مین محسوس کرتا ہون کہ گویا خدا میرے ساتھ ہے میری دائین جانب ہے اور میرے ساتھ زبور پڑھتا ہے اور بھجن گاتا ہے اور پھر مین محسوس کرتا ہون کہ گویا مین اُس کے پاس بیٹھ سکتا ہون اپنے ہاتھون سے اس کی کولی بھر سکتا ہون اور اُسے بوسہ دے سکتا ہون اور جب مین قربان گاہ کے پاس مناجات کرتا ہون تو اُسکو پانے کی کوشش کرتا ہون اور اکثر اسکی حضوری محسوس کرتا ہون"۔

مختلف مقامات سے چند اور مثالین لکھتا ہون۔ ایک کہتا ہے۔

"خدا مجھے ایسا محیط ہے جیسا کوئی جسمانی کرہ۔ وہ میرے لیئے میرے اپنے سانس سے زیادہ قریب ہے۔ مین حقیقی طور پر اُسمین رہتا ہون اسی مین حرکت کرتا ہون اور اسی مین میرا تمام وجود ہے"۔

ایک اور کہتا ہے

"بسا اوقات مجھے معلوم ہوتا ہے کہ مین خدا کے حضور مین کھڑا ہون اور اس سے باتین کرتا ہون اور میری مناجات کے جواب مجھے ملتے ہین اور بعض اوقات وہ جواب بالکل براہ راست ہوتے ہین اور الہامی اثر سے اسکی حضوری اور اسکی قدرت کو ظاہر کرتے ہین۔ کچھ وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا مجھ سے بہت دور معلوم ہوتا ہے مگر یہ ہمیشہ میرا اپنا ہی قصور ہوتا ہے"۔

ایک اور کہتا ہے۔

"مین ایک حضوری کا احساس رکھتا ہون جو قوی ہوتی ہے اور ساتھ ہی اطمینان بخش ہوتی ہے اور وہ میرے اوپر منڈلاتی رہتی ہے اور کبھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بازوؤن سے مجھے تھامے ہوئے ہے ‡

‡ اس قسم کے تجربے اور کشف ہر ملک اور ہر قوم مین پائے جاتے ہین اور طالبان خدا ہر زمانہ مین اپنی اپنی استعداد

"یہ ہے اُس وجودِ مطلق کا خیال جو انسان کے دل پر منقش ہوتا ہے اور یہ ہے وہ اعتقاد جو اس سے پیدا ہوتا ہے۔ بے شکل ہستی پیش نظر ہوتی ہے اور ایسے نمایاں طور پر جیسے خلل دماغ کے وقت میں خیالی تصویریں۔ اور ہمارے اوضاع و اطوار پر اُن کا ایسا پختہ اثر ہوتا ہے جیسا کہ عاشق کے دل پر اُس کے محبوب کے خیال سے یعنی عاشق کے اندر خصوصیت کے ساتھ ایسا احساس ہوتا ہے کہ خواہ وہ کسی چیز

(تفہیمات شرعیہ صفحہ ۱۹)

کے موافق اس شربت کا مزا چکھتے رہے ہیں۔ یہ قومی اقبال و ادبار کا اثر ہے کہ جو عالی ہمت ہیں وہ آج تک دیگر ہر طرح کی خوبیوں کے ساتھ اس قسم کے تجربوں کو بھی نقل و تحریر سے زندہ رکھنے کی کوشش میں سرگرم ہیں اور دوسری طرف جو قومیں غفلت و جہالت کا شکار ہو چکی ہیں وہ جیسے اپنے دنیوی ہنروروں کی قدر نہیں کرتیں اسی طرح ان باطنی اہل کمال کے انکشافوں کو قایم رکھنے کی بھی آرزو نہیں رکھتیں ان کے پاس اگر کچھ سرمایہ ہے تو وہ چند خفتگان لحد کی سرگذشتیں ہیں جو گذشتہ قدر دانوں کی برکت سے فرسودہ اوراق میں کہیں کہیں نظر آجاتی ہیں چنانچہ میں خواجہ عطار رح کی کتاب سے دو چار اسی قسم کے حوالے نقل کرتا ہوں۔

خواجہ بایزید بسطامی سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو یہ رتبہ کیونکر حاصل ہوا انہوں نے فرمایا کہ "لڑکپن میں ایک دفعہ رات کو میں شہر سے باہر نکل گیا۔ چاندنی رات تھی اور جہان سکون میں تھا۔ مجھے ایک حضوری ہوئی کہ یہ اٹھارہ ہزار عالم اس کے سامنے ایک ذرہ معلوم ہوتے تھے۔ میرے دل سے ایک شور اٹھا اور عجیب حالت طاری ہوئی۔ میں نے عرض کی یا الٰہی ایسی بڑی بارگاہ اور ایسی خالی ایسا کارخانہ اور اس طرح پوشیدہ۔ آواز آئی کہ بارگاہ اس لیے خالی نہیں کہ کوئی آتا نہیں بلکہ اس لئے خالی ہے کہ ہر ناشستہ رو یعنی ہر ناپاک اور نالایق کو اس بارگاہ میں دخل نہیں" پھر ایک موقع پر فرماتے ہیں "میں نے یقین کی آنکھوں سے خدا کو دیکھا اس نے مجھے تمام موجودات سے مستغنی کر دیا اور اپنے نور کا جلوہ مجھ پر ظاہر کیا اور اپنے اسرار نمایاں فرمائے اور اپنی عظمت اور اپنی ذات مجھ کو دکھائی میں نے اس وقت اپنی ذات اور اپنی صفات کا خیال کیا میرا نور خدا کے نور کے سامنے تاریکی تھا اور میری عظمت خدا کی عظمت کے سامنے حقارت تھی اُس طرف ہمہ تن صفائی تھی اور اس طرف سر تا پا کدورت پھر جو دیکھتا ہوں تو اپنے تئیں اُس کے نور سے پاتا ہوں اور مجھ پر منکشف ہوا کہ میں جو کچھ کرتا ہوں اسی کی قدرت سے کر سکتا ہوں اُسکا نور میرے جسم میں چمکا اور حقیقت

کی طرف متوجہ ہو اس کا اپنا مطلوب ہر وقت اس کے سامنے رہتا ہے اُس کے حافظہ سے کبھی غائب نہین ہوتا اور ہمیشہ اس پر اپنا اثر کرتا رہتا ہے۔"

"ایسی حضوری کے احساس سے جو خیال پیدا ہوتا ہے مجھے اسکی نسبت اور بہی کچھہ کہنا ہے ایسی حضوری جس کو حاصل ہو اسکا اعتقاد ایسا ہی پختہ ہوتا ہے جیسا کسی ظاہری حواس کے تجربہ کا ہوا

یہ ظاہر ہوئی کہ عبادت جو مین کرتا تہا وہ بہی میری طرف سے نہ تہی بلکہ اسکی طرف سے تہی اور مین یہی سمجہتا رہا کہ مین عبادت کرتا ہون۔ مینے عرض کی خداوندا یہ کیا معاملہ ہے جواب ملا کہ سب کچہہ مین ہی ہون کوئی اور نہین بعنی کام کا ارتکاب تیری طرف سے ہے مگر اسکی طاقت اور توفیق میری جانب سے ہے۔ جبتک مین توفیق نہ دون تجہہ سے عبادت یا اور کوئی کام نہین ہوسکتا غرض اس وقت مجہے معلوم ہوتا تہا کہ نہ میری آنکہین ہین نہ میرے کان ہین اور نہ میری ہستی ہے وجود سب اسی کا ہے اور اس وجود نے باوجود میرے موجود نہ ہونے کے مجہے اپنی ہستی سے آگاہ کیا ہے پس مین خدا کو خدا سے دیکہتا تہا اور نہایت سکون اور اطمینان کا عالم تہا میرے کان سنتے نہین تہے زبان بولتی نہین تہی اور تمام کسبی علوم فراموش ہوگئے تہے۔ مینے اس بے سامانی کیحالت مین بہت مدت بسر کی۔ پس خدا نے مجہہ پر عنایت کی اور مجہہ کو ازلی علم بخشا اور اپنے نور سے مجہے آنکہین عنایت کین۔ پس مین نے اسی کے نور سے اسکو دیکہا اور اسکی وساطت سے تمام موجودات کو دیکہا اُدہر سے القا ہوا کہ کیون بایزید تو کیا ہے ہمہ اور باہمہ اور بے آلہ اور با آلہ ہے مینے عرض کی خدایا مین اس شرف پر مغرور نہین ہوتا اور اپنی ہستی کیلئے تجہہ سے مستغنی نہین ہون۔ مین نہ ہون اور تو میرا ہو تو اس سے بہتر ہے کہ تو میرا نہ ہو اور مین ہون اور مین تجہہ ہی سے باتین کرون اس سے بہتر ہے کہ تیرے بغیر اپنے نفس سے گفتگو کرون حکم ہوا کہ شریعت کا خیال رکہہ اور امر و نہی کی حد سے پاؤن باہر نہ نکال تا تیری کوشش مشکور ہو۔" اس کشفی حالت کے بہت سے مکالمہ کے بعد فرماتے ہین کہ "اس کشفی ترقی مین مین وحدانیت کے درجہ پر پہنچا اور وہ پہلی دفعہ تہی کہ مینے توحید کو دیکہا کئی سال تک مین اُس وادی مین دوڑتا رہا۔ پہر معلوم ہوا کہ مین پرندہ بن گیا ہون جو اسکی صفات کے فضا مین اڑتا ہون اور مینے دل مین خیال کیا کہ مین خدا تک پہنچ گیا مگر آگے الوہیت کا میدان تہا چنانچہ مجہے معلوم ہوا کہ گویا مین تیس ہزار سال وحدانیت کے

کرتا ہے اور یہ اعتقاد اُن نتائج سے یقیناً زیادہ ہوتا ہے جو منطقی استدلال سے پیدا ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ بہت لوگوں میں ایسا احساس ہی نہ ہو لیکن جب کسی میں پیدا ہوا اور ہو بھی مستحکم طور پر تو وہ اپنے عقیدہ کو ایسا حق اور صدق جانیگا کہ گو پختہ سے پختہ دلیل اسکے خلاف پیش کیجائے اور گو وہ خود اُسکی تردید کے قابل نہ بھی ہو مگر اُس کے اعتقاد میں کبھی تزلزل

فضا میں اور تیس ہزار سال الوہیت کی فضا میں اور پھر تیس ہزار سال فردانیت کی فضا میں اُڑتا رہا۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ میں نے اس طرح کی چار ہزار وادیاں قطع کی ہیں مگر نگاہ کی تو اپنے تئیں درجہ انبیاء کے آغاز میں پایا پھر میں نے اس بے نہایت فضا میں اس قدر سفر کیا کہ میں سمجھا اس سے اوپر اور کوئی قرب کا درجہ نہ ہوگا مگر دیکھا تو اپنا سر انبیاء کے پاؤں پر پایا اور معلوم ہوا کہ اولیاء کی انتہا انبیاء کی ابتدا ہے"۔

خواجہ ابوالحسین نوری فرماتے ہیں "چالیس سال گذرے ہیں کہ مجھ میں اور میرے دل میں جدائی ہو گئی ہے اس عرصہ میں نہ مجھے کوئی آرزو پیدا ہوئی اور نہ کسی شہوت نے ستایا اور نہ کوئی خیال دل میں گذرا اور یہ سبب ہے کہ میں نے خدا کو پہچانا اور وہ اس طرح ہوا کہ میں نے ایک چمک دیکھی جو محسوسات سے پرے غیب تک پھیلی ہوئی تھی اور میں اُسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ میں خود اس نور میں گم ہو گیا"۔

ایک دفعہ شیخ جنید بغدادی خواجہ ابوالحسین نوری کے پاس آئے نوری نے فرمایا کہ "یا سید الطائفہ میں ایک سخت مصیبت میں مبتلا ہوں اور طاقت سلب ہو چکی ہے اور وہ مصیبت یہ ہے کہ تیس سال ہوئے جب خدا جلوہ کرتا ہے میں گم ہو جاتا ہوں اور جب میں ظاہر ہوتا ہوں وہ غائب ہو جاتا ہے غرض اسکی حضوری ہمیشہ میری غیبت میں ہوتی ہے۔ میں ہر چند زاری کرتا ہوں مگر اُدھر سے جواب ملتا ہے کہ یا تو رہیگا اور یا میں"۔ جنید نے کہا "اے نوری ایسا ہونا چاہیے کہ تو تو نہ ہو اور جو کچھ ہو وہی ہو"۔

حضرت رابعہ عدویہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ جو اس قدر عبادت میں مصروف ہیں کبھی آپ نے خدا کو دیکھا بھی ہے اُنہوں نے فرمایا کہ "اگر میں اُسکو نہ دیکھتی تو کبھی عبادت نہ کرتی" چنانچہ ان کا قول ہے کہ "اے بنی آدم خدا کیطرف نہ آنکھوں کو راہ ہے اور نہ زبان کو کان اس بارہ میں کچھ سن نہیں سکتے اور پاؤں حیرت کے مارے

نہ آئیگا۔ فلسفہ مین جو راستے معرفت آلہی کے خلاف ہی اُس کو استدلال عقلی سے تعبیر کیا جاتا ہے اس استدلال عقلی کا زور اس بات پر ہے کہ اعتقاد کی بنیاد واضح ثبوت پر ہونی چاہئیے اور ایسے ثبوت مین چار باتون کا لحاظ رکھنا ضروری ہے (۱) اصول کلیہ بصراحت بیان ہو سکین (۲) صحیح واقعات صحیح اور نمایان ہون (۳) ان واقعات سے جو خیال قایم کیا جاوے وہ مشخص و معین ہو۔ (۴) حوالجات منطقی اصول کے موافق واضح ہون مبہم اور ناقابل توضیح خیالات کا استدلال عقلی مین کوئی دخل نہین اور یہ فی الحقیقت قوائے ذہنیہ کا ایک عظیم الشان تقاضا ہے اور ہمارا تمام فلسفہ اور تمام علوم ظاہری اسیکا ثمرہ ہین "

لیکن اگر ہم انسان کی قلبی حالت کو دیکھین اور اسکی اس زندگی کا مطالعہ کرین جو علم و ہنر سے قطع نظر کرکے وہ کہتا ہے اور جس کا اندرونی اور ذاتی طور پر وہ اتباع کرتا ہے تو ہمکو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس حالت اور اس زندگی کا وہ حصہ جس کو استدلال عقلی منتہم بالشان ظاہر کرتا ہے (یعنی واضح اور مفصل دلایل کے سوا کسی امر پر یقین نہ کرنا) بہ نسبتہً ایک سرسری اور مصنوعی حصہ ہے آئین

جا نہین سکتے۔ یہ کام دل کا ہے کوشش کرو کہ دل بیدار حاصل ہو کہ جب دل بیدار ہوگا تو پھر اسکو کسی مددگار کی ضرورت نہین کیونکہ بیدار دل ہی وہ ہے جو خدا مین گم ہو جائے اور جو اسمین گم ہوا اسکو مددگار کی کیا ضرورت موسم بہار مین ایک دفعہ حضرت رابعہ حجرہ مین در آئین اور مدت تک باہر نہ نکلین خادمہ نے عرض کی کہ باہر آئیے اور خدا کی صنعت کو دیکھئے۔ انہون نے فرمایا کہ تو اندر آ تا کہ صانع کو دیکھے۔ مجھے صانع کے دیدار نے ایسا محو کیا ہے کہ صنعت کو دیکھنے کی ضرورت نہین۔

اہل تصوف کے احوال مین اس قسم کے کشفی انہار کثرت سے مل سکتے ہین مگر یہ ضرور ہی کہ وہ لوگ جو کچھ ظاہر کرتے ہین یا تو جذبۂ شوق مین بے اختیار زبان سے نکل جاتا ہے اور یا کسی الہام مین انکی رفتار کو تیز کرنے کے سوا کچھ اور عملی فایدہ ہی نہ ہوتے ہین جن کے واسطے اس کیفیت کو ظاہر کرنا ضروری تھا ہی جیسا کہ خواجہ بایزید کے کشف مین دیکھا گیا ورنہ ان دو صورتون کے سوا عام طور پر اہل تصوف اپنے کشف کو پوشیدہ رکھنا ضروری سمجھتے ہین تا کبر وغیرہ کی آمیزش نہ ہو چنانچہ شیخ ذوالنون مصری فرماتے ہین کہ دیکھنا ہرگز معرفت کا دعوی نہ کرنا کیونکہ اگر یہ دعوی سچا ہی ہو تو اپنی تعریف ہوگی اور صدیق اپنی تعریف نہین کیا چنانچہ شیخ ذوالنون کا مقولہ ہے کہ میرے سب سے بڑا گناہ

تو شک نہیں کہ زندگی کا یہ حصہ ایک خاص رغبت والا ہے کہتا ہے کیونکہ اسمیں یکو ہش زیادہ ہوتی ہے
او ثبوت مانگ کر اور کج بحثی کر کے زبان بند کر دیا کرتا ہے لیکن اگر تمہارا وجدان اور قلبی میلان
اس کے نتائج کے خلاف ہو تو دل کو پھیر لینے اور اپنی بات پر یقین دلوانے مین یہ بالکل ناکام رہتا ہے
اگر تمہارے اندر وجدان ہے تو تمہاری فطرت مین اس کا مرکز استدلال عقلی کے مرکز سے زیادہ
عمیق ہے۔ تمہارا وجدانی علم، تمہاری قلبی تحریک، تمہارا اعتقاد اور تمہاری ضروریات یہ سب ملکر
ایسے مقدمات بناتی ہین جن سے تمہارا دل ایک نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے اور تمہارے اندر کوئی جاننے والا
ہے جو جان لیتا ہے کہ یہ نتیجہ ان نتائج سے زیادہ سچا ہے جو عقلی کج بحثی سے پیدا ہوتے ہین خواہ
وہ کیسی ہی قوت سے مقابلہ کر رہے ہون اور یہ استدلال عقلی کا درجہ مین کمتر ہونا خواہ وہ مذہب کی
تائید مین پیش کیا جائے یا اسکی تردید مین ہر جگہ نمایان ہے وہ بڑے بڑے فقرے جن مین نظام کائنات
سے خدا کو ثابت کیا جاتا تھا اور جو ایک صدی پہلے قطعی اور یقینی سمجھے جاتے تھے آج وہ سب
ایسے حقیر ہو گئے ہین کہ کتب خانون مین انکی بجائے خاک بھر دی جائے تو مضائقہ نہین
اس تغیر خیال کی صرف یہ وجہ ہے کہ موجودہ نسل نے ایسے خدا کو ماننا چھوڑ دیا ہے جس کو دلائل
ثابت کرتی تھین۔ آج ہمارا اعتقاد ہے کہ خدا کیسا ہی ہو مگر وہ خدا نہین ہے جس نے اس دنیا کو
اپنا جلال ظاہر کرنیکے لئے پیدا کیا ہے۔ لیکن ہمارا یہ عقیدہ کیون پیدا ہوا ہے اسکو تقریر مین ہم
بیان نہین کر سکتے۔ نہ دوسرون کو تسلی دینے کے قابل اور نہ اپنی تسلی کے قابل۔ آج جو خیال پیدا
ہو رہا ہے کہ خالق اگر کوئی ہے تو وہ رحیم قادر خدا نہین بلکہ ایک جبار اور محدود ہستی ہے مین
اس کے خلاف بھی ایسی ہی بحث کر سکتا ہون جیسی خدا کے ثبوت کے خلاف ہو سکتی ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ الٰہیات اور مذہب کے دائرہ مین عقلی دلائل جبھی تک مفید ہوتی ہین جبکہ
خود ہماری وجدانی رغبت اس نتیجہ کو مانتی ہو۔ اس حالت مین بیشک ہماری ضمیر اور ہماری عقل ملکر
کام کرتی ہین اور اس سے ایک دنیا پر حکومت کرنیوالے عقائد جیسے بدھ یا رومن کیتھلک مذہب
ہین پیدا ہو سکتے ہین۔ اس وقت ہمارا میلان طبعی اعتقاد کا اصلی عنصر ہوتا ہے اور عقلی استدلال صرف

اسکو ترجمہ کرکے کلیہ قاعدہ بنانیکا کام ہوتیاہے۔ پس بے دلیل اور فوری یقین ہماری فطرت مین تہ نشین ہوتا ہے اور ثبوت عقلی سطح پر تیرنے والا انجلہ ضمیر رہتا ہے اور ذہن پر ہر اگر کسی شخص کو خدا کی ہستی کا ایسا ہی یقین ہے جیسا مینے گذشتہ حوالجات مین بیان کیا ہے تو تمہارے اعتراضی دلایل اس کے اعتقاد کو بدلنے کی جو کوشش کرین گے محض بیہودہ ہوگی "

مین یہ نہین کہتا کہ خلاف عقل اور بے ثبوت باتون کو مذہب مین فوقیت دینی چاہئیے اور عقل سے بالکل آنکھ بند کر لینی چاہئیے بلکہ صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ واقع مین دنیا کرتی یونہی ہے "

فاضل پروفیسر نے جہانتک مین خیال کرتا ہون بجا فرمایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ مذہب کی بنیاد وجدان پر ہے اور مذہبی جذبہ کسی فطرت مین موجود ہونے کے بعد دو رستے پیش آتے ہین ایک تو وہ تجربہ اور کشف کا رستہ ہے جسکی چند مثالین انہون نے لکھی ہین اور جو بقول انکے مذہبی دنیا مین بیشمار موجود ہین اور دوسرا رستہ استدلال عقلی کا ہے جو بعض لوگون نے وجدان کی رہنمائی کے بعد اختیار کیا ہے یعنی انکی رغبت مذہب کی تلاش اور مدعاے مذہب کی جستجو مین پیدا وجدان اور جذبہ فطری سے ہوئی ہے مگر اس پر یقین اور اعتقاد کرنے کیلئے ویسا تجربہ اور کشف حاصل نہین ہوا اور بجائے اُس کے عقلی غور و فکر اور قیاس و استدلال سے کام لینا پڑا ہے۔ اسکی عمدہ مثال موجودہ فلسفہ ہائے مذہبی مین مشہور جرمن فلاسفر امینوئل کانٹ کے مسلک مین ملتی ہے جس کے عقیدہ کو ڈاکٹر موصوف یون بیان کرتے ہین ✝:-

" امینوئل کانٹ خدا کی نسبت، پیش بینی کے ساتھ پیدا کرنیکی نسبت، روح اور روح کی آزادی اور حیات بعد الموت غرض ایسے عقاید کی نسبت عجیب مذہب رکھتے ہین۔ وہ کہتے ہین کہ یہ چیزین علم کا معمول نہین ہوسکتین (یعنی انکا علم نہین ہوسکتا) کیونکہ ہمارے تصورات ہمیشہ چاہتے ہین کہ کوئی محسوس چیز ہو جس پر وہ عمل کرین اور چونکہ لفظ خدا، روح اور سرمدیت، کے مقابل مین کوئی محسوس معنی موجود نہین اسلئے استدلالی طور پر تو ہم کہہ سکتے ہین کہ یہ الفاظ کوئی اصلیت نہین رکھتے مگر یہ عجیب بات ہے کہ عملی طور پر ہم اُن کے معاین معنی مراد لیتے ہین۔ ہم اس طرح پر کاروبار کرتے ہین گویا کوئی خدا کرتا ہے

✝ ورائٹیز آف دی ریلیجئس ایکسپیرئینس لکچر ۳ صفحہ ۵ سنہ ۱۹۰۲ء

ایسے طور پر غور و فکر کرتے ہین گویا ہم آزاد ہین۔ نظام فطرت کو ایسے طور پر دیکھتے ہین گویا وہ خاص پیش بینی کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ تدبیر کرتے ہین گویا ہم غیر فانی ہین اور پھر ہم پاتے ہین کہ یہ الفاظ ہماری اخلاقی زندگی مین ایک واقعی اختلاف پیدا کرتے ہین۔ پس ہمارا یہ اعتقاد کہ یہ کرہ نامحسوس اشیا موجود ہین اس بنا پر ویسا ہی اعتقاد ہے جیسا اس صورت مین ہوتا جبکہ ہم اس کو حقیقت مین تصور کر سکتے پس ہمارے ذہن کا یہ ایک عجیب نظارہ ہے کہ ہم ایسی چند اشیا کے حقیقی وجود کے قائل ہین جن کا تصور ہم کسی طرح بھی نہین کر سکتے۔

اگرچہ کانت نے اپنے اعتقاد کو محض جذبہ فطرت پر بنا کیا ہے اور دیگر عقلی دلائل سے کام نہین لیا بلکہ انکو ناکافی مانا ہے مگر چونکہ جذبہ فطرت کو علت ٹھہرا کر اس سے نتیجہ نکالا گیا ہے اس لیئے اُن کا مسلک بھی استدلال عقلی مین ہی داخل ہوگا اور معرفت کے اُن تجربون سے جداگانہ ہوگا جنمین خدا کی براہ راست حضوری اعتقاد کو مستحکم کر دیتی ہے پس غالباً مین غلطی نہین کرتا ہون جبکہ کہتا ہون کہ فطری کشش کے بعد دو مسلک ہو جاتے ہین ایک مین جذبۂ فطری کی شہادت پر جیسا کہ کانت کا خیال ہے یا کسی اور عقلی شہادت پر خدا کو ثابت کیا جاتا ہے اور ایک دوسرا مسلک ہے جسمین اپنے عینی مشاہدے اور اپنے کشف و الہام کو مدار ایمان ٹھیرایا جاتا ہے اور خدا کو اس لیئے مانا جاتا ہے کہ اسکو دیکھا ہے۔ پس جو خدائی کشش کے بعد جو عقلی طریقے خدا کو ثابت کرنے اور اس پر ایمان لانے کے ہر زمانے مین مختلف عقلا نے ایجاد کیئے ہین اگر انکی اس کوشش کو بھی وحی و الہام کے نام سے ملقب کیا جائے تو ایسی وحی کی نسبت مسٹر پارکر کا خیال بیشک درست ہوگا کہ اس مین کسی بالائی طاقت کو دخل نہین اور صرف وہی جذبہ فطرت اور عاقلانہ غور و تامل کی طاقت ہے جس نے ان عقلا کے ذہن مین خدا کو ثابت کرنے کی دلائل پیدا کین اور جذبہ فطرت اور عقل و ہوش کا نشان سب انسانون مین پایا جاتا ہے اس لیئے عقل و خرد کی وحی کو اگر وحی کہا جائے تو بقول ان کے یہ ایسی ہی وسیع ہے جیسی وسعت نسل انسانی کو حاصل ہے۔ مگر واقع یہ ہے کہ محض عقلی استدلال نہ وحی کے لقب سے ملقب ہے اور نہ کبھی مذہب کی بنیاد اس پر رکھی گئی ہے بلکہ جذبہ

فطرت سے مذہب کی تلاش پیدا ہونے کے بعد اُس کا وجود اور اُسکی اشاعت اُنہی لوگون کے توسل سے ہوئی ہے جو براہ راست خدا سے تعلق رکھنے کا اور اُس کے جلوے دیکھنے کا دعوے کرتے ہین اور پھر جب مذہب کے مخالف اسکا انکار کرتے ہین تو اُن کی دہان بندی کیواسطے مذہب کیجانب سے اپنے اپنے حال اور زمانے کے مناسب عقلی دلایل پیدا کی جاتی ہین۔

پروفیسر جیمس ایک اور لکچر مین فرماتے ہین [1]

"معرفت کے مضمون نے ہمین اس سوال تک پہنچایا ہے کہ آیا وجود باری تعالیٰ کا احساس کیا ایسا احساس ہے جس کو ظاہر مین نظر بھی صحیح مان سکے۔ اس سوال کو پہلے تصوف کے آگے پیش کیا تو اگرچہ تصوف نے بڑے زور سے اس کے ثبوت کا دعویٰ کیا مگر اس کے تجربے ایسے مخفی اور نیز باہم اگر مختلف ہین کہ اس کا فیصلہ عام طور پر قابل تسلیم نہین ہوتا البتہ فلسفہ دعوے کرتا ہے کہ جو فیصلہ اسکی بارگاہ سے صادر ہو وہ عام اہل الرائے کے نزدیک قابل تسلیم ہوتا ہی اس لیئے یہی سوال فلسفہ کے آگے پیش کیا جاتا ہے۔ ..... (آگے فلسفہ کے رو سے جو فیصلہ انکے ذہن نے کیا ہے اسکو یون بیان کرتے ہین) میرا اعتقاد ہے کہ مذہب کا اصلی سرچشمہ ضمیر یا وجدان ہے اور فلسفیانہ اور عالمانہ دلایل جو اسکی تائید مین پیش کی جاتی ہین وہ دوسرے درجہ پر ہین اور ضمیر کے فیصلہ کو ان سے وہی نسبت ہی جو کسی مضمون کو اس کے دوسری زبان کے ترجمہ سے ہوتی ہے مگر صرف اتنا کہنے سے غلط فہمی واقع ہوتی ہے اس لیئے مین بیان کرتا ہون کہ میرا مطلب کیا ہے"

جب مین عالمانہ دلایل کو دوسرے درجہ پر کہتا ہون تو اس سے میرا یہ مطلب ہی کہ اگر کوئی دنیا ایسی ہو جسمین مذہبی احساس پیدا ہی نہ ہوا ہو تو مین یقین نہین کرتا کہ ایسی دنیا مین محض عقل کی رہنمائی سے مذہب پیدا ہو جائے اور مین یقین نہین کرتا کہ ایسی دنیا جسمین ایکطرف تکالیف اور تکالیف کے ساتھ اُن سے نجات پانے کی تلاش اور دوسری طرف عارفانہ الہام نہ ہوتے تو ایسی دنیا مین صرف خشک عقلی غور و فکر ایسا مذہبی فلسفہ پیدا کر سکتا جیسا کہ آج ہمارے پاس موجود ہے اُس

[1] ورائٹیز آف ریلیجیس اکسپیرینس لکچر ۱۸ صفحہ ۴۳۳ سنہ ۱۹۰۲ء

دُنیا مین صرف مظاہر قدرت کی عالمانہ چھان بین ہوتی اور یہی دُنیوی علوم مرتب ہوتے جو آجکل موجود ہین یا سائنس اور علوم کے ساتھ کسیقدر روحانی مناظر کی تلاش کیجاتی جیساکہ اب بعد مین اسکی طرف میلان ہوا ہے لیکن وہ بلند پروازیان جو خود ساختہ اور خیالی دلائل مذہبی کی صورت مین کیجاتی ہین اسکی طرف اس دُنیا کے لوگون کا میلان ہرگز نہ ہوتا کیونکہ ان کو خدا کے ساتھ راہ ورسم پیدا کرنیکی کوئی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ پس بدلائل عقلی میرے نزدیک عقاید ثانوی اور بیرونی عمارتین ہین جن کو عقل نے ضمیر کی ہدایت اور وجدان کا اشارہ پاکر بنالیا ہے" اس لکچر کے آخر مین لکھتے ہین

"مذہب جو کچھ اظہار کرتا ہے وہ حقیقت مین ذاتی تجربہ کی چیز ہے۔ وہ خدا کو واقع مین حاضر وناظر جانتا ہے اور بندہ اور خدا مین تعلقات داد وستد کو واقعی سمجھتا ہے۔ پس اگر اس عقیدے مین اپنے بل پر کھڑا ہونے کی طاقت نہ ہو اور استدلال عقلی سے مدد لینے کی ضرورت ہو تو استدلال اسے اتنا بڑا سہارا دینے سے قاصر ہوگا جسکی اسے ضرورت ہے۔ استدلال بیشک واقعات کی تقسیم تعریف اور توضیح کرسکتا ہے لیکن انکو پیدا نہین کرسکتا اور نہ ان کو مشخص ومعین کرسکتا ہے اور مذہب مین یہان تک زور دیا جاتا ہے کہ گویا خدا وہ سامنے موجود ہے پس اسے صرف وجدان ہی ثابت کرسکتا ہے۔ فلسفہ اس فضا مین دوسرے درجہ کی قوت ہے اور عقیدے کی صداقت کو ثابت نہین کرسکتا پس تاسف آمیز متانت کے ساتھ ہمکو یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ تجارب مذہبی کی صداقت کو محض ذہنی عمل (عقل) سے ثابت کرنا بالکل خلاف امید ہے"۔

غرض معلوم ہوا کہ مذہب کے تین خادم ہین۔ جذبۂ فطرت، تجربہ یعنی کشف اور استدلال۔ ۳ تین خادم ہین

ان مین سے جذبۂ فطرت اصل الاصول ہے اور جیساکہ ذکر ہوا کم وبیش تمام انسانون مین موجود ہے اور اسکی نسبت یہ سوال بے محل ہے کہ اسمین کسی بالائی طاقت کو دخل ہے یا خود بخود موجود ہے کیونکہ انسان اور فطرت انسانی کا جو خالق مانا جائیگا اسی طرف فطرت اور خواص فطرت بھی منسوب ہونگے اور استدلال چونکہ عقل کی ایجاد ہے اسلئے جہان عقل کا وجود ہوگا وہان اس کا وجود بھی ممکن ہے پس براہ راست بالائی طاقت کا دخل صرف اپنی حالات کی نسبت دیکھنا باقی رہا جن مین

بیواسطہ خدا کی حضوری ہوتی ہے سو اسکی نسبت غور کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ تجربہ کیلئے نیچر مین کیا قانون مقرر ہے کیونکہ جو قاعدہ عام طور پر تجربہ کیواسطے مقرر ہوگا ضرور ہے کہ آلہیات کے تجربے پر بھی وہی نافذ ہو سکیگا۔

موجودات عالم مین سب سے کم درجہ جمادات کا ہے اوس کے اوپر حسب ترتیب نباتات حیوانات اور انسان کا درجہ ہے اور ان سب کا ایک دوسرے پر اثر ہوتا ہے اور علی ہذا طاقتون مین قوت کیمیائی، قوت نمو، قوت حیوۃ، قوت فعل، اور قوت ارواح ایک دوسرے سے افضل و برتر ہین اور ایک دوسرے پر موثر۔ جمادات کو نباتات اپنے نسون اور مسامون سے جذب کرتی ہین وہ ان کے بدن مین پہنچکر ان کو نشو و نما بخشتی ہین اور کبھی بعض جمادات اپنے اثر سے اُن کے نشو و نما کو زایل کر دیتی ہین حیوان جمادات اور نباتات دونو سے خوراک حاصل کرتا اور اس سے بڑھتا ہوا ہے مگر کبھی وہی خوراک اپنے اثر سے اسکی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔ انسان ان سب کو اپنی ضرورتون مین صرف کرتا ہے اور کبھی فائدہ اُٹھاتا ہے کبھی نقصان۔ اسی طرح کیمیائی طاقتین جب اپنی اصلی حالت مین ہون کسی غیر چیز کے در آنے پر اگر وہ ٹھوس ہو مثلاً لوہا زمین مین دفن کر دیا جائے تو تحلیل کر دیتی ہین اور اپنی موجودہ شکل مین لے آتی ہین اور اگر متخلخل ہو مثلاً روئی زمین مین دبا دی جائے تو اسکے اجزا کو خاک بنا کر پیوستہ کر دیتی ہین اور اپنی ترکیب کے قانون کو ظاہر کرتی ہین۔ لیکن قوت نمو اپنے اثر سے کیمیائی ترکیب سے فائدہ اُٹھاتی ہے اور تحلیل کو باطل کرتی ہے یعنی درخت کی جڑین جو زمین مین دفن ہوتی ہین بجائے تحلیل ہو کر مٹی ہو جانیکے زمین کے ذرون کو جذب کر کے اپنے جسم کو بڑھاتی ہین۔ قوت حیوۃ ان دونو سے فائدہ لیتی ہے اور کبھی کسی چیز کو تحلیل کر کے کام مین لاتی ہے اور کبھی ترکیب سے اپنا مطلب نکالتی ہے۔ قوت فعل جو ان سب پر فائق ہے سب سے خدمت لیتی ہے وہ ان سب کے کیمیائی خواص سے ترکیب و تحلیل کا کام لیتی ہے اور غذا و دوا کا استعمال کر کے جسمانی اجزا کو پیوستہ کرتی اور غیر مفید مواد کو تحلیل کرتی رہتی ہے نباتات کی قوت نمو سے فائدہ اُٹھا کر غذا اور دوا کے سامان فراہم کرتی ہے اور حیوان کی قوت حیوۃ سے مستفید ہو کر اسکو انسانی

ضرور نون کیلیئے مطیع و منقاد بناتی ہے اور اس طرح سب قسم کے اجسام اور ہر طرح کی طاقتین ایک دوسرے پر اثر کرتی دکہائی دیتی ہین۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو ایک فریق اثر کرنیوالا ہے اور دوسرا اثر قبول کرنیوالا ایک فاعل ہے اور دوسرا منفعل۔ جمادات سب سے نیچے ہین اسلیئے سب کا اثر قبول کرتے ہین اور جو اثر ان کا نباتات وغیرہ پر دیکہا جاتا ہے اسمین فاعل و حقیقت اور پودے ہوتے ہین یعنی نباتات اپنی جڑون کی کشش سے کہاد کو اور تنہ اور پتون کی کشش سے نم اور ہوا کو جذب کرتی ہین انکی فاعلیت سے جو اجزا جسم مین در آتے ہین ان پر نباتات کی قوت محللہ اپنی فاعلیت کا اثر ظاہر کرتی ہے اور تحلیل کر کے جزو بدن بنالیتی ہے یا اگر نبات کسی ایسی زمین یا ہوا مین پیدا ہوئی ہے جس کو لوگ نشو و نما کیلیئے مضر کہا کرتے ہین تو وہان بہی فاعلیت اس زمین یا ہوا کی طرف منسوب ہونے کی بجائے حقیقت مین نبات ہی کو حاصل ہے یعنی اسکی قوت کشش یا تو نامناسب غذا کو کشش ہی نہین کرتی اس لیئے اسکی جسمانی ترقی یا بالفاظ دیگر اسکی نباتیت زائل ہو جاتی ہے اور یا اُسکو کشش کرنیکے بعد جب قوت محللہ ان ذرات کو جزو بدن بناتی ہے تو چونکہ وہ ذرات نباتی غذا کے منافی ہوتے ہین اُن سے جو جسم بنتا ہے وہ نبات نہین رہتا۔ غرض ہر حال مین جمادات کا اثر نباتات پر نباتات کی اپنی کشش اور فاعلیت پر موقوف ہے۔ اور اسی طرح جمادات اور نباتات دونو کا اثر حیوان پر اُس کے اپنے مُنہ سے نگلنے یا تنفس و مسام سے کشش کرنے پر یعنی اسکی اپنی فاعلیت پر منحصر ہے اور علیٰ ہذا القیاس انسان جو کچھ مفاد ان اشیاء سے اُٹھاتا ہے اسمین بھی وہی فاعل ہے اور دیگر تمام اشیا منفعل۔ اسکی طبعی کشش خوراک کو جزو بدن بناتی ہے اور ارادی حرکت نباتات اور حیوانات سے کام لیتی ہے اگر وہ درخت کو اُگانا اُگے ہوئے کو توڑنا یا ٹوٹے ہوئے کو اُٹھانا نہ چاہے تو قوت نمو کا کوئی اثر اس تک نہ پہنچیگا اور اگر جانور کو اپنے ساتھہ ملانا اور مطیع کرنا نہ چاہے تو قوت حیات اُس پر کوئی عمل نکریگی۔ غرض ہر ایک عمل مین اعلیٰ اور قوی فاعل ہوتا ہے اور ادنیٰ اور ضعیف منفعل۔ اب اس عمل سے اور عمل کا اثر ظاہر ہونے سے جو واقفیت اور شناسائی فریقین کو ایکدوسرے سے ہوتی ہے اگر اس کا نام تجربہ رکہین (اور درحقیقت تجربہ اسیکو کہتے ہین)

تو بیشک انسان کو حیوان کا تجربہ ہے اور حیوان کو انسان کا مگر اس تجربہ مین حیوان کی اپنی کوشش کو چندان دخل نہین ۔ بیشک کتے مین یہ خاصیت ہی کہ وہ انسان سے مانوس ہو کر اس پر اپنی جان فدا کرے اور اسکی عادات وخصایل سے آگاہ ہو کر اس کے اشارہ پر چلے لیکن جبتک انسان کتے کو مانوس کرنا چاہے کتا انسان کا تجربہ ہرگز حاصل نہین کر سکتا اور اسی طرح اگر نباتات مین شعور فرض کر لیا جائے اور جو حالت اسکی نخلبندی یا کھانے کے وقت ہوتی ہے اس کے احساس کا نام تجربہ رکھا جائے تو جو تجربہ نبات کو حیوان یا انسان کی نسبت ہے وہ اوسکو ہرگز حاصل نہ ہو اگر انسان اور حیوان خود اسکی طرف توجہ نہ کرین ۔ علی ہذا لکڑی کو آگ کا اور لوہے کو مقناطیس کا تجربہ ہرگز نہ ہو اگر آگ اور مقناطیس آن کو یہ تجربہ کروانا نہ چاہین مین شاید اس مضمون کو جس طرح پر میرے دل مین ہے ابتک ادا نہین کر سکا اور اس لیئے شاید کوئی یون کہہ سکے کہ خوراک انسان اور حیوان مین جاتی ہے گو اسکو تحلیل کر کے جزو بدن بنانے والی طاقتین انسان و حیوان مین ہوتی ہین ۔ مگر اس کے بعد خوراک کے اجزاء کا اثر ہی کہانیوالے پر ہوتا ہے جس سے وہ کبھی توانا ہو جاتا ہے اور کبھی مختلف امراض کا شکار بنتا ہے اور اس اثر مین فاعل خوراک ہے اور اسکے علاوہ شیر جو انسان کو پہاڑتا ہے اور یون اُسکا تجربہ حاصل کرتا ہے اسمین انسان کے اپنے فعل کو کچھ بھی دخل نہین اور خود شیر فاعل ہے اور انسان منفعل ہے ۔ مگر نہین ، یہان شیر کو انسان کا جس قدر تجربہ ہے وہ یہی ہے کہ اس شکل کی چیز گوشت دار ہوتی ہے جو میری غذا ہے اور کہانے کے بعد اُس ذائقہ سے آشنا ہوتا ہے جو انسان کے گوشت مین ہوگا مگر انسان کی شکل اور گوشت کا ذائقہ عام جسمانی صفات ہین جن کا اسے تجربہ ہوا نہ انسان بحیثیت انسان ہونے کے جو صفات رکھتا ہے انکا تجربہ شیر کو اسی وقت ہوتا ہے جبکہ بہادر انسان شجاعت کے زور سے اور سرکس کا ایکٹر عقلی تدبیرون سے اسکو زیر کر لیتا ہے اور اس وقت اس تجربہ مین فاعلیت ظاہر ہے کہ انسان کی جانب سے ہی اور اسی طرح اگر خوراک کے ذرات مین شعور ہو اور انسان کے اثر کا نام تجربہ

رکھا جاوے تو خوراک کو جو تجربہ کھانیوالے کا اپنا اثر کرنیکے وقت ہوتا ہے وہ اسکی عام جسمانی صفت کا ہونا ہے ورنہ خاص حیوانی یا انسانی صفات کا تجربہ خوراک کو اسی وقت ہوتا ہے جبکہ وہ ارادی حرکتوں سے اسکی طرف جھپٹتا ہے عقلی تدابیر سے اسکو مہیا کرنے کا اہتمام کرتا ہے اور طبعی کشش سے اسکو جذب کرتا اور جزو بدن بناتا ہے اور ان صورتوں مین وہ خود فاعل ہوتا ہے اور خوراک منفعل۔

غرض تجربہ کا عام قانون یہ ثابت ہوا کہ اعلیٰ کی فاعلیت کے بغیر ادنیٰ کو اوس کا تجربہ نہین ہو سکتا بیشک انسان کو بہت بڑا تجربہ ہے وہ اپنی عقل سے زمین کی تہ تک پہنچ گیا ہے اور آسمان کی چوٹی تک اور جو حالات اجسام سفلی اور اجرام علوی کے اُس پر منکشف ہوئے ہین اُن کے گھمنڈ مین وہ اپنی عقل کو غیر محدود اور ہر چیز کو اپنی گرفت کے اندر سمجھنے لگا ہے مگر وہ آفتاب کو ناپ رہا ہو یا زمین کو تول رہا ہو اسکی اپنی کوشش سے جس قدر تجربہ حاصل ہوا ہے وہ محض کم درجہ کی مخلوقات کا ہے۔ اس نے چاند کے پہاڑون کو دیکھ لیا تو اور آفتاب کے داغون کو جانچ لیا تو محض روشنی اور روشنی کے مختلف رنگون کو دیکھا ہے جو ایک کیفیت ہی اور اُن کے ماپ تول اور عناصر کی نسبت قیاس دوڑائے ہین جو جمادی جسم اور اُن کے خواص ہین۔ اپنے سے کسی بالاتر ہستی کا تجربہ ایک طرف وہ خود اپنا اور اپنے برابر والون کا تجربہ بھی نہین کر سکتا۔ انسان کی نسبت اُس کے معلومات کیا ہین؟ محض جسمانی ساخت جسمانی عناصر اور جسمانی خواص غرض وہی باتین جو کم و بیش اس سے کم رتبہ یعنی حیوان اور نباتات مین بھی پائی جاتی ہین مگر جس چیز کے سبب سے انسان انسان بنا ہے اور جو اسے دیگر موجودات سے برتری دیتی ہے اس کا انکشاف نہ آجتک ہوا ہے اور نہ غالباً آگے کبھی ہو۔

پس جب کیفیت ہی اور دستے اعلیٰ کو بلکہ برابر والے کو بلکہ خود اپنے تئین بھی نہین دیکھ سکتا تو کس بنا پر کہا جاتا ہے کہ اُس بالاتر سے بالاتر ہستی کا جلوہ اور اسکی ذات و صفات کے متعلق انکشاف انسان خود اپنی کوشش سے حاصل کر سکتا ہے اور جب یہ صورت ہی تو وحی

ذات الٰہی کا انکشاف انسان کی اپنی عقل سے

جو ایک اعلیٰ درجہ کا تجربہ ہے اور جسمین نہ صرف جلوہ ربانی پر اکتفا ہوتا ہے بلکہ انسان پر ایسے تجربون سے خدا کی معرفت حاصل کرنے اور خلق اللہ کو ایسے عرفان تک پہنچانے کے وسایل بھی جن کو عبادت کہا جاتا ہے منکشف ہو جاتے ہین اسکی نسبت کیونکر دعوے ہو سکتا ہے کہ ایسا بڑا انکشاف خود انسان کا اپنا دماغی عروج ہے" اور اسکی اپنی کوشش سے حاصل ہوتا ہے اور خدا کی فاعلیت کا اسمین کوئی دخل نہین -

مسٹر پارکس ہمکو وہی کوئی معجزہ نہین" کہکر ڈرا [illegible] کا لفظ آجکل کسی چیز سے نفرت دلوانے اور خوفزدہ کرنیکے لیئے کافی ہے لیکن اگر معجزہ کے معنی خلاف قانون قدرت کے ہین تو ادنی کا محض اپنی کوشش سے اعلے تک پہنچ جانا بیشک معجزہ ہے اور اس جرم کے مرتکب مسٹر پارکس ہین کہ وحی کو خلاف قانون تجربہ مان کر آجکل کے فلاسفرون سے معجزہ منوانا چاہتے ہین مگر جو لوگ خدا کی فاعلانہ حرکت سے ایسے جلوون کا نظر آنا مانتے ہین وہ بالکل لا اف نیچر یعنے فطرۃ اللہ المستمرہ کے موافق اعتقاد رکھتے ہین اور معجزہ ماننے کے گنہگار نہین ہین - سرکس کا گھوڑا خواہ کیسا ہی اصیل ہو اگر مالک تعلیم نہ دے گھوڑا اپنے آپ اسکے اشارون کو نہ سمجھیگا اور ہاتھ اٹھانے پر بیدم ہو کر نہ لیٹ جائیگا اسی طرح انسان خواہ کیسا ہی نجیب و شریف ہو جبتک خود خدا اپنی حضوری نہ دے محض اپنی کوشش سے اسکی معرفت کا عین الیقین حاصل نہ کریگا اور اس کے نور سے روح کو منور نہ کرسکیگا - یہ ضرور ہے کہ مٹی اور ہوا سے نبات انہی اجزا کو جذب کرتی ہے جن مین نبات بننے کی قابلیت ہے - نبات مین سے حیوان انہی پتون اور پھلون کو کہاتا ہے جو اس کو گوارا ہین نبات و حیوانات وغیرہ مین سے انسان انہی کو استعمال کرتا ہے جو کام کے لایق ہین اسی طرح خدا انہی بندون پر وحی کرتا ہے جنکی فطرت اس بار گرانمایہ کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہین کہ انسان کی اپنی قابلیت کو بھی اس منصب مین دخل ہے اور اسی لیئے انبیا کو حسب فطرت دیگر بنی نوع سے فایق اور افضل مانا جاتا ہے مگر نبات کی کوشش کو ذرات کے جذب کرنے مین حیوان

کی خواہش کو نبات کے نگلنے میں انسان کے ارادہ کو مخلوقات سے کام لینے میں جس قدر دخل ہے بس اسی قدر دخل خدا کو وحی بھیجنے میں سمجھا جاسکتا ہے یعنی اسکی طرف سے فعل اور انسان کیطرف سے انفعال۔ پس اگر نبات حیوان اور انسان کی فاعلیت معجزہ اور خلاف قانون نہیں ہے تو خدا کی فاعلیت بھی معجزہ نہ ہوگی ۔

مسٹر پارکر یہود و نصاریٰ اور اہل اسلام کو الزام دیتے ہیں کہ وہ چند مصنفین پر وحی کو محدود سمجھتے ہیں اور خدا کے حاضر و ناظر اور سرمدی فاعل ہونیکا واسطہ دیکر تمام انسانوں کو وحی کا شرف دلوانا چاہتے ہیں مگر نہیں معلوم یہود و نصاریٰ پر یہ الزام کہاں تک درست ہے البتہ اسلام کے بارہ میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ بہتان کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اسلام ہر قوم میں رسول بھیجنے کا مدعی ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر پ۲۲ ع ۳) اور خدا کی رحمت کو انسان ایک طرف تمام اشیاء پر وسیع مانتا ہے رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف پارہ ۹ ع ۱۹) مگر اس بارہ میں وہی عمل کا قانون پیش نظر کہنا ہوگا۔ انسان جو جانور خریدتا ہے چاہتا ہے کہ اس کے اشاروں پر کام کرے اور اس غرض کیلئے سب پر حتی الوسع جان کھپاتا ہے مگر تمام عمر کے عمل میں چند یا ایک آدھ جانور ہی ایسا نکلتا ہے جو اسکی آرزو کو پورے طور پر بر لاتا ہو۔ کتے سب یکساں ہیں مگر شکار کی مہارت اور آقا پر جان قربان کرنے کی صفت سب میں موجود نہیں اور جن میں موجود ہے ان میں سے بھی وہ بہت ہی نادر ہیں جنکی خدمت اور وفاداری کے گیت گائے جائیں اسی طرح باریک ذرات والے جمادات اور سبز پتوں والے درخت سب ہیں مگر ان میں وہ بہت کم ہیں جو نباتات کو تر و تازہ اور جانوروں کو فربہ کرنے کی خاصیت رکھتے ہیں۔ غرض ان سب حالات میں کام لینے والوں کیطرف سے بخل نہیں ہوتا مگر کام آنیوالے کی استعداد کے سبب اثر میں ہزاروں کوس کا فرق نظر آتا ہے یہی کیفیت اس فعل کی ہے جو خدا کی طرف سے روحانی صفائی کے لیئے کیا جاتا ہے۔ مبدأ فیاض کیجانب سے بخل نہیں مگر مادہ قابلیت چند انسانوں میں پایا جاتا ہے اور وہی اس برکت سے بھی مستفید

...بہت ہیں
...نسان بھی
...ہو سکتے۔

ہوتے ہین۔ آفتاب کی روشنی (جو سات رنگون سے مرکب مانی جاتی ہے) جب کسی شفاف
چیز پر پڑتی ہے تو اپنا پورا جلوہ دکھاتی ہے لیکن رنگدار شیشہ اپنی ہمرنگ شعاعون کے سوا
روشنی کے باقی تمام رنگون کو جذب کر لیتا ہے اور اس لیئے روشنی شیشے کے ہمرنگ ہو جاتی ہو
سیاہ چونکہ (حسب تحقیق جدید) تمام رنگون سے محروم ہے اس سبلیئے وہ روشنی کو بالکل جذب کر لیتا
ہے اور روشن دان کو سیاہ کر دینے سے کمرہ تاریک ہو جاتا ہے مگر اس طرح تاریکی پھیلنے
یا مختلف رنگون کی روشنی پیدا ہونے سے آفتاب پر کوئی الزام عاید نہین ہوتا اور اُس کے فیض
عام سے کسیکو انکار نہین اسی طرح وحی ربانی اپنے کامل اوصاف سے اُسی باقبال پر نازل ہوتی
ہے جس کا قلب رذایل کے تمام الوان سے پاک اور نور معرفت کو اخذ کرنیکے قابل ہو اور
چونکہ ایسے نفوس قدسیہ کم ہین اسلئے منصب نبوت بھی اسی نسبت ہی عطا ہوتا ہے۔

مسٹر پارکر اس اختلاف حالات سے انکار نہین کرتے مگر اسے تسلیم کرنے مین اپنے
انداز کو بھی نہین بدلتے چنانچہ فرماتے ہین [ا]

چونکہ خدا نے فطرۃً کسی نسل اور کسی انسان کو عقل، ضمیر، محبت اور روح سے محروم نہین کیا اسی طرح کسی
کو وحی سے بھی محروم نہین رکھا۔ یہی ہماری تمام ہستی کیلیئے روشنی ہے اور تمام انسانی قابلیتون
کیلیئے بنیاد ہے اور یہی واحد ذریعہ ہے جس سے ہم اُس نادیدہ ہستی کا علم، تمام محسوس علوم
کی منطقی شرطین اور روحانی دنیا کارستہ پاتے ہین جیسا انسان مادہ کے بغیر نہین رہ سکتا
ویسا ہی خدا کے بغیر نہین رہ سکتا پس نظر کی طرح وحی بھی اپنی نوع مین سب جگہ یکسان ہوگی۔ البتہ
درجات کے لحاظ سے ایک قوم کی نسبت دوسری قوم مین اور ایک انسان کی نسبت دوسرے انسان
مین متفاوت ہوگی۔ کیونکہ وحی کا درجہ دو چیزون پر منحصر ہوگا ایک تو فطری قابلیت اور خاص خاص
ذہنی اخلاقی اور مذہبی جذبات پر جو ہر شخص کو خدا کی طرف سے دیئے گئے ہین اور دوسرے اس
طریق استعمال پر جو انسان ان عطیون کی نسبت اختیار کرے۔ مختصر یہ کہ درجات کا فرق
انسانی فطرت کی مقدار اور اطاعت کی مقدار پر موقوف ہے اور چونکہ انسان اپنے فطری عطیون

[ا] اے ڈسکورس آف میٹرز پرٹیننٹ ٹو ریلیجن جلد دوم باب ششم صفحہ ۱۷۱ اشاعت ۱۸

ہین اور اس سے بہت زیادہ وہ ان عطیون کے استعمال مین باہمدگر مختلف ہین اس لیئے ان مین نہایت حقیر درجہ کے گنہگار سے لیکر اعلیٰ درجہ کے پارسا تک وحی کے درجات بہی مختلف ہون گے۔"

یہان "خدا کے بغیر نہ رہ سکنے" سے تمام انسانون کے لیئے وحی کو عام ماننا تو ایسا ہی ہے جیسے آفتاب کے فیض عام سے شیشہ کو منور سمجہنا البتہ وحی کے درجات کا مختلف ہونا وہ بجا فرماتے ہین کہ انسان کی اپنی استعداد اور اس کے استعمال پر منحصر ہے لیکن یہ بات کہ وحی ہوتی سب کو ہے اور صرف درجات کا تفاوت ہے اسمین بہت کچہ کلام ہے۔ حقیر درجے کے گنہگار پر جس وحی کا آنا وہ تسلیم کرتے ہین اگر اس سے مراد وہ تجلی ربانی ہے جس سے انسانی روح اُس کی ذات وصفات کا تجربہ حاصل کر کے صاف اور منور ہوجاتی ہے اور نہ صرف نور اور صفائی حاصل کرتی ہے بلکہ اپنی روشنی سے دیگر جویندگان راہ کو مشعل دکہا کر منزل مقصود تک پہنچا دیتی ہے تو گنہگار پر ایسی وحی اور ایسی تجلی کا ہونا بالکل خلاف قانون اور خلاف واقع ہے اور خود مسٹر پارکر تسلیم کرتے ہین کہ "بیوقوف کو دانائی کی' بدکار کو نیکی کی اور رند کو مذہب کی وحی نہین ہوسکتی" پس اس بنا پر صرف درجات کا فرق نہین ثابت ہوتا بلکہ معلوم ہوتاہے کہ ایک پر وحی ہوتی ہے اور دوسرا اس سے بالکل محروم رہتا ہے۔ اور اگر ان کا مقصد اُس جذبہ فطرت سے ہو جو انسان کو بالائی ہستی کیطرف کہینچتا ہے اور جس کو جذبہ مذہبی کہتے ہین یا جو جذبہ نیکی کی رغبت پیدا کرتا ہے اور جذبۂ اخلاقی کے نام سے موسوم ہے تو بیشک یہ دونو جذبے کافر و مومن اور فاسق اور پارسا سب مین موجود ہین ۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ط (دہر پارہ ۲۹ ع ۱)	ہمنے اس کو رستہ دکہا دیا ہے اب چاہے شکر گزار بنے یا ناشکری کرے
اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ط (بلد پارہ ۳۰)	کیا ہمنے اسکو دو آنکہین زبان اور دو لب نہین دئے اور کیا اُسکو دو نو رستے نہین بتائے
فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ط (شمس پارہ ۳۰)	(خدا نے) بتائی اسکو اسکی بدکاری اور نکوکاری

یہ دونو جذبے یعنی مذہبی اور اخلاقی چونکہ خدا کی طرف سے ہین اس لیئے مجازاً ان کو وحی کہاجائے تو مضایقہ نہین مگر حقیقت مین یہ وحی نہین ہین البتہ ان کے وجود سے وحی کا رستہ صاف ہوتا ہے اور انسان مین ترقی کی خواہش پیدا ہوکر وہ اپنی طرف سے ایسی کوشش بجالاتا ہے جس سے تو بیرمادی کو اخذ کرنے کی قابلیت ہو اور پھر کوشش کا تفاوت نتایج مین اختلاف پیدا کرتا ہے مثلاً اگر شیشۂ دل مادی کدورتون اور جسمانی ناجایز خواہشون سے بالکل صاف ہوگیا ہے تو آفتاب وحدت کی روشنی براہ راست اس پر جلوہ کرتی ہے اور وہ اس آئینہ کی طرح منور ہوجاتا ہے جو آفتاب کے سامنے رکھا ہو اور یہی لوگ ہین جن کو رسول یا پیغمبر کہا جاتا ہے اور اگر پاکیزگی کے اُس درجہ تک نہین پہنچتا اور نور بے کیف کو بے واسطہ اخذ کرنے کے قابل نہین ہوتا تو منور ہونے کیلئے کسی اور قلب مصفا کی وساطت تلاش کرتا ہے جیسے آفتاب کے سامنے رکھے ہوئے آئینہ کی شعاع بازگشت دوسری چیزون کو انکی حیثیت کے موافق روشن کردیتی ہے وہ شخص قلب صافی کے جلوہ سے حسب طاقت نور حاصل کرتا ہے اور ایسے لوگ پیغمبر کی اُمت اور اُس کے پیرو مشہور ہوتے ہین لیکن اگر کوئی شخص جسمانی خواہشون اور دنیوی آلایشون سے مغلوب ہوکر مذہبی جذبہ کو ضایع کردیتا ہے تو وہ اس سیاہ تختہ جیسا ہے جو آفتاب کی تمام شعاعون کو رایگان چھوڑتا ہے اور مطلق روشن نہین ہوتا۔ ایسے لوگ نہ بلاواسطہ منور ہوسکتے ہین اور نہ کسی درمیانی واسطہ یعنی نبی کی ہدایت سے مستفید ہوتے ہین اور باوجودیکہ دنیا مین انبیا کی آواز کا ہر طرف غلغلہ ہے مگر وہ لوگ سوائے تاریکی اور گمراہی کے کچھ نہین پاتے۔ اور اسی لیئے ارشاد ہے کہ انبیا کی ہدایت انھی لوگون کو مفید ہے جو جذبۂ مذہبی کے سبب بے دیکھے خدا کی طرف متوجہ ہین ورنہ جس طرح بہت لوگ اس سے راہ راست پاتے ہین اسی طرح اکثر اشخاص گمراہ بھی ہوتے ہین اور وہ وہی ہین جنھون نے اپنے ازلی عہد کو توڑ دیا ہے یعنی جذبہ مذہبی ضایع کردیا ہے

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (بقر ع)	یہ کامل کتاب ہے۔ اس مین کوئی شبہ نہین۔ یہ ہدایت ہے پرہیزگارون کیلئے جو ایمان لاتے ہین غیب پر

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا وَّيَهْدِي بِهٖ كَثِيرًا ۗ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۙ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهٖ

(بقرہ پارہ ۱ ع ۳)

وہ اس سے اکثر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے اور گمراہ انہی کو کرتا ہے جو فاسق ہین اور جو خدا کے پیمان کو (از ل مین) مضبوط کرنے کے بعد توڑتے ہین -

انبیا کی ضرورت

غرض مذہبی جذبہ جو سب مین موجود ہے وہ اور چیز ہے اور صرف انسان کو استعداد پیدا کرنیکا کام دیتا ہے اور وہ جلوہ ربانی جس کو وحی کہتے ہین اور چیز ہے جو بالاتر ہستی کی اپنی توجہ اور فاعلیت سے حاصل ہوتا ہے - مسٹر پارکر کی نظر صرف جذبۂ مذہبی تک محدود ہے اور اسی کو وحی سمجھتے ہین - اِسی لیئے اسکو تمام انسانون کے لیئے عام مانتے ہین اور وہ اور ان کے دیگر ہمخیال جو انبیا کی ضرورت کو تسلیم نہین کرتے اور کہتے ہین کہ انسان محض خدا کو ماننے سے نجات پا سکتا ہے اور کلمتہ اللہ خود اس کے اندر موجود ہے وہ اس امر کو بالکل نظرانداز کر دیتے ہین کہ مذہب جیسا کہ ذکر ہو چکا تجربہ کی چیز ہے اور تجربہ بھی ایسی ہستی کا جو از روئے فطرت انسانی ہستی سے بالاتر ہے پس اسکی معرفت اور اسکی ذات و صفات کے تجربہ کیلئے خود اُس ذات کی توجہ درکار ہے - یہ لوگ مذہب اور عقل اور نیز مذہب اور اخلاق مین تمیز نہین کرتے اور اس لیئے اپنی عقل کے گھمنڈ مین سمجھتے ہین کہ جس طرح وہ جسمانیات کی تحقیق کر سکتی ہے اسی طرح الٰہیات مین بھی اس سے کام نکل سکتا ہے - اور مذہب کا ثمرہ محض اخلاق کو سمجھ کر کہنے لگتے ہین کہ اخلاق حسنہ کو حاصل کرنے پر مذہب سکھانیوالون کی ضرورت نہین رہتی حالانکہ دونو اصول غلط ہین عقل محض جسمانیات پر حاکم ہے اور اپنی ہم پلہ یعنے روح اور اپنے سے برتر یعنے خدا کی نسبت وہ کوئی تجربہ نہین کر سکتی - اور اخلاق مذہب کا واحد ثمرہ بلکہ مہتم بالشان ثمرہ بھی نہین - اخلاقی جذبہ بیشک نجیب و شریف کشش ہے مگر مذہب کا یہ نہایت بیش بہا فائدہ نتیجہ ہے مذہبی جذبہ خدا کی تلاش کرواتا ہے پس اُسکا حقیقی ثمرہ خدا کی معرفت ہے البتہ خدا کی معرفت حاصل ہونے پر اور یہ معلوم کرنے پر کہ تمام موجودات اُسی کی مخلوق ہے

خدا کی محبت پیدا ہو کر قانون محبت سے اپنے محبوب کے ساتھ محبوب کی تمام چیزون سے
اُلفت پیدا ہو جاتی ہے اور مقتضائے اُلفت سے جو افعال سرزد ہوتے ہین وہی اعلےٰ
اخلاق ہین ۔ لیکن چونکہ اخلاق کا فائدہ محسوس اور نمایان ہے اور انسان کو دوسرون سے
نیک برتاؤ کرنے پر اپنی ذات کیلئے بھی بہت راحت و آرام ملتا ہے اس لیئے انسانی عقل
اگر کامل ہو تو اخلاق کا تجربہ کر سکتی ہے اور عقلا زمانہ مذہب سے یکسو ہو کر بھی اسکی ضرورت
کو محسوس کرتے ہین پس اگر نجات اسی کا نام ہے کہ انسان اس دنیوی زیست مین لوگون سے
نیک سلوک رکھے اور اُس کے عوض مین اُن کیطرف سے عمدہ برتاؤ کا لطف اُٹھائے تو
پھر بھی اگرچہ مذہب سے بے پروا ہو کر تمام لوگ اخلاق پر قایم نہین رہ سکتے مگر شاید بعض دانا اور
دور اندیش محض عقل کی رہنمائی سے نجات پا سکین گے اور اس صورت مین ان کے لیئے
نہ صرف مذہب سکھانیوالون یعنے پیغمبرون کی بلکہ مدعائے مذہب یعنی خدا کو ماننے کی بھی ضرورت
نہین لیکن اگر نجات محض دنیوی راحت و آرام کا نام نہین بلکہ اس تجلّی ربانی اور معرفت الٰہی
کو کہتے ہین جو اس دنیا مین اور اس سے پرے ابدالآباد تک انسانی روح کو منور اور بشاش رکھتی ہے
اور کشف و شہود کے وہ تجربے کرواتی ہے جو جسمانی آنکھ اور جسمانی دماغ کی دسترس سے باہر ہین
اور جسکی تشنگی ابتدائے آفرینش سے اب تک انسانی فطرت کے کسی نامعلوم گوشہ مین شعلہ زن ہو کر
اس سے ہزارون کنوئین جھنکواتی رہی ہے تو ایسی نجات کا حاصل کرنا یقیناً عقل کی گرفت سے باہر ہے
اور محض جسمانی بلند پروازیون سے اس تک پہنچنا ویسا ہی موہوم ہے جیسے نور آفتاب کی حرکت
کے بغیر تہ خانہ کے روشندان کا منور ہو جانا یا انسانی کوشش کے بغیر جنگلی گھوڑے کا باجے کی
آواز پر ناچنا یہ اپنے وقت کے فلاسفر اور فیلسوف مادیات کو شوق سے دیکھین بھالین اور
نہ صرف زمین بلکہ مریخ و مشتری کے چپہ چپہ سے واقف ہو جائین لیکن اپنی حد سے قدم نہ بڑھائین
کشش ثقل سے تحت الثریٰ مین جا پہنچین مگر جسمانی غبارون سے اس بالاتر ہستی کیطرف نہ اُڑین
جس تک پہنچنا ہے تو جسمانی آلائشون سے ایسے پاک ہون کہ نور وحدت بواسطہ اُن پر چمکے یعنی

خود پیغمبر بنجایئن اور یہ نہین ہو سکتا تو خود پسندی چھوڑ کر اپنے صفحہ دل کو کسی اور قلب صافی کے مقابل رکھین اور بالواسطہ آفتاب وحدت کے نور سے منور ہون یعنی کسی نبی کی اُمت بن کر اسکی وساطت سے معرفت حاصل کرین۔ کیا کہا ہے

نگنجد نور خورشید ازل در ظرف ہر دیدہ ۔ بآب دیدۂ مردان نگر تا عکس آن بینی

تو خفاشی ز نور مہ قیاس نور خور مکین ۔ ترا سود این بود۔ گر نور خور بینی زیان بینی

ہمی کتابون کی ضرورت

یہ لوگ اپنے مطلب کے وقت اور دوسرون کو ساکت کرنیکے لئے قانون قدرت اور لاآف نیچر کو ایک مہلک حربہ اور بیخطا حملہ سمجھا کرتے ہین مگر افسوس ہے کہ مذہب کے بارہ مین خود قانون قدرت کا حفظ کیا ہوا سبق بالکل بھول جاتے ہین اور نہین سمجھتے کہ جس چیز کا تجربہ وہ خود نہین کر سکتے اسکا علم تجربہ کارون کی شاگردی کے بغیر کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ مسٹر پارکر پُرانی دستاویزون (الہامی کتابون) کو تقویم پارینہ سمجھتے ہین اور خود کلمۃ الحق" سے واقف ہونیکا دعوے کرتے ہین۔ حالانکہ ان جسمانی تجربون مین بھی وہ پُرانی دستاویزون سے مستغنی نہین ہین جو سائنس کے تجربے نئی تحقیق کے موافق سالہا سال سے ہوتے آئے ہین اور جنکی دستاویز مین دفتر کے دفتر تیار ہو چکے ہین اگر اُن سب کو دریا برد کر دیا جاوے اور آجکل کا ایک طالب علم یہ دعوی کرے کہ کلمۃ العلم" خود اُسکے دل مین موجود ہے اس لیئے اِن دستاویزون کی ضرورت نہین وہ اپنی واحد کوشش سے اُن تمام قوانین کو کیونکر دریافت کریگا جو نیوٹن کے وقت سے آجتک بتدریج معلوم ہوتے آئے ہین اور وہ صنعتین کیونکر ایجاد کر سکیگا جن سے ان بزرگون کی برکت سے ہم آج بہرہ ور ہین۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نیوٹن کو سائنس کا امام نہ مانے اور اسکی اس تھیوری پر اعتقاد نہ رکھے کہ روشنی چند رنگون سے مرکب ہے وہ سہ گوشہ بلور کو روشندان کے سامنے رکھکر نیوٹن کیطرح آفتاب کی شعاعون کا تجربہ کرنا ضروری نہ سمجھیگا اور روشنی کے متعلق وہ علم حاصل نہ کر سکیگا جسکی ترکیب اس فلاسفر نے ہمکو بتائی ہے۔

اہل چین نے جب پہلی دفعہ دخانی جہاز کو دیکھا جو یورپ سے آکر اُن کے کسی بندر پر لنگر انداز

ہوا تھا تو چونکہ وہ اپنی پرانی صنعت و حرفت پر نہایت مغرور تھے اس نئی اور مفید ایجاد کو دیکھ کر متوجہ نہ ہوئے اور وہی بات کہی جو مسٹر پادکر کہتے ہین کہ "ہمارے پاس سب کچھ موجود ہے" دوسرون کے تجربون سے فایدہ نہ لینے کی یہ ایسی غلطی اُن سے سرزد ہوئی جس کے وبال مین آج تک تمام ملک چین مبتلا ہے اور اُس کو اب تک ترقی کی اس راہ پر چلنا نصیب نہین ہوا جس کو دوسرے لوگ بڑی حد تک طے کر چکے ہین۔

پس اگرچہ مادی علم کی استعداد ہمارے اندر موجود ہے مگر اس سے کام اسی طرح لے سکتے ہین کہ جو لوگ پہلے اس کوشش مین سرگرم رہے ہین انکی عالمانہ قابلیت کو تسلیم کرین اور جو ندایر علم تک پہنچنے کی اُنھون نے ایجاد کی ہین اُن کو عمل مین لائین اور یون مدارج ترقی پر فایز ہون اور دوسری اگر ہم اُن کو بالکل نظر انداز کر دین اور خود ابتدا سے ہر بات کو اپنی رائے سے دریافت کرنا شروع کرین تو اگرچہ بہت ہی کم مگر کسی نہ کسیقدر علم سے آشنا ہو جائینگے لیکن یہ فائدہ جو ہمکو حاصل ہوگا تو اس لیئے کہ یہ تجربے ہم مادیات پر کرتے ہین اور مادیات ہم سے کمتر اور خود ہماری فاعلیت کے زیر اثر ہین اور جو چیز خود ہم پر فاعلانہ اثر کرنیوالی ہے اسکی نسبت ہماری جو کچھ کوشش ہو سکتی ہے وہ محض استعداد پیدا کرنے کی اور اُن لوگون کے بتائے ہوئے وسایل عمل مین لانے کی ہے جو ہم سے پہلے اس میدان مین قدم رکھ چکے ہین ورنہ اُن لوگون کی تمام باتون کو بھول کر اور خود اپنی قوت پر بھروسہ کر کے ہم اس کوشش مین آتنا بھی کامیاب نہین ہو سکتے جس قدر مادیات کے تجربے مین ہونا ممکن ہے۔ اور اگر مسٹر پادکر کے کہنے پر نوع انسانی کو محض اپنے دل کے کلمۃ الحق پر چھوڑ دیا جاوے تو پھر وہین سے چلنا ہوگا جہان سے ابتدائی تلاش کرنے والے چلے تھے یعنی کبھی چوہے کو خدا مانینگے اور کبھی مینڈک کو یا آجکل کی ایجاد دیکھ کر کبھی مشین کو سجدہ کرینگے اور کبھی بیٹری کو۔

اور یہی وجہ ہے کہ مذہب مین نہ صرف عوام الناس کو بلکہ خود صاحب مذہب یعنی پیغمبر کو بھی گذشتہ پیغمبرون پر ایمان لانا اور جس امر مین خود اُسکو وحی ہو انکی شریعت پر عمل کرنا فرض ٹھیرایا گیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (انعام پارہ ع ۱۵)	(یہ پیغمبر) وہ لوگ ہین جن کو خدا نے ہدایت دی ہے پس تو اُن کی ہدایت کی پیروی کر۔

نسخ شرائع

اور اس طرح پیغمبر قدیم شریعتون سے اور اُن الہامون سے جو خود اسکو ہوتے ہین ایسا دستور العمل تیار کرتا ہے جس پر عمل کرنے سے معرفت آلہی کے عقدے حل ہوسکین اور ہر شخص حسب حیثیت نور ہدایت سے منور ہو۔

یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بجز اس امر کے کہ معرفت مین بالاتر ہستی کا تجربہ ہے اور جسمانی علوم مین اپنے سے کمتر چیزون کا اور طرح پر جسمانی علوم اور معرفت کی تحصیل مین بہت کچھ مشابہت ہے۔ ایک طالب علم عرصہ تک کسی علم کے مقررہ اصول کے موافق عمل کرنیسے اکثر اس قابل ہوجاتا ہے کہ گذشتہ تجربہ کرنیوالون کی بعض کوتاہیون سے واقف ہوجائے اور خود مصلح اور مجدد بن کر اُس علم کو اصلاح و ترمیم سے ترقی دے مگر بعض اوقات جب کوئی علم یا علم کی کوئی شاخ یا مسئلہ پورے طور پر حل ہوچکا ہو تو اُس مین آیندہ آنے والے طلبا کو اصلاح و ترمیم کی گنجائش نہین رہتی اور اس صورت مین اُن کا کام محض یہی رہ جاتا ہے کہ گذشتہ اُستادون کے اصول کو سیکھین اور اُن کے موافق عمل کرنیسے فائدہ اُٹھائین مثلاً علم ہندسہ یعنی تحریر اقلیدس ایک ایسا فن ہے جو بظاہر اپنے کمال کو پہنچ چکا ہے اب اس کے اصول و قواعد مین غلطی نکالنا بجہل مرکب کے سوا کوئی معنی نہین رکھتا اِس لیئے اسمین جو کچھ ہوسکتا ہے یا ہو رہا ہے وہ اسی قدر ہے کہ اُن قاعدون کو حکمی اور یقینی مان کر اپنی اپنی استعداد کے موافق ان سے نتائج نکالتے ہین یا آجکل کے عالمون نے اِس فن مین پرکٹیکل جیومیٹری کے نام سے جو ترقی کی ہے اسمین اور کچھ نہین کرسکے سوا اس کے کہ جن عقلی دلایل سے اقلیدس اپنے دعوون کو ثابت کرتا ہے اُنکی جگہ پیمائش کے آلات استعمال کرنے لگے ہین اور دو خطون یا مثلثون وغیرہ کو برابر یا مختلف ثابت کرنے کیلیئے قواعد کلیہ کو کام مین لانے کے بجائے زیادہ تر آلات سے پیمائش کرکے دکھا دیتے ہین مگر اِس تبدیلی سے اصول علم مین کوئی ترقی نہین ہوئی بلکہ کہنا چاہیئے کہ عقلی غور و تامل کی جو

مشق پہلی صورت میں ہوتی تھی آلات کے استعمال سے وہ فائدہ معدوم ہوگیا - یا اگر عملی مشق کو ایک فایدہ کہا جائے تو یون کہنا پڑیگا کہ ایک فائدہ کو چھوڑکر اسی جیسا ایک اور فائدہ پیدا کیا گیا ہے - مطلب یہ کہ علم اگر نامکمل ہے تو آیندہ آنیوالے اسمین بہتر انقلاب پیدا کرسکتے ہین اور مکمل ہے تو آیندہ یا تو کوئی جدید فائدہ حاصل نہین ہوتا - یا ہوتا ہے تو پہلے فائدہ کی مانند - یہی کیفیت یہان ہے کہ معرفت اور حصول معرفت کے قواعد و ضوابط (شریعت) خدا کی طرف سے قلوب مصفا پر القا ہوتے ہین مگر جب تک یہ سب قاعدے یا ان مین سے بعض انبیا کی قلت استعداد کے سبب ناقص شکل مین القا ہوتے رہتے ہین آیندہ آنیوالے انبیاء پر انکی غلطیان واضح ہوتی رہتی ہین اور اس صورت مین پہلی وحی کی بجائے دوسری وحی بہتر ہوتی ہے مگر جب تمام قاعدے یا ان مین سے بعض اپنی حقیقی صورت مین منکشف ہوتے ہین تو آیندہ بہتر انقلاب کی گنجائش نہین رہتی اور اُس وقت یا تو جدید انکشاف ہوتا ہی نہین یا حسب ضرورت کچھ القا ہوتا بھی ہے تو اسکا فائدہ پہلے انکشاف کی مانند ہوتا ہے -

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (بقرہ پارہ ۱ ع ۱۳)	ہم کسی نشان کو منسوخ یا فراموش اسی صورت مین کرتے ہین کہ اس سے بہتر یا اسی جیسا اور نشان پیدا کردیتے ہین - کیا تم نہین جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے

تجربہ کا عام قاعدہ ہے کہ اس مین استدلال عقلی کو بہت ہی کم دخل ہوتا ہے یعنی کسی چیز یا کسی فعل سے جو اثر مرتب ہوتا ہے اُسکی نسبت بتایا نہین جاسکتا کہ کیون ایسا ہوا - حرکت سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور حرارت سے خاص خاص حالات مین کبھی پھیلاؤ، کبھی حرکت، کبھی برق ظاہر ہوتی ہے - کونین سے بخار اُتر جاتا ہے - کلورافارم سے حس باطل ہوجاتی ہے سنکھیا سے انسان مرجاتا ہے اور خاص طریقون سے اسکا استعمال بہت سے امراض کو دور کرتا ہے مقناطیسی سوئی کے دو نوکنارون مین سے ایک معین سرا ہمیشہ شمال کیجانب رہتا ہے اور دوسرا ہمیشہ جنوب کیطرف اسیطرح سے لاکھون اثر پیدا ہوتے ہین جنکی کوئی عقلی وجہ بتائی نہین جاتی اور ایسا

کیون ہوا ؟ اسکا جواب نہین ہو سکتا مگر اثر کو دیکھ کر یقین کرنا پڑتا ہے کہ ایسا ہونا ضرور ہے۔ اسی طرح جو تجربے حاملان شریعت پیش کرتے ہین انکی نسبت ہر جگہ کیون اور کس لیئے کا سوال ہی بے معنی ہے وہ لوگ تجربے سے دیکھتے ہین کہ وہ مختلف قسم کے اعمال جن کو عبادت اور کار ثواب کہا جاتا ہے انکو مقررہ شرطون کے ساتھ پورے طور پر بجا لانے سے روح کو جلا اور نور حاصل ہوتا ہی اور معرفت ربانی کے وہ کرشمے نظر آتے ہین جن کو دل محسوس کرتا ہی مگر زبان ادا کرنے سے قاصر ہے اور اس کے خلاف کرنیسے اور ان اعمال کے ارتکاب سے جن کو گناہ کہتے ہین روح مین ظلمت اور کثافت پیدا ہو کر لذائذ روحانی سے بیگانگی ہو جاتی ہے غرض عبادت اور گناہ کے ان اثرون کو جسمانی عقل اگرچہ حل نہ کر سکے مگر تجربہ کرنیوالے اس پر یقین کرنے مین ایسے ہی مجبور ہین جیسے فیلسوفان اور ڈاکٹر قوائے قدرت اور دواؤن پر یقین کرتے ہین ۔

لیکن جس طرح تجربہ کے ان ابتدائی اصول اور ان کے اثرون کو مانکر دوسرے درجہ پر جو اثر پیدا ہوتے ہین انکی نسبت استدلال کا سلسلہ پیدا ہو سکتا ہے مثلاً بھاگنے کے بعد دفعتہً ٹھیر جانے پر جو پسینہ آجاتا ہے اسکی وجہ بیان ہو سکتی ہے کہ چونکہ بھاگنے سے حرکت پیدا ہوئی ہے اور حرکت کے دفعتہً بند ہو جانے سے وہی طاقت حرارت مین تبدیل ہو گئی ہے اور حرارت سے جسمانی رطوبتون میں سیلان اور مسام مین پھیلاؤ پیدا ہو گیا ہے اس لیئے بھاگنے والیکو پسینہ آگیا ہے۔ اسی طرح عبادت کی ان مختلف صورتون کی نسبت جو وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام تلقین کرتے رہے ہین کچھ کچھ توجیہ بیان ہو سکتی ہے مثلاً جو پیغمبر کسی ایسی قوم کیطرف مبعوث ہوا ہے جو ہر وقت معصیت اور گناہ کی مرتکب رہتی ہو یا کسی اور وجہ سے روحانیت سے بالکل بیگانہ اور اپنی حالت پر مغرور ہو ایسا نبی ان لوگون کو معرفت تک پہنچانے کیلیئے ہدایت کرے کہ اپنے اہل و عیال اور مال دولت کو چھوڑ کر جنگلون اور پہاڑون مین بسر کرین اور کسی وقت دھیان اور گیان کے سوا دنیا کیطرف متوجہ نہ ہون اور اس طرح سخت مرض کیلیئے سب سے زیادہ تلخ دوا تجویز کرے اور اس کے خلاف جس قوم مین انکی فطری استعداد یا گذشتہ انبیا کی تعلیم کا اثر باقی ہونے کے سبب حق کے خلاف حد سے زیادہ تکبر اور

اصرار نہ ہو اُس قوم کا پیغمبر بجائے ہر وقت سخت عبادتون مین مصروف رکھنے کے ہفتہ مین ایک دفعہ خدا کا خیال کرنے اور عبادت بجالانے کو معرفت کیلئے کافی قرار دے اور ان دونو کے خلاف کوئی ایسا نبی جو ہر قوم اور ہر زمانے کی تعلیم کیواسطے مبعوث ہوا ہو اور عالم وجاہل شقی وسعید سب کے لئے دستور العمل قایم کرنیکے واسطے آیا ہو وہ ایک طرف کئی کئی دن غفلت مین گذارنے کو ممنوع قرار دے تو دوسری طرف ہر وقت خدا کی طرف دھیان لگانا بھی فرض نہ ٹھیرائے اور اس طرح دن مین چند بار عبادت بجالانا ذریعہ حصول معرفت گردانے۔ غرض کہا جاسکتا ہے کہ ایسے یا اسی قسم کے اور اسباب کی بنا پر جو خدا سے قریب یا دور کرتے ہین انبیا اپنے اپنے وقت پر وحی والہام سے یا بالفاظ دیگر اس بالاتر ہستی کے تجربہ سے عبادت کی مختلف صورتین اور مختلف اوقات قرار دیتے ہون گے۔ مگر اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ جس شخص نے انبیاء کے احکام کو بجالاکر ان کے اثر کا ذاتی تجربہ نہین کیا اسکی طرف سے عبادت کی ان گوناگون شکلون مین سے کسی کو کسی پر فایق سمجھنا اور ترجیح دینے کے لئے یا عام طور پر احکام کی علت بیان کرنے کے لئے مذکورہ بالا توجیہ یا اور دلائل کو پیش کرنا محض تخمین اور ظن ہے اور حقیقی انکشاف کا مدار خود عمل کرنے اور اُسکے اثر کو دیکھنے پر ہے†

† بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض اوقات کسی مذہبی حکم کی کوئی علت تلاش کرنے اور اُس پر یقین کر لینے سے اس حکم مین وہ کشش نہین رہتی جو محض مذہبی حکم ماننے کی صورت مین نظر آتی ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ ایسی صورت مین وہ فائدہ قریباً باطل ہو گیا ہوگا جو مذہب کا اصلی مدعا تھا۔ مثلاً برہمنون کے مذہب مین صبح کو نہانا اور خاص اوقات پر صندل اور گھی وغیرہ جلا کر ہوَن کرنا نہایت تاکیدی فرض ہے۔ اور پرانے خیال کے ہندو اس فرض کو نہایت عقیدت سے اسکی وجہ کا سوال کرنیکے بغیر بجالاتے ہین مگر حال مین جو مذہب کی ہر ایک مخفی سے مخفی حکم کا عقلی سلسلہ پیچھے مین ڈھونڈ نکالنا اور اسکی لِم کو دریافت کرنا ایک عام پسند فیشن ہو گیا ہے تو اس مذہب کے روشن خیال پیرو کہنے لگے ہین کہ غسل اور ہوَن بدن اور مکان کی صفائی کے واسطے فرض ہوا ہے اور اسمین شک نہین کہ غسل سے صفائی کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے اور شاید ہوَن سے بھی ایسا ہوتا ہو لیکن اگر ان دونو فعلون سے صرف یہی غرض ہو تو

علاوہ بنی کا بہت
عرصہ تک موجود
ضرور ہے

اور پھر عمل کرنے اور اثر کو دیکھنے مین یہہ بہی بڑی دقت ہی کہ انسانی طبائع کے اختلاف سے ایک ہی عمل کا نتیجہ مختلف اشخاص مین مختلف شکلون مین ظاہر ہوتا ہے۔ وُہی نماز ایک شخص کے لیئے ایک دن مین عرفان کا دروازہ کہول دیتی ہے اور دوسرے شخص کو سالہا سال مین ایک جلوہ نظر نہین آتا یا کچہہ معلوم ہوتا ہے تو اُسکے ساتہہ کوئی آلودگی بہی موجود ہوتی ہے اور بعض اوقات

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۵

انکی ضرورت اسی قدر رہ جاتی ہے جس قدر کپڑے دہونے اور مکان مین سفیدی کرنے اور جہاڑو دینے کی ہے۔ اور اگرچہ ایسے روشن خیال پرانے اثر کے سبب سے ابہی تک ان دو نو فعلون کا صفائی کے دیگر لوازمات کی نسبت زیادہ اہتمام کرتے ہین لیکن اگر غسل اور نہانے سے محض یہی مطلب ہو اور یہ شایع ہو کر دلون مین راسخ بہی ہو جائے تو ظاہر ہے کہ ان افعال کی وہ عظمت شان نہ رہیگی جو حکم خدا ماننے کی صورت مین لوگون کو اپنی طرف کہینچ رہی ہے اور جس طرح جہاڑو دینا خدا تک پہنچنے کا ذریعہ نہین مانا جاتا یہ فعل بہی اس سطح پر آجائینگے۔ اگرچہ ہم نہین کہہ سکتے کہ انکا حقیقی فایدہ کیا ہے مگر اس قدر تو ظاہر ہے کہ مذہب اور مذہبی احکام محض دل سے تعلق رکہتے ہین اس لیئے نہانا اور جہاڑو دینا یکسان قرار پاکر جو خیال خدا کا اور جو دہیان اسکی ذات کی طرف اب ان افعال کو بجالانے کیوقت ہوتا ہے وہ اس صورت مین کافور ہو جائیگا جبکہ اسکو محض ظاہری صفائی کی نسبت سے کیا جائیگا اور جو نور خدا کے دہیان سے روح کو حاصل ہوتا ہے وہ اس وقت میسر نہ آئیگا۔ اسی طرح اسلام مین حج بیت اللہ چار بڑے فرضون مین سے ایک ہے اور مسلمان ہر سال دنیا کے ہر گوشہ سے نہایت شوق کے ساتہہ یہہ سعادت حاصل کرنیکے لئے جاتے ہین (اللہم ارزقناہ) مگر جو روشن خیالی آجکل تمام دنیا مین پہیلی ہوئی ہے اسکی مسلمانون مین بہی کمی نہین چنانچہ ایسے لوگ خیال کرتے ہین کہ تمام عالم کے مسلمانون کو سال مین ایک دفعہ کسی مرکز پر جمع کرکے تبادلہ خیالات کرنے کیلئے یہ فرض قرار دیا ہے اور بیشک یہ فائدہ بہی حج سے متصور رہی لیکن محض یہی فایدہ قرار دینے سے حج کی اتنی ہی عظمت رہ جاتی ہے جو چہوٹے پیمانہ پر سالانہ کانفرنسون اور کانگرسون کی ہے اور جیسا کہ آجکل خیال دوڑایا جاتا ہے اگر کبہی واقع مین تمام دنیا کے مسلمانون کی ایک کانفرنس قرار پائے تو وہ بہی بنائی حج کی قایم مقام ملکہ نعم البدل ہو گی اور اگرچہ کانفرنسون والے ان جلسون کو مقدس اور معظم ثابت کرنے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کرتے

اِس آلودگی کو عین معرفت سمجھ لینے سے اور اپنے تئین خدا رسیدہ جاننے سے ایسی معکوس ترقی ہوتی ہے کہ وہی خدا کا بندہ کسی وقت بالکل شیطان کا بندہ بن جاتا ہے اِس لئے علاوہ اُس دستور العمل کے جس کو شریعت کہتے ہین اور علاوہ اُن دلائل کے جو اُسکی ترجیح اور فوقیت کے لیئے پیش کیجاوین کسی ایسے شخص کا موجود ہونا بھی ضرور ہے جو ذاتی طور پر ان کیفیتون سے واقف ہو اور ہر حالت کو اور اُسکی صفائی یا آلودگی کو پہچان سکے اِس وجہ سے نبی کا شریعت کی تعلیم دینے کے علاوہ کچھہ مدت تک اُن لوگون مین موجود رہنا بھی ضرور ہے تا ان اعمال کی بجا آوری سے جو حالات پیش آوین اور جو نقص یا خوبیان مختلف طبیعتون مین پیدا ہون وہ انکی نسبت اپنے تجربے سے ہدایات دیتا رہے - اِسی طرح پر اس دستور العمل کے علم سے اور اس پر عمل کرنیسے اور اپنے رہنما کی صحبت کا فیض لینے سے اس کے متبعین کا ایک ایسا گروہ تیار ہو جاتا ہے جن کے دل صاف ہو کر تجلیات ربانی سے معمور ہون اور پھر آئندہ کیلیئے وہ لوگ نبی کے قائم مقام ہو کر دوسرون کو اپنے تجربون سے فیضیاب کرتے رہین -

---

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۶

مگر ظاہر ہے کہ ان مین شامل ہو کر خدا کی طرف وہ عاجزانہ توجہ نہین ہوتی جو اعمال مذہبی مین ہوا کرتی ہے وہان قدم رکھا جاتا ہے تو سو ادب سے اور اُٹھایا جاتا ہے تو ہزار احتیاط سے اور دل مین خیال ہوتا ہے کہ اِن کامون مین قید مونہی بجائے آنکھون سے اور جسم کی بجائے جان سے کام لیا جائے تو بھی کم ہے اور یہان قومی جلسون مین جو بات ہوتی ہے - تقلقہ سے اور جو کام ہوتا ہے - طنطنہ سے پس اگر حج کو اُسکے اپنے درجہ سے گرا کر محض پان مسلم لیگ یا عام اسلامی انجمن قرار دیا جائے تو اس خیال کو دل مین جما کر اسکو بجا لانے کے وقت خدا کی عظمت و جبروت کا وہ نقش نہ ہوگا جو محض حکم ربانی ماننے کے باعث بقول شخصے سادہ لوح مسلمانون کے دل پر پڑتا ہے - پس اگرچہ مذہبی احکام کی وجہ تلاش کرنا بعض اوقات اپنے اطمینان کیلئے اور اکثر اوقات دوسرون کو ترغیب دینے کیلیئے بڑی حد تک مفید ہے اور اس لئے روشنخیال بزرگوارون کی ایسی کوشش قابل شکر ہے مگر اسمین اتنی ترمیم ضرور ہونی چاہئے کہ جو وجہ تلاش کیجاوے مذہبی حکم کو محض اسی پر منحصر سمجھا جائے بلکہ یون ظاہر کیا جائے کہ منجملہ اُن فائدون کے جو خدا کے اس حکم مین روحانی صفائی اور حصول معرفت کے متعلق ہین ایک فائدہ یا بعض اوقات ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے "۔

لیکن چونکہ نبی کا دل دنیوی آلودگیوں سے بالکل صاف اور تجلیات آلہی سے کامل طور پر بہرہ یاب ہوتا ہے اس لیے جو کام وہ تنہا کرسکتا ہے اُس کو اس کے متبعین باہم تقسیم کرکے پورا کرسکتے ہین چنانچہ اُن مین سے بعض احکام شریعت کی تفصیل اور تشریح اور انکی تعلیم مین مصروف رہتے ہین اور علماے دین کا لقب پاتے ہین اور بعض کشف و مراقبہ مین منہمک ہوکر اپنی صحبت سے طالبان حق کے عرفانی عقدون کو حل کرتے رہتے ہین اور اہل تصوف کے نام سے مشہور ہوتے ہین اور انکی وساطت سے علم عمل اور صحبت کا ایک سلسلہ قایم ہوجاتا ہے اور آفتاب وحدت کا نور کبھی آئینہ قلب کی وساطت سے دیکھنے کی عملی صورت پیدا ہوتی ہے اس لیئے مذہب مین جس طرح ان روحانی تجربون کو جن کو عبادت کہتے ہین نور معرفت حاصل کرنیکا وسیلہ مانا جاتا ہے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ (بقرہ پارہ ۱ ع ۵)	اور صبر اور نماز سے مدد لو۔ اور یہ بہت ناگوار ہوتی ہے مگر خدا سے ڈرنیوالون کو ناگوار نہین۔

اسی طرح ان تجربہ کرنیوالے رہنماؤن کو بہی واسطہ گردان کر اُن کا دامن پکڑنیکا حکم دیا جاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (مائدہ پارہ ۶ ع ۶)	اے ایمان والو پرہیزگاری اختیار کرو اور خدا کی طرف آنیکے لئے وسیلہ پکڑو اور اس کے رستہ مین کوشش سے کام لو تاکہ تم فلاح پاؤ

اور ان کی ہدایتون کو جن کو مستر پامر کر پُرانی دستاویزین کہتے ہین تسلیم کرنے کے بغیر کمال معرفت سے ناامید قرار دیا جاتا ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰي بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ (انعام پارہ ۷ ع ۱۱)	انہون نے جیسا چاہیئے خدا کو نہین پہچانا جو کہتے ہین کہ خدا نے کسی انسان پر کوئی کتاب نازل نہین کی۔

مگر آہ انسان ! اکثر حالات مین خود پسندی اور تکبر سے ایسا مغلوب ہوجاتا ہے کہ وہ کسی کو اپنے سے برتر سمجھنا گوارا نہین کرتا جن مین یہ مرض نہایت شدت سے موجود ہے وہ اپنی شان کے آگے خدا کی خدائی کو بھی پسند نہین کرتے اور جو بمجبوری خدا کا اقرار کرتے ہین وہ چونکہ اسکی طرف سے

فیضان نور کے اہل نہین ہوتے نہین برداشت کرتے کہ کوئی اوراس نعمت سی متمتع ہو اور یون وجود
انبیاء سے منکر ہوجاتے ہین اور اگر کسی وجہ سے ایسے لوگون کا لوہا مان لیتے ہین تب بھی اپنی
عقل و تدبیر پر ایسے فریفتہ ہوتے ہین کہ بھلا کے لئے اُنکی ضرورت ہو تو ہو مگر اپنے جیسے فلاسفر
کو ان سے بے نیاز مانتے ہین اور جو اپنے تئین ان سے بے نیاز نہین مان سکتے وہ ایک
اور صورت سی اپنی خود پسندی کا اظہار کرتے ہین کہ نبی کے اقوال کو واجب العمل گردانتے ہین
مگر اُس کے وجود کا فیض تسلیم نہین کرتے اور انوار صحبت کو بے اصل ٹھیرا کر مغز معرفت سی ناآشنا
رہجاتے ہین اور جو اس وادی مین بھی قدم رکھتے ہین اور قلوب مصفّا سی انعکاس حاصل کرنے
کے بغیر چارہ نہین دیکھتے وہ بھی بالطبع اپنی عظمت پر گرویدہ اور قلادہ اطاعت کو اتارنے
کے مشتاق رہتی ہین اسلئے چند ابتدائی جلوون بلکہ چند ابتدائی اصولون سے واقف ہوکر
جن مین اُنکی اپنی نفسانی آلائشون کا بھی بہت کچھ دخل ہوتا ہے اپنے تئین بحر معرفت کا
شناور سمجھہ کر عین دریا مین خشک لب رہ جاتے ہین اور سب سے زیادہ حسرت و ناکامی کا شکار
بنتے ہین۔ غرض نہایت افسوس سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ جو گوہر شب چراغ روز میثاق سے
انسان کی جیب تمنّا مین رکھا گیا تھا اسکی سچی روشنی سے بہت کم حوصلہ مندون نے فائدہ
لیا ہے اور بہت کم سلیم المزاج ہین جنہون نے اورون کے فضل و کمال کو اپنے لیئے ثابت کرنیکا
بے استحقاق دعوی نہ کیا ہو۔ سچ ہے۔

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَاۤءِ لَيَبْغِىْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ (ص پارہ ۲۳ ع ۲)	اور بیشک بہت سی ہم نوا ایک دوسری پر زیادتی کرتے ہین مگر جو ایماندار اور نکوکار ہین وہ ایسے نہ ہون گے لیکن وہ بہت ہی کم ہین

غرض گذشتہ تحریر مین یہ ثابت کرنیکی کوشش کی گئی ہے کہ وحی ایک بالاتر ہستی کا
تجربہ ہے جسمین فاعلیت اور حرکت کا آغاز اس ہستی کی جانب سی ہے اور انفعال اور قبول
اثر انسان کیطرف سی اور اس تجربے سے اُسکو وہ قاعدے معلوم ہوتے ہین جن پر عمل کرنے سے

اور لوگ معرفت آلہی حاصل کر سکین اور اسمین تعلق چونکہ محض روح انسانی اور خدا کا ہے
اس لیئے انسانی جسم اور جسمانی حواس کو اس انکشاف مین دخل نہین ہوتا یعنی کوئی زبان
سے بولنے والا اور دوسرا جسمانی کانون سے سُننے والا نہین ہوتا مگر اس وجہ سے کہ جسم
اور جسمانی حواس کا اس مین کوئی دخل نہین ہوتا مسٹر پارکر کا یہ نتیجہ پھر بھی غلط ہے کہ وحی
مین الفاظ نہین ہوتے۔ وہ وجہ یہ بیان کرتے ہین کہ "الفاظی وحی مفرد خیالات کو جیسے
خدا، انصاف، محبت، مذہب وغیرہ مین ظاہر نہین کر سکتی اور الفاظ سے ان خیالات کو
ادا کرنا ویسا ہی ہے جیسے کسی لفظ سے ایک بہرے آدمی کو آواز کا خیال دلوانا" لیکن اگرچہ اس
مین شک نہین کہ خدا کی ذات و صفات اور اسکی صفات کا ظہور انسانی عقل سے بالاتر ہے اس لیئے
معرفت الٰہی کے متعلق جو وحی خدا کی طرف سے انسان کے قلب پر ہوتی ہے اسکی حقیقت اور
کیفیت کو وہ لوگ ہرگز نہین سمجھ سکتے جو اس سعادت سے بے بہرہ ہون مگر جب عقلی دائرہ مین
محدود ہو کر اس مسئلہ کے متعلق غور کیا جائیگا تو لامحالہ انسانی فطرت اور اُس کے خواص کو پیش
نظر رکھکر فیصلہ کرنا ہوگا اور جب تک چاشنی معرفت حاصل نہ ہو اسی تحقیق پر اکتفا کرنا ہوگا اور
جب انسانی فطرت کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جبتک روح کو جسم سے تعلق ہے انسانی
فطرت کا یہ ایک عجیب تقاضا ہے کہ جو خیالات دل مین گذرتے ہین خواہ وہ بیرونی دلائل اور تجربون
کی بنا پر ہون یا وہبی طور پر دفعۃً پیدا ہون انسان کے دماغ مین انکا ظہور بعینہٖ اسی صورت پر
ہوتا ہے جس طرح ان کو بیان کرنے کے وقت زبان پر یعنی وہ معانی الفاظ کا لباس پہنے ہوئے
ظاہر ہوتے ہین اور انسان اپنے دل سے اسی طرح باتین کیا کرتا ہے گویا کسی غیر سے ہم کلام ہے
اور اگر کوئی شخص ایسی سوسائٹی مین پرورش پائے جسمین مختلف زبانون کے لوگ موجود ہون اور
اور اس وجہ سے اُسکو اپنے رفقا کی تمام زبانون مین گفتگو کرنے کی قدرت حاصل ہو تو اُس وقت یہ معلوم
کر سکینگے کہ اس شخص کی مادری زبان کونسی ہے یہی ایک ذریعہ ہے کہ اپنے دل سے باتین کرنیکے وقت
جس زبان کو وہ استعمال کرتا ہو یا تنہائی مین خدا سے مناجات کرنے کے وقت جو الفاظ اس کی زبان

پڑا کرتے ہون اُنہی کو اُسکی مادری زبان قرار دیا جائے۔ مسٹر آر وہائیٹ لکھتے ہین *کہ "
یہ نہ خیال کرو کہ مین الفاظ کو محض خیالات کی گاڑی یا صرف آواز سمجھتا ہون اور اس سے زیادہ کچھ نہین
بلکہ مین یہ خیال کرتا ہون کہ دماغی نظم و نسق مین الفاظ اس سے بہی زیادہ مہتم بالشان خدمت ادا کرتے
ہین۔ جب ایک طالب علم کو جس کا نام نہ لیا جائیگا (اس سے غالباً انکی اپنی ذات مراد ہے) کالج کے
پرنسپل نے پوچھا کہ برخوردار تم کس بولی مین خیال کیا کرتے ہو تو لڑکے کو یہ سوال ایک معما معلوم ہوا اور وہ
حیران رہ گیا۔ کیونکہ اس وقت تک وہ بولی کو محض اس چہوٹے سے عضو یعنی زبان سے متعلق سمجھتا تھا اور
مین یقین کرتا ہون کہ یہ اس کو اسی وقت معلوم ہوا کہ بولی اور خیال مین بہی تعلق ہوا کرتا ہے۔ بیشک
ہم سب چہوٹے بچے سے لیکر بوڑہے آدمی تک کسی نہ کسی بولی مین خیال کیا کرتے ہین اور فی الحقیقت
خیال کرنا کم و بیش بے خبری مین اپنے آپ سے گفتگو کرنا ہے۔ اس سوال کا فیصلہ کرنے کے بغیر کہ شیر خوار
بچے اور کم درجہ کے حیوانات خیال کرتے ہین یا نہین اور یہ کہ ہماری دلی گفتگو خیالات کی پیرو ہے
یا اُن کے ساتھ ساتھ چلنے والی موجودہ مدعا کے لیئے ہم سمجھتے ہین کہ بولی خیال کیلئے تیز بادپائی
ہمرکاب اور اسکی زندگی اور روح ہے اور وہی ایک ذریعہ ہے جس سے خیال شکل پکڑتا ہے اور پختہ اور
مشخص ہوتا ہے۔ الفاظ زبان سے بولے جائین یا نہ بولے جائین وہ خیال کی تحدید کرتے ہین اور
الفاظ کے بغیر اسراالٹ بے سنٹ کہتے ہین کہ غیر معین آرزوئین دھندلے تصورات اور ابتدائی
امیدین دماغ کے سامنے آتی ہین اور اس طرح گم ہو جاتی ہین جیسے صبح کے وقت شبنم اور پیچھے
کوئی نشان باقی نہین رہتا۔"

پس خدا اور محبت وغیرہ اگرچہ سادہ اور مفرد خیالات ہین لیکن انسان اپنی فطرت کے رو سے
مجبور ہے اور یہ خیالات اُس کے ذہن مین الفاظ کے بغیر آہی نہین سکتے اور غالباً یہ بہی ایک
سبب ہے جس سے خدا کا خیال مختلف اوقات مین مختلف الفاظ مین ظاہر کیا گیا ہوگا کیونکہ الفاظ اور
زبان بہی انسانی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی ہے پس جس وقت یا جس قوم مین ہر قسم کا مدعا
ظاہر کرنے کیلیئے الفاظ نہ ہون گے اس وقت کے لوگ بہی چونکہ الفاظ کے بغیر اس ہستی کا خیال

* دیباچہ نیو سنچری ڈکشنری صد ۱ سنہ ۱۹۰۵ء

متعین ہے انبیا کو پیغام الٰہی پہنچانے کیلئے ایک اور فرشتہ مامور ہے اور اسی طرح عذاب ثواب اور دیگر کاروبار کیلئے جداگانہ فرشتے ملنے جاتے ہین لیکن چونکہ یہ طاقتین احساس کی گرفت سی باہر ہین اسلئے اہل عقل کو انکی نسبت شک ہونا لازمی امر ہے چنانچہ اکثر عقلا ان کے وجود سے بالکل منکر ہین اور ایسے اعتقاد کو جاہلانہ ضعیف الاعتقادی سمجھ کر انسان کے دامن عقل پر اسکو ایک بدنما داغ جانتے ہین اور بعض جو مذہب کے پابند ہین اپنی عاقلانہ نفرت کے سبب سی اسکو ماننے کیلئے تیار نہین ہین اس لئے اپنی اپنی استطاعت کے موافق ان اقوال مذہب کی جنہین فرشتون کا ذکر ہے تاویل کرتے ہین اور ان اقوال سے محسوس مطلب نکالنی کی کوشش کرتے ہین۔ غرض فی زمانہ علمی دنیا کا یہ عام میلان ہو رہا ہے کہ فرشتون کے معنی ادہ ہون تو ہون مگر کوئی علیحدہ نامحسوس مخلوق ہرگز موجود نہین ہے چنانچہ مسٹر پارکر نے جو مسئلہ وحی و نبوت کو حل کرنیکی کوشش کی ہے اسمین ایسی مخلوق کی ضرورت نہ رہنی پر فخر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ "خدا اور بندہ کے مابین کوئی واسطہ اور فرشتہ حائل نہین ہے کیونکہ بندہ بذات خود عرض کرسکتا ہے اور خدا بذات خود سن سکتا ہی جو شخص بذریعہ منتر التجا کرنیکی ضرورت نہین رکھتا اسکو نوع انسان کی وکالت کرنیکے لئے کسی اور وکیل کی ضرورت نہین"۔ اس وقت جو دلیل مسٹر پارکر نے پیش کی ہے وہ میرے خیال مین دعوی پر چسپان نہین کیونکہ وحی جیسا کہ مینے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے انسان کی محض اپنی کوشش کا نتیجہ نہین ہے جس کو التجا اور عرض کرنے سی تشبیہ دیجا وے بلکہ وہ خدا کی طرف سی فاعلانہ توجہ ہے اور انسان اپنی استعداد کے موافق اسکا معمول اور متاثر ہوتا ہے پس اسوقت دیکھنا یہ ہے کہ کوئی بالاتر لطیف اور قوی ہستی کمتر کثیف اور ضعیف ہستی پر فاعلانہ اثر کیون کر کرتی ہے۔ اس طرح پر غور کرنے سی جو قانون قدرت دریافت ہوگا عقلی دائرہ مین محدود ہو کر وہی قانون خدا کے اس فاعلی اثر یعنی وحی کے لئے بھی ماننا پڑیگا۔

روحانی مناظر — وہ روحانی منظر جو قدیم الایام سے لیکر آجتک بھوت، پریت، ہمزاد، روح، خیال، واہمہ وغیرہ نامون سے مشہور چلے آتے ہین انکی اصلیت چاہے کچھ ہو مگر ان کا لوگون کو ہر ملک اور ہر زمانہ مین گاہ گاہ نظر آنا اور لوگون کا اپنی اپنی سمجھ کے موافق انکی وجہ قرار دینا اس کثرت سے

مروی ہے کہ ایسے واقعات سے انکار نہیں ہو سکتا اور محض اس بنا پر کہ کسی زمانہ میں ایسے مناظر کو قطعاً بے اصل اور خیالی مان لیا گیا ہے اُن واقعات کی نسبت غور کرنیوالے انکی وجہ دریافت کرنے اور ان سے کوئی مفید سبق لینے سے باز نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ علاوہ اُن ملکوں کے جہاں ایسے مناظر کو جنات فرض کر کے حاضرات وغیرہ عملوں سے اپنے خیال کے مطابق اُن سے علاج معالجہ کا کام لیا جاتا ہے۔ مہذب ممالک میں عالمانِ مسمرزم۔ تھیوسافیکل سوسائٹی اور سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ وغیرہ بہت سے گروہ پیدا ہوتے رہے ہیں جنھوں نے اِن واقعات پر تھوڑی بہت روشنی ڈالی ہے اور اگرچہ یہ کام تکمیل کو نہیں پہنچا اور نیز اگرچہ ابھی تک اِن فرقوں میں باہم بہت کچھ اختلاف ہے مگر تلاش و تحقیق سے یہ نتیجہ یقینی پیدا ہوا ہے کہ ایسے واقعات غلط افواہ اور جھوٹ نہیں ہیں اور دوسرے یہ کہ انسان کے اندر بہت سی مخفی طاقتیں ہیں جو خاص خاص حالات میں عجیب اثر پیدا کرتی ہیں مسٹر لیڈبیٹر لارڈ لٹن کی کتاب اے سٹرینج سٹوری سے نقل کرتے ہیں کہ (۱)

اس کتاب کو دیکھنے والے تھوڑے ہوں یا بہت اِن میں سے نسبتہً بہت زیادہ ایسے ہونگے جنھوں نے کم از کم تمام عمر میں ایک دفعہ ضرور کوئی ایسا واقعہ دیکھا ہوگا جس نے انکی عقل کو متحیر کر دیا ہو اور جو ضرور اس قسم کے خیالات تک لیگیا ہو جن کو سوپرسٹیشن یا ضعیف الاعتقادی کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ کوئی خواب ہی ہو جس میں کوئی اطلاع یا پیشین گوئی ہو اور جو نہ صرف اتفاقات ہی میں شمار ہو سکے بلکہ اسکو ثبوت جنات یا روحانیات میں شامل ہونا پڑے۔ مجھے یقین ہے کہ لوگ خواہ کیسے ہی تعلیمیافتہ ہوں کیسے ہی مہذب ملک اور روحانیات سے انکار کرنیوالے زمانہ میں ہوں انکی بیشتر تعداد نے ایسے مناظر ضرور دیکھے ہونگے یا بالکل قابل اعتماد شہادت سے سُنے ہونگے جن کو نہ تمسخر میں اُڑا سکتے ہونگے اور نہ عقل اور فلاسفی سے ان کو حل کر سکتے ہونگے اور ایسے مناظر کا شمار اس تعداد سے بہت زیادہ ہے جسکی رو سے نہیں بیان کیجاتی ہیں اور نہ ایسی ہیں اُڑائی جاتی ہیں کیونکہ جو لوگ انکو دیکھتے ہیں ان میں سے بہت کم ایسے ہونگے جو انکی طرف توجہ کریں اور سننے والے

(۱) کتاب آدرسائڈ آف ڈیتھ باب ۱۲ صفحہ ۲۶۴ سنہ ۱۹۰۳ء

بھی خواہ وہ کیسے ہی قابل یقین ذریعے سے سنیں اس پر یقین کرنے سے پرہیز کریں گے مجھے بہت کہ وہ عوام الناس میں شکی مزاج تصور کئے جائینگے کیونکہ عام خیال ایسے مناظر کے مشاہدہ کرنے والوں کی حقارت کا ہی بنا ہوا ہے لیکن جو شخص میرے اس اصرار کو اپنے کمرہ میں تنہا بیٹھ کر پڑھیگا وہ غور کریگا اور اپنا حافظہ کو ٹٹولیگا تو غالباً اس کے کسی گوشہ میں ایک خواب سی یادداشت ضرور پائیگا جو اسکے نزدیک بے بنیاد اور بیہودہ نہ ہوگی اور جو میرے بیان کو درست ثابت کریگی"

(آگے مسٹر لیڈ بیٹر کہتے ہیں کہ) ہمارے زمانے میں تھیوسافیکل سوسائٹی اور سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ کی بدولت ان مضامین کو لارڈ لٹن کے وقت کی نسبت زیادہ قرین عقل سمجھا جاتا ہے اور ہم انکی نسبت زیادہ عمدگی اور توجیہ کے ساتھ بیان کرنیکے قابل ہیں مگر جو کچھ لارڈ لٹن نے لکھا ہے وہ ان کے زمانے میں جس قدر صحیح تھا اسی قدر اب بھی ہے"

مسز کرو ایسے واقعات کی بڑی تعداد جمع کرنیکے بعد اپنی کتاب کے آخر میں نتیجہ نکالتی ہوئی لکھتی ہیں † میرا یہ بھی خیال ہے کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ روح ہیں اور ان کو یہ خیال کرنے کی عادت ہو جائے کہ جسم سے علیحدہ بھی انکا کوئی تشخص ہے تو نہ صرف آئندہ زندگی کو سمجھنے کی بہتر قابلیت پیدا کرلیں گے بلکہ انکو یہ سمجھ لینا بھی کچھ مشکل نہ معلوم ہوگا کہ جس طرح وہ ایک طرف ادنیٰ دنیا سے تعلق رکھتے ہیں بالکل اسی طرح کا تعلق انکو دوسری طرف روحانی عالم سے ہے اور اس لئے وہ عجیب قابلیتیں جو بعض ارواح کیطرف سے بعض موقعوں پر اور خاص حالات میں وہ ظاہر ہوتی دیکھتے ہیں بالکل قرین قیاس ہے کہ وہی یہ شعاعیں ان خواص کی ہوں جو روح میں ودیعت ہیں اور جو عارضی طور پر جسمانی تعلق کے سبب پوشیدہ ہو گئے ہیں"

غرض روحانی طاقتوں کا تجربہ اس کثرت سے ہوا ہے کہ ان کے وجود سے انکار کرنا بقول مسٹر ہڈسن ‡ انکار

روحانی مناظر کا قاعدہ

† کتاب نائٹ سائڈ آف نیچر باب ۱۸ صفحہ ۲۹۹ سنہ ۱۸۶۰ء

‡ مسٹر ہڈسن لکھتے ہیں میں اپنے یا دوسروں کے تجربوں سے ایسے واقعات کا پیش آنا ثابت کرنیکی کوشش میں اپنا وقت ضائع نہ کروں گا اس کام کا وقت گذر چکا۔ مہذب دنیا کو یہ واقعات ایسے معلوم ہیں کہ ثبوت کی ضرورت نہیں۔ آج جو شخص روحانی مناظر کا انکار کرے وہ منکر نہیں محض جاہل ہے۔ اور ایسے شخص کے خیال کو روشن کرنے کی کوشش بارور ہونے کی کوئی امید نہیں۔ (لا آف سائیکک فینامنا باب ۱۴ صفحہ ۳۰۶ سنہ ۱۸۹۲ء)

نہین جہالت ہی اور اتفاقی واقعات کو دیکھتے دیکھتے کچھ قاعدے اور شروط بہی دریافت ہوگئے
ہین جن... سے ہم بزم کرنیوالے اکثر اوقات اپنے ارادہ سے ان تماشون کو دیکھ لیتے ہین بلکہ ان سے
سلب امراض وغیرہ کا بہت بڑا اہم کام ہی لینے کے قابل ہوگئے ہین اور منجملہ اُن قاعدون کے
جو روحانی طاقتون کو ظاہر کرنیکے لئے دریافت ہوئے ہین ایک سب سے بڑا اور ضروری قاعدہ یہ ہے
کہ ایسا عمل کرنیوالے یعنی حاضرات والون کیطرح کسی شخص کو اپنا معمول ٹھیرا کر اسکو اپنے روحانی اثر
سے بیہوش کرتے ہین اور پھر اُسکی وساطت سے دور دور کی خبرین اور مخفی راز دریافت کرتے ہین دور دراز
کی چیزین منگا لیتے ہین اور کئی طرح کے شعبدے دکھاتے ہین† - یا دوسرے پر عمل نہین کرتے اور براہ راست
اپنی طاقت کا کرشمہ دکھاتے ہین تب بھی اسوقت وہ پورے طور پر ہوش وحواس مین نہین ہوتے بلکہ
ضرور ہے کہ ایک طرح کی بیخودی جس کو ہیپناٹزم کہتے ہین ان پر طاری ہو‡ وجہ یہ کہ جسم اور جسمانی تعلقات
کثیف ہین اور راز چونکہ خفی ہین اس لئے اس کثافت کے ساتھہ وہ دریافت نہین ہوسکتے اس لئے
یا تو خود عامل کو بیخود ہوکر جسمانی کثافت سے قطع تعلق کرنا اور کسیقدر لطیف ہونا ضرور ہوتا ہے اور یا براہ
راست اثر ڈالنے کی بجائے ایک واسطہ سے کام لینا پڑتا ہے اور وہ واسطہ ہی عموماً بچون یا عورتون
کو ٹھیراتے ہین اس لئے کہ انکی روحین جوان مردون کی نسبت کسی قدر لطیف ہونے کے سبب اور
پھر بیہوش ہوکر اور بہی رازون کی پوشیدگی سے قریب تر ہوتی ہین اور اس طرح عامل کی روح مین
جو ہوش وحواس مین ہے جنکے سبب کثافت رکھتی ہے اور دوسری چیزون مین جو مخفی ہونے کے سبب
کثیف روح کے تصرف مین نہین آسکتین ایک واسطہ جو عامل کی نسبت لطیف تر ہے حاصل کرنا پڑتا ہے
غرض یہ کہ کثیف سے لطیف کیطرف جانا ہو تو لطافت کا ایک درجہ درمیان مین لانا ضرور ہے اور
کثیف دفعۃً لطیف تک نہین پہنچ سکتا۔

---

† تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب لا آف سائیکک فینامنا مصنفہ مسٹر ہڈسن اور کتاب آدر سائیڈ آف ڈتھ
مصنفہ ریورنڈ لیڈبیٹر جنمین اکثر تجربے مصنفین کے چشمدید ہین۔

‡ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب لا آف سائیکک فینامنا اور بالخصوص سبسنٹر دم اور کتاب ہیومن پرسنلٹی
مصنفہ مسٹر ایف ڈبلیو ایچ مائرس۔

قوتِ قدرت کے عمل کا قاعدہ

یہ تو وہ قاعدہ ہے جو انسانی روح کے اثر کے واسطے مقرر ہے اب قدرت کے دوسرے کامون کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ حرارت، روشنی، کشش ثقل وغیرہ لطیف طاقتین جو آفتاب سے یا دیگر سیارون سے ایک دوسرے تک پہنچتی ہین ان کا اثر بھی بغیر لطیف واسطہ کے مانا نہین جاتا ٭ اور ایتھر جو فضا مین پھیلا ہوا ہے اُنکی حرکت کا ذریعہ تسلیم کیا جاتا ہے نیوٹن کہتا ہے کہ ان طاقتون کا بیوساطت جانا سمجھہ مین نہین آتا اس پر ڈاکٹر سپنسر اعتراض کرتے ہین کہ ایتھر خود متخلخل ہے۔ پس اسکے ایک جزو سے دوسری جزو تک جو فاصلہ ہے اسمین روشنی وغیرہ کی حرکت کیونکر ہوگی ؟ ان کے اعتراض کا رُخ مسئلہ پر خلاف روشنی ڈالنے کی بجائے اِس طرف ہی کہ ایتھر کے اجزا کے مابین کوئی اور اس سے بہی لطیف واسطہ ہونا چاہیئے جس سے آفتاب کا اثر پہنچ سکے۔

واقعات عالم کا عام قاعدہ

اِس کے بعد عام پیدائش کے قاعدون کو دیکھا جائے تو یہ بڑے بڑے کُرّے جو فضا مین دوڑتے پھرتے ہین اور کرون کے اندر یہ بڑے بڑے پہاڑ اور دریا اور درخت اور حیوانات غرض جسقدر جسمانی اشیا نظر آتی ہین قدرت نے اُن کو پیدا کرنا چاہا ہے تو پہلے نہایت لطیف اور نامحسوس ذرّون سے کام شروع کیا ہے † اور پہر اُن کو باہم مرکّب کرنے سے اور گیس اور سیال اور کئی کئی طرح کے تغیرات طے کرنے سے لطافت بتدریج کم ہوتی گئی ہے اور کثافت بڑھتے بڑھتے یہ چاند سورج اور زمین جیسے اجسام پیدا ہو گئے ہین۔ اِن کے بعد فرداً فرداً ہر ایک نوع کو دیکھا جائے تو بڑے بڑے درختون کا کام چھوٹے چھوٹے تخمون سے اور دیوہیکل حیوانات کا کام ایک قطرہ منی سے شروع ہوتا ہے اور اس کے علاوہ یہ موسلادہار بارشین، ہلاک کرنیوالے اولے اور تباہ کرنیوالی برفین سب لطیف بخارون سے پیدا

٭ کتاب فرسٹ پرنسپلز مصنفہ ہربرٹ سپنسر باب ۳ صفحہ ۵۹ سنہ ۱۸۸۷ء

† یہ ذرے اس قدر چھوٹے ہین کہ مادہ کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا ذرہ جو محسوس ہو سکے اسمین ابتدائی ذرے پانچ کروڑ سے زیادہ تخمینہ کئے گئے ہین (کتاب رلیجن آف نیچر باب دوئم صفحہ ۲۹ سنہ ۱۸۹۲ء) اور چونکہ بعض مذاہب مین مادہ کو خدا کی پیدائش نہین مانا جاتا اور اس کتاب مین اس وقت تک اس مسئلہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہین کیا گیا ہی اِس لیئے سرِدست یہان ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے کسی کو اختلاف نہو کیونکہ وہ ذرات مخلوق ہون یا قدیم اسمین کلام نہین کہ دیگر مرکبات کے بنانے مین کام انہی سے شروع ہوا ہے۔

ہوتی ہیں اور ایک لطیف واسطہ یعنی حرارت آفتاب اُن میں عمل کر رہا ہے۔ غرض کثیف اور لطیف کا باہمی تعلق دیکھا جائے تو ہر جگہ یہی نظر آتا ہے کہ لطیف اور کثیف میں لطافت اور کثافت کے بین بین کوئی اور واسطہ ضرور رہتا ہے اور کثیف کی پیدائش کو دیکھا جائے تب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُس کثیف کی نسبت لطیف تر درجہ سے شروع ہو کر بتدریج مطلوبہ کثافت بہم پہنچائی جاتی ہے۔

اب اگر خدا کوئی ہستی ہے اور اگر وہ ایک طرف عالم کو پیدا کر رہا ہے اور دوسری طرف بعض انسانوں کو اپنی معرفت کے تجربے کرا رہا ہے تو اُس کو موجود مان کر یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ ایک زمین جیسے کرہ کی نسبت جس قدر لطافت ایک ذرہ میں ہے اس ذرہ کی نسبت ذات خداوندی کی لطافت بدرجہا زیادہ ہوگی اور اسی طرح ایک گنہگار انسان کی نسبت جس قدر لطافت ایک پاک و مقدس انسان کی روح میں ہے اس روح کی نسبت ذات خداوندی کی لطافت اس ذات کی طرح بے انتہا ہوگی اور اگرچہ بعض مذاہب میں روح انسان ذات خداوندی کا مظہر اتم ہے بلکہ روح کو عین خدا مانا جاتا ہے لیکن فرق مراتب سے کسی کو انکار نہ ہوگا اور انسان اپنے انسانی تقید میں رہکر کتنا ہی پاکباز اور بے تعلق ہو جائے تنفس اور غذا وغیرہ جسمانی ضروریات سے ہرگز بے نیاز نہیں ہوتا۔ یہ مانا کہ جسمانی خواہشوں کو پاکباز انسان محبت اور شوق سے پورا نہیں کرتا بلکہ محض فرض انسانی سمجھ کر بجا لاتا ہے مگر ان کو چھوڑ کر جامہ انسانی کو برقرار نہیں رکھ سکتا اس لیئے اس حالت میں اسکی روح وہ لطافت ہرگز نہیں رکھتی جو ذات خداوندی کا خاصہ ہے البتہ تمام عمر میں ایک یا چند مرتبہ کسی بڑے سے بڑے پاکباز پر ایسی حالت طاری ہو سکتی ہے کہ اسوقت کیلئے وہ جسم اور جسمانی خواہشوں سے بالکل پاک ہو پس ایک طرف ذرہ لطیف اور خدا اور دوسری طرف روح لطیف اور خدا کی لطافت کا تفاوت خیال کرنے کے بعد اور نیز دنیا میں لطیف اور کثیف کے اثر اور پیدائش کی کیفیت دیکھنے کے بعد کیا نتیجہ صحیح ہوگا کہ یہ لطیف سے کثیف کیطرف انکی ترتیب اور قاعدہ اسی جگہ سے شروع ہوا ہے جہاں سے ہمکو نظر آیا ہے اور اس سے پہلے تمام کام بے ترتیب اور بے قاعدہ ہوتا رہا ہے اور لطیف خدا سے کثیف مادہ دفعتہً متاثر ہو گیا ہے اور ایسا خیال فلسفیانہ اور قابل فخر ہوگا یا یہ

خیال کہ خدا نے پیدائش کا جو کام شروع کیا ہے وہ اس کثیف ذرہ سے نہین شروع ہوا بلکہ اس سے بدرجہا زیادہ لطیف ہستی سے شروع ہوا ہوگا نہ اسلئے کہ ذرہ سے شروع کرنے پر وہ قادر نہین بلکہ اس سبب سے کہ جس طرح زمین جیسا بڑا کرہ براہ راست ذرہ سے پیدا ہونے کی قابلیت نہین رکھتا اسی طرح اپنی کثافت کے سبب براہ راست خدا کا معمول بننے کے لائق نہین ہے اور اسی طرح دوسری جانب وحی کے متعلق جو نتیجہ قایم کیا گیا ہے کہ لامحدود لطیف ہستی محدود اور جسمانی کثیف تعلقات مین قید رہنے والے انسان پر بے واسطہ نور القا کرتا ہے کیا اس خیال کے لوگ اپنے تئین فیلسوف کہ سکتے ہین یا وہ لوگ جو انسان کے پرے لطیف ارواح نوریہ مانتے ہین اور اس طرح سے لطیف وبے کیف نور کے بتدریج کثافت تک پہنچنے کے قایل ہین نہ اسلئے کہ خدا کی قدرت مین نقص ہے بلکہ اس لئے کہ روح انسان جسم مین مقید ہے جنکے سبب براہ راست نور اخذ کرنے کے قابل نہین اور اسی لئے وہ لوگ جبریل کو بھی براہ راست خدا سے نور حاصل کرنیوالا نہین مانتے بلکہ اس سے اوپر لطافت کے اور درجات مانکر اور جبریل کو کثیف کی ایک حد تک محدود سمجھکر اسکی زبان سے نکلواتے ہین کہ۔

اگر یک سر موئے برتر پرم ۔۔۔ فروغ تجلے بسوزد پرم

البتہ روح انسانی خاص اسحالت مین جبکہ وہ ایک لمحہ کیلئے جسم اور جسمانی خیالات سے برتری حاصل کرے اور بالکل بے لوث ہو جائے اس وقت اسکی قابلیت کے موافق خدا کی طرف سے فیضان نور مین تامل نہین ہوتا اور چونکہ اس وقت وہ باوجود مجسم ہونیکے جسمانی خیال سے بالکل قطع تعلق کرتی ہے اسلئے اسکی اسوقت کی صفائی ملائکہ نوریہ کی صفائی سے اپنی اس خلاف معمول کوشش کے سبب زیادہ ہوتی ہے اور اس اعلیٰ صفائی کے سبب ان سے زیادہ نور ربانی حاصل کرنے کے قابل ہوتی ہے اور براہ راست وحی کی سعادت حاصل کرتی ہے۔

پس ان تجربہ کرنیوالے انسانون کا یہ اظہار بالکل مطابق فطرت معلوم ہوتا ہے کہ انبیا علیہم السلام کے باہمی اختلاف مراتب اور نیز ایک ہی نبی کے مختلف روحانی انقلابون کے سبب وحی کی مختلف شکلین ہوتی ہین کبھی فرشتہ متشکل نظر آتا ہے کبھی کسی قسم کی آواز مین وحی کا القا ہوتا ہے اور کبھی نور بے کیف

بیوسطہ جلوہ گر ہوتا ہے مگر اسوقت بھی اگر نبی مین کسیقدر جسمانیت کا احساس موجود ہے تو آگ یا بجلی وغیرہ کی شکل مین جلوہ نظر آتا ہے اور چونکہ اس وقت فرشتہ کا واسطہ درمیان مین نہین ہوتا اُس طرف سے اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ (مین خدا ہون) کا دعوےٰ ہوتا ہے اور چونکہ نبی کا جسمانی تعلق بہمہ وجوہ محو نہین ہوا نور بیکیف کی بجائے اُس سے کثیف تر کیفیت یعنی آگ کا تصور ہوتا ہے مگر جس حالت مین احساس جسم بالکل فنا ہوجاتا ہے اُس وقت براہ راست وہ نور نظر آتا ہے جس کو آنکھ نہین دیکھتی کان نہین سُنتے مگر قلب صافی اُسکا لطف اُٹھاتا ہے اور بیان نہین کرسکتا اور اس حالت کو اصطلاح مین معراج کہتے ہین -

پس اگرچہ ملائکہ جسم سے پاک اور نور محض مانے جاتے ہین اور انسان کا سائنٹفک تجربہ اسوقت تک کسی روح مجرد کا اثر دیکھ نہین سکا۔ مگر اس عقیدہ سے انکار نہین ہوسکتا اِس لیئے کہ نظام عالم مین کثافت ولطافت کی ترتیب اور قاعدہ اِس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالتا ہے اور نیز جن لوگون نے مظاہر روحانی کا مطالعہ کیا ہے اور عالمانہ تعصب کو چھوڑ کر اسبارہ مین تامل کرنے کے عادی ہین وہ ارواح مجردہ کے اثر کو ثابت شدہ نہین تو ممکن ماننے پر ضرور مجبور ہوئے ہین چنانچہ مسٹر فریڈرک ڈبلیو ایچ مائرس جو مشہور سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ کے ممبر ہین اپنی کتاب ہیومن پرسنلٹی (دیباچہ صفحہ ۱۲) مین ایسے دنیوی واقعات کو حل کرتے ہوئے جو انسان کو بغیر حواس کے معلوم ہوجاتے ہین لکھتے ہین -

" ٹیلی پیتھی اور ٹیلس تھیسیا یعنی خیالات بعیدہ اور مناظر بعیدہ کا وہ احساس جو معمولہ آلات حواس کے بغیر ہوتا ہے ایسی انسانی قابلیتون کو یا قوتون حل کیا جاسکتا ہے کہ ہماری اپنی ذہنی طاقتین حیات وسعت رکھتی ہین باہم جیسے زیادہ آزاد اور کم پابند ارواح کا اثر ہوتا ہے - یہ دوسرا اصول جو ارواح مجردہ کی وساطت سے تمام غیر معمولی مظاہر کی تشریح کرتا ہے ہماری نظر اس مسئلہ کو حل کردیتا ہے اور اِس اصول کو مسٹر اے آر ولیس اور دوسرے لوگون نے یہان تک وسعت دی ہے کہ انکی روحانی طاقتون کے اصول کی جسکو وہ بے ثبوت اور گرانبار کہتے ہین کوئی ضرورت نہین چھوڑی مگر مین یقین رکھتا ہون کہ

آگے چلکر یہ بات صاف ظاہر ہو جائیگی کہ وہ روحانی طاقتین جن کو مین ثابت کرتا ہون اگر انسان کے اندر اُن کے موجود ہونے سے انکار کیا جائے تو اس صورت مین بیشک ایسے اصول کو جیسا کہ یہ ہے یعنی بیرونی ارواح کا دائمی دخل اور دائمی رہنمائی ضرور ماننا پڑیگا لیکن جو خیال مینے قایم کیا ہے یعنی انسان کے اندر ایک عظیم الشان روح کا موجود ہونا اسکو جب ان مظاہر پر منطبق کیا جائے جو بادی النظر مین مسٹر ولیس کے اصول (ارواح مجردہ) کا خیال دلواتے ہین اور جن مظاہر کو مین بیرونی ارواح کو دخل دینے کے بغیر انسان کی اندرونی روح کی طاقت سے حل کرتا ہون تو ثابت ہوگا کہ میرا اصول حد سے متجاوز اور غیر ضروری نہین ہے بلکہ حد بندی کرنیوالا اور معقول اصول ہے مگر حقیقت مین مین یہ نہین کہتا کہ جو خیال مین قایم کرتا ہون وہ تمام واقعات پر منطبق ہو سکتا ہے اور ارواح مجردہ کے اصول کو بالکل خارج کر دیتا ہے بلکہ اس کے خلاف یہ دونو اصول ایک دوسرے کو قوت دیتے ہین کیونکہ مقامات بعیدہ سے رابطہ پیدا کرنیکی طاقتین بڑی حد تک موجود ہین خواہ ہم اُن کو اپنی ہی روح سے منسوب کرین اور ہم ایسے وقت مین روحانی طور پر ایک دوسرے پر جو باہم فاصلہ پر ہون اثر کر سکتے ہین۔ پس اگر ہمارے جسم مین آئی ہوئی روحین ایک وقت مین اس گوشت پوست کی وساطت سے آزاد ہو کر کام کر سکتی ہین تو یہ عقیدہ اور بھی مضبوط ہوگا کہ اور روحین بغیر جسم کے موجود ہین اور اسی طرح بغیر جسم کے ہم پر اثر کر سکتی ہین۔" آگے چل کر دیباچہ کے خاتمہ پر لکھتے ہین (صفحہ ۲۴) "ہم جانتے ہین کہ زندہ انسان کی روح اپنے اعضا پر حکومت کرتی ہے اور آگے چل کر ایسی دلائل بھی ملینگی جن سے نتیجہ نکلے کہ جسم سے آزاد روحین بھی ایک قسم کے قبضہ کے ساتھ زندہ انسانون کے اعضا پر حکومت کر سکتی ہین یعنی وہ براہ راست مادہ کے ایک حصہ پر جس کو ہم زندہ کہتے ہین یعنی دماغ پر انسان کی حالت بیخودی مین اثر کر سکتی ہین پس میری نزدیک یہ خیال خلاف قیاس نہین ہے کہ اسی طرح روحانی کارکن بوساطت ایک قسم کی طاقت کے جو وہ زندہ انسان سے اخذ کرتے ہون غیر زندہ مادہ پر بھی کسی قسم کا اثر پیدا کرین۔ اور مین یقین کرتا ہون کہ سر ولیم کروکس اور مرحوم ڈاکٹر سپیٹر اور اور لوگون نے ایسے اثرون کو بطور ایک واقعہ کے قابل اعتماد طور پر دیکھا اور بیان کیا ہے بالخصوص ڈی ڈی ہوم اور ڈبلیو سٹینٹن

موسز کے حالات مین - اور اگر مین انکو اور دیگر ہمچو قسم واقعات کو غیر منتج کہون تو یہ محض اسلیئے ہوگا کہ یہ واقعات اور بہت سی ناقابل اعتماد حکایات مین یعنی اس قسم کی تحقیقات کی بابت لمبی ہسٹری مین جسمین اکثر وہم کا اور فریب ثابت ہوا ہے دب گئے ہین اور مین خیال کرتا ہون کہ اندرین زمانہ اس قسم کی شہادت جو حقیقی قوت رکھتی ہو مصنفہ مجموعون کی نسبت متفرق تحریرون میں عمدہ طور سی موجود ہے"

مسٹر مائرس اپنے معلومات کی بنا پر ارواح مجردہ کا امکان تسلیم کرتے ہین مگر فرینچ فلاسفر مسیو لوئی فگئیے† ایک لطیف استدلال سی ایسی ارواح کا وجود ثابت کرتے ہین چنانچہ لکھتے ہین کہ -

ہماری اردگرد کی زندہ مخلوق مین نباتات سی لیکر انسان تک دائما ایک جانیوالا سلسلہ ہے جو تدریج کمال حاصل کرتا جاتا ہے - کائی اور دیگر بحری روئیدگیون کو جو نظام نباتی کی ابتدائی حالت ہے نقطۂ روانگی ٹھیرا کر ہم نباتی دنیا کے تمام کمال حاصل کرنیوالے سلسلہ مین سی گذر جاتے ہین اور ابتدائی حیوانات یعنی گھونگے اور دیگر نبات نما حیوانات تک پہنچ جاتے ہین اور وہان سی اعلےٰ تر حیوانات کے بے انتہا درجون کو طے کرتے ہوئے انسانی قالب مین آتے ہین - اس سیڑھی کا ہر ایک پایہ غالبًا غیر محسوس ہے اور ان تغیرات اور درجات کی ترتیب ایسی عمدہ ہے کہ اس نے درمیانی ہستیون کے ایک غیر محدود سلسلہ کو گھیرا ہوا ہے جس کا ایک کنارہ کائی ہے اور دوسرا کنارہ ہماری نوع انسانی - اور باوجود اس کے ہم ممکن سمجھتے ہین کہ آیندہ ہم مین اور خدا مین درمیانی ہستی کا کوئی واسطہ حائل نہ ہو اور اس تدریجی ترقی کے سلسلہ مین انسان اور خدا کے مابین ایک بڑا غار خالی پڑا رہ گیا ہو! ہم ممکن سمجھتے ہین کہ تمام نیچر مین چھوٹی سی چھوٹی نبات سی لیکر نوع انسانی تک تدریجی اور بیشمار درجات کی ترتیب ہو مگر انسان اور خدا کے درمیان صرف ایک ناپیدا کنار جنگل ہو! بے شبہ یہ نا ممکن ہے اور اگر کبھی مذہب نے یا فلسفہ نے ایسی غلطی کی حمایت کی ہے تو اسکی وجہ صرف مظاہر قدرت کی ناواقفی ہے اسمین شک کرنا نا ممکن ہے کہ جس طرح نبات اور حیوان کے مابین اور حیوان اور انسان کے مابین دیکھا جاتا ہے اسی طرح انسان اور خدا کے مابین ضرور درمیانی مخلوقات کی بڑی تعداد ہے جسکی وساطت سی انسان اس خدا تک پہنچتا ہے جو اس پر اپنی غیر محدود طاقت اور جلال سی حکومت کر رہا ہے"

† کتاب دی ڈے آفٹر ڈیتھ بائیشہ صفحہ ۵ سنہ ۱۹۰۱ء

غرض یہ تو ہمکو یقین ہے کہ ایسی درمیانی مخلوقات (یعنی جو انسان سے آگے لطافت کی تدریجی مراتب طے کرتی ہوئی خدا تک پہنچتی ہے) موجود ہے گو یہ ضرور ہے کہ وہ ہمکو نظر نہین آتی لیکن اگر ہم ہر ایک ایسی چیز کے وجود سے انکار کرین جس کو ہم دیکھہ نہ سکین تو نہایت آسانی سے ہماری تکذیب ہوسکتی ہے۔ فرض کرو کہ کوئی علم مادیات کا عالم کسی تالاب سے ایک قطرہ پانی کا لے اور ایک جاہل کو دکھا کر کہے کہ یہ قطرہ جسمین تم کچھہ نہین دیکھتے ہو چھوٹے چھوٹے حیوانات اور نباتات سے بھرا ہوا ہے جو بعینہ محسوس حیوانات اور نباتات کیطرح زندہ رہتے ہین پیدا ہوتے ہین اور مرتے ہین تو وہ جاہل فوراً سر پھیر دیگا اور کہنے والیکو دیوانہ سمجھیگا۔ لیکن اگر اسکی آنکھون پر خوردبین رکھہ دیجائے اور وہ قطرے کی تشخیص کرے تو اُسکو اقرار کرنا پڑیگا کہ کہنے والا سچ کہتا تھا کیونکہ اب اسی قطرہ مین جس کو وہ صاف سمجھتا تھا اُسکی آنکھ سائنس کی مدد پاکر چھوٹے پیمانہ پر تمام دُنیا کو موجود پائیگی۔ غرض جہان ہم کچھہ نہین دیکھتے وہان زندہ مخلوق کی بڑی تعداد موجود ہوتی ہے اور یہ محض سائنس ہی کے امکان مین ہے کہ اس بارہ مین عوام الناس کی آنکھون کو روشن کرے۔"

ہم چاہتے ہین کہ ہم بھی اسی حکیم کی حیثیت اختیار کرین۔ بیشک انسان اور خدا کے درمیان طبقہ جہلا کو اور اندھے فلسفہ کو کچھہ نہین سوجھتا لیکن اگر ہم جسمانی آنکھون کی بجائے روحانی آنکھہ سے کام لین یعنی عقل قیاس مساوات اور تعلیم کو استعمال کرین تو پورا سر از مخلوق روشنی مین آجائیگی۔"

مسیو فگئیر کا مذہب ہے کہ ایک ہی قسم کی روحین اپنی ہستی کو نباتات کے ابتدائی درجون سے شروع کرتی ہین اور مختلف جونون مین ہوتی ہوئی نباتات اور حیوانات کے تمام مراتب طے کر کے انسانی قالب مین آتی ہین اور یہان سے گذر کر اس سے زیادہ لطیف شکلون مین ظہور کرتی ہوئی انتہائی نقطہ کمال تک پہنچتی ہین اور اسی لیئے اس مقام پر نباتی اور حیوانی ترتیب کا ذکر انہی الفاظ مین کرتے ہین جو اس خیال کیلئے موزون ہین لیکن خواہ انکا مذہب درست ہو اور ارواح تناسخ کے طور پر بتدریج کمال حاصل کرتی ہون یا اس مقام پر ڈارون کے خیال کو پیش نظر رکھا جائے جسکے مطابق انکا یہ خیال کہ سکتا ہے کہ وہ جسم ہی ہین جو مختلف حیوانات کی شکل اختیار کرتے ہوئے انسانی صورت تک پہنچے ہین اور یا ان تمام موجودات کو مختلف

ارواح اور مختلف نسلیں مانا جائے غرض سردست ان تمام اختلافوں سے یکسو ہوکر یہاں تک امر واقع ہے
کہ نہ صرف نباتات بلکہ خاک کے ایک ذرہ سے لیکر انسان تک جس قدر معدنیات نباتات اور حیوانات کی
قسمیں موجود ہیں ان سب میں ایک ترتیب پائی جاتی ہے اور اس سلسلہ کا ہر ایک درجہ اپنے پہلے درجہ
کی نسبت کسی نہ کسی نقص سے پاک اور کسی نہ کسی کمال سے متصف ہوتا ہے حتی کہ سب کے بعد انسان ہستی کے
سٹیج پر آتا ہے اور ان سب سے کامل تر اور اشرف ہونیکا دعوی کرتا ہے لیکن اس کا دعوی خواہ کیسا ہی
بجا اور درست ہو مگر ہر طرح سے کامل اس مخلوق کو بھی نہیں کہہ سکتے بلکہ ابھی تک بہت سے نقص بہت سی
کثافتیں اور بہت سی احتیاجیں موجود ہیں۔ اب اس دنیا کو ایک ہر طرح سے لطیف اور ہر طرح سے
کامل خدا کی مخلوق ماننے پر یہ عقیدہ بیشک نہایت ناانصافی پر مبنی ہوگا کہ اس قادر مطلق نے جو لطافت
و کمال کیطرف جانیوالا سلسلہ شروع کیا تھا وہ محض انسان پر آکر ختم ہوگیا ہے حالانکہ انسان سے اوپر بے انتہا
مراتب لطافت خیال میں آسکتے ہیں مگر واقع میں ایسی کوئی ہستی پیدا نہیں کیگئی جو انسان سے لطیف تر ہو۔
گویا بقول مسیو فلیگیٹے کے ایک بلندی کیطرف جانیوالی سڑک بنائی گئی ہے جس کو دیکھ کر گمان ہوتا ہے
کہ برتری کے انتہائی نقطہ تک پہنچیگی مگر تھوڑی دور چلکر ایک ایسی عمیق اور تاریک خندق آجاتی ہے
جو بلندی کا نام و نشان نہیں چھوڑتی۔ پس جب ایک سلسلہ کو کمال کیطرف لیجاکر نامکمل حالت میں چھوڑ
دینا قدرت کاملہ سے بالکل بعید معلوم ہوتا ہے تو لامحالہ عقل سلیم دوسرا نتیجہ وہی نکال سکتی ہے جس کو
حاملان مذہب اپنے روحانی مشاہدوں کی بنا پر امر واقع کہتے ہیں یعنی یہ کہ انسان سے اوپر مخلوق کے
بیشمار درجات ہیں جو انسان کے سے نقص اور کثافتیں نہیں رکھتے اور اپنی اپنی حیثیت کے موافق
گوناگوں لطافتوں اور کمالوں سے متصف ہیں۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (مدثر
پارہ ۲۹ ع ۱) خدا کے لشکر کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

جنات اور شیطانی

مگر آہ! دنیا والوں کا عام دستور ہے کہ جس قسم کے عقاید و خیالات کو رواج عام اور فیشن کا
خلعت مل جاتا ہے اُن کے خلاف کوئی نتیجہ خواہ کیسا ہی قرین قیاس ہو اسکو وحشیانہ بیرحمی کے
ساتھ پامال کر دینے پر فخر کیا جاتا ہے چنانچہ مادیت کی ترقی نے محسوسات سے بالاتر خیالات کو نہایت معیوب

سمجھ لیا ہے اور اس خیال کے رواج نے اہل علم کے دلوں پر ایسا حجاب پیدا کر دیا ہے کہ وہ تجربہ سے اوپر کی باتوں کو پیش کرتے ہوئے جھجکتے ہیں ورنہ گذشتہ استدلال کی رو سے عقل نے جن لطیف مخلوق کے نشان دریافت کئے ہیں اگرچہ وہ اس کے تمام درجات اور مراتب بتا نہیں سکتی کیونکہ اس عالم کی تفاصیل کیلئے انسانی دماغ میں کوئی تمثیل موجود نہیں مگر دماغی رصدگاہ کی اسی خوردبین یعنے عقل سے اس منظر کی کچھ اور کیفیت بھی نظر آتی ہے۔ یہاں انسان میں منجملہ اور کثافتوں کے شرارت بھی ہے پس اس سے اوپر جو مخلوق ہوگی وہ اگر محض نیک ہو اور شرارت سے بالکل پاک تو یہ امر ترتیب کے خلاف ہوگا اور ضرور ہے کہ جسطرح پر وہ مخلوق اور لطافتوں میں درجہ بدرجہ ترقی کرتی ہوگی اسی طرح شرارت سے پاک ہونے میں بھی تدریجی ترقی ہو اور اس لیئے ضرور ہے کہ انسان سے اوپر کچھ درجات ایسے موجود ہوں جن میں کسی نہ کسی حد تک شرارت کا وجود پایا جاے اور پھر وہ درجات شروع ہوں جو نیکی میں ترقی کرتے جائیں اور پھر وہ نور معرفت جو ذات باری کی طرف سے القا ہوتا ہے ان درجات تک اپنی حقیقی صفائی اور پاکیزگی میں جلوہ گر ہوتا ہوگا جو شرارت سے بالکل معرا ہیں مگر ان سے نیچے کے درجات اپنی شرارت اور بدی کے سبب اپنی اپنی کیفیت کے موافق اس صفائی اور پاکیزگی سے محروم رہتے ہونگے۔ اب اگر انسان نے کسی طرح کی روحانی طاقتیں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے تو وہ ایسی لطیف مخلوقات سے فیضیاب ہونیکے قابل ہو جاتا ہوگا اور پھر اگر ہوا و ہوس کو چھوڑنے میں کامل طور پر کامیاب نہیں ہوا بلکہ نجاست اور گناہ کی آمیزش باقی ہے تو اس کے دل کو محض اپنے درجات سے مناسبت ہوگی جو کسیقدر شرارت رکھتے ہیں اور وہ انہی کی مکدر روشنی کو حاصل کرتا ہوگا لیکن اگر آئینہ قلب بالکل صاف ہوگیا ہے تو محض نیک ارواح کی وساطت سے نور معرفت حاصل کرنیکے قابل ہوتا ہوگا۔ اور اگرچہ گناہ کی آمیزش کے اور پارسائی کے مراتب بھی کثرت سے باہم کر مختلف ہو سکتے ہیں ایک گناہگار گناہ کے چھوڑنے پر قادر ہوتا ہے اور اکثر مبتلا رہتا ہے اور دوسرا اکثر گناہ سے متنفر رہتا ہے اور کبھی مبتلا ہو جاتا ہے اور اسی طرح پارساؤں میں سے بعض خدا کا خیال اکثر قائم رکھتے ہیں اور کبھی اپنی جایز خواہشوں میں مصروف ہو کر غافل بھی ہو جاتے ہیں اور بعض غفلت میں

زیادہ رہتے ہین اور کبھی توجہ کو قایم کرسکتے ہین مگر بالجاب ایسے انسانون کا پہلا گروہ ہے جن کے کشف والہام سے غلط مذاہب رواج پاتے ہون گے اور موخرالذکر فریق حسب استعداد سچی معرفت سے دنیا کو روشن کرتا ہوگا اور پھر اس دوسرے گروہ مین سے بعض انبیاء کو کسی وقت صفائی کا وہ درجہ میسر آتا ہوگا کہ انکی روح نیک ارواح مجردہ سے بھی زیادہ لطیف ہوجائے اور براہ راست ذات باری سے فیضیاب ہو غرض دنیا مین کثیف اور لطیف کے باہمی تعلق کو دیکھتے ہوئے یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے اور اسکے خلاف بقول مسٹر پارکر تمام انسان اور بقول منکرین ملائکہ تمام انبیاء تمام اوقات مین براہ راست خدا سے نور حاصل کرین نیچر کی شہادت ہرگز اسکی تائید نہین کرتی اور جو کچھ نیچر کہتی ہے وہی مذہب والے اپنے روحانی تجربون کی بنا پر پیش کرتے ہین کہ کچھ لطیف مخلوقات شرارت سے متصف ہین جن کو جنات یا شیاطین کہتے ہین اور کچھ محض نیک ہین اور ملایکہ کے نام سے موسوم ہین اور نیز یہ کہ شیاطین کیطرف سے گنہ گارون پر وحی ہوتی ہے اور ملائکہ کیطرف سے پارساؤن پر اور بعض اعلیٰ درجہ کے پارسا کسی وقت براہ راست خدا سے نور اخذ کرتے ہین۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِھِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْھُمْ اِنَّکُمْ لَمُشْرِکُوْنَ ط (انعام پارہ ۸ ع ۱۴)

بیشک شیطان وحی کرتے ہین اپنے دوستون کیطرف تا وہ تم سے (حق کے بارہ مین) نزاع کرین اور اگر تم اُن کی اطاعت کروگے تو تم مشرک ہوگے۔

یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ط (نحل پارہ ۱۴ ع ۱)

خدا اُتارتا ہے فرشتون کو اپنے حکم کی وحی کے ساتھ اپنے بندون مین سے جس پر چاہتا ہے تاکہ وہ خدا کیطرف سے تبلیغ کرین کہ لائق عبادت میرے سوا کوئی نہین پس تمکو مجھی سے ڈرنا چاہیے

وَاِنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ط ۔۔۔۔۔ وَمَا تَنَزَّلَتْ

اور یہ فیضان دنیا کے پروردگار کا ہے اسکو امانتدار روح نے تیرے دل پر اتارا ہے تاکہ تو لوگون کو خدا کے عذاب سے ڈراوے ۔۔۔۔۔ اور اس کو شیطانون نے

بِهِ الشَّيَاطِينُ ۝ وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ۝ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ۔۔۔۔ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ۝ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ۝

(شعراء پارہ ۱۹ ع ۱۱)

نہین اُتارا نہ اُن کو یہ سزاوار ہے اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہین - وہ خدا کا حکم سُننے سے معزول ہین ۔۔۔۔ مین تمکو بتاؤن کہ شیاطین کس پر اُترتے ہین وہ افترا کرنیوالون اور گنہ گارون پہ اُترتے ہین وہ (خدا کے سچے حکمون کیطرف) کان لگائے ہین مگر اکثر جھوٹے ہوتے ہین -

إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۝ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۝

(والنجم پارہ ۲۷ ع ۱)

نہین ہے رسول کا فرمان مگر وحی جو خدا کیطرف سے بھیجی گئی رسول کو یہ باتین سکھائین سخت طاقت والے اور مضبوط علم والے فرشتہ نے پس وہ ٹھیرا جبکہ وہ بلند کنارہ پر تھا - پھر رسول خدا سے قریب ہوا اور اسکی طرف جھکا پس دو کمانون کے برابر ہو گیا یا اس سے بھی زیادہ قریب پس خدا نے اپنے بندہ کو جو وحی کرنی تھی کی - اُسکے دل نے جو دیکھا اسمین دروغ نہین کیا تم اس بارہ مین جو اُسنے دیکھا شک کرتے ہو اور پھر رسول نے فرشتہ کو دوبارہ سدرۃ المنتہی کے پاس دیکھا *

* اس آیت کا ترجمہ ضحاک کی روایت کے مطابق کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر قرآن) اور جو وحی و الہام کے راز اس آیت مین بیان کئے گئے ہین اگرچہ سمجھنے والون نے انکو مختلف طرزون سے سمجھا ہے مگر جیسا کہ تفسیر عرائس البیان اور تفسیر ابن عربی سے مستفاد ہوتا ہے اس مقام رفیع کے دو مراتب کا مذکور ہے یعنی ایک درجہ وہ ہے جبکہ نبی فرشتہ کی وساطت سے نور معرفت اخذ کرتا ہے اور یہ حالت اکثر رہتی ہے اور دوسرا درجہ وہ ہے جبکہ وہ بعض منتخب اوقات مین فرشتہ سے زیادہ لطیف پاکیزہ ہو جاتا ہے اور اس وقت جہان تک ترقی کر سکتا ہے فرشتہ وہان تک پہنچنے سے قاصر ہوتا ہے مگر چونکہ یہ بھی اعلیٰ لطافت انسانی قالب مین رہکر ہمیشہ قائم نہین رہسکتی اس لیے جب نبی اس حالت سے واپس آتا ہے تو پھر لطافت کے اس درجہ سے اتر کر جو فرشتہ کا انتہائی مقام ہے فرشتہ کی وساطت سے وحی کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے چنانچہ اس آیت مین بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول نے فرشتہ کی وساطت سے علوم ربانی حاصل کئے جس کے بعد ایک اعلیٰ کنارہ پہ

جلوۂ معرفت، وحی، رویٔت ملایکہ، معراج غرض روحانی ترقی کے تمام مدارج کا پورے طور پر سمجھنا ان لوگون کیلئے جو اس لذت سے ناآشنا ہین اول تو یہی ویسے ناممکن ہے کہ یہ باتین اُن کے نقطۂ خیال سے بہت برتر ہین۔ ایک جاہل محض کو اُن لطفون سے آشنا کرنا محال ہے جو ایک سائنسدان کو کوئی قانون قدرت دریافت کرنے اور مفید ایجاد تک پہنچنے مین یا ایک ریاضی کے طالب علم کو کوئی مشکل سوال حل کرنے مین حاصل ہوتے ہین اور دوسرے جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ خدا سے تعلق پیدا کرنے کے تمام مدارج تجربہ پر منحصر ہین اور نیز ان مین فاعلانہ اثر اس بالاتر ہستی کی جانب سے ہوتا ہے اور انسان کیطرف سے جو کوشش ہوسکتی ہے وہ محض آئینۂ قلب کو حتی الوسع صاف کرکے انفعالی قابلیت پیدا کرسکتی ہے تو اس وقت ما و شما کیلئے اسکی حقیقت تک پہنچنا اور کوچہ معرفت سے بیگانہ ہونے کی صورت مین محض قوت عقل سے اسکی کنہ کو پانا اور بھی محال ہوجاتا ہے جب دو قسم کی گیس یعنی آکسیجن اور ہیڈروجن کی ترکیب سے پانی کا پیدا ہونا یا پانی کے تحلیل سے دو نو گیسون کا پیدا ہوجانا ہم کسی طرح نہین سمجھا سکتے بجز اس کے کہ اسکا تجربہ کرکے دکھا دیا جائے تو ملائکہ کو دیکھنے یا خدا سے ہمکلام ہونیکا تجربہ محض جرح و قدح سے کیونکر منکشف ہوسکتا ہے پس اسکی حقیقت کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہین جن کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہو اور دوسرے لوگ جو کچھ کرسکتے ہین وہ اسی قدر ہے کہ کسی طرح کی تمثیل و تشبیہ سے اسکا مبہم سا خاکہ پیش نظر کرلین۔ وہ مبتدی طالب علم جو رات اور دن کے تغیر سے نتیجہ نکالنے کے ناقابل ہے اور جس کو فوکلٹ پینڈولم سے زمین کی حرکت کو سمجھنا دشوار ہے ابتدائی مدرسہ مین اس کو بھی یقین دلوانے

پہنچ کر فرشتہ کی وساطت ختم ہوگئی اور وہ وہین ٹھہر گیا مگر رسول خدا سے قریب ہوتا گیا اور اسکی طرف جھکتا گیا حتی کہ جس طرح دو کمانون کو ملانے سے دائرہ پیدا ہوجاتا ہے اور دائرہ میں قوسی خطون کی ابتدا اور انتہا مین بظاہر تمیز نہین رہتی اسی طرح رسول کو بھی اس وقت خدا سے کامل وصال تھا بلکہ اس تشبیہ سے بھی کچھ زیادہ اور اس حقیقت جو راز منکشف ہونے تھے ہوئے اور دل نے جو لطف اٹھانا تھا اٹھایا

(تفسیر ... صفحہ ۱۱۶)

مگر پھر رسول نے اس حالت کے بعد مقام سدرۃ المنتہی یعنی فرشتہ کے انتہائی درجہ ترقی پر اسکو دوبارہ موجود پایا۔

کی کوشش کیجاتی ہے اور اس وقت اسے صرف مثال سے سمجھایا جاتا ہے کہ گیند کو چراغ کے گرد حرکت دینے سے جس طرح روشنی اور تاریکی پڑتی رہتی ہے اسی طرح آفتاب کے گرد زمین کی حرکت سے دن رات پیدا ہوتے ہیں۔ یہی حالت ہم لوگوں کی نکات معرفت کے متعلق ہے اور یہاں بھی گیند اور چراغ جیسی تشبیہوں سے ہی کام لیا جا سکتا ہے چنانچہ معرفت کے تمام مدارج کی نسبت حتی الوسع اسی استدلال تمثیلی سے کام لیا گیا ہے۔ البتہ معراج کیسا تھ علاوہ اس تجلی بیواسطہ کے جو اور واقعات اہل تجربہ نے بیان کئے ہیں اور جنکی نسبت اکثر غلط فہمی واقع ہوتی ہے انکی نسبت کسیقدر تشریح کی ضرورت ہے، اور چونکہ ان واقعات کے بارہ میں غلط فہمی اکثر اوقات سخت اعتراضوں کی شکل میں بڑے شد و مد سے ظاہر کی جاتی ہے اس لئے میں بھی اگر کلام کو طول دوں تو مضمون کی عظمت کے سبب قابل درگذر ہوگا۔ مگر میں پھر باعلان کہتا ہوں کہ کچھ کہا جائیگا اس سے یہ مدعا ہرگز نہیں کہ معراج بعینہٖ اسی طرح واقعہ ہوتا ہے کیونکہ سننے والوں کی ناتجربہ کاری کے سبب سے خود دیکھنے والے اسے تفصیل بیان نہیں کر سکتے چہ جائیکہ ایک بیگانہ اسکی حقیقت کو سمجھنے یا سمجھانے کا دعوی کرے بلکہ غرض صرف اس قدر ہے کہ تشبیہ سے قریب الفہم کیا جائے۔

منجملہ اُن رُوحانی طاقتوں کے جو دریافت ہوئی ہیں بعض اہل فن کی جانب سے غیب بینی کے ثبوت کا بھی دعوے کیا جاتا ہے اور اکثر ایسے واقعات بھی پیش کئے جاتے ہیں جن میں کسی شخص کو پیش از وقت کسی حادثہ کا علم ہوگیا یا کسی شخص نے ہپناٹائزڈ یعنی حاضرات میں مجذوب ہونے پر کوئی نامعلوم امر ظاہر کیا اور تحقیق پر صحیح ثابت ہوا۔ مگر یہ مسئلہ پورے طور پر پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا بلکہ معض واقعات سے اس کے خلاف بھی استدلال کیا گیا ہے البتہ

† یہ تمام مضمون مسٹر ہڈسن کی کتاب دی لا آف سائیکک فینامنا کے مختلف مقامات سے لیا گیا ہے اور عموماً وہی باتیں درج کی ہیں جن کو مسٹر مائرس اور مسٹر پڈمو صاحب جیسے نقادوں نے بھی تسلیم کیا ہے ملاحظہ ہو کتاب ہیومین پرسنلٹی اور سٹڈیز ان سائیکیکل ریسرچ۔

دل را بدل رہیست کا پرانا مشہور مقولہ بڑی حد تک صحیح ثابت ہوا ہے چنانچہ ابتدا مین عاملان مسمریزم اپنے معمول کو دوسرون کے دلی خیالات معلوم کرنے اور اپنے خیالات دوسرون پر ظاہر کرنے کی مشق بطور ایک لازمی سبق کے کروایا کرتے تھے اور اس قسم کے تجربون پر بہت سی کتابین لکھی گئی ہین اور لنڈن کی سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ یعنی اہل علم کی اس انجمن † نے جس کا مقصد مظاہر روحانی کی تحقیقات تھی بہت سے تجربون کے بعد جو ان کی پروسیڈنگ کی سولہ جلدون مین اور موقت اتنبوع رسالہ مین اور فینٹازمز آف دی لونگ نام ایک کتاب مین شائع کئے گئے ہین یہ فیصلہ کیا ہے کہ "انسان مین بغیر جسمانی وسائل کے اپنے دلی خیالات دوسرون پر ظاہر کرنے کی طاقت موجود ہے"۔

اس طاقت کا ادنی ظہور جو عام طور پر دیکھا جاتا ہے وہ واقعات ہین جن مین کسی شخص پر کوئی حادثہ گذرنے پر اسکے والدین یا کسی نہایت عزیز کے دل کو غائبانہ صدمہ اور رنج محسوس ہوتا ہے اور اکثر بعد مین معلوم ہوتا ہے کہ وہ صدمہ واقع مین اس حادثہ کا اثر تھا اور اس سے بڑھکر اس طاقت کی مشق جو عام طور پر کیجا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ چند آدمی ایک حلقہ باندھکر اور ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑکر بیٹھ جائین اور انمین سے ایک شخص جو نسبتہً زیادہ اثر پذیر طبیعت رکھتا ہو اسکی آنکھین باندھ دیجائین اور تاش کا ایک پتہ نکال کر سامنے رکھلین اور سب حاضرین اس پتہ کو دیکھنا اور اپنا خیال جمانا شروع کرین اور اس عرصہ مین کسی اور پتہ کو ہرگز نہ دیکھین - تھوڑے عرصہ مین اس شخص کے ذہن مین جسکی آنکھین بند ہین اس پتہ کی شکل پیدا ہوگی جو ابتدا مین دھندلی سی نظر آئیگی اور ممکن ہے کہ شروع مین معلوم نہ بھی ہو مگر رفتہ رفتہ واضح ہوتی جائیگی اور وہ شخص بغیر دیکھنے کے محض دوسرون کے

---

† یہ انجمن ۱۸۸۲ء کے شروع مین قایم ہوئی اور قریباً سولہ سال تک تحقیقات جاری رہی - ان لوگون کا مدعا محض سائنٹیفک اور عالمانہ تحقیقات کرنا تھا جسمین تعصب سے بے وجہ انکار کرنے کو یا خوش اعتقادی اور فریب سے ثابت کرنے کو دخل نہ تھا اور اس کے پریسیڈنٹ اپنے وقت کے نہایت مقتدر اور ممتاز اہل علم ہوتے رہے ہین مثلاً پروفیسر بالفور سٹوارٹ ایف آر ایس، رائٹ آنریبل اے جے بالفور ایم - پی، پروفیسر ولیم جیمس، سر ولیم کروکس، پروفیسر ایچ سجوک وغیرہ -

دل کا مطالعہ کر نیسے پتہ کا رنگ اور عدد و بتانے کے قابل ہو جائیگا۔ مسٹر ہڈسن لکھتے ہین کہ مینے یہ تجربہ کئی دفعہ کیا اور اُن شرطون کے موافق جن کا اُنہون نے مفصل ذکر کیا ہے اس تجربہ مین کبھی ناکامی نہین ہوئی۔

اس طاقت کا اِس سے زیادہ ظہور خاص خاص حالات مین ہوتا ہے جسکی چند مثالین مسٹر ہڈسن لنڈن سوسائیٹی کے کتاب سے نقل کرتے ہین چنانچہ مسٹر موسز کا واقعہ ہے وہ لکھتے ہین۔

"ایک شام کو مینے اپنے تئین اپنے ایک دوست زیڈ نامی کے سامنے ظاہر کرنیکا ارادہ کیا جو چند میل کے فاصلہ پر رہتا تھا چنانچہ یہ خیال قایم کر کے مین آدھی رات سے کچھ پیشتر سو گیا اور اس وقت مجھے اپنے دوست کے خاص کمرہ اور اس کے گرد و نواح کا علم تھا صبح کو اُٹھا اور مجھے کچھ معلوم نہ تھا کئی دن کے بعد مسٹر زیڈ کو ملنا ہوا تو پوچھا کہ شنبہ کی شب کو تمنے کچھ دیکھا اُنہون نے کہا کہ ہان بہت کچھ دیکھا۔ مین اس وقت اپنے دوست ایم کے ساتھ آنگیٹھی کے پاس بیٹھا سگرٹ پی رہا تھا۔ ساڑھے بارہ کے قریب وہ دوست اُٹھ کر گیا مینے دروازہ تک اسکی مشایعت کی اور واپس آیا تا کہ بیٹھ کر اپنا پائپ ختم کرون۔ کیا دیکھتا ہون کہ اسکی کرسی پر تم بیٹھے ہو۔ مینے تمکو دیکھا اور پھر اخبار اُٹھایا تا کہ یقین ہو کہ مین بیدار ہون۔ اخبار رکھ کر پھر دیکھا تو ابھی تم موجود تھے اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے بغیر بات چیت کے تم گم ہو گئے †

† اس قسم کے دو واقعے مسٹر مائرس نے یقینی شہادت سے لکھے ہین (کتاب ہیومین پرسنلٹی ضمیمہ باب ششم صفحہ ۳۱۶) اور ایسے ہی دو واقعے ایک اپنے دوست گاڈفری کے مسٹر پڈمور نے اپنی کتاب سٹڈیز ان سائیکیکل ریسرچ مین (باب ششم صفحہ ۲۴۹ سنہ ۱۹۰۷ء مین) نقل کئے ہین اور ایسے واقعات بتانے والی میڈیم مسز پائپر کا واقعہ خاص طور پر لکھا ہے جس نے قریباً سترہ سال تک نہایت احتیاط اور بیسیون ہی کے موقعون پر اجنبی اشخاص کے حالات بتائے اور اس کے امتحان کرنیوالون مین پروفیسر لاج، مسٹر مائرس، ڈاکٹر والٹر لیف، پروفیسر ولیم جیمس جیسے ممتاز فاضل شامل ہین جنہون نے بعد از امتحان یقین کیا ہے کہ اس کے کرتب بالکل ہو کے سوا ایک تھے اور ایسے اشخاص کا حال بیان کرتی رہی ہے جن کا معمولی وسائل سے اسکو مطلق علم حاصل نہین ہو سکا اور مسٹر پڈمور سوسائیٹی مذکور کے ممتاز ممبر سوسائیٹی کے دیگر ممبرون سے کسیقدر زیادہ محتاط ہین چنانچہ سوسائیٹی کی تحقیقات کا جو نتیجہ خود اُن کے نزدیک نکلا ہے اُسی کے متعلق اُنہون نے کتاب مذکور لکھی ہے اُسکے ابتدا مین لکھتے ہین کہ میرے بعض رفیقون کے نزدیک اس تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ خیال ظاہری حواس کے بغیر اور ایتھر کی لہرون کی وساطت کے بغیر دوسرے

اِس قسم کے کئی واقعات کے علاوہ مسٹر ہڈسن اپنا ایک چشمدید واقعہ لکھتے ہیں کہ شہر نیو یارک میں پیٹنٹ آفس کے ایک اگزامینر کو ایک معمول کے سامنے جو عورت تھی پیش کیا گیا وہ معمول اِن سے بالکل ناآشنا تھی اور بہنیت امتحان کی غرض سے اگزامینر کے حالات اور نیز اس کا نام بھی اُسکو نہ بتایا اور اس سے حالات بتانے کی درخواست کی۔ تھوڑی دیر میں جب معمول پر حالت وجد طاری ہوئی تو اُس نے اگزامینر کو کہا کہ میں ایک عالیشان عمارت کو دیکھتی ہوں جس میں بہت سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۲

کے خیال پر اثر کرسکتا ہے اور انسان کی روح جسم میں قید ہونے کی حالت میں زمانہ فضا اور دیگر جسمانی قوانین قدرت کی مدد سے آزاد ہوسکتی ہے اور جسم کی موت کے بعد دوسروں کو اپنی ہستی سے واقف کرسکتی ہے مگر میرے نزدیک شہادت ایسی ناکتفی اور مشتبہ ہے کہ اس سے ایسا بڑا نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ یہ میں مانتا ہوں کہ رابطۂ قلبی ثابت کرنیکے لیے جس میں جسمانی حواس کو دخل نہ ہو کافی دلائل موجود ہیں۔ لیکن اِس طاقت کو خوق العادت درجہ دینے کیلئے ابھی سامان مہیا نہیں (باب اول صفحہ ۳) غرض مسٹر موصوف اگرچہ تمام نتائج میں دوسرے رفیقوں سے اتفاق نہیں کرتے مگر تاہم بہت سی روحانی طاقتوں کو مانتے ہیں اور بالخصوص دلی خیالات دوسروں پر ظاہر ہونیکا اور تاش کے علاوہ اور کئی طرح سے اس قسم کے تجربوں کا تفصیل ذکر کرتے ہیں اور رابطہ قلبی کو بڑی حد تک تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ جو اسباب اور تصویریں مرنیوالے دوستوں کی لوگوں کو نظر آتی ہیں انکے بہت سے واقعات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ مردہ روحوں کا آنا تو ان شہادتوں سے ثابت نہیں ہوتا البتہ ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ رابطۂ قلبی کے سبب سے مرنیوالے کا خیال مجسّم ہوکر نظر آجاتا ہے (باب نہم صفحہ ۲۹۳) اور اسی باب کے آخر میں لکھتے ہیں کہ مسٹر گرنی اور مسٹر کننگ کے واقعات کو حواس کی وساطت کے بغیر ایک دل کی دوسری دل کیساتھ نامہ و پیام کرنیکی طاقت کا قوی ثبوت مانا جاسکتا ہے۔ آگے چلکر جہاں بعض انسانوں کے اپنی تئیں بھول جانے اور کچھ اور سمجھ لینے کے واقعات کا ذکر کرتے ہیں وہاں لکھتے ہیں کہ حالت وجد ھسٹیریا (ایک اعصابی تغیر جسکی تشریح طب سے نہیں ہوسکی) اور بعض اور حالات میں جبکہ شعور ثانوی پیدا ہوتا ہے تو بہت سی خصوصیتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ ارادی اور غیر ارادی حرکت دینے والے اعصاب پر اور رگوں پر اور اعضائے تنفس پر اور عموماً خواص اعضا پر پورا تسلط ہوجاتا ہے۔ مختلف احساسی قابلیتیں وسیع ہوجاتی ہیں۔ خیالات مجسم ہوکر نظر آنے لگتے ہیں اور دوسروں کے دلی خیال سمجھنا نہ سمجھنے کی بڑی قابلیت پیدا ہوجاتی ہے (باب دوازدہم صفحہ ۴۰۹) غیب بینی کی شہادت لکھکر کہتے ہیں کہ مسٹر اکسن نے بہت سی تجربے کئے ہیں جن کم از کم علم حاصل کرنیکی خلاف معمول قابلیت ثابت ہوتی ہے اور اسی مضمون کی قائل کرنے شہادت مسز پائیپر کے حاضر اتی واقعات

(باقی ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲۴)

کمرہ ہین۔ ان مین سے ایک مین تم کو دیکھتی ہون۔ تمہارے سامنے ایک بڑی میز ہے اور اُس پر بہت سے کاغذ ہین۔ مین دیکھتی ہون کہ بہت سے مشینون کے نقشے تمہارے آگے پھیلے ہوئے ہین اور مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم کو ایجاد وغیرہ کی رجسٹری کرنے سے تعلق ہے۔ یہانتک بالکل اظہار واقعی تھا جسکو تسلیم کیا گیا۔ کیونکہ تسلیم کرنے سے معمول کی روحانی قوت کو ترقی ہوتی ہے۔ پھر اوس نے کہا کہ مگر تمہارا صرف یہی پیشہ نہین ہے مین تمکو گھر پر ایک کتب خانہ مین دیکھتی ہون اور تمہارے گرد کتابین اور قلمی مسودے رکھے ہین معلوم ہوتا ہے کہ تم کوئی کتاب لکھتے ہو۔ پھر اس نے کتابون کی الماریون اور کمرہ کے سامان کو صحیح طور پر شمار کرکے بتایا۔ پھر کہا کہ مجھے وہ رستہ بھی معلوم ہوتا ہے جس سے تم اپنی کتاب کے موجودہ نتیجہ تک پہنچے ہو اس رستہ مین بہت سا کوڑا کرکٹ ہے جسکو تمنے صاف کر دیا ہے اور تمہارے سر پر ایک روشنی ہے اور تم پورے اعتماد سے اپنے مطلب کیطرف جا رہے ہو۔ اگر امیر نے سوال کیا کہ کیا وہ رستہ واقعی سیدھا ہے جس پر مین جا رہا ہون اس نے جواب دیا کہ یہ مین نہین جانتی کیونکہ مین اس مضمون سے ناآشنا ہون جس پر تم کتاب لکھ رہے ہو۔ البتہ تمہارے سر پر کی روشنی سے گمان ہوتا ہے کہ غالباً صحیح رستہ ہوگا۔"

ابطہ سے کسی واقعہ کا اصل ہونے پر روح ین مکان میں موجود نی ہے۔

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت معمول اپنے تئین اُن مکانون مین حاضر سمجھتا ہے جن کے واقعات وہ بیان کرتا ہے اور مسٹر ڈمور نے بھی چند واقعات لکھے ہین† جن مین معمول پوچھنے والون کے گھرون پر جو بہت فاصلے پر واقع تھے گیا اور وہان کے تمام حالات حتیٰ کہ گھرون کے سامان کی تفصیل اور اُن کا موقع اور باشندگان کی کیفیت بیان کی جنکا حاضرین کو علم نہ تھا اور جو بعد مین درست ثابت ہوئی اور مسٹر ڈمور اگرچہ ان واقعات سے انکار نہین کرسکتے مگر وہ تیار نہین ہین کہ بواسطہ علم حاصل کرنے کو تسلیم کرین اور اگرچہ تمام واقعات مین کوئی ذریعہ علم ثابت کرنے کو مشکل مانتے ہین مگر کہتے ہین‡ کہ رابطہ قلبی ہی ایک ذریعہ ہے جس سے ظاہری حواس کے بغیر علم ہوسکتا ہے اور چونکہ فراموشی محض حق اس کا خاصہ ہے اور روح کا علم کبھی محو نہین ہوتا اس لیے ممکن ہے کہ حاضرین سر دست اُن واقعات کو نہ جانتے ہون

† باب سیزدہم صفحہ ۴۲۷ سے ۴۳۲ تک کتاب سٹڈیز
‡ باب سیزدہم صفحہ ۴۵۰ سے ۴۵۴ تک کتاب مذکور

لیکن پہلے کبھی وہ علم حاصل ہو چکا ہو اور معمول نے اُن کی قلبی تحریر کو پڑھ لیا ہو۔ اور مسٹر ھڈسن ایسے واقعات کو جنمیں کوئی ظاہری واسطہ علم موجود نہ ہو ایک مثال سے حل کرتے ہیں کہ ††

"کوئی شخص پردیس میں ڈوب کر مرجائے تو رابطۂ قلبی کی وجہ سے ضرور ہے کہ اسکی ماں کی روح کو صدمہ ہوگا اب اگر ماں کی روح میں صفائی نہیں تو یہ روحانی علم شعور کے درجہ پر نہ آئیگا اور بجز ایک پریشانی کے اسکو اس واقعہ کی کوئی اطلاع نہ ہوگی۔ پھر اگر کسی اور عزیز کو مرنیوالے کی ماں سے دلی محبت ہو تو اس تعلق کے سبب سے اُس کے قلب پر بھی اثر ہوگا مگر عام طور پر اسکو بھی اطلاع نہ ہوگی کہ روح نے کیا تماشا دیکھا اور ممکن ہے کہ اسی رابطۂ محبت کے سلسلہ سے اور چند اشخاص بھی اس واقعہ سے متاثر ہوں اور پھر کسی موقعہ پر ان میں سے کوئی کسی ایسے شخص سے ملے جس کو ہپناٹزم یعنے حالت وجد کی مشق ہے اور وہ اس حالت میں اس شخص کے دلی نقش کو پڑھ کر بیان کرنے لگے کہ مجھے ایک اس حلیہ کا انسان دریا میں ڈوبتا نظر آتا ہے اور بعد میں یہ واقعہ صحیح ثابت ہو جائے تو دیکھنے والے اسکو غیب بینی کی طاقت کہیں گے کیونکہ حاضرین میں سے کسی کو اس واقعہ کا محسوس علم نہ تھا مگر حقیقت میں یہ علم ایک ذریعہ اور واسطہ سے حاصل ہوا ہے جو اگرچہ حواس سے بالاتر ہے لیکن قانون قدرت کے خلاف نہیں"

اور روحانی طور سے کسی مقام پر جا کر کوئی واقعہ دیکھنے کی نسبت مسٹر ھڈسن روحانی علاج کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ †

"مذکورۂ بالا وجع المفاصل کے اندر ایک خاص ممتاز واقعہ یہ ہے کہ مریض کا جب علاج کیا گیا ہے تو وہ معالج سے ایکہزار میل کے فاصلہ پر تھا اور اور بھی چند امراض کا علاج کامیابی کے ساتھ کیا گیا ہے جن میں مریض و معالج کا ایک سو تین سو میل تک کا فاصلہ تھا۔ پس جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے حقیقت یہ ہے کہ روح کیلئے فاصلہ کوئی چیز نہیں۔ دلی حالات معلوم کرنے کے تجربے اسکو پورے طور پر ثابت کرتے ہیں اور انتقال خیالی کے ایسے واقعات بیان ہوئے ہیں جن میں معلوم کرنیوالا قطبین کے فاصلہ پر تھا۔ بڑے فاصلہ پر دلی خیالات معلوم کرنے میں جو رکاوٹ واقع ہوتی ہے وہ محض ہماری عادت کی وجہ سے ہے۔

†† لا آف سائیکک فینامنا باب شانزدہم صفحہ ۲۲۵ سنہ ۱۸۹۳ء
† کتاب مذکور باب چہاردہم صفحہ ۱۹۴

یعنی ہم جو گھر میں رہتے ہیں کہ فاصلہ کو ایک رکاوٹ سمجھیں۔ پس خیال کا میاب رابطہ پیدا کرنے کو ضرور ہی روک دیتا ہے۔ ہمکو یہ تصور رہا نہ تھا بہت ہی مشکل معلوم ہوتا ہے کہ فاصلہ محض جسمانی آلہ انتقال ہے اور روحانی طور پر خیالات کے انتقال میں یہ کسی طرح مانع نہیں ہے۔"

اور مسٹر مائرس لکھتے ہیں †

فضا کے بارہ میں جو شہادت پیش کی جائیگی وہ ہمکو جس قدر کہ ایسے معاملات میں امید ہو سکتی ہے اس سے زیادہ صفائی کے ساتھ بیان کرنے کے قابل بنا دیگی۔ ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ روحانی زندگی جسمانی زندگی کی طرح فضا کے تصور میں مقید نہیں ہے لیکن یہ آزادی کیونکر حاصل ہوتی ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری ارواح کو اس حالت میں کسی قسم کا پھیلاؤ حاصل ہو جاتا ہے۔ ہم زمین پر بلکہ مادی دنیا کے دو قانونوں کے پابند ہیں۔ ایک تو جسم اسی جگہ کام کرتا ہے جہاں وہ موجود ہو دوسرے ایک وقت میں ایک حصۂ فضا کے اندر ایک ہی جسم رہ سکتا ہے اور عام حالات کو دیکھتے ہوئے یہ دونو قاعدے بدیہی معلوم ہوتے ہیں لیکن تھوڑی دیر کے لیئے اس وزن دار مادے سے پرے چلے جاؤ اور تھوڑی دیر کے لیئے زندگی اور اسیتھر کو حرکت میں لاؤ معلوم ہوگا کہ اس حد بندی کا قایم رہنا مشکل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ لکچرار اور شاعر وہیں کام کر سکتا ہے جہاں وہ موجود ہے لیکن وہ موجود کہاں ہے؟ اس نے کاغذ کے پرزے کی کایا پلٹ کر اس کو ایک روحانی طاقت بنا دیا ہے۔ نہیں، بلکہ اسکی یاد ہی دوسروں کے دل پر قوت کے ایک سرچشمہ کی مانند کام کرتی ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ جہاں لکھنے کی میز ہے وہاں اس وقت کوئی اور جسم نہیں آسکتا۔ مگر اسیتھر کا کیا حال ہے؟ غرض جہاں تک ہم نے روحانی عمل کو دیکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونو باتیں ممکن ہیں۔ رابطۂ قلبی غیر جسمانی روح کی پُر تاثیر حاضری کو بیحد وسعت دیتا ہے۔ روحانیات کا جسمانیات میں سے عبور کر جانا ثابت کرتا ہے کہ یہ وزن دار کرہ روحانی اثر کو روکنے اور آپس میں مخل ہونیکے ناقابل ہے۔ ہماری شہادت کیسی ہی عجیب اور نئی ہو فضا کے بارہ میں سر دست اس سے زیادہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کہ خاکی حدود کے زائل ہونے پر روحانی تصور بے انتہا وسیع ہو جاتا ہے۔"

† ہیومین پرسنلٹی باب اول صفحہ ۲۲

غرض مذکورہ بالا بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک روح اپنی معلومات دوسری روح پر خواہ وہ کتنے ہی فاصلہ پر ہو ظاہر کر سکتی ہے اور اس وقت معلوم کرنیوالی روح کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ان واقعات کو خود دیکھ رہی ہے اور نیز جیسا کہ مسٹر مائرس بیان کرتے ہیں (اقتباس بحث ملائکہ) ارواح مجردہ بھی ممکن ہے کہ ایسا اثر ظاہر کریں کیونکہ ایسا اثر اسی وقت ظاہر ہوتا دیکھا گیا ہے[†] جبکہ خواب بیہوشی، وجد وغیرہ کے سبب سے عامل و معمول یک گونہ بیخودی کی حالت میں ہوں اور جسم سے ایک طرح کا انقطاع حاصل ہو گیا ہو پس ارواح مجردہ اگر موجود ہیں تو جسمانیات سے بالکل پاک ہونے کی وجہ سے وہ بطریق اولیٰ اور نہایت قوت کیساتھ ایسا اثر پیدا کر سکتی ہیں۔

اب ہم معراج کی کیفیت کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ صاحب معراج (صلوات اللہ علیہ) سالہا دنیا اور علائق دنیا سے الگ گوشہ عزلت میں بسر کرتے رہے ہیں اور ہمیشہ کئی کئی دن تک پہاڑ کی غاروں میں رہکر قدرت کی نیرنگیوں کو دیکھتے رہے ہیں اور اس طرح روح میں صفائی اور پختگی پیدا ہونے پر وہ جلوہ معرفت نظر آیا ہے جسکو وحی کہتے ہیں اور معلوم ہوا ہے کہ دل بیخبری میں جس چیز کو تلاش کر رہا تھا وہ یہی نور ہے۔ اب وہ اس نور کے نظارے میں منہمک ہیں بات کرتے ہیں تو اسی کی متعلق اور غور کرتے ہیں تو اسی کی نسبت۔ اور اب موافق اور مخالف آوازوں کا پیدا ہونا ایک ظاہری سبب ہو گیا ہے جو توجہ اور انہماک کو اور بھی بڑھا رہا ہے۔ اور اس طرح ایک خیال میں رہتے رہتے ایک وقت وہ محویت اور بیخودی بھی پیدا ہو جاتی ہے جسکو اہل علم روحانی انکشاف کی شرط ٹھہراتے ہیں اور اس وقت نہ صرف مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس بلکہ زمین و آسمان کا ہر ایک گوشہ اُن کے سامنے ایک آئینہ ہو جاتا ہے مگر چونکہ یہ خواب نہیں ہے بلکہ ایک پاکیزہ خیال میں محو ہو جانیکا اثر ہے اس لئے بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ جو کچھ دیکھا بیداری میں دیکھا اور چونکہ اس حال میں جسمانی تعلقات سے کامل یکسوئی حاصل ہو سکی اس لئے اس حال کو ظاہر کرنے کیلئے لفظ رویا سے موزوں تر اور کوئی لفظ نہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ط (اسراء پارہ ۱۵ ع ۶)	جو رویا ہمنے تم کو دکھایا ہے وہ لوگوں کیلئے ایک آزمایش ہے

[†] لائف ساٹیکل فینامنا ب سیزدہم صفحہ ۱۸۳ تا ۱۹۱ ۔

غرض وہ پاکیزہ روح عوالم بالا کی سیر کرتی ہے اور ملایکہ نوریہ اور ارواح انبیا سے ملاقی ہوتی ہوئی وہ اسرار و عجائبات ملاحظہ کرتی ہے جو جسمانی آنکھ اور جسمانی تعقل سے بالاتر ہین۔ پس اگر روحانی انکشاف کی حقیقت محض اسی قدر ہے جو اس وقت تک اہل علم کے تجربے مین آچکی ہے یعنی یہ کہ انسان روحانی قوت سے محض وہی معلومات حاصل کرسکتا ہے جو کسی دوسری روح کو پہلے معلوم ہون اور ان دونون روحون کے مابین کوئی تعلق ہو تو اس خیال کو یقینی قانون مانکر بھی معراج کا انکشاف قابل تعجب نہین کیونکہ جیسا پہلے بیان ہوچکا ہے ایک خاکی جسم مین قید رہنے والی روح اور مجردود قدوس مظہر ذات خداوندی مین لطافت و کثافت کا تفاوت ہونے کی سبب تعلق وحی پیدا ہونے کے لئے ملائکہ کی وساطت ضروری ہے اور اس طرح سلسلۂ وحی کے شروع ہونے پر صاحب معراج کا روح الامین سے قلبی تعلق پیدا ہونا ظاہر ہے اور معراج کی کیفیت مین ہم دیکھتے ہین کہ ان تمام انکشافات مین جبرئیل امین کا رسول خدا کیساتھ رہنا بیان ہوا ہے اور انکی مفارقت اسی وقت بیان کی گئی ہے جبکہ تصور ذات باری کی محویت حد غائت کو پہنچ کر وہ نور بے کیف بے واسطہ جلوہ گر ہوا ہے پس عوالم بالا اور ارواح انبیا کا نظارہ جو رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بے وساطت حواس ظاہری حاصل ہوا ہے اگر اس کے لئے کسی اور جاننے والی روح کا تعلق ضروری ہو تو اس وقت وہ سرچشمہ روح الامین کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

مگر انسان کیا اور انسانی تجربہ کیا؟ جسکی بنا پر معرفت کے انکشافات کو کسی قانون مین محدود کیا جائے وہ یقیناً جسمانی تعقل سے باہر اور انسانی تجربہ سے بالاتر ہے اور اس کے حقیقی قوانین اگر معلوم ہوسکتے ہین تو انہی قلوب مصفا کو جو اس میدان کے شہسوار ہین۔ مگر تاہم جسمانی تعقل سے دیکھتے ہوئے بھی ابھی سراغ اور آگے چلتا ہے۔

حواس کے بغیر حالات دریافت کرلینے ایک روحانی فعل ہے مگر روح کا جسم اور جسمانیات پر اثر کرنا بھی کئی طرح سے ثابت ہوا ہے اور اس کے متعلق قاعدہ یہ دریافت ہوا ہے[۱] کہ اپنے خیال کا یا غیر کے خیال کا اثر روح پر ہوتا ہے اور روح کا اثر جسم تک پہنچتا ہے اور یہ اثر تین طرح پر ظاہر ہوتا

[ابھی کچھ ... چلتا ہے]

[روح کا اثر جسم پر]

[۱] لا آف سائیکک فینامنا باب یازدہم صفحہ ۱۵۱ سنہ ۱۸۹۲ء

معلوم ہوا ہے۔ (۱) روحانی اثر سے جسم میں کچھ تغیر پیدا ہوتا ہے (۲) روحانی اثر سے دوسرے شخص کے جسم کو ارادی حرکت دی جاتی ہے اور (۳) روحانی اثر سے اجسام بے ارادہ متحرک ہوتے ہیں

روحانی اثر سے جسم میں تغیر پیدا کرنیکے لئے روحانی طاقت سے معمول میں حالت وجد پیدا کی جاتی ہے اور اس حالت میں امراض کا علاج کیا جاتا ہے اور کئی طرح کے عارضی درد پیدا کئے جاتے ہیں اور اس وقت عامل کا اثر معمول پر اس قدر ہوتا ہے کہ اگر اُسے کہا جائے کہ تجھ کو تپ ہے تو فوراً جسم گرم ہو جاتا ہے نبض تیز ہو جاتی ہے اور تھرمامیٹر لگایا جائے تو تپ کا پتہ دیتا ہے اور پھر کہا جائے کہ بخار نہیں ہے تو معمول فوراً اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے۔ اور امریکا میں جو مائنڈ کیور یعنے علاج قلبی کے نام سے ایک نیا طریق معالجہ دریافت ہوا ہے پروفیسر ولیم جیمس اُسکے متعلق نہایت تفصیل سے ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں † کہ بہت سے امراض جو جسمانی علاج سے دور نہیں ہو سکے اس علاج سے رفع ہو گئے ہیں۔ اِس علاج کے حامی یقین رکھتے ہیں کہ تمام جسمانی عوارض انسان کے قلبی تغیر سے پیدا ہوتے ہیں اور خواہ یہ خیال غلط ہو مگر اس یقین کی بدولت علاج کرنے والا اپنے دل میں خیال جماتا ہے کہ مرض موجود نہیں ہے اور بعض اوقات خود مریض کو ایسا یقین کروایا جاتا ہے اور اس طرح معالج اور مریض کے روحانی اثر سے مرض زائل ہو جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ بزرگوں کے تبرکات سے علاج اعتقادی کے نام سے جسم و جسمانیات کو معدوم فرض کر کے کرسچین سائنس کے نام سے۔ ارواح مجردہ کا اثر مانکر سپرٹزم کے نام سے اور توجہ کے وقت ایک خاص مادے کا معالج کے جسم سے نکلنا فرض کر کے مسمرزم کے نام سے جس قدر علاج کے طریق ایجاد ہوئے ہیں ‡ اور کام میں لائے جاتے ہیں ان سب میں امر مشترک یہی روحانی اثر ہے جو کسی نہ کسی عقیدہ پر مستحکم ہو کر جسم تک پہنچایا جاتا ہے۔ بلکہ خود جسمانی علاج میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ جس دوا یا جس طبیب پر مریض کو اعتقاد ہوتا ہے اس کے استعمال و معالجہ سے بہ نسبت اور دواؤں یا طبیبوں کے جلدی صحت ہوتی ہے اور ایسے وقت میں خاک کی چٹکی بھی

---

† ورائٹیز آف ریلیجیس ایکسپیرئینس باب ہلتھی مائنڈیڈنیس

‡ لا آف سائیکک فینامنا باب یازدہم صفحہ ۱۵۰

اکسیر کا حکم رکھتی ہے چنانچہ مسٹر ہڈسن ایک واقعہ لکھتے ہین † کہ ایک شخص کی زبان پر فالج گرا وہ ڈاکٹر کے پاس گیا جس نے اس مرض کیلئے ایک اپنا نو ایجاد آلہ استعمال کرنیکا ارادہ کیا مگر اس آلہ کو استعمال کرنیسے پہلے مریض کی حرارت دریافت کرنیکے لئے اُس کے مُنہ مین تھرمامیٹر رکھا۔ مریض سمجھا کہ نو ایجاد آلہ یہی ہے چنانچہ چند منٹ مین وہ چلا اُٹھا کہ "میری زبان بالکل درست ہو گئی" بلکہ دیکھا گیا ہے کہ تیز اور یقینی دوائین مثلاً مسہلات بھی مخالف یقین پیدا ہونے پر بالکل اثر نہین کرتین یا کم کرتی ہین غرض جسمانی علاج مین بھی روحانی اثر کا بہت کچھ دخل ہے۔ علی ہذا اسی اثر سے عوارض پیدا کرنے کی مثالین بھی کثرت سے پائی گئی ہین مثلاً مسٹر ہڈسن لکھتے ہین * کہ ایم ایم بادو نے ایک نوجوان ملاح کو بے خود کیا اور اس حال مین اُسکو خیال دلوایا کہ آج شام کو چار بجے تم میرے دفتر مین آؤ گے کرسی پر بیٹھ جاؤ گے اور اپنے بازو چھاتی پر صلیبی شکل مین رکھ لو گے اور اس وقت تمہاری نکسیر پھوٹے گی چنانچہ معین وقت پر یہی واقعہ ہوا اور اس کے بائین نتھنے سے کئی قطرے خون کے نکلے اور ایک اور موقع پر اسی ڈاکٹر نے ایک مریض کے دونو بازوؤن پر کسی آلہ کے کند سرے سے اُسکا نام لکھا اور پھر بیخود کر کے کہا کہ آج شام کو چار بجے تم سو جاؤ گے اور جو خط مینے تمہارے بازوؤن پر کئے ہین اُن سے خون نکلیگا اور تمہارا نام خونی حرفون مین لکھا جائیگا۔ چار بجے دیکھا گیا تو وہ بے خود سوتا تھا اور اس کے ایک بازو پر چمکیلے سرخ حروف تھے اور اکثر جگہ خون کے قطرے نمایان تھے اور یہ حروف بعد مین تین مہینہ تک قایم رہے گو رفتہ رفتہ ماند پڑتے گئے۔ مگر ڈاکٹر برنھم کا یہ قول بالکل بجا معلوم ہوتا ہے کہ ایسے واقعات گاہ گاہ پیش آتے ہین اور خاص روحانی طاقت اور خیالی قوت ہی جو ایسا اثر کر سکتی ہے

اور غرض ایک طرف خیال کے اثر سے جو روح پر ہوتا ہے اور روح کے عمل سے جو وہ جسم پر کرتی ہے انسان کو ایسا بے حس کیا جا سکتا ہے کہ وہ مردہ معلوم ہوتا ہے اور اگر اس اثر کو زائل نہ کیا جائے تو آخر مر جاتا ہے مسٹر ہڈسن اس مضمون پر ایک باب کا عنوان قایم کر کے اور کاملیت ہپنوٹزم کی

جانی اثر سے مردہ سا حس کیا جا سکتا ہے۔

† لا آف سائیکک فینامنا باب یازدہم صفحہ ۱۴۸ – ۱۸۹۳ء

* کتاب ہذا – باب یازدہم صفحہ ۱۵۳ –

بہت سی مثالین دیکر لکھتے ہین ✝

کیٹلپسی یعنی اختفاء زیست کی چار صورتین ہین جن مین مختلف اسباب اس منظر کی شرط یعنی خیالی اثر کو پیدا کرتے ہین (۱) بیخود کرکے مرنیکا خیال دلوانے سے (۲) متعدی اختفاء زیست (۳) خود پیدا کردہ (۴) وہ اختفاء زیست جو مرض یا اعصابی تکان سے پیدا ہوتی ہے اور ان مین سی پہلی تین صورتون مین تخیل ہی اختفاء زیست پیدا کرنیکا قوی سبب ہے اور یہ تخیل پہلی صورت مین اُس عامل کیطرف سے آتا ہے جو تجربہ کرنے کیلئے عمداً یہ حالت پیدا کرتا ہے اور دوسری صورت مین دیگر کالمیت اشخاص کو دیکھکر انسان کا اپنا تخیل یہ اثر پیدا کرتا ہے اور ایسی حالتون مین ممکن ہے کہ اختفاء زیست تمام آس پاس کے لوگون پر طاری ہوجائے جس طرح متعدی جنون اور حال کھیلنے کیحالت یا دیگر اعصابی تکلیفین ایک دوسرے کو دیکھکر پیدا ہوجایا کرتی ہین۔ کہا جاتا ہے کہ بچون مین یہ حالت پیدا ہونیکا سبب محض نقل کرنا یا نقل کا ارادہ کرنا ہے مگر یہ فاش غلطی ہے اور درحقیقت ان مین بھی اسکا سبب وہی تخیل کی قوت ہے یعنے وہ ڈرتے ہین کہ مبادا یہ حالت انکی نہ ہوجاوے پس یہ خوف کا خیال قوی ہوکر اُن کو بیحس کردیتا ہے اور تیسری صورت مین اپنا خیال جانے سی یہ کیفیت پیدا ہوجاتی ہے جیسا کہ ہندوستانی فقیرون کے تجربون مین بیان ہوچکا ہے۔ ان واقعات مین شرطیہ ہپناٹزم یعنی حالت بیخودی ہے جو محض سادہ طرز عمل سے خود بخود پیدا ہوجاتی ہے اور اُن لوگون کو اچھی طرح معلوم ہے جنہون نے اہل مشرق کے مشق کردہ حالت وجد کا غور سے مطالعہ کیا ہے"

روح کے جسم پر اثر کرنیکی دوسری صورت یہ ہے کہ انسان خود اپنے ارادہ سی حرکت کرتا معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت مین اسکی حرکت اثر کرنیوالے کی قوت سی ہوتی ہے مسٹر ایف ڈبلیو ایچ مائرس اپنے تجربات مین جو اُنہون نے ڈاکٹر اے ٹی مائرس کی رفاقت مین کئے ہین لکھتے ہین ✝✝

ہمنے ۲۳ اپریل ۱۸۸۵ء کی شام کو ڈاکٹر گبرڈ کے ساتھ کھانا کھایا اور اس شام کو ڈاکٹر موصوف نے

✝ کتاب لا آف سائیکک فینامنا باب ۲۱ صفحہ ۳۱۵ سنہ ۱۸۹۳ء
✝✝ کتاب ہیومین پرسنلٹی ضمیمہ باب پنجم صفحہ ۳۸۲

ایک دفعہ اور کوشش کی کہ میڈم بی کو انکے اپنے گھر پر جو ڈاکٹر کے گھر سے فاصلہ پر تھا بیخود کرین اور اپنے روحانی جذب سے انکو بلائین چنانچہ آٹھ بجکے پچپن منٹ پر ڈاکٹر موصوف اپنے مطالعہ کے کمرہ مین چلے گئے اور مسٹر جینٹ اور لسنے ڈی ساٹرس وغیرہ مقام بیلن کو گئے (جہان میڈم بی رہتی تہین) اور مکان سے کچھ فاصلہ پر ٹھیر کر انتظار کرنا شروع کیا۔ نو بجکے بائیس منٹ پر ڈاکٹر مائرس نے میڈم بی کو دیکھا کہ وہ باغ کے پہاٹک سے نکلین اور پہر واپس چلی گئین جن لوگون نے ان کو پاس سے دیکھا وہ کہتے ہین کہ وہ بالکل بیخودی کے عالم مین تھین اور بھٹکتی ہوئی چلتی تہین اور کچھ بڑبڑاتی جاتی تہین۔ نو بجکر پچیس منٹ پر وہ پہر نکلین اور اس وقت دور سے انکی آنکھین بند معلوم ہوتی تہین چنانچہ وہ چلین اور جلدی سے پروفیسر جینٹ اور مسٹر مائرس کے پاس سے گذر گئین اور ان کو پہچانا نہین اور ڈاکٹر گبرٹ کے گھر کا راستہ لیا۔ مگر وہ رستہ لیا جو معمولی اور سب سے قریب تھا (یہ بعد کو معلوم ہوا کہ انکی خادمہ نے انکو دیکھا تھا کہ وہ آٹھ بجکے سینتالیس منٹ پر اپنے کمرہ مین گئین اور وہان سے نو بجکے پندرہ منٹ پر بیخودی کے عالم مین باہر نکلین اور اس عرصہ کے مابین انکو خادمہ نے نہین دیکھا۔ یہ انکا معمول تھا کہ دن کا کام ختم کرکے شام کو اپنے کمرہ مین چلی جایا کرتی تھین) وہ لالٹین کے کھمبون سے اور گاڑیون وغیرہ سے بچکر نکلتی تھین مگر سڑک کو (عرض مین) بار بار عبور کرتی تہین۔ اس حالت مین کوئی شخص انکے سامنے نہین ہوا اور نہ ان سے بات کی۔ آٹھ یا دس منٹ کے بعد انکی رفتار مین زیادہ تذبذب پیدا ہوا اور ٹھیر گئین۔ گویا گرنے لگی ہین۔ ڈاکٹر مائرس نے دیکھا تو اس وقت نو بجکر پینتیس منٹ تہے اور پہر نو بجکر چالیس منٹ پر وہ پہر سنبہل گئین اور نو بجکے سینتالیس منٹ پر اس سڑک پر آگئین جو ڈاکٹر گبرٹ کے گھر کے سامنے ہے یہان وہ ڈاکٹر کو ملین مگر پہچانا نہین اور گھر کے اندر چلی گئین۔ جہان پہنچکر جلدی جلدی حصہ زیرین کے کمرون مین پہرنا شروع کیا۔ جب ڈاکٹر نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا تو پہچانا اور قرار پکڑا۔"

ڈاکٹر گلبرٹ نے بیان کیا کہ آٹھ بجکر پچپن منٹ سے نو بجکر بیس تک انہون نے میڈم کا پورا خیال رکھا بیس سے پینتیس منٹ تک کم توجہ کی اور پینتیس منٹ پر خیال بالکل چھوڑ دیا اور بلیرڈ کھیلنا شروع کر دیا

لیکن چند منٹ میں پھر اُنکی طرف متوجہ ہوگئے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ بلیرڈ کھیلنے کا وقت اور میڈیم کے بھٹکنے کا وقت ایک ہی تہا۔ مگر شاید وقت کا اتحاد اتفاقی ہو“

آگے مسٹر مائرس لکھتے ہیں کہ ”اس قسم کے پچیس تجربوں میں سے اکیس میں ناکامیابی ہوئی اور اس قسم کے تجربے دن کے مختلف اوقات میں اور مختلف زمانوں میں کئے گئے ہیں تا یہ گمان ہو کہ ایک ذہن میں لگے ہوئے تہے اسلئے ایسا نظر آیا“

اس واقعے میں روحانی طاقت ہی انسان کو حرکت دینے سے پہلے بیچ وکر لیا گیا ہے مگر ایک واقعہ مسٹر ھڈسن نے لکہا ہے جو خود اُن کے ساتھ گذرا اور جسمیں معمول کو بیچ وبھی نہیں کیا گیا وہ لکھتے ہیں کہ †

ایک دفعہ مجھے ایک فوجی جرنیل کو ایک میڈیم لینے حاضرات کرنیوالے کے سامنے بٹھا کر سلیٹ کی تحریر کا تجربہ کیا اور قرار یہ پایا کہ جرنیل میڈیم سے چھپا کر چھ خط اپنے غائب دوستوں کے نام لکھے اور اُن کاغذوں کو لپیٹ کر میز پر اپنے سامنے رکھ لے پھر دو سلیٹوں کو دھو کر ایک دوسری کے اوپر رکھ لیا جائے اور انکے بیچ میں ایک پنسل رکھ دیں اور اس بنڈل کو میز پر رکھ کر جرنیل اور میڈیم اپنا ہاتھ اسپر رکھیں اور کاغذوں کو اور سلیٹ کو دیکھتے رہیں۔ تاکسیطرح میڈیم کو خود دیکھنے اور دھوکے سے لکھنے کا موقع نہ ملے چنانچہ ان کی روشنی میں یہ عمل کیا گیا۔ اور جرنیل اور مسٹر ھڈسن نے سلیٹوں کے اندر پنسل چلنے کی آواز سُنی اور آخر میں تین خط کہینچنے کی آواز پیغام ختم ہونے کی علامت تہی۔ چنانچہ جرنیل خود سلیٹوں کو کہولکر دیکھتا رہا اور ہر دفعہ اپنے دوستوں کیطرف سے جواب موجود پائے“

ان واقعات کی تفصیل دیکر مسٹر ھڈسن اس امر کا ثبوت بہی نکالتے ہیں کہ اس وقت پیغام دینے والی اور لکھنے والی کوئی خارجی اور بے جسم روح نہ تہی بلکہ خود میڈیم انکشاف قلبی سے جواب دیتی تہی اور روحانی طاقت ہی پنسل کو حرکت دیتی تہی۔ مگر اس واقعہ میں جو امر موجودہ مضمون کے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ جب خط لکھہ کر میز پر رکہے گئے ہیں تو مسٹر ھڈسن کمرہ کے باہر تہے۔ میڈیم نے اُن کو بلایا اور کہا کہ ایک چٹھی ایسی روح کے نام ہے جو تمہاری بہی دوست ہے اور وہ چاہتی ہے کہ اسکے جواب دینے کے وقت تم کمرہ میں موجود ہو۔ کیا تم جی نامی کسی شخص کو جانتے ہو؟ مسٹر ھڈسن لکھتے ہیں کہ ”مجھے اسقدر قصہ

† لا آف سائیکک فینامنا باب ۱۹ صفحہ ۲۷۵-۸۲ سنہ ۱۸۹۳ء

اس نام کا کوئی دوست یاد نہ تھا اس لیئے کہ یہ اس شخص کا عیسوی نام تھا اور میں اس کے صرف خاندانی نام سے واقف تھا۔ حالانکہ وہ حقیقت میں میرا دوست (الرجنیل) کا بھائی تھا۔ میڈیم نے ایک پنسل دی اور کہا اس سے ان حچھہ کاغذوں میں سے جس کو چاہو مس کرو اور پھر کھول کر دیکھو وہ خط جی کے نام ہوگا۔ چنانچہ دیکھا تو میں بہت متحیر ہوا مگر ابھی تک گمان تھا کہ میرا خاص جی کے خط کو مس کرنا شائد اتفاقی ہو۔ میڈیم نے کہا کہ خطوں کو پھر ملا دو اور پھر انگلی سے ایک چٹھی کو مس کرو وہ ایم کے نام ہوگی۔ چنانچہ تین دفعہ ایسا اتفاق ہوا اور ہر دفعہ میرا ہاتھ جو بظاہر میں میرے ارادہ سے حرکت کرتا تھا۔ میڈیم کے روحانی اثر سے خاص اسی خط کیطرف جاتا تھا جس کا نشان بتایا جاتا تھا۔ اور میں اس وقت پورے ہوش وحواس میں تھا اور کوئی دماغی یا جسمانی تغیر مجھے محسوس نہ ہوتا تھا۔“

جسم پر اثر کرنے کی تیسری صورت یہ ہے کہ خود بخود حرکت کرے اور ارادہ کو دخل نہ ہو چنانچہ اسکی ادنی مثال مسٹر ہڈسن کا مذکورہ بالا واقعہ ہے جسمیں انہوں نے پنسلوں کو اپنے سامنے حرکت کرتے ہوئے سنا اور جواب لکھے ہوئے دیکھے اور ایک دلچسپ واقعہ مسٹر مائرس نے خود دیکھنے والی عورت کی قلم سے نقل کیا ہے اور اسکے متعلق اُن گھر والوں کی تحریری شہادت ثبت کی ہے چنانچہ وہ فرنسس ریڈل نام ایک عورت کا واقعہ لکھتے ہیں۔ وہ بیان کرتی ہے کہ ‡ (...انی اثر سے ...سم کا اپنے ارادہ ...یت کرنا۔)

لیڈی والڈگریو کی خادمہ هیلن الگزنڈر نامی ٹائی فائڈ بخار میں مبتلا تھی اور میں اسکی تیماردار تھی۔ ایک دن رات کے چار بجے (۴ اکتوبر ۱۸۶۸ء) میں اسکے پاس میز پر اسکی دوائی بنا رہی تھی کہ میں نے بلانے کی گھنٹی بجتی سنی۔ جو اسی ہفتہ میں دو دفعہ پہلے بھی رات کو بجتی سن چکی تھی۔ اور پھر میں نے دیکھا کہ کمرہ کا دروازہ کھلا اور ایک عورت اندر داخل ہوئی۔ جسکی نسبت مجھے خود بخود خیال ہوا کہ یہ مریضہ کی والدہ ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک پیتل کا شمعدان تھا۔ ایک شال کندھے پر پڑی تھی اور ایک فلالین کا چھوٹا کوٹ پہنے ہوئے تھی جسمیں سامنے ایک سوراخ تھا۔ میں نے اسے خوشی کی نظر سے دیکھا کہ اچھا ہوا تم آگئیں اور اسنے ایسے انداز سے دیکھا گویا کہتی ہے کہ مجھے پہلے کیوں نہ خبر کی۔ میں نے مریضہ کو دوا پلائی اور پھر کر دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ نظر آنے والی ایک پستہ قد سیاہ فام اور مضبوط عورت تھی۔ صبح چھ بجے هیلن الگزنڈر مر گئی

‡: ہیومن پرسنلٹی ضمیمہ باب ششم صفحہ ۳۸۷

دو دن بعد اسکے والدین، اور ہمشیرہ (جوکسی بستی میں رہتے تھے آئے) اور میں نہایت متعجب ہوئی جب مینے دیکہا کہ اسکی والدہ کی بعینہ وہی شکل ہے جو میری واہمہ نے دو دن پہلے دیکھی تھی - مینے اسکی ہمشیرہ کو اس بات کا واقعہ اور آنیوالی کا سامان بتایا - اس نے تصدیق کی کہ واقع مین والدہ کا رات کا لباس یہی ہوتا ہے اور یہ کہ ہمارے گہر مین ایک اسی قسم کا شمعدان بہی ہے - مرنیوالی لڑکی اور اسکی والدہ کی شکل مین کوئی مشابہت نہ تہی "

مالکہ مکان مفصل شہادت دیتی ہے کہ دیکھنے والی نے والدہ کے آنیسے پہلے یہ واقعہ بیان کیا تہا اور لکھتی ہے کہ " جو حلیہ اسنے بیان کیا تہا اس سے مینے بہی دیکھتے ہی اُس عورت کو پہچان لیا اور یہ کہ مس ہیڈل متوہم مزاج کی عورت نہین اور اسکو اس کے سوا کوئی عجیب واقعہ پیش نہین آیا "

مسٹر مائرس اسکو یون حل کرتے ہین کہ " والدہ نے جو بیٹی کی نسبت متفکر تھی خواب مین اسکو دیکہا ہے مگر خواب یاد نہین رہا - اسکے خیال نے جسمانی صورت اختیار کی اور اتفاق سے ایک ایسا شخص بہی بیٹی کے کمرہ مین موجود تہا جس پر خیال اثر کر سکے چنانچہ اس نے اُسے دیکہا اور ممکن ہے کہ مریضہ نے بہی خواب مین یا بیداری مین اُسکو دیکہا ہو - مگر اُسکے جلدی مرجانے کے سبب سے معلوم نہ ہو سکا "

اس واقعہ مین موجودہ مضمون کے متعلق ور دانہ کھلنے کا تجربہ ہے جو خیالی طاقت سے پیدا ہوا اور اسکے علاوہ میز کو ہلانا - باجا بجانا - دور کی چیزین لانا اور خود انسان کے جسم کو حرکت دینا اور بلند کرنا اس قسم کے واقعات کثرت سے مروی ہین - مسٹر لیڈ بیٹر لکھتے ہین[†] - میرے پاس کئی درخت خط سرطان وجدی کی درمیانی سرزمین سے لائے گئے اور باغ مین لگائے گئے اور دیر تک رہے ایک پودا بوتل مین مٹی اور پانی ڈالکر لگایا گیا جو رفتہ رفتہ بڑہا اور پھول لایا اور تین مہینہ بعد آب وہوا کے اختلاف سے مرجہا گیا "

مگر ان مناظر کا ثبوت نامکمل رہیگا اگر ان سے انکار کرنیوالون کی رائے اور ان کے استدلال کی قوت کو نہ دیکہا جائے - اور گولہ کے پیٹ مین رہکر زمین آسمان کے وجود سے انکار کرنیوالے تو بہت ملین گے مگر حسن اتفاق سے مسٹر بیڈ کو ایک ایسے شخص کی تحریر دیکھنے مین آئی جو مناظر روحانی

† کتاب آدر سائڈ آف ڈیتھ باب بست و نہم

کو تلاش کرنیوالی سوسائیٹی کے سرگرم ممبر ہیں اور بہت مدت تک تحقیقات کرنیکے بعد وہ اکثر نتائج
مین اپنے رفیقون سے اختلاف کرتے ہین اور یہان تک محتاط مزاج رکھتے ہین کہ دہوکے کی وجہ
نہین پاتے مگر دہوکے کا یقین کر لیتے ہین چنانچہ لکھتے ہین کہ ††:

"ہم مجبور ہین کہ کہین نہ کہین معمول سے بالاتر طاقت کا اعتراف کرین - مگر یہ کہنا آسان ہو کہ حاضرات کرنیوالے مین دہوکا دینے کی معمول سے زیادہ طاقت ہے بہ نسبت اس کے کہ معمول سے زیادہ روحانی طاقت کا اعتراف کرین"

پس ہم دیکھتے ہین کہ باوجود اس قدر احتیاط کے وہ کہان تک تسلیم کرتے ہین اور کس جگہ کس بنا پر انکار کرتے ہین اور اس ضمن مین تیسری قسم کے حرکت کے واقعات بھی انہی کے قلم سے بیان ہونگے
پہلی قسم کا اثر یعنی روحانی طور پر جسم مین عوارض پیدا کرنیکی طاقت کو اور نیز دوسری قسم کے اثر یعنے دوسرے شخص کی جسمانی حرکت کو جو بظاہر اپنے ارادہ سے ہو اور اصل مین کسی عامل کی قوت کا اثر ہو وہ بڑی حد تک تسلیم کرتے ہین مثلاً ہپناٹزم یعنی حاضراتی اثر کی نسبت لکھتے ہین †:

"حالت بیخودی کے اندر معمول اپنے اعصابی تنفسی اور وریدی نظام پر اور بالعموم تمام جسمانی قوتون پر ایسا تصرف حاصل کر لیتا ہے جو حالت بیداری مین نہین ہوتا - اور جسم کے کسی خاص حصہ کی یا تمام جسم کی ہر قسم کی حس یا درد کے احساس کو بالکل معدوم کر دینا ہپناٹزم کا عام خاصہ ہے اور اسی طرح خیال کے اثر سے خوفناک امراض کو روکا جاسکتا ہے اور صحت پیدا کی جاسکتی ہے اور بہت سے فرانسیسی محققون کی شہادت سے معلوم ہوا ہے کہ اعلیٰ درجہ کے حاضراتی اثر مین اور نیز ہسٹیریا (ایک اعصابی تغیر جس کے اسباب معلوم نہین ہو سکے) کے مریضون مین قوت تخیل مصنوعی درد - مصنوعی داغ اور دیگر قسم کی گہری امراضی کیفیتین پیدا کر سکتی ہے"

آگے چل کر حرکت کرنے کی نسبت لکھتے ہین †

†† کتاب سٹڈیز اِن سائیکیکل ریسرچ باب چہاردہم صفحہ ۱۰۹ ۱۸۹۸ء
† کتاب ہذا باب ۱۲ صفحہ ۲۸۸ ۱۸۹۸ء
† کتاب ہذا باب ہذا صفحہ ۲۹۴

عام طور پر ایک معتاد حاضرات کو اگر بیخودی کیحالت مین کہا جاے کہ حالت بیداری مین فلان کام کیجو
تو وہ کام خواہ کیسا ہی مضحکہ خیز اور حقیر ہو وہ نہایت دیانت سے اسکو بجا لائیگا۔ منجملہ تحقیق کرنیوالون کے
مسٹر گرنی نے نہایت احتیاط سے وہ شرطین دریافت کی ہین جن سے ایسی افعال بجا لائے جاتے ہین
اور انہون نے ثابت کیا ہی کہ جس وقت معمول حاضرات اپنی معمولی حالت بیداری مین ہو وہ حکم کو بجا لاتا ہے
اگرچہ نہین جانتا کہ یہ کام کرنے کی وجہ کیا ہے اور بعد مین ممکن ہے کہ اسکو اس کام کا ارتکاب یاد رہے۔
اور یہ بھی اکثر واقع ہوا ہے کہ اس کام کو بجا لانے کے وقت معمول ایک طرح کی بیخودی مین ہوتا ہے جو اگر
ہپناٹزم کی حالت نہین ہے تو اس سے مشابہ ضرور ہے۔ اور یہ بھی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اس فاصلے کے
اندر جو حکم دینے اور بعد از بیداری حکم بجا لانیکے درمیان ہے (اور یہ فاصلہ منٹون سے لیکر مہینون
تک کا ہو سکتا ہے) اسکی قوت حافظہ مین اس کام کی یادداشت بالکل نہین ہوتی۔ البتہ بعض ایک قسم
کا تعقل ایسا ہوتا ہے جو مقرر کردہ نشان یا معین کردہ تاریخ اور وقت کا انتظار کرتا رہتا ہے مثلاً کسی
معمول کو حکم دیا جاے کہ مسٹر گرنی کے چھہ دفعہ کہانسنے کے بعد وہ فلان شمع کو جلا دے تو بیدار ہونیکے
بعد اسکو وہ حکم بالکل یاد نہ ہوگا اور بظاہر وہ پورے طور پر اپنی معمولی حالت مین ہوگا مگر چھٹی دفعہ کہانسنے
کے بعد وہ فوراً اٹھیگا اور بتی کو جلا دیگا اور اگر چار دفعہ کہانسنے کے بعد اس سے اس حکم کے متعلق کوئی سوال
کیا جائے تو وہ یہ بھی نہ بتا سکیگا کہ وہ کتنی دفعہ کہانسے ہین۔ لیکن اگر بیخود کر کے یا پلانچٹ (ایک
قسم کی تپائی جو حاضراتی جواب لینے کیلئے استعمال کیجاتی ہے) کے ذریعہ سے پوچھا جائے تو وہ اس
حکم کے متعلق سب کچھ بتا دیگا۔ اسیطرح اگر کہا جاوے کہ ایک سو تیس دن گذرنے کے بعد فلان کام
کریگا تو اگرچہ بیداری کی حالت مین اسکو اسکے متعلق کچھ بھی معلوم نہ ہوگا لیکن [illegible]
بیخود کر کے پوچھا جاوے تو کتنے دن گذر چکے ہین اور کتنے باقی ہین انکی تعداد بتا دیگا۔
غرض روحانی قوت سے اس قدر اثر کا پیدا ہونا اور جسم کا حرکت کرنا مسلم [illegible]
اب جو واقعات بے ارادہ حرکت کرنیکے متعلق ہین ان مین سے جو مسٹر پڈمور کے نزدیک قابل
التفات ہونیکی عزت رکھتے ہین انکو اور مسٹر پڈمور کی نکتہ چینی کو دیکھنا چاہئے چنانچہ وہ لکھتے ہین +

+ سنہ بیز ان سائیکیکل ریسرچ باب [illegible] صفحہ ۱۴۹ و ۱۵۰ [illegible]

میز کی حرکتین

کونٹ ایم دی گاسپرن اور ان کے دوست پروفیسر تھری نے ۱۸۵۳ء کی موسم خزان مین روحانی طاقت سے میز اور دیگر بہاری چیزون کو حرکت دینے کے تجربے کیے۔ ان مین ایک صورت تو یہ تہی کہ چند آدمی جنمین یہ دونو بہی شامل تہے میز کے گرد بیٹھ جاتے تہے اور میز پر ہاتہ رکھ کر روحانی توجہ سے اُسکو حرکت دیتے تہے۔ ان مین سے ایک موقعہ پر جو حرکت واقع ہوئی جو چار صحیح کا اعشاری ستائیس کیلوگرام کی طاقت ثابت کرتی تہی جسکو حاضرین پر تقسیم کرنے سے ہر ایک شخص کیطرف سے قریباً ڈیڑھ پونڈ طاقت خرچ ہوئی۔ مگر چونکہ ہاتھ کا اتصال تہا اس لئے یہ تجربے ناکافی سمجھ کر بغیر جسمانی اتصال کے حرکت دینی چاہی اور اسمین بہی کامیابی ہوئی۔ چنانچہ ایک میز پر آٹا چھڑک کر تاکہ کسی کا ہاتہ لگے تو معلوم ہوسکے سب لوگ اسکے گرد بیٹھ گئے اور دیکہا کہ روحانی طاقت سے میز چکر کہانے لگی اور وہ میز اس قدر روتی تہی کہ انگلی یا ہاتھ یا چھاتی کے سہارے سے گول حرکت نہین کرسکتی تہی اور پروفیسر تھری دیکھتے رہے مین کہ کوئی شخص پاؤن سے بہی اسکو حرکت نہ دے۔"

اس واقعہ مین مسٹر پڈمور سب احتیاطون کو مانکر یہ نقص بتاتے ہین کہ پوری احتیاط نہین ہوئی اور ممکن ہے کہ کسی نے گھٹنہ سے اُسکو حرکت دی ہو۔" مگر معلوم نہین یہ احتمال کیونکر تسکین دے سکتا ہے گھٹنے سے جو حرکت پیدا کیجائے وہ ظاہر ہے کہ ہاتھ اور پاؤن کی حرکت سے زیادہ بیقاعدہ ہوگی۔ پس اگر کسی شخص نے گھٹنہ سے حرکت دی ہوتی تو بجائے چکر کہانے کے ایک آدہ جھٹکا محسوس ہوتا البتہ اگر چند آدمی اتفاق کرکے اپنے اپنے گھٹنون سے ایک ہی دفعہ خاص حرکت پیدا کرین تو ممکن ہے کہ کچھ چکر پیدا ہوجاوے مگر اس طرح سب کا ایک دفعہ کوئی خاص اشارہ دیکر حرکت پیدا کرنا ممکن نہین کہ دیکھنے والون کو اور پہلوان کو جو خود سے ان حرکات کا خیال رکھتے ہین معلوم نہ ہوسکے لیکن ایسا احتمال پیدا کرنا اللہ معاشا ہ پیش از گناہ معلوم ہوتا ہے اور اس منظر کو حل نہین کرسکتا۔

اور اسی قسم کے چند تجربے ڈاکٹر رابرٹ ہیئر پروفیسر آف کیمسٹری نے چند عاملون کے ساتھ کئے ہین جن سے ایک یہ ہے† ایک پانی کا بھرا ہوا پیالہ بورڈ پر اس طرح رکھ دیا گیا تہا کہ اگر ذرا سا بھی ہاتھ کا لگاؤ ہو تو پانی اچھل پڑے۔ اس پر بھی مسٹر پڈمور وہی گھٹنہ یا پاؤن کی حرکت کا احتمال پیدا

† سٹڈیز ان سائیکیکل ریسرچ باب سیوم صفحہ ۷۴ سنہ ۱۸۹۷ء

کرتے ہین حالانکہ پانی کیوجہ سے یہ اور بہی مشکل ہے اور ایک عذر یہ بہی پیدا کرتے ہین کہ چونکہ ڈاکٹر
موصوف ان تجربون سے مذہبی ثبوت دینا چاہتے ہین اس لئے ان کے تجربے قابل اعتماد نہین ہین
آگے لنڈن کی ڈائیلیٹکل سوسائیٹی کی کمیٹی کا ۱۸۶۹ء کا تجربہ ہے† - یہ سوسائیٹی علوم
عقلیہ کی ترقی کیلئے قایم تہی اور اس نے جیسا کہ انکی طرف سے بیان ہوا ہے چند معزز و دیانت دار اشخاص
کی کمیٹی روحانی مظاہر کی تحقیق کیلئے مقرر کی تہی اور یہ ایسے لوگ تہے جن کو دہوکا دیکر کوئی فائدہ حاصل
کرنا مقصود نہ تہا چنانچہ اس کمیٹی نے رپورٹ کی ہے کہ انہون نے اکثر بغیر کسی اتصال کے میزون کو
حرکت کرتے دیکہا - ایک دفعہ اس کمیٹی کے گیارہ ممبر ایک بہاری کہانے کی میز کے گرد بیٹہے تہے
اور انہون نے چالیس منٹ تک میز کو مختلف حرکتین اور آوازین پیدا کرتے دیکہا انہون نے
امتحان کیلئے کرسیون کی پشت میز کیطرف کرلی اور خود میز کیطرف منہ کرکے کرسیون پر گہٹنون کے بل
بیٹہ گئے تا پاؤن کے اتصال کا گمان باقی نہ رہے اور ہر ایک کے ہاتہ میز کے اوپر قریباً چار انچ
سطح سے بلند رہے اس صورت مین جبکہ کوئی اتصال نہ تہا میز نے ایک منٹ مین چار دفعہ حرکت کی
ایک دفعہ پانچ انچ ایک طرف کو ہوئی پہر بارہ انچ پیچہے کو سرکی اور اسی طرح چار انچ اور چہہ انچ ادہر
اُدہر حرکت کی - پہر سب نے اپنی ہاتہ کرسیون کے تکیہ پر رکہ لیئے اور میز سے ایک فٹ کے قریب دور
ہوگئے اور میز نے پانچ دفعہ مختلف حرکتین چار سے چہہ انچ تک کین - پہر کرسیون کو میز سے بارہ انچ
دور رکہ کر اور اپنے ہاتہون کو کمر کے پیچہے پکڑ کر پہلے کیطرح گہٹنون کے بل بیٹہ گئے اور اس حال
مین میز نے مختلف جوانب مین چار حرکتین کین - پہر میز کو الٹ پلٹ کر اور اسکو اجزا الگ کرکے
دیکہا گیا لیکن کوئی ثبوت اس منظر کا نہ پایا گیا - اور یہ تجربہ گیس کی پوری روشنی مین ہوا -
اس پر مسٹر پُڈمور تمام سوسائیٹی پر الزام لگاتے ہین اور کہتے ہین‡ کہ دیکہنے والون کے
نام نہین بتلائے گئے اور بیشک یہ اعتراض وزندار ہے مگر آخر یہ کمیٹی وہ ہے جس کے سامنے

---

† سٹڈیز ان سائیکیکل ریسرچ صفحہ ۴۹
‡ کتاب مذکور باب چہارم صفحہ ۱۱۵ تا ۱۱۸

انسان کی حرکت اور آگ کا تجربہ

ماسٹر اف لنڈسے (ارل آف کرافورڈ اینڈ اریس) اور لارڈ اڈیئر جیسے معززین نے
اپنی شہادتین قلم بند کروائی ہین+ چنانچہ ماسٹر آف لنڈسے نے مشہور عامل مسٹر ڈی ڈی ہوم
کے چشمدید واقعات کی شہادت دی ہے کہ انہون نے اکثر ہوم کے قد کو ایک موقع پر گیارہ انچ
اور ایک موقع پر سترہ انچ لمبا ہوتے دیکھا اور پیمانہ یون کیا گیا تہا کہ ہوم کو دیوار کے برابر کھڑا کر کے
دیوار پر نشان کر دیا گیا تہا جس کو بعد مین ناپ لیا۔ اور ان مین سے ایک موقع پر لارڈ آڈیئر نے
اپنا پاؤن ہوم کے پاؤن پر اور ایک ہاتھ انکی کمر پر رکہا ہوا تہا اور یہ منظر پوری روشنی مین دیکھا
گیا۔ اور اسی طرح لارڈ لنڈسے نے ہوم کو جلتے انگارے ہاتھ مین اٹھانے اور کرتے مین رکھتے
ہوئے دیکھا اور خود بھی آٹھ دفعہ ان کے اثر سے کوئلہ ہاتھ پر رکھا اور تکلیف نہ ہوئی حالانکہ موتہہ
کے پاس لیجانے سے موتہہ جھلس جاتا تہا۔ ایک اور موقع پر نو آدمی تہے جن مین سے سات نے گرم
کوئلے اٹھائے اور وہ ان کے پاس تک نہ آ سکے۔ ایک اور موقع پر سنہ ۱۸۶۸ء مین جبکہ ان کے ایک
ابن عم کیپٹن واین اور لارڈ آڈیئر بہی موجود تہے اور ان دونون نے جداگانہ اپنے اظہار قلمبند
کروائے ہین اور ان کے بیان کو تصدیق کیا ہے۔ لارڈ لنڈسے نے دیکھا کہ مسٹر ہوم پر وجد
طاری ہوا اور وہ اس حال مین بلند ہوئے اور جو کمرہ انکے کمرہ کے متصل تہا اسکی کھڑکی مین سے
نکل گئے اور پہر باہر سے کمرہ کی کھڑکی مین سے ہوا مین تیرتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور ان کھڑکیون
کا فاصلہ باہم قریباً سات فٹ چھ انچ تہا اور ان کے مابین کوئی پاؤن دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ وہ
کہتے ہین کہ ہمنے ہوم کو اپنی کھڑکی کے باہر ہوا مین تیرتے ہوئے دیکھا جس حال مین وہ چند سکینڈ
تک رہے اور جب ہماری کھڑکی مین داخل ہوئے ہین تو پاؤن آگے تہے اور سیدہے اور جب آکر بیٹھ
گئے تو لارڈ آڈیئر دوسرے کمرہ مین گئے اور دیکھا کہ وہ کھڑکی صرف اٹھارہ انچ طول رکھتی ہے
لارڈ آڈیئر نے تعجب ظاہر کیا کہ اتنے سے رخ مین کیونکر جا سکے۔ مسٹر ہوم نے جو ابہی وجد مین
تہے کہا کہ مین پہر دکھاتا ہون چنانچہ وہ پیچہے کو جھکے اور گولی کی طرح کھڑکی سے باہر نکل گئے اور
اس وقت پہلے سر باہر نکالا اور پہر اسی راہ سے واپس آکر بیٹھ گئے۔ اور یہ کھڑکی (باہر کی) زمین سے قریباً

+ [illegible] صفحہ ۱۵۱

ستر فٹ بلند تھی۔

ان واقعات کے متعلق مسٹر پڈمور کے الفاظ جن کو تائید کہا جائے یا تردید حسب ذیل ہیں کہ
"جلتے ہوئے کوئلوں کو ہاتھ میں لینا یا اور عجائبات جو بہت سی شہادتوں سے ثابت ہیں یا مسٹر ہوم کا دفعتاً
فضا میں بلند ہونا جو ماسٹر آف لنڈسے اور لارڈ ڈینریون نے ایک روشن اور بند کمرہ میں دیکھا ان واقعات کی
نسبت یہ فرض کرنا مشکل ہے کہ دیکھنے والوں نے سستی کی بے پروائی یا بیوقوفی سے ابتدائی احتیاط بندیوں کا
لحاظ نہیں رکھا تھا۔ اور نہ یہ ہم خیال کرتے ہیں کہ ان اتفاقی غلطیوں کی حالت کے اندر جو بیان کئے گئے
ہیں سادہ فریب ایسے اثر پیدا کر سکتا ہے۔ لیکن چونکہ میں ان مناظر کو درست تسلیم نہیں کر سکتا اس لئے
ان واقعات کی محض ایک تشریح خیال میں لا سکتا ہوں اور وہ بھی تماشی (یعنی حقیقت میں قابل تسکین
نہیں) اور وہ یہ ہے کہ عامل نے اپنی خیالی طاقت سے دیکھنے والوں کے واہمہ کے سامنے
ایسا منظر پیدا کر دیا ہوگا۔"

مسٹر پڈمور خود اس توجیہ کو پلا ذیل یعنے اوپرے دل کی تسکین کہتے ہیں اور واقع
میں ہے بھی سراسر تکلف۔ کیونکہ جیسا کہ مسٹر پڈمور کہتے ہیں یہ مانا کہ خیالی تصویر ایک وقت
میں بہت سے اشخاص کو نظر آسکتی ہے جس کو وہ ٹیلی پیتھی کے نام سے نامزد کرتے
ہیں۔ لیکن اگر کھڑکی میں آنے والی تصویر خیالی تھی تو ہوم کا اصلی جسم جو کمرہ میں موجود تھا
وہ بھی غائب ہو گیا تھا اور اسی طرح دوسری دفعہ جب وہ باہر گئے ہیں تو اس وقت بھی اصلی
جسم وہاں نظر نہیں آیا اور اس صورت میں علاوہ خیالی جسم پیدا کرنے کے ایک اور جسمانی تصرف
یہ کیا گیا کہ موجود اور محسوس جسم کو نامحسوس کر دیا گیا حالانکہ جسم کو حرکت دینے کی مثالیں تو کثرت سے
ہیں مگر کچھ عرصے کیلئے موجود کو معدوم کرنے کی مثال کوئی مروی نہیں اور اگر ہوگی تو بہت کم۔
پس جسمانی تصرف کی ایک صورت کا انکار کرنے سے خود جسمانی تصرف کی دوسری صورت کو ماننا
پڑتا ہے جو اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ اور اسی طرح مسٹر پڈمور کہتے ہیں کہ انہوں نے جلتے ہوئے
کوئلوں کو مانع احتراق دوا لگا کر اٹھایا ہوگا مگر خود ماسٹر آف لنڈسے نے آٹھ دفعہ ان کے اثر سے

٭ اینالز آف سائیکیکل ریسرچ باب چہارم صفحہ ۱۲۰ ۱۹۰۶ء

کوئلوں کو اٹھایا اور کچھ اثر نہ ہوا حالانکہ ایک دفعہ ماسٹر آف لنڈسے نے یہ خیال کرکے کہ دیکھوں واقعی میں یہ کوئلے گرم ہیں اپنے ہاتھ کی بیچ کی انگلی کوئلہ کو لگائی تو سکی پنس کے برابر چھالا پڑ گیا اور ایک دفعہ ان کے علاوہ اور کچھ شخصوں نے کوئلوں کو اٹھایا اور اثر نہ ہوا غرض ان واقعات کی توجیہ جو مسٹر پاڈمور کرتے ہیں نہ صرف بلا دلیل بلکہ بالکل ناقابل تسکین ہے۔

ولیم کروکس کے تجربے

اور نیز یہ واقعات صرف ایسی روایت سے مروی نہیں ہیں بلکہ سر ولیم کروکس ایک مشہور سائنسدان مسٹر ہوم کے بہت سے واقعات کی عینی شہادت دیتے ہیں اور مسٹر پاڈمور کو اعتراف ہے کہ

مسٹر کروکس کا علم کیمسٹری اور فزکس کا ماہر ہونا انکو خاص طور پر اس قسم کی تحقیقات کے قابل بناتا ہے اور جو تحقیقات انہوں نے مسٹر ہوم کے متعلق کی ہے وہ ثابت ہوتا ہے کہ پوری احتیاط کے ساتھ اور ایسے حالات میں کی گئی ہے جو دھوکے کو روکنے یا اسکو ظاہر کر دینے کیلئے خاص طور پر موزون ہیں۔ تجربے مسٹر کروکس کے اپنے مکان پر کئے گئے ہیں یا بعض دوستوں کے مکان میں اور تمام حاضرین سے وہ ذاتی طور سے واقف ہیں اور انہیں سے اکثر بالالتزام حاضر ہونیوالے ہیں اور کمرہ اکثر موقعوں پر پورا روشن رکھا گیا ہے تا عامل کی تمام حرکات ہر وقت زیر نظر رہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ خود مسٹر ہوم بھی برخلاف اور عاملوں کے تحقیقات کے لئے ہر طرح کا موقع دینے کو تیار رہتے تھے؎۔"

غرض ان حالات میں مسٹر کروکس نے بہت سے کرشمے دیکھے۔ وزنی چیزوں کو ایک خاص ترازو پر رکھ کر ان کا وزن ہلکا کیا گیا جن میں سے ایک دفعہ دھیمی روشنی میں تو پونڈ کی طاقت معلوم ہوئی مگر روشنی تیز کر دینے پر ثابت ہوا کہ صرف دو پونڈ تھی۔ اکارڈین (ایک باجا) بغیر کسی اتصال کے بجایا گیا اور کئی موقعوں پر بجتے بجتے ہوا میں معلق ہو گیا۔ ایکدفعہ دو فٹ لمبا اور ڈیڑھ انچ چوڑا لکڑی کا پرگہ میز سے دس انچ اوپر ہوا میں تیرتا رہا اور مسٹر ہوم میز سے تین فٹ کے فاصلے پر بیٹھے تھے۔ ان کے ہاتھ اوروں نے پکڑے ہوئے تھے اور پاؤں نظر آ رہے تھے کہ ساکن ہیں اور یہ اتفاقاً سنہ ۱۸۷۱ء کو جبکہ کمرہ میں الکحل جلنے والے لیمپوں سے پورا روشن تھا مسٹر ہوم خود بھی ہوا میں بلند

؎ [illegible]

ہونے اور اکارڈین بھی اُن کے ہاتھ سے چھوٹ کر ہوا میں معلق بجتا رہا۔ اور نیز ۲۱ اپریل ۱۸۷۲ء
کو مسٹر ہوم ہوا میں معلق بیٹھے رہے اور ہوا میں لیٹے رہے۔ مگر اس واقعہ کے متعلق ایک امر
قابل غور ہے کہ اس وقت روشنی کم کر دی گئی تھی جسکی نسبت آگے ذکر ہوگا۔

اسی طرح کے بہت سی تجربوں کا ذکر کر کے دوسرے زبردست عامل مسٹر ایس موسز
کے واقعات ڈاکٹر سپیٹو کی شہادت سے لکھے گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بھی اور نیز انکی بیوی
نے مسٹر موسز کے اثر سے آوازوں کا آنا۔ باجوں کا بجنا۔ آگ اور روشنی کا دیکھنا۔ بند کمروں میں باہر
کی چیزوں کا آنا۔ اور خود مسٹر موسز کا بلند ہونا غرض ایسی واقعات کثرت سے بیان کئے ہیں انہیں سے
مسٹر موسز کا بلند ہونیکا واقعہ ڈاکٹر سپیر نے مختصر لکھا ہے کہ

"پہلے تو ایک بڑی گول میز کسی بڑی قوت سے کئی دفعہ ہلی۔ اور پھر مسٹر موسز دو دفعہ ہوا میں لہرائے
اور ایک کرسی میز کے اوپر رکھی گئی اور میں خود جو ایک بڑی بھاری کرسی پر بیٹھا ہوا تھا نمایاں
طور پر ہلایا گیا"

ہوا میں معلق ہونے کے متعلق خود موسز کا ایک مفصل نوٹ ہے جو مسٹر پڈمور نقل کرتے ہیں کہ۔

ایک دن ۳۰ اگست ۱۸۷۲ء کو چھوٹا باجا زور سے نیچے کمرہ کے ایک کونے میں پھینک دیا گیا
اور میری کرسی میز کے پاس سے گھوم کر قریب کے ایک گوشہ میں چلی گئی اور اسکا رخ میز کی طرف سے گوشہ دالان
کی طرف ہو گیا۔ اس حالت میں کرسی اوپر کو اٹھتی معلوم ہوئی اور یہ میرا خیال ہے کہ بارہ انچ کے قریب
بلند ہوئی کیونکہ میرے پاؤں سکرٹنگ بورڈ (تختہ جو دیوار کے ساتھ بطور حاشیہ کے لگایا جاتا ہے)
سے مس ہونے جو بارہ انچ بلند ہوگا۔ کرسی وہاں چند لمحہ کیلئے ٹھہری اور پھر میں خود آہستہ آہستہ
اور آسانی سے بلند ہوتا معلوم ہوا۔ مجھے کوئی بے چینی اور اندیشہ پیدا نہیں ہوا اور میں پورے ہوش
میں تھا اور حاضرین کو اپنے واقعات بتا رہا تھا۔ حرکت بالالتزام تھی اور بہت دیر میں ختم ہوئی۔
میں بالکل دیوار کے قریب تھا حتے کہ میں نے پنسل نکالی اور اپنی چھاتی کے مقابل دیوار پر نشان کر دیا۔
اور بعد میں جب وہ نشان ناپا گیا تو فرش سے قریباً چھ فٹ بلند تھا اور اسکے محل وقوع سے ظاہر ہے

ص۔ ۹۰ ... (؟) ... باب سوم صفحہ ۶۲ ۱۸۹۷ء

کہ اس وقت میرا سر کمرے کے گوشہ میں چھت کے نزدیک تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں اس وقت کس طرح وجد میں تھا۔ میں بالکل ہوشیار اور اس منظر سے پوری طرح واقف تھا۔ میرے جسم پر کوئی دباؤ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ میں اتنا (چھت کے پاس) بیٹھا ہوا ہوں اور چیزیں میرے سامنے نیچے کو چلی جاتی ہیں تنفس میں تنگی سی محسوس ہوتی تھی اور سینہ کسی قدر بھرا ہوا اور ایسا کہ میں فضا سے کسی قدر ہلکا ہو گیا ہوں۔ پھر میں آہستہ نیچے کو لایا گیا اور کرسی پر بٹھایا گیا۔ مگر کرسی اس وقت اپنی پہلی جگہ پر (یعنی میز کے پاس) تھی۔"

ان میں سے مسٹر موسز کا بیان چونکہ زیادہ تر انکے اپنے قلم کا ہے اور ڈاکٹر سپیر جوان کو دیکھنے والے میں انکے بہت معتقد ہیں اسلئے مسٹر پوڈمور کو انکی نسبت مشتبہ ہونا چاہئے مگر تاہم انکو دھوکے کے اصول پر نتیجہ دینا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ؎

مخفی طاقت سے آدمی کا دبنا - یا نیم بیخودی میں بے اختیاری سے دھوکا دینے والے افعال کا سرزد ہونا - ان تینوں احتمالوں میں سے میں دوسرے اور تیسرے احتمال میں مذبذب ہوں اور زیادہ تر تیسرے احتمال کیطرف میلان رکھتا ہوں۔"

مسٹر پوڈمور ایک دشواری کو دور کرنے کیلئے ہمیشہ ایک اور دشواری کو اختیار کر لیا کرتے ہیں چنانچہ یہاں بھی "نیم بیخودی کی حالت میں دھوکا دینے والے افعال کا سرزد ہونا" معلوم نہیں ڈاکٹر سپیر کے بیان پر اور مسٹر موسز کے بیان پر کیوں چسپاں ہو سکتا ہے۔ مگر تاہم یہ شہادت ہے اور شہادت میں گواہی دینے والے کے اعتبار پر بھروسہ ہوتا ہے اور مسٹر پوڈمور کو بھروسہ ہے نہیں اس لئے اس بارہ میں ان پر گرفت نہیں ہو سکتی لیکن مسٹر پوڈمور کے دوسرے رفیق جو علم و فضل میں اور مظاہر روحانی کی تلاش میں ان سے زیادہ مشہور ہیں اور جو مسٹر موسز سے زیادہ تعارف بھی رکھتے ہیں اور جنہوں نے مسٹر موسز کے قلمی مسودوں کو غائر نظر سے دیکھا اور ان کو ترتیب دیکر شایع کیا ہے یعنی مسٹر ڈبلیو ایچ مائرس انکی نسبت اور ڈاکٹر سپیر کی نسبت پورا اعتماد ظاہر کرتے ہیں (ملاحظہ ہو اقتباس ذکر ملائکہ) اور ایک اور موقع پر لکھتے ہیں کہ ؎

ڈو ستنیزان سائیکیکل ریسرچ بابت جلد صفحہ ۱۱۸ سنہ ۱۸۹۶ء ؎ ہیومن پرسنلٹی باب نہم صفحہ ۲۲۳-۳۲۱

"جب مینے مسٹر موسنر کے انتقال کے بعد اُن کے قلمی مسودہ کو دیکھا اور پرتال کی تو میرا اعتقاد اُن کی نسبت اور بھی قوی ہوگیا"

پھر لکھتے ہین کہ "اون کے مسودہ کو بہت مدت تک مطالعہ کرنے پر کوئی چیز بھی نامعقول نہین معلوم ہوتی - مینے خود بھی اُن کو نہایت غور سے پرتال کیا ہے اور اپنے بہت سے دوستون کو بھی دکھایا ہے - کوئی بے ربطی - کوئی تناقض اور کوئی شک کی وجہ ہمکو معلوم نہین ہوتی اور تمام واقعات کی تفصیل اور تاریخین ایسی درستی سے درج ہین کہ ان مین سے جو واقعات اور تاریخین دیگر وسایل سے ہمکو ملین ان مین اور مسٹر موسنر کے اظہار مین کوئی تفاوت نہ تھا"

مسٹر ہیوم اور اُن کو دیکھنے والے سر ولیم کروکس کی نسبت مسٹر پاڈ مور حسب ذیل لکھتے ہین †

"نہ تو اس مختصر مین مسٹر کروکس کے سب تجربون پر مفصل بحث کرنی ممکن ہے اور نہ مجھے ایسا کرنا مناسب ہے مسٹر کروکس جنہون نے ریڈی او میٹر اور سپکٹراسکوپ †† کی تحقیقات مین بھی ویسی ہی شہرت حاصل کی ہے جیسی مظاہر روحانی کی تلاش مین اور جن کو دو نو قسم کے واقعات پر پورا یقین ہے ان کی نسبت یہ خیال کرنا نادانی ہے کہ انہون نے مظاہر روحانی کی تحقیق مین نکتہ رسی کی عادت تحلیل کی طاقت اور کامل تحقیق کا ملکہ غرض اپنے تمام عمر کے رویہ کو ترک کردیا ہو - اور مسٹر کروکس کی مہربانی سے مجھ کو ان سے بذات خود اس معاملہ پر گفتگو کرنیکا موقع بھی ملا ہے اور مین اعتراف کرتا ہون کہ مین اس معمے کو کسی آسان اور آسان طریق سے حل نہین کرسکتا تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسٹر ہیوم کے جلسون مین اکثر موقعون پر کسی بڑے عجیب منظر سے پہلے کمرہ کی روشنی کو کم کردیا گیا ہے مثلاً بلند ہونے اور دہکتے کوئلون کو ہاتھ مین لینے کے وقت - اور نیز کمرہ کے سامان وغیرہ کی حرکتین انہی منظرون سے مشابہ ہین جو دوسرے عامل دھوکے سے پیدا کرتے معلوم ہوئے ہین - اور نیز چونکہ مسٹر کروکس اور دیگر حاضرین کو مسٹر ہیوم کی دیانت پر پورا اعتماد ہے اس لیے ممکن ہے کہ کسی وقت احتیاط مین سستی کردیگئی ہو

---

† سٹڈیزان سائیکیکل ریسرچ باب چہارم یا پنجم صفحہ یاد نہین رہا -

†† ریڈی امیٹر مسٹر کروکس کی ایجاد جس سے حرکت دینے والی شعاعین ثابت ہوتی ہین اور سپکٹراسکوپ تھا گیا مسٹر کروکس کی ایجاد نہین مگر اس کے ذریعہ سے انہون نے تھیلیم نام ایک دھات دریافت کی ہے (ملاحظہ ہو حالات ریڈی امیٹر و سپکٹراسکوپ - کتاب فورکس مصنفہ گینو)

اور اس سستی نے تحقیقات کو تباہ کر دیا ہو لیکن یہ حل جو مین کر رہا ہون اسمین دماغی تسلی پانیکا دعوی نہین کر سکتا"

معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر ڈیمور نے پہلے سے عہد کر لیا ہے کہ کیسا ہی واقعہ ہو اس سے انکار کرینگے اور جس طرح ممکن ہو انکار کی کوئی نہ کوئی وجہ پیدا کرینگے مگر معقول پسندی بھی اپنا شیوہ ہے اس لیے عادت کے موافق وجہ انکار پیدا کرتے ہین اور تو عقل کے سبب اُس کے ضعف سے آگاہ ہو جاتے ہین۔ چنانچہ ان کے یہہ اعتراض بھی اسی قسم کے ہین اور ان سے ایک ایسے شخص کے خلاف جس کو وہ خود بڑا محقق اور بیدار مغز مانتے ہین کوئی تسکین نہین ہوتی۔ مسٹر کروکس احتیاط کا ذکر قریبًا ہر واقعہ کے ساتھ کرتے ہین اور ہوم کی دیانت پر بھی بہی اعتماد ثابت ہوتا ہی کہ ان کو پردے بٹھایا جاتا ہے۔ ہاتھ پکڑ لیے جاتے ہین۔ پاؤن کو دیکھتے رہتے ہین اور ایسے وقت پر دیکھتے ہین تو اثر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ معہذا اس منظر کی ظاہری شکل کا دھوکا دینے والون کے طریقے سے مشابہ ہونا بھی تو ہم معلوم ہوتا ہے۔ دھوکا کہتے ہی اُس کو ہین جسکی ظاہری شکل بالکل واقعیت کے مشابہ ہو۔ عدالتون مین جعلی کاغذ اور جھوٹی شہادتین ویسی ہی درستی سے پیش کی جاتی ہین جیسے اصلی تمسک اور سچی شہادتین مگر اس بنا پر شہادت اور تمسک کو محکمہ عدالت سے موقوف نہین کیا جاتا۔ البتہ روشنی کم دینے کا اعتراض قوی معلوم ہوتا ہے اور بے شک اس سے وہم کرنے کا گمان

روحانی عمل کیلیے تاریکی مناسب ہے

ہوتا ہے مگر ایک تو اس مسئلہ کو جس طرح سے مسٹر لیڈ بیٹر† حل کرتے ہین کہ "روحانی قوتون کا یہ ایک عام خاصہ ہی کہ تاریکی مین اسکا اثر زیادہ ہوتا ہے" یہ توجیہ قرین قیاس ہی کیونکہ عاملون کا روشنی کو کم کر دینا تو بغیر انکی بد دیانتی سمجھا جاسکتا ہے مگر مسٹر لیڈ بیٹر کی تائید ان عام مناظر سے بھی ہوتی ہے جبکہ لوگون کو خیالی یا وہمی شکلین اور غیبی پیغام اور خبرین معلوم ہوئی ہین جو بعد مین درست ثابت ہوتی ہین اور بیشتر ایسی ہی ہین جو لوگون کی شکلین موت کے وقت یا بعد مین انکے دوستون کو نظر آئی ہین اور ان کے حدوث کو مسٹر ڈیمور وغیرہ تمام ظاہری وجوہات کی تلاش کرنیوالے مانتے ہین۔ غرض یہ سب مختلف قسم کے منظر عمومًا رات کو دکھائی دیتے ہین اور کبھی بہت ہی قوی روحانی اثر ہوا ہے جیسے دن کو یا پوری روشنی مین نظر آیا ہو بلکہ روحانی طور پر اطلاع پانے کے اکثر واقعات خواب مین پیش آتے ہین اور روحانی عملیات بھی اسی صورت مین زیادہ قوی ہوتا ہے کہ سونے سے پہلے خیال قائم کر لیا جاے اور معالجین اور مریض کا سونے کا وقت ایک ہو اور اسی لئے مسٹر لیڈ بیٹر کہتے ہین کہ وہ سلیٹون کے اندر پنسل رکھکر جو پیغام حاصل کیئے جاتے ہین وہ

† اَدر سائڈ آف دتھ باب بیست وششم

عموماً لحاظ نہیں کرتے اس لیے کہ سلیٹوں کے اندر ہر وقت تاریکی رہتی ہے اور اس لیے روحانی اثر بے وقت پہونچ سکتا ہے۔ اور دوسرے مسٹر کروکس اور ماسٹر لنڈ سے کے اکثر تجربوں میں روشنی تیز بھی رکھی گئی ہے اور اثر ظاہر ہوا ہے چنانچہ بلند ہونے اور کوٹلوں کو پکڑنے کے دو موقعوں میں سے ایک میں روشنی پوری رکھی گئی ہے۔

روحانی اثر سے جسم کی حرکت ناقابل انکار ہے

غرض روحانی اثر کی تیسری قسم یعنے اجسام کا بے ارادہ حرکت کرنا بھی اکثر روایتوں سے ایسی قوت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے انکار کی گنجایش نہیں اور ہم لوگوں میں سے جن کو صوفیائے کرام کے حلقوں میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا ہے وہ اس گئے گذرے زمانے میں بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ایک باخدا کی قلبی توجہ سے حاضرین کے دل کیسے بیتاب ہو جاتے ہیں کہ وہ حلقہ توجہ میں نیم بسمل کی طرح تڑپتے نظر آتے ہیں۔ اور نیز لطائف کی مشق سے کس طرح خاص خاص اعضا اور لطیفہ قلب میں تمام جسم بے ارادہ حرکت کرنے لگتا ہے اور نیز پاس انفاس یا یوگا بھیاس کرنے سے کیونکر انسان کی روح کسی خاص مقام پر مقید ہو کر تمام جسمانی اعضا اور حرکت کرنے والی شریانیں اور اعضائے تنفس سرد و بے حس و حرکت اور مردہ ہو جاتے ہیں۔

روحانی اثر سے حرکت پیدا ہونے کی وجہ معلوم نہیں ہو سکتی

مگر روحانی طاقت جسم پر کیوں کر اثر کرتی ہے؟ اس کا قانون دریافت نہیں ہو سکا مسٹر ھیڈسن لکھتے ہیں کہ *

"انسانی روح جسمانی حواس اور قویٰ پر کیونکر حکومت کرتی ہے؟ فانی انسان کبھی نہیں جان سکتا اور یقین ہے کہ اس سوال کو فزیالوجی اور سریبل اناٹومی یعنے علم قوائے حیوانی اور علم تشریح دماغی حل نہیں کر سکتا یہ ایک سائنٹیفک یعنی علمی واقعہ ہے جس کو اس سبب سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ قابل اثبات ہو۔ نہ اس لیے کہ انتہائی اسباب بیان ہو سکتے ہیں"

ارادہ سے حرکت پیدا ہونے کی وجہ بھی نامعلوم ہے

اور روح کا جسم کو حرکت دینا ایک طرف ارادہ جو جسم کو حرکت دیتا ہے اسکی وجہ بھی معلوم نہیں ہے مسٹر مائرس لکھتے ہیں ‡

"مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ میرا ارادہ میرے بازو کو کیونکر حرکت دیتا ہے۔ لیکن میں تجربہ سے جانتا ہوں کہ عموماً میرا ارادہ

* لا آف سائیکک فینا منا باب ۱۵ صفحہ ۱۹۳۔ ۱۸۹۳ء		‡ ھیومن پرسنلٹی باب ۹ صفحہ ۳۱۳

میرے ارادہ سے متحرک ہو جاتا ہے اور پھر اُن چیزوں کو حرکت ہوتی ہے جو بازو سے متصل ہوں۔ یعنی اُن چیزوں کو جو میرے اس حصہ جسم سے متصل ہوں جس پر میری نظام جانی کی زندگی منحصر ہے اور کبھی میں اُن چیزوں کو بھی حرکت دے سکتا ہوں جن کو میرے جسم سے حقیقی اتصال نہیں ہوتا مثلاً حرارت کے ساتھ یا برقی طاقت کے ساتھ جو میری اُنگلیوں سے نکلتی ہے بعض مادوں کو پگھلا کر یا جلا کر حرکت دے سکتا ہوں۔ غرض اس طاقت کیلئے میں کوئی معین حد نہیں پاتا اور طاقت کی اُن تمام شکلوں کو نہیں جانتا جو مناسب تربیت سے میری اُنگلیوں سے پیدا ہو سکتی ہے۔"

جسم کا جسم کو حرکت دینا بھی ایک راز ہے۔

اور یہ تو مخفی طاقتیں ہیں جن سے حرکت پیدا ہوتی ہے اور اس لیئے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیونکر پیدا ہوتی ہے مگر اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ اجسام کا اجسام کو حرکت دینا بھی کسی اصول سے حل نہیں ہو سکتا ڈاکٹر سپنسر لکھتے ہیں +

"ہم بچپن سے دیکھتے ہیں کہ متحرک ساکن کو متحرک کر دیتا ہے اس لیئے تعجب نہیں کرتے ورنہ سمجھ میں نہیں آتا کہ متحرک کے دھکا دینے سے ساکن میں کیا بات پیدا ہوئی کہ پہلے تو ایک حالت میں تھا اب لحظہ بلحظہ جگہ بدلتا ہے۔ یہ کہو کہ حرکت دوسری چیز سے اس میں داخل ہو گئی۔ کیونکر؟ وہ کیا چیز اسمیں اب آ گئی جو پہلے موجود نہ تھی۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ حرکت سے سکون کیونکر پیدا ہوا۔ قانون توانر کہتا ہے کہ کوئی رفتار کسی درجہ سے کسی درجہ تک کم نہیں ہوتی جب تک درمیانی درجات کو عبور نہ کرے پس جو متحرک ساکن ہوا وہ ساکن ہونے سے پہلے متحرک تھا اور اسمیں رفتار تھی اور وہ رفتار چاہے کیسی ہی سست ہو سکون سے ہر حال میں بدرجہا زیادہ ہے پس اس سے بغیر درجات کو ختم کرنے کے دفعۃً سکون کیونکر پیدا ہو گیا۔ غرض ان تغیرات کو ہم یقیناً جانتے ہیں کہ واقع ہوتے ہیں۔ مگر سمجھ میں نہیں آتے"۔

روحانی اثر اس زمانے میں کمتر نظر آتے ہیں۔

یہ ضرور ہے کہ جیسا کہ مسٹر ٹڈ جسمانی حرکات کی نسبت لکھتے ہیں جسمانی حرکات ہوں یا دیگر قلبی انکشافات تمام مظاہر روحانی اس زمانے میں پہلے زمانوں کی نسبت کمتر واقع ہوتے ہیں اور اس کیفیت کو سرسری نظر سے دیکھ کر بیشک ان طاقتوں کی نسبت کسی قدر شبہ پیدا ہوتا ہے

+ کتاب فرسٹ پرنسپلز باب سوم صفحہ ۶۵ ۱۸۸۶ء

مگر واقعات کا کامل مطالعہ کرنے سے جو قاعدے روحانی عمل کے لیے دریافت ہوئی ہین اُن واقعات اور اُن قانون
کو دیکھتے ہوئے یہ عقدہ حل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ روحانی طاقت کے ظہور کی ایک شرط اپنی توجہ کو جسم و جسمانیات
سے ہٹانا ہے اور اسی لیے جب اپنے ارادہ سے کوئی عمل کرنا مقصود ہوتا ہے تو کسی نہ کسی طریق سے حالت وجد
پیدا کی جاتی ہے۔ اور ایک دوسرا قاعدہ یہ دریافت ہوا ہے کہ روح پر انسانی خیال نہایت شدت سے اثر کرتا ہے
جتنے کہ اگر مسمریزم کے معمول کو خیال دلوایا جائے کہ وہ مُردہ ہے تو دفعتہً تمام علامات زیست منقطع ہوجاتی ہین
اور اگر اُس کو بندر یا کُتا ہونے کا یقین دلوایا جاوے تو اُنہی کی سی حرکتین کرنے لگتا ہے اور اسی قاعدہ کا
اثر ہے کہ اگر معمول کے سامنے کوئی منکر اپنے خیالات اُس کی روحانی طاقت کے خلاف ظاہر کرے تو جیسے
وہ خیال کے اثر سے جسمانی قوتون کو کھو دیتا ہے اسی طرح سے روحانی قوتین بھی ایسے خیال سے معدوم ہوجاتی
ہین۔ اور اگر منکر مضبوط خیال کا آدمی ہو تو زبان سے انکار کرنا بھی ضرور نہین بلکہ معمول اپنی روحانی طاقت
سے اُس کے دلی خیال کو پڑھتا ہے اور اس خیال کے اثر سے اپنے تئین کھو بیٹھتا ہے پس اسوقت
بھی روحانی اثر ہے جو ایک مخالف تموج پیدا کرکے دیگر روحانی اثرون کو زائل کر رہا ہے۔ غرض یہ دونون
قاعدے کلیہ اور یقینی طور پر ثابت شدہ ہین ✝ اور جیسے خاص خاص اشخاص پر صادق آتے ہین خاص خاص اقوام
اور زمانون پر بھی چسپان ہین۔ اس لیے جس زمانے مین اور جس قوم مین جسمانی علوم کا رواج اور ان پر یقین اس وجہ
تک ہو کہ جسم کے سوا کسی چیز کا حتے کہ انسانی روح کا یقین بھی زائل ہوچکا ہو اس وقت پہلی شرط یعنی جسم و جسمانیات
سے بے توجہی اور روحانی غور و فکر کی عادت زائل ہوجاتی ہے اور ان طاقتون کی مشق نہ کرنے سے یا تو وہ
بالکل معدوم ہوجاتی ہین یا کم اثر کرتی ہین اور اسی طرح جس وقت انکار کا غلغلہ دل و زبان سے نکل کر تمام فضا مین
پھیلا ہوا ہو تو اس مخالف خیال کے اثر سے جس قدر طاقتین موتی بھی ہین عمل نہین کرتین اور اس لیے ظاہر ہے کہ
ایسے زمانے مین جیسا کہ اب بھی ان طاقتون کا ظاہر نہ ہونا تعجب نہین بلکہ اگر کہین اُن کا اثر پایا جاوے تو
وہ محل حیرت ہے۔

✝ مسٹر ھڈسن نے ان دونوں عنوانون پر دو باب لکھے ہین اور قرائن اور واقعات سے ان کو ثابت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو
باب دویم و ہفتم کتاب لا آف سائیکک فینامنا۔

معجزہ

اور اس کے برخلاف گذشتہ زمانے مین جبکہ لوگون کے دلون پر مذہبی گرفت ابکی نسبت زیادہ تھی اسی گرفت کے مطابق اُن کو خدا کی طرف اور روحانیات کی جانب توجّہ تھی اور اس قسم کے غور و تامّل اور مراقبہ و مجاہدہ سے بے ارادہ اور خود بخود جسمانیات سے وہ بے تعلّقی پیدا ہو جاتی تھی جو روحانی اثر کی ضروری شرط ہے اور نیز منکرانہ خیالات کا مخالف اثر بھی اس وقت کہین تو ایسی طاقتون کے خلاف بالکل موجود نہ ہوتا تھا اور کسی جگہ ہوتا بھی تھا تو محض عناد اور جسارت سے ہوتا تھا۔ مگر جسمانی علوم کی مدد سے اور اصولی طور پر روح وغیرہ کے انکار سے مخالفت نے جو اعتقاد اور مذہب کا درجہ اب حاصل کیا ہے اُس کا اُن دنون مین نشان نہ تھا۔

اور اس طرح پر روحانی اثر کی دونوں شرطون کے پائے جانے سے وہ وہ عمل سرزد ہوتے تھے جو دنیا کے لیے باعث حیرت ٹھہرتے تھے اور اعجاز و کرامت کا لقب پاتے تھے اور پھر خلق اللہ کو جو توجہ ان عجائبات کی وجہ سے اِن بزرگوارون کیطرف ہوتی تھی اس سے کام لیکر وہ ان کو اپنی تعلیم و ہدایت کی طرف بلاتے تھے اور اس طرح پر عوام الناس کے لیے جو نور عقل سے تعلیم و ہدایت کی خوبیان نہ سمجھ سکتے ہون یہ روحانی کرشمے معجزہ کے نام سے دعوی کے لیے دلیل کا کام دیتے تھے

مگر گذشتہ زمانے مین بھی جب کبھی انکار کا اثر بہت قوی ہوا ہے تو وہان روحانی اثر ظاہر کرنے سے انکار کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا ہے کہ منکرون کو کوئی نشان نہ دکھایا جائیگا۔ اور نیز جس جس قدر انکار کی عادت بڑھتی گئی روحانی آثار یا بالفاظ دیگر معجزون کا اظہار کم ہوتا گیا اور غالبًا اسی اصول کی طرف اشارہ ہے جہان ارشاد ہوا ہے۔

وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ ط (بنی اسرائیل پ ۱۵ ع ۶)

ہمکو نشان بھیجنے سے اس امر نے روک دیا ہے کہ پہلے لوگون نے انکی تکذیب کی

یہان معجزہ کے رُک جانے کو خدا کی طرف منسوب کرنا قرآن کا عام محاورہ ہے چنانچہ وہ تمام مظاہر قدرت کو جو معینہ اسباب سے سرزد ہوتے ہین خدا کی طرف جو علّۃ العلل ہے منسوب کیا کرتا ہے مثلاً فرمایا ہے کہ ہم نے ہواؤن کو چلایا۔ ہمنے بارش برسائی اور ہمنے زمین سے نباتات اُگائین اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے وہ ×
قوانین قدرت مقرّر کیے جن سے یہ منظر پیدا ہوئے اسی طرح یہان بھی یہی مطلب ہے کہ ہمنے ایسا قاعدہ مقرّر

کیا کہ تکذیب و انکار کی اشاعت سے قوای روحانی کا اثر باطل ہو جائے۔

غرض موجودہ زمانے مین روحانی طاقت کا کم یا زایل ہو جانا اُس تحقیقات کو غلط نہین کر سکتا جو مختلف طریقون سے ان امور کی نسبت کی گئی ہے۔ البتہ اسی تحقیقات سے بہت سے واقعات ایسے بھی دریافت ہوئے ہین جن مین دھوکا دیا گیا ہے اور کوئی شعبدہ جسمانی وسائل سے دکھا کر روحانی طاقت کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور جو لوگ محض عالمانہ طور پر دلایل سے اِس کا یقین حاصل کرنا چاہتے تھے اور خود کسی قسم کا ذاتی تجربہ نہین رکھتے تھے ان واقعات سے متوحش ہو کر مطلق انکار کی جانب مائل ہو گئے ہین۔ چنانچہ مسٹر پڈ مور بھی انھی لوگون مین سے ہین۔ مگر دھوکا آمیز واقعات کو مدنظر رکھ کر اور نیز سادہ منطقی طریق استدلال کو رہنما بنا کر جو نتیجہ منصفانہ طور پر نکالا جا سکتا ہے وہ مسٹر مائرس کا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہین کہ ‡

"جو دلچسپی عوام الناس کو ان مظاہر سے ہے اُس نے جیسا کہ بخوبی معلوم ہے فریب کو بہت ترقی دی ہے جسکو ثابت کرنا اور جس کے لیے پیش بندی کرنا سوسایٹی فار سائیکیکل ریسرچ کا بہت بڑا مقصد ہے۔ اور بشکل روحانی طور پر جسم کو حرکت دینے کی جو نقل (دھوکا دینے والے) عام طور پر کرنے لگے ہین اُس نے ان واقعات کی صداقت مین بھی شک پیدا کر دیا ہے جن مین نہایت احتیاط سے دھوکے کی پیش بندی کیگئی ہے یا دھوکا غیر اغلب سمجھا گیا ہے۔ اور اس سبب سے مین اگرچہ پورے طور پر یقین رکھتا ہون کہ روحانی طاقت سے جسمانی حرکات پیدا ہو سکتی ہین مگر مانتا ہون کہ ان کی نسبت ناظرین کا یقین پیدا کرنا یا انکو اپنی عام اور مکمل تحریر کا ایک مکمل حصہ بنانا قبل از وقت ہے کیونکہ دھوکے کے اصول کے خلاف ان کو پورے طور پر ثابت کرنا ایک قواعد فسون سازی اور دیگر فنون کی کامل واقفیت پر منحصر ہے جس کا مین دعوی نہین کر سکتا اور دوسرے ان کو پورے طور پر سمجھنا مادہ اور ایتھر کے تعلقات پر موقوف ہے جن کی دھیمی سی جھلک نہایت تازہ علمی انکشافات مین نظر آئی ہے مثلاً وہ انکشافات جو

‡ هیومن پرسنلٹی باب نہم صفحہ ۳۱۲ -

ابھی حال مین شعاعون کی نسبت ہوئے مین اور جن کا پہلے گمان بھی نہ تھا"۔ ۴

یقین کے لیے کسی واقعہ کا ثبوت ضرور ہے نہ کہ سبب کا دریافت ہونا

بیشک یہان مسٹر مائرس جس یقین کو قبل از وقت کہتے ہین وہ یقین ہے جو کسی چیز کی علت دریافت کرلینے سے پیدا ہوا کرتا ہے اور شاید جیسا کہ ان کو امید ہے کبھی وقت آجائے اور ایتھر اور مادہ سے بڑھکر روح اور مادہ کا تعلق دریافت ہوجائے مگر ابھی تک روحانی حرکات کی علت دریافت نہین ہوسکی ہین تاحال ایسے امور کی نسبت یقین کا ایک وہی طریق ہے جس سے خود مسٹر مائرس کو یقین ہوا یعنے تجربہ اور تجربہ کے متعلق طویل اور منصفانہ غور و فکر۔ اور دیکھا جائے تو جو یقین کسی واقعہ کا سبب دریافت کرنے سے ہوتا ہے وہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے کیونکہ علت و معلول کا سلسلہ نہایت پیچیدہ۔ قوانین قدرت بے انتہا اور عقل انسانی ہمیشہ ترقی پذیر ہے۔ آج کسی چیز کا ایک سبب قرار دیا جاتا ہے اور اس سے طبیعت کو تسکین دیجاتی ہے۔ کل وہی واقعہ پیش آتا ہے مگر وہ سبب چسپان نہین ہوتا۔ انسان کچھ دیر کے لیے متحیر ہوجاتا ہے پھر کسی اور سبب کا پتہ لگتا ہے اور اس پر یقین کرلیتا ہے۔ اسی طرح ہمیشہ ایک ہی واقعہ کی نئی نئی صورتین اور نئے نئے اسباب دریافت ہوتے رہتے ہین اس حالت مین جو بات پکی اور یقینی ہے وہ اس امر واقعہ کا ظہور پذیر ہوتا ہے ورنہ اسباب جس طرح پہلے بدلتے رہے ہین آیندہ بھی یقین نہین ہوسکتا کہ کوی اور سبب دریافت نہ ہوگا۔ انسان دور سے جنگل مین ایک روشنی دیکھتا ہے چونکہ جانتا ہے کہ انسان آگ جلاکر روشنی پیدا کیا کرتے ہین اس لیے یقین کرتا ہے کہ یہ روشنی بھی کسی انسان کا فعل ہوگا مگر پھر معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسانی فعل نہ تھا بلکہ بجلی کی چمک تھی اس پر یقین کرتا ہے۔ پھر کبھی رات کو فاسفرس جل اٹھنے سے ویسی ہی چمک نظر آجاتی ہے کبھی دن کو آئینہ یا کسی اور روشن چیز پر آفتاب کی شعاع پڑنے سے اسی طرح کا شعلہ دکھائی

۴ غالباً اس سے اشارہ ان شعاعون کی جانب ہے جن کو اکس ریز کہتے ہین اور جو حیوانی جسم اور اکثر چیزون سے گذر جاتی ہین یا ریڈیم جسمین بہت سی عجیب خاصیتین دریافت ہوئی ہین۔ یا آفتاب کی وہ شعاعین جو الٹرا وائلیٹ ریز کہلاتی ہین اور جس سے سر ولیم کروکس نے ایک آلے ریڈیو میٹر نام ایجاد کیکے حرکت پیدا کرنے کی طاقت ثابت کی ہے۔ ان تجربون کی نسبت کوئی متفق علیہ وجہ کہ یہ حرکت کیونکر پیدا ہوتی ہے دریافت نہین ہوئی اگرچہ تھیوریز یعنے احتمالات بہت ہین (ملاحظہ ہو کتاب فزکس مصنفہ گینو حالات ریڈی آمیٹر اور الٹرا ریڈی ایشن)۔

دیتا ہے۔ علت و معلول کا سلسلہ بدلتا رہتا ہے حتیٰ کہ آئندہ کسی اور روشنی کو دوسری دیکھنے پر کسی خاص سبب کا یقین نہیں ہوتا۔ مگر جو بات ہر طرح یقینی طور پر ثابت رہتی ہے وہ روشنی کا وجود ہے۔ اسی طرح روحانی اثرون کے لیے جبکہ کسی عامل نے نظر جما کر کسی کو بیہوش کر دیا ہے خیال ہوا کہ انسان کی آنکھون سے کوئی مقناطیسی قوت نکلتی ہے۔ پھر کسی مسمریزم نے انسان کے چہرہ اور چھاتی کے سامنے ہاتھون کو اوپر سے نیچے کو لا کر اسے مدہوش کیا لوگ سمجھے کہ انگلیون سے ایک رقیق مادہ نکلکر یہ حالت پیدا کرتا ہے۔ پھر ایسی صورتین پیش آئین جہان دیکھنے اور ہاتھ سے پاس کرنے کے بغیر کوئی اثر پیدا ہوا اور اس کے سبب کی تلاش ہوئی کبھی الٹراوائلٹ ریز (کیمیائی اثر پیدا کرنے والی شعاع) یا آکس ریز (جسم انسانی میں نفوذ کرنے والی برقی شعاع) کیطرف خیال گیا کبھی ایتھر اور مادہ کا تعلق سمجھنے کی کوشش ہوئی۔ غرض اہل علم اپنی علمی طاقت سے اس طرح کے سبب دریافت کرتے رہے اور کرتے رہین گے مگر یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا اور یہ دعویٰ نہ ہو سکے گا کہ جس قدر اسباب قدرت نے مہیا کیے تھے وہ معلوم ہو چکے۔ اور جو بات ہر جگہ ثابت اور یقینی ہے وہ یہی ہے کہ انسان مین کچھ مخفی طاقتین ہین جن کا اثر کبھی کبھی نظر آجاتا ہے۔ خواہ اسباب و علل کچھ ہی ہون۔

روحانی طاقتین مہاتما بدھ کی زبان سے

قدیم زمانے مین جب کہ انسان کی دماغی طاقتین اس عروج پر نہ تھین اور بیشتر روحانی طاقتون پر مدار تھا اُس وقت مین بھی بعض فلسفیانہ خیال کے بزرگوار ان مظاہر کو دیکھ کر اپنی سمجھ کے موافق اُن کے اسباب مُعیّن کرتے تھے چنانچہ مہاتما بدھ ان طاقتون کا یون ذکر کرتے ہین[۱]۔

"انسان ایک جسم رکھتا ہے جو چار عناصر سے مرکب ہی اور جو اس کے والدین کے اختلاط کا ثمرہ ہے۔ چاول یا آش سے پرورش پاتا ہے اور کاٹا جا سکتا ہے اور پامال کیا جا سکتا ہی۔ اس چند روزہ جسم مین اسکی ذہانت غیر محدود ہے۔ سادھو اپنے تئین اس طرح مقید پا کر اس سے کیفقدر آزاد و لباس پیدا کرتا چاہتا ہے۔ وہ اپنے خیال مین ایک اور جسم کا نقشہ جماتا ہے جو اس مادی جسم سے پیدا ہوا اور جو اسی طرح

---

[۱] کتاب پاپولر لائف آف بُدھا یعنی بُدھ کی سوانح عمری مصنفہ مسٹر آر تھر للی باب پنجم صفحہ ۸۱ سنہ ۱۸۸۳ء اقتباس ایک سنگھالی کتاب سے جس کا نام سمانافالاستا ہے۔

کی شکل اور اعضا اور نظام جسمانی رکھتا ہو۔ اس جسم کا مادی جسم سے وہی تعلق ہے جو تلوار کو میان سے یا سانپ کو اُس ٹوکرے سے جس میں وہ بند ہے۔ سادھو اس طرح صاف اور کامل ہوکر اپنی فوق العادت طاقتون کا استعمال شروع کرتا ہے۔ وہ اپنے تئین مادی روکاوٹون۔ دیوارون اور احاطون مین سے نفوذ کرجانیکے قابل پاتا ہے اور اپنے سایہ نما جسم کو ایک ہی وقت مین بہت سی جگہون مین ظاہر کرنیکے قابل ہوتا ہے۔ وہ پانی کی سطح پر چل سکتا ہے اور ڈوبتا نہین۔ وہ بڑے پرون والے عقاب کی طرح ہوا مین اُڑ سکتا ہے اور وہ اس دُنیا کو چھوڑ سکتا ہے اور برہما یعنی خدا کے آسمانون مین جا سکتا ہے۔ اس وقت جس طرح پر ہاتھی دانت کا کام کرنے والا اپنے خیال کے مطابق ہاتھی کی سونڈ بنا لیتا ہے اسی طرح سادھو اپنے خیال کے زور سے ایک اور خاصہ حاصل کرتا ہے۔ وہ نادیدہ جہان کی آوازین سُننے کی طاقت حاصل کرتا ہے۔ بعینہٖ جس طرح کہ وہ اس خیالی دُنیا کی آوازین سُنتا ہو۔ بلکہ حقیقت مین اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ۔ اور نیز وہ اپنے من کی طاقت سے دوسرون کے بہت ہی پوشیدہ رازون کو معلوم کرنے اور اُن کی خصائل و عادات بتانے کے قابل ہوتا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہو کہ فلان شخص کا قلب آزاد ہے۔ فلان اچھی نیت کا آدمی ہے۔ فلان کوئی آرزو ہی نہین رکھتا جس طرح بچہ اپنی کان کی بالیون کا عکس پانی مین دیکھ کر کہتا ہے کہ وہ بالیان میری ہین اسی طرح ایک صاف باطن سادھو صداقت کو پہچان لیتا ہے۔ اس وقت اُس کو دیدارِ خدا کی قابلیت حاصل ہوتی ہو۔ وہ دیکھ لیتا ہے جو کچھ انسان زمین پر کرتا ہے اور جو مرنے کے بعد یا دوبارہ پیدا ہونے پر کریگا۔ پھر وہ دُنیا کے رازون کو معلوم کرتا ہے اور یہ کہ لوگ مصیبت زدہ کیون ہین اور کیون کر وہ اس حال سے رہائی پاسکتے ہین۔"

غرض مہاتما بدھ اپنی طرز ادا سے واقعات بعینہٖ وہی لکھتے ہین جو ایک ریگستان کے اُمّی پیغمبر کو (صلی اللہ علیہ وسلم) شبِ معراج مین پیش آئے۔ پس خواہ وہ رُوح ہو جو ایسی حیرت انگیز طاقتین رکھتی ہے اور خواہ اس جسم کے اندر کوئی اور لطیف جسم ہو اور خواہ انسان محض اسی گوشت پوست کا نام ہو اور اس کے اندر مقناطیسی یا اسی جیسی طاقت مضمر ہو۔ اس کی تحقیق تحقیق کرنیوالون کو مبارک ہو۔ جو امر واقعہ ہے وہ اسی قدر ہے کہ اس ساڑھے تین ہاتھ کی مخلوق کو بڑی قدرت دی گئی ہے جس کے ادنےٰ کرشمے عموماً ظاہر ہوتے رہتے ہین اور جب

وہ اس نور مطلق کی طرف دھیان لگاتا ہے اور وہ جسمانیت سے بے توجہی جس کو یہ دنیا والے بھی روحانی اثر کے لیے شرط ٹھیراتے ہین اپنی سب سے بڑی اور کامل صورت مین پیدا ہوتی ہے تو اس کی اندرونی طاقتین پوری قوت سے جلوہ دکھاتی ہین اور انسان اپنی استعداد کے موافق کبھی کسی مخفی راز کو معلوم کرلیتا ہے اور کبھی کوئی جسمانی اثر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اور جب صفائی اور نور باطن اس درجہ کو پہونچ جاتا ہے کہ دولت دیدار بے واسطہ میسر ہو تو ویسے موقع پر وہ طاقت مکمل ہوکر کبھی طرح سے اپنا ظہور دکھاتی ہے وہ لامحدود فضا مین سیر کرتا ہے ارواح مجردہ اور گذشتہ انسانون سے ملاقی ہوتا ہے۔ دوزخ اور بہشت کے حالات جو پس از مرگ پیش آنے والے ہین مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے کمال کے انتہائی نقطہ پر پہونچ کر جس کو معراج کہتے ہین اُن رازون سے واقف ہوتا ہے جن پر عمل کرنے سے نور معرفت حاصل ہو اور انسان وصال ربانی کے لطف اُٹھائے۔

معراج جسمانی

غرض جو روحانی آثار وقتاً فوقتاً بعض انسانون سے بے ارادہ صادر ہوئے ہین یا جو خاص قاعدون پر عمل کرنے سے انسان اپنے ارادہ سے ظاہر کرتا ہے اُن کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جسمانی معراج مین جس کو اکثر اہل اسلام مانتے ہین کوئی اصولی غلطی نہین اور فرق صرف اسی قدر ہے کہ مخفی رازون کو دریافت کرنے اور جسم و جسمانیات پر عمل کرنے کی طاقت جو ادنے پیمانہ پر عام انسانون مین پائی جاتی ہے وہ اعلی اور اکمل پیمانہ پر کسی خاص سے خاص بندہ کے لیے تسلیم کی گئی ہے۔

روحانی عمل کے لیے قاعدون کی تعلیم ضروری نہین۔

بھاپ سے دیگچی کے سرپوش کی حرکت یا درخت سے پھل گرنے کا میلان ایک ادنے کرشمہ تھا اُس طاقت کا جو کروڑون من وزنی اجسام کو کھینچتی ہوئی بعد مین ثابت ہوئی مگر جن اللہ کے بندون کو نور عقل دیا گیا تھا اُنھون نے چشم بصیرت سے گویا اسی وقت اُس کے تمام کرشمے دیکھ لیے تھے اور اسی لیے وہ ایسے یقین سے اسکی تحقیق مین لگ گئے کہ اگرچہ دنیا ان پر ہنستی تھی مگر وہ جس چیز کو دیگچی اور سیب مین دیکھ چکے تھے ثابت کرکے رہے کہ صرف دیگچی اور سیب مین نہین بلکہ نہایت بڑے پیمانہ پر تمام دنیا مین پھیلی ہوئی ہے۔ اور خیر یہ تو ایسے لوگ تھے خود جن کا دماغ اور نیز جن کا زمانہ علم و فضل کی لذت سے آشنا تھا اور اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ انکی تعلیم نے اور زمانہ کی ترقی نے ان کو اس تلاش کیطرف متوجہ کیا۔ ہمکو تو ابتدائی انسان بھی نیوٹن اور واٹ کا ہمپلہ معلوم ہوتا ہے جس نے کسی پتھر کو دوسرے پتھر پر گرتے ہوئے ایک ذرا سی

چمک پیدا ہوتی دیکھی ہوگی اور اس ذرا سی چیز کو دیکھکر اس تجربہ کے پیچھے پڑگیا ہوگا جو آج ہزارون برس سے انسان کو آگ جلانے کے فائدون سے متمتع کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ شخص نہ کوئی فلاسفر ہوگا اور نہ کسی قسم کی تعلیم اور تہذیب کا فخر کرسکتا ہوگا مگر اسکی توجہ محض اسکی فطری میلان سے پیدا ہوئی ہوگی جو انسان مین موجود ہے کہ ہر چیز جو چھوٹے پیمانہ پر ظہور پذیر ہوتی ہے اسکا بڑے پیمانہ پر موجود ہونا بھی ممکن ہے۔ پس اسی طرح جن لوگون کو ان کے جاذبہ فطرت نے مذہبی غور و خوض اور روحانی مراقبہ و مشاہدہ کی طرف متوجہ کردیا وہ اگرچہ آجکل کی مسمرزم اور اُسکے قاعدون سے باضابطہ واقف نہ تھے مگر جو کرشمے اُن کی روح نے ادنے پیمانہ پر دکھائے وہ اپنے فطری میلان سے اسکی مشق مین مصروف ہوئے اور روحانی صفائی سے جس قدر انکشاف بڑھتا گیا اسی قدر اُنکی فطری طاقت کا ظہور ہوتا گیا۔ پس پادری فادر ھل کا قول صحیح نہین معلوم ہوتا کہ ✝ "معجزے مسمریزم اور دیگر روحانی طاقتون کے اصول پر حل نہین ہوسکتے اس لیے کہ یہ علوم اُس وقت مرتب اور مدون نہ تھے" کیونکہ جس طرح ایک کسان ورزش کے قاعدون اور جسمانی طاقت بڑھانے کے طریقون سے آشنا نہین ہوتا مگر جس کام مین وہ لگا رہتا ہے اُس سے دفعتاً اور خود بخود جسمانی طاقت مین ترقی ہوتی رہتی ہے جس سے وہ ایسے کام کرسکتا ہے جو کسی پہلوان سے بھی نہ ہوسکین۔ اسی طرح جو لوگ مذہبی کشش سے روحانی غور و خوض مین مصروف رہتے ہین اُنکی روحانی طاقت خود بخود ترقی کرتی رہتی ہے اور وہ ایسے اثر پیدا کرنے کے قابل ہوجاتے ہین جو مسمرزم وغیرہ کی مصنوعی تعلیم سے بالاتر ہوتے ہین۔ بلکہ بسا اوقات کسی اثر کے ظاہر ہونے پر وہ خود متحیر ہوجاتے ہین اور چونکہ اُنکے ارادہ اور علم کا اُسمین دخل نہین ہوتا ان کو معلوم بھی نہین ہوتا کہ اس طاقت کا تخم خود اُن کے اندر رکھا گیا ہے چنانچہ مسٹر موسز جب ملبند ہوئے ہین تو وہ نہین سمجھے کہ یہ اُن کا اپنا فعل ہے بلکہ اس اثر کو اور نیز اپنے تمام تجربون کو تمام عمر مُردہ ارواح کا اثر مانتے رہے۔ اسی طرح جب وادی ایمن کے مسافر کو (علیہ السلام) اُنکی استعداد کامل ہونے پر جلوہ ربانی نظر آیا ہے اور لکڑی کو سانپ کیطرح لہرانے کی وحی اور اسکا تجربہ ہوا ہے تو وہ خوف سے بھاگنے لگے۔

فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۤنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا	پس جب دیکھا اُسے ہلتا ہوا گویا وہ سانپ ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے۔
(نمل پارہ ۱۹ ع ۴۔ قصص پارہ ۲۰ ع ۴)	

✝ رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ ماہ جنوری ۱۹۰۶ء

باب پنجم

معراج اور معجزہ کے متعلق مزید توضیح اور معجزہ کا فائدہ

معجزہ سلسلہ علت و معلول کے ماتحت ہے - اسلام اور قانون قدرت - معجزہ خدا کی طرف کیوں منسوب ہوتا ہے
مذہب کی طرف سے اسباب و علل کی تفصیل ہونے پر ہدایت کی غرض فوت ہو جاتی ہے - تمام واقعات کے
اسباب معلوم نہیں ہو سکتے - سبب معلوم نہ ہونے پر عقل کیا عمل کرتی ہے - مذہب کیا عمل کرتا ہے - معراج کے
متعلق کیا یقین ہونا چاہیئے - بالعموم معجزہ کے متعلق یہی یقین کافی ہے - معجزہ کو دعوی نبوت سے کیا
تعلق ہے - معجزہ خاص حالات میں مفید ہوتا ہے - بنی اسرائیل کی کمزوری اور اسکی وجہ - دائمی
مذہب کے لیئے معجزہ کے سوا کوئی اور ثبوت ہونا چاہیئے - عقلی ثبوت پر اعتراض اور اس کا جواب - عقل
مختلف مذاہب کی نزاع میں فیصلہ دے سکتی ہے - عقلی ترقی سے مذہب کو استحکام ہوتا ہے -

معجزہ سلسلہ علت و معلول کے ماتحت ہے -

ابھی تک معراج اور اس کے ضمن میں معجزہ کے متعلق وہی مسلک اختیار کیا گیا ہے جس کے پتہ اور نشان عقل کے رہنما نے بتلائے ہیں - لیکن اکثر اشخاص جو معجزہ کو مانتے ہیں وہ اسکو کسی خاص علت و معلول کا نتیجہ نہیں گردانتے بلکہ براہ راست قدرت خداوندی کا اثر مانتے ہیں جو اسکے تمام معینہ قوانین کے خلاف ظہور پذیر ہوتا ہے چنانچہ فادر اے اسرھل لکھتے ہیں[1]

"معجزہ کو ماننے والے خدا کو ایک کارکن ہستی مانتے ہیں جس کا عمل ہر وقت جاری ہے اور اس کا ایک دم کے لیئے غافل ہونا تمام دنیا کی تباہی کا باعث ہے پس اس کا دائمی عمل قانون قدرت ہے اور اس کا گاہ گاہ کا فعل معجزہ مثلاً آکسیجن اور ہیڈروجن کے ملنے سے اگر خدا کا ارادہ ہو تو پانی بن جاتا ہے اور یہ قانون قدرت ہے اور اگر خدا کا ارادہ شامل نہ ہو تو پانی نہیں بنے گا اور یہ معجزہ ہے"

اور بیشک خدا کو ماننے کے تین طریقوں میں سے جو دنیا میں رائج ہیں یعنی وحدت وجود جس میں ایک مطلق

---

[1] رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ - ماہ جنوری ۱۹۰۲ء - خلاصہ -

ہستی کو خدا اور اس کے مختلف مظاہر کو مخلوق مانا جاتا ہے۔ اور ایمان بالصانع جسمین مانا جاتا ہے کہ خدا نے ایک مشین بنادی ہے جو چل رہی ہے اور بنانے کے بعد صانع کا اسمین کوئی دخل نہین۔ اور ایمان بالخالق جسمین مانا جاتا ہے کہ مخلوق کسی وقت اپنے خالق سے بے نیاز نہین ہے۔ ان تینون شکلون مین سے اگر تیسری شکل صحیح ہے اور نیز اگر خدا اپنی ذات اور قدرت مین غیر محدود ہے تو جس طرح ہم اوپر سے آنے والے ایک ذرہ کو اپنے ہاتھ مین لیکر اس کو زمین پر گرنے سے روک سکتے ہین اس لیے کہ کشش ثقل کا جتنا حصہ اس ذرہ کو نیچے کیطرف لارہا تھا۔ ہمارے ہاتھ کی طاقت اس سے زیادہ ہے اور اس سبب اس وقت کشش ثقل کا عمل نہ کرنا اسکے قانون کا ٹوٹنا نہین ہے بلکہ ایک اس سے بڑی طاقت کا مزاحم ہونا ہے۔ اسی طرح خدا چونکہ سب سے بڑی طاقت ہے اس لیے اس کا دنیا کی تمام طاقتون کا مزاحم ہونا اور اپنے ارادہ سے ان کے قوانین کو کسی خاص وقت کے لیے معطل کرنا خلاف قانون قدرت نہین ہوسکتا۔ اور نیز بیشک مذہبی حیثیت سے خدا کو مدبر عالم جاننا اور ہر کام کو اسی کی قدرت اور ارادہ کا اثر سمجھنا فرض ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جو قاعدے اس نے مقرر کردیے ہین اگرچہ اپنی بالاتر طاقت کو دخل دیکر کسی وقت کے لیے ان کو معطل کردینا خلاف قانون قدرت نہ ہو مگر چونکہ وہ حکیم و خبیر ہے اس لیے خاص اسکی اپنی طاقت کو دخل دینے کا کوئی فائدہ ایسا ہونا چاہیے جو اس عمل کے سوا صورت پذیر نہ ہوسکے۔ اس کے جواب مین کہا جاتا ہے کہ وہ فائدہ بندگان خدا کو ہدایت کرنا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہین کہ خدا کی ذات سے انکار کرنے والے اور بالخصوص اس خاص صورت سے انکار کرنے والے جس صورت پر خدا کو ماننے کے لیے معجزہ لانے والے انبیا تاکید کرتے ہین اور نیز اس کے ساتھ شرک کرنے والے ہر زمانہ مین کثرت سے موجود ہین۔ پس اگر ان کو ہدایت دینے کا فائدہ محض معجزات سے حاصل ہوسکتا ہے تو لازم ہے کہ معجزات کا ظہور ہر وقت ہوتا رہے حالانکہ اگرچہ معجزات ہر مذہب اور ہر قوم مین کثرت سے مروی ہین مگر ہمیشہ ظاہر نہین ہوتے اور زمانے کا بہت بڑا حصہ ان سے خالی گذرتا اور گذر رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی قدرت کاملہ کی حرکت مین آنے کی وجہ محض ہدایت کے سوا کچھ اور ہوگی۔ اور نیز جس طرح پر خدا کی قدرت کاملہ سے بغیر کسی ظاہری سبب کے معجزہ کا ظہور ہوسکتا ہے اسی طرح خدا کی قدرت کاملہ سے بغیر کسی ظاہری سبب کے خلق اللہ کو ہدایت ہوسکتی ہے۔ پس خلق اللہ کو ہدایت کرنے

کرنے کے لئے انبیا کو سبب ٹھیرانا اور انبیا کی تصدیق کے لیے معجزہ کو علت گردانناخود اس دعوی کو تسلیم کرنا ہے کہ اگرچہ ہوتا سب کچھ خدا کی قدرت سے ہے مگر اس عالم اسباب میں اس کے ظہور کے لیے خاص قواعد علت و معلول کا ایک خاص سلسلہ مقرر ہے مثلاً آکسیجن اور ہیڈروجن کے ملنے سے پانی کا بننا خدا کے حکم اور ارادہ پر موقوف ہے مگر اس کے پانی بننے کا حکم جبھی صادر ہوتا ہے کہ دونو اپنی معینہ مقدار پر اور مقررہ شرطوں کے ساتھ جمع ہوں۔ اور ان کے جمع ہونے پر اس کا پانی نہ بننے کا حکم اسی وقت ہوتا ہے جب انکی معینہ مقدار میں تفاوت ہو یا شرطیں جو پانی بنانے کیلیے اس نے مقرر کی ہیں وہ موجود نہ ہوں۔ اسی طرح جسم کو آگ میں ڈالنے پر اس کا نہ جلنا یا جسم کا بغیر جسمانی اسباب کے بلند ہونا اگرچہ ہے خدا کی قدرت سے مگر ایک وقت میں ایسا اثر ظاہر ہونے کے لیئے اور دوسرے وقت میں ایسا نہ ہونے کے لیئے بھی مقرر ہونی [illegible] وجہ ہے اور وہ یہی ہے کہ ظاہر ہونے کے وقت کوئی خدا کا بندہ ایسا صاف باطن موجود ہوتا ہے جسکی ان روحانی طاقتوں میں سے [illegible] رکھتے ہم دیکھ رہے ہیں کوئی طاقت ایسی قوی ہو جاتی ہے کہ وہ جسم پر حکومت کرسکتا [illegible] وقت وہ صفائی جو اسکی روح میں پیدا ہوتی ہے آئینہ بن کر اور وہ نور جو خدا کی [illegible] ت کاملہ کا [illegible] ہر وقت تابان ہے آفتاب بن کر دونوں باہم متصل ہو جاتے ہیں اور [illegible] جسام پر [illegible] کی ویسی ہی طاقت پیدا ہو جاتی ہے جو بلا تشبیہ ڈیڈی امیٹر کے اوپر [illegible] لنے سے [illegible] نے پیمانہ پر اس کے اندر کا پنکھا چلنے میں ظاہر ہوتی ہے۔ غرض اس اثر کو خدا کی [illegible] کا اثر کہو یا انسان کی روحانی طاقت کا کرشمہ مطلب وہی ہے کہ ہوتا سب کچھ خدا کی قدرت سے ہے مگر اس کے ہونیکے واسطے انسان کی روحانی طاقت ایک سنت اور قانون ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

بامر تجلیہ

راپارہ ع ا

بسنتکہ کی آیاتہ

اسلام اور قانون قدرت

معلوم نہیں دنیا کے اور مذاہب اور ان کی آسمانی کتابیں اس بارہ میں کیا فیصلہ دیتی ہیں مگر اسلام اور اس کی آخری کتاب یعنی قرآن کو دیکھا جائے تو اس میں بار بار اور بتصریح مذکور ہے کہ خدا قادر مطلق ہے مگر دنیا میں اس کے تمام افعال خاص سنت اور خاص طریقہ پر جاری ہیں اور بغیر معین روش اور مقدار کے اسکی قدرت کا ظہور نہیں ہوتا۔ مثلاً ارشاد ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (حجر پارہ ۱۴ ع ۲)

اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں مگر ہم انکو نہیں اوتارتے مگر ایک معین مقدار پر۔

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۸)

یہی طریق ہے ان انبیا کی نسبت جن کو ہم نے تم سے پہلے بھیجا ہے اور تم خدا کی سنت میں تبدیل نہ پاؤ گے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (روم پارہ ۲۱ ع ۴)

یہ خدا کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ خدا کی پیدائش میں تبدیل نہیں۔ یہی مضبوط رستہ ہے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا (احزاب پارہ ۲۲ ع ۵)

یہی خدا کا دستور ہے ان لوگوں کی نسبت جو پہلے گذر چکے اور خدا کا حکم مقرر اندازہ پر ہے۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (فاطر پارہ ۲۲ ع ۵)

پس وہ نہیں دیکھتے مگر گذشتہ لوگوں کے طریق کو پس تم خدا کے دستور میں تبادل نہ پاؤ گے۔ اور خدا کے دستور میں انقلاب نہ پاؤ گے

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (فتح پارہ ۲۶ ع ۳)

یہ خدا کا دستور ہے جو [illegible] اس اسکی اپنی تم خدا کے دستور میں تبدیل نہ پاؤ گے [illegible] کے جواب میں

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (ق پارہ ۲۶ ع ۲)

میری بات بدلی نہیں جاتی [illegible] اور کرنے والے اور نہیں ہوں۔ [illegible] والے انبیا کیہ

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (قمر پارہ ۲۷ ع ۳)

ہمنے ہر چیز کو اندازہ [illegible] اس کے ہدایت دینے کا

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (طلاق پارہ ۲۸ ع)

خدا نے ہر چیز کے [illegible] اگرچہ معجزات ہر مذہب تبدیلی نہیں [illegible]

معجزہ خدا کی طرف کیوں منسوب ہوتا ہے۔ — معجزات کی روایتوں کو مذہبی نظر سے دیکھنے کو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے مثلاً کہا جاتا ہے خدا نے آگ کو جلانے سے روک دیا" اور اس سے سمجھتے ہیں کہ یہ واقعہ بغیر کسی ظہور پذیر ہوا ہے۔ مگر یہ دھوکا عام طریق ہدایت پر غور نہ کرنے سے ہوتا ہے ورنہ مذہب [illegible]

ہی خالی گذرتا اور اسلام اور قانون [illegible] ہدایت کے سوا کیا فیصلہ دیتی ہے مذکور ہے [illegible] ہو سکتا ہے اسی ہیں اور [illegible] کو ہدایت کرنے

بلانا اور اس تک پہونچنے کے وسائل بتاتا ہے اور غافلوں کو اس مدعا کی طرف متوجہ کرنے کے لیئے مظاہر قدرت کو ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور چونکہ ہر چیز کا مبدء اور خالق وہی ذات باری ہے اس لیے اُن کو یاد دلوایا جاتا ہے کہ جو ذات ان مظاہر اور اشیا کی خالق ہے وہی سب کی انتہائے مقصود ہونی چاہیئے چنانچہ ہواؤں کے چلنے کے لیے۔ بارش کے برسنے کے لیے۔ زمین سے نباتات اُگنے کے لیے۔ آفتاب و ماہتاب کی حرکت کے لیے انسان اور حیوان کی شکل صورت اور زبان مختلف ہونے کے لیے خاص اسباب و علل کا ایک طویل سلسلہ معیّن ہے مگر کہا جاتا ہے کہ خدا ہواؤں کو چلاتا ہے۔ بارش برساتا ہے زمین سے نباتات اُگاتا اور تمام مظاہر قدرت کو پیدا کرتا ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۞ (یونس پارہ ۱۱ ع ۱)

خدا وہ ذات ہے جس نے آفتاب کو روشنی اور ماہتاب کو نور بنایا اور اس کے لیئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم سالوں کی تعداد اور ان کے حساب سے آگاہ ہو۔ خدا نے جو پیدا کیا ہے تو حق کیا ہے۔ بیکار نہیں کیا۔ اور وہ جاننے والوں کے لیے اپنے نشانات کی تفصیل کرتا ہے

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ؕ (روم پارہ ۲۱ ع ۳)

اور اُس کے نشان ہیں آسمان و زمین کی پیدائش اور تمہاری زبان اور تمہارے رنگوں کا اختلاف۔ بیشک اس میں اہل علم کے لیے بڑے نشان ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ...... فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (روم پارہ ۲۱ ع ۶)

اور اس کے نشان ہیں جو وہ ہوائیں بھیجتا ہے تاکہ خوشخبری دیں تاکہ تم اُس کی رحمت کا لطف اٹھاؤ اور تاکہ اُس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل یعنی معاش تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو...... خدا کی رحمت کے نشانوں کو دیکھو وہ زمین کو مُردہ ہونے کے بعد کیونکر زندہ کر دیتا ہے بیشک وہی مُردوں کو زندہ کرنیوالا ہے اور وہ ہر بات کو کیا ہے اس پر قادر ہے

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ۱ (شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۳)

اور وہی ہے جو بارش اُتارتا ہے اس حال میں جبکہ لوگ ناامید ہو چکتے ہیں اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہ دوستی کے قابل اور تعریف کے قابل ہے۔

پس اسی محاورہ کے موافق جس طرح پر یہاں بارش اور ہوا وغیرہ کے تمام درمیانی اسباب اور علل کو ذکر نہیں کیا جاتا معجزات کے بارہ میں بھی اُن کے اسباب اور طریق ظہور سے اعراض کیا جاتا ہے اس لیئے کہ غرض اُن کے ذکر سے بھی ان مظاہر کی علت اُولیٰ کو یاد کرنا ہے اور جس طرح فلسفیانہ دماغ کے لوگ ہوا اور بارش کے مضمون کو یون ادا کر سکتے ہیں کہ ایسا قانون بنانے والا جس سے بارش اور ہوا باعث رحمت ہوتے ہیں بہت بڑا قابل عظمت ہے۔ اسی طرح معجزات کے ذکر سے تسکین حاصل کی جاتی ہے کہ ایسی طاقتون کو پیدا کرنے والا جن سے ایسے عجیب افعال صادر ہوتے ہین بہت بڑا صاحب قدرت ہے۔

مذہب کیطرف سے اسباب و علل کی تفصیل ہونے پر ہدایت کی غرض فوت ہو جاتی ہے۔

اور دوسرے اگر مذہب معجزات اور دیگر مظاہر قدرت کے اسباب بیان کرنا بھی اپنا فرض گردانتا تو اول تو ان پیچیدہ مسایل کے ذکر سے الہامی کتابین بجائے روحانی ہدایت کے فزی آلوجی اور رسائی کالوجی وغیرہ کی کتابین بنجاتین اور اصلی غرض یعنے توجہ الی اللہ فوت ہو جاتی۔ اور دوسرے جس زمانے مین انسانی عقول کسی واقعہ کا اصلی سبب سمجھنے کی طاقت و استعداد نہین رکھتیں اس وقت کے لوگون کے لیے ان اسباب کا ذکر فضول ہوتا بلکہ جُہلا اور کم علم لوگون کے لیئے جنکی تعداد ہر زمانے مین عُلما اور فلسفیون سے زیادہ ہوتی ہے یہ تعلیم اور اُلجھن پیدا کرتی۔ آفتاب و ماہتاب کی گروش اور کسوف و خسوف کے اسباب کا ذکر وحشی قومون کے واسطے ایک طرف متمدن ممالک کی عام لوگون کیلئے بھی محض بے سود ہوتا۔ روحانی طاقتون کے قاعدے آج سے سو برس بیشتر تمام دنیا کی سمجھ سے بالاتر تھے۔ غرض نظام عالم کو دیکھتے ہوئے اور مظاہر قدرت اور معجزات کے ذکر سے جو غرض ہے اُسکو لحاظ رکھتے ہوئے یہ یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک تو اسباب کا ذکر مذہب کے لیئے غیر ضروری اور اُسکی غرض کو فوت کرنے والا ہے اور دوسرے یہ کہ دُنیا عالم اسباب ہے اور یہان کا کوئی فعل بغیر کسی علت کے اور بغیر خاص طریق ظہور کے جس کو قانون قدرت یا سُنّۃ اللہ کہتے ہین

پیدا نہین ہوتا -

تمام واقعات کے اسباب معلوم نہین ہو سکتے -

فادر ھل یہ درست فرماتے ہین کہ تمام معجزات مسمرزم وغیرہ کے اصول پر حل نہین ہو سکتے - اور بیشک دُنیا کے تمام مذاہب مین خواہ کسی کی بنیاد فلسفیانہ اُصول پر ہو یا الہامی تعلیم پر معجزات اس کثرت سے اور اس اختلاف انواع سے مروی ہین کہ سب کے لیئے خاص اصول اور قوانین کی تلاش انسان کے لیے کم از کم اس وقت تک ناممکن ہے اور یہ بھی ضرور ہے کہ اکثر بلکہ تمام مذاہب مین ماننے والون کی خوش اعتقادی یا طرز ادا کی وجہ سے بہت سے غلط واقعات بھی معجزات مین شامل ہو گئے ہونگے - یا ایسے واقعات جو معمولی قواعد جسمانی کے مطابق ظہور پذیر ہوے ہون معجزہ کی شکل مین بیان کر دیے گئے ہونگے - مگر عقل یہ دعوی کبھی نہین کر سکتی کہ تمام قوانین قدرت معلوم ہو چکے ہین تاکہ جو واقعہ معلومہ قوانین کے مطابق حل نہ ہو سکے اسکو غلط کہدین یا براہ راست قدرت خداوندی کا ظہور مانین - اور دوسری جانب مذہب یہ دعوی نہین کرتا کہ تمام رطب و یابس اور صحیح و غلط روایات کو یکسان سر آنکھون پر رکھ لیا جائے - بلکہ ایسے موقع پر جو کام عقل کیا کرتی ہے مذہب اس سے زیادہ احتیاط کے ساتھ چلنے کو کہتا ہے -

سبب معلوم نہ ہونے پر عقل کیا عمل کرتی ہے -

عقل مظاہر جسمانی کو دیکھتی ہے ان کے اسباب تلاش کرتی ہے آج ایک سبب پر یقین ہوتا ہے کل وہی واقعہ اور شکل مین پیش ہوتا ہے اور دوسرا سبب تلاش کرنا پڑتا ہے اور اس طرح غلطی پر غلطی کرتی ہوئی کبھی واقعی سبب تک پہونچ جاتی ہے اور کبھی عجز کا اعتراف کرنا پڑتا ہے - اور جہان واقعی سبب دریافت کرنیکا دعوی کیا جاتا ہے - وہان بھی اکثر احتمال باقی رہتا ہے - زمین تک حرارت اور روشنی پہونچنے کا سبب آفتاب کو گردانا گیا ہے مگر روشنی اور حرارت کی رفتار اور اسکے زمین تک پہونچنے کی وجہ دریافت نہین ہو سکی اور کہا جاتا ہے کہ ایتھر کو فضا مین پھیلا ہوا مانکر بھی یہ مسئلہ اَن نوایبل یعنے ناقابل فہمید ہے - سونا - چاندی اور بعض دیگر معدنیات تحلیل نہین ہو سکتین اس کا سبب یہ کہ عنصر ہین مگر ابھی احتمال باقی ہے کہ شاید تحلیل نہ ہونیکا سبب آلات کا نقص ہو اور واقع مین یہ چیزین عنصر نہ ہون - یہان تک کوشش کر چکنے کے بعد جو واقعات یقینی معلوم ہوتے ہین اُن کے

واقع ہونے پر یقین کیا جاتا ہے اور سبب کو کبھی پاس اور کبھی طول امل کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اور دوسری جانب مذہب مظاہر جسمانی کے ساتھ مظاہر روحانی اور اُن کشفی کیفیتوں کا بھی ذکر کرتا ہے جو عارفان الٰہی کو ان کی استعداد کے موافق وقتاً فوقتاً پیش آتے ہیں اور جن کو سمجھنا انسانی عقل کے لیے ناممکن ہے۔ مگر وہ غلطیوں کا لمبا سلسلہ جو جسمانیات کی تلاش میں عقل کے لیے ضروری اور اس کو ترقی دینے والا ہے مذہب کے نزدیک غیر ضروری اور اسکی غرض کے منافی ہے۔

مذہب کا عمل کیا ہے؟

مذہب نے اپنی تعلیم کو دو حصوں پر تقسیم کیا ہے۔ ایک وہ امور ہیں جن کو بجا لانے کا یا ان سے پرہیز کرنے کا حکم ہے اور ان کو اصطلاح مذہب میں محکمات کہتے ہیں۔ اور دوسرے وہ امور جن سے محض قدرت خداوندی کا اظہار اور انسان کو توجہ الی اللہ کی ترغیب دینا مقصود ہے اور ان کو متشابہات کہا جاتا ہے کیونکہ ایسے امور خواہ بارش اور ہوا کی طرح معمولی اسباب سے پیدا ہوتے ہوں یا مخفی اور نامعلوم علتوں سے۔ اختلاف زمانہ سے اُن کے اسباب کے متعلق بہت توجیہیں ایک دوسرے کے متشابہ پیدا ہو سکتی ہیں اور روحانی اور کشفی امور کی نسبت بے شبہ ہر وقت ابہام اور اشتباہ رہتا ہے اور کبھی یقینی سبب دریافت نہیں ہو سکتا۔ پس مذہب محکمات کو تفصیل سے ذکر کرتا ہے اور متشابہات کی نسبت کوئی توجیہ قایم کر کے اس پر اصرار کرنے سے روکتا ہے۔ کیونکہ اگر توجیہ تلاش کی جائے اور وہ غلط ہو۔ اور کشفی امور میں عقلی توجیہات کا نظر باکثر حالات غلط ہونا اغلب ہے، تو اس پر عمداً اصرار کرنا فتنہ و فساد پیدا کرتا ہے اور ناوانستہ یقین کرنا غلط کو صحیح تصور کرنا ہے جو تاویل بیجا اور روح کے لئے تاریکی کا باعث ہے۔ پس مذہب کے نزدیک سچے عالم کی یہ شان ہرگز نہیں کہ وہ کسی تاویل پر جو اسکے اپنے ذہن سے پیدا ہوئی ہے۔ اصرار کرے بلکہ اس کا فرض ہے کہ جن واقعات کو وہ اپنی علمی یا مذہبی شہادت سے درست سمجھتا ہے انکو بالاجمال مانکر ان کی یاد اور ذکر سے دل پر خدا کی عظمت اور قدرت کا نقش جمائے اور یہ کہ اس واقعہ کی علت کیا ہے اس کی تفتیش علم خدا پر چھوڑے۔

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ

خدا وہ ذات ہے جس نے تم پر کتاب اُتاری۔ اسمیں سے بعض آیات محکمات ہیں جن پر ہدایت کا مدار ہے اور بعض متشابہات

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿آل عمران پارہ ۳ ع ۱﴾

ہیں پس جن لوگوں کے دل میں شک ہے وہ متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ فتنہ پیدا کرنے کے لیے یا تاویل معلوم کرنے کیلئے۔ حالانکہ اسکی تاویل (توجیہ) خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو پختہ علم رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے۔ اور نصیحت وہی حاصل کر سکتے ہیں جو عقلمند ہوں۔

معراج کے متعلق کیسا یقین ہونا چاہیئے۔

غرض ایک وقت میں قصور استعداد کے سبب کسی غلط سبب پر یقین کرنا عقل کے نیچے اس وقت کیلئے ناز یبا نہیں ہو بلکہ ہمیشہ یونہی ہوتا ہے لیکن مذہب اپنے دائرہ میں اتنی غلطی کو بھی جائز نہیں سمجھتا اور وہ اسیقدر یقین کرواتا ہے جس میں شبہ کی گنجائش نہو مثلاً معراج کی نسبت خواب کا واقعہ۔ روحانی کشفی سیاحت۔ روح کا جسمانی اثر یا اس کے سوا کچھ اور غرض کسی ایک توجیہ پر قایم ہونا اور اصرار کرنا زیبا ہوگا۔ ‡ اور سلیم تر عقیدہ یہی ہو سکتا ہے کہ غایت کمال انسانی اور توجہ الی اللہ کے نہایت استغراق سے کسی قسم کا انکشاف ہوا ہے جس کی حقیقت خدا کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں۔

بالعموم معجزہ کے متعلق یہی یقین کافی ہے۔

اور یہی مسلک ہر مذہب کے لیے اُن معجزات کے متعلق ہو سکتا ہے جو اس مذہب کے معتبر اور قابل وثوق روایتوں سے ثابت ہوں کہ محض واقعہ کو مانکر عظمت خداوندی

‡ اور ہم دیکھتے ہیں کہ جو روایات معراج کے متعلق قطعی طور پر مروی ہیں اُن میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو کسی خاص صورت پر یقین کرنیکا مؤید ہو مثلاً ان میں ذکر نہیں کہ معراج خاص جسم عنصری سے ہوا محض "خدا نے بندہ کو سیر کرائی" یا "میں گیا اور میں نے دیکھا" اسی کے الفاظ ہیں۔ اور ان لفظوں سے روح مع جسم بھی مراد ہو سکتی ہے اور صرف روح کا ذکر بھی انہی الفاظ سے کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ہم اکثر اپنے خواب بیان کرتے ہیں۔ تب بھی اس مشاہدہ کو جو جسمانی نہیں ہوتا یونہی ادا کرتے ہیں کہ میں نے یہ خواب دیکھا اور میں وہاں گیا اور اسی طرح یہ لفظ کہ "ہم نے جو تم کو خواب دکھایا ہے وہ ایک آزمائش ہے" اس سے بھی یہ ثابت کرنا زبردستی ہے کہ وہ خاص خواب ہی کا واقعہ تھا کیونکہ کوئی عجیب اور دلچسپ نظارہ جو تھوڑی دیر کے لیئے نظر آئے اس کی نسبت یوں اکثر کہنا عام محاورہ ہے کہ "ایک خواب تھا جو دیکھ لیا"

کا خیال قایم کیا جاوے اور واقعہ کی کیفیت کہ وہ روحانی اثر سے ہوا یا معمولی جسمانی ذریعہ سے یا کسی اور طرح پر۔ اس تفتیش کو اپنے عقیدہ مین دخل نہ دیا جائے۔ اس لیے کہ قدرت خداوندی کا یقین ایک ذرہ سے لیکر کسی بڑے آسمانی کرہ تک کے ہر ایک معمولی اور غیر معمولی واقعہ سے ہوسکتا ہے مثلاً دشمن سے بھاگنے والے قافلہ کو دریا سامنے آجانے پر اپنی گرفتاری اور موت کا یقین ہوگیا ہے اور ساتھ ہی کسی طرح دریا سے گذرنے کا رستہ پالیا ہے اور پار چلے جانے پر جب دشمن اسی رستہ سے عبور کرنے لگا ہے تو دریا کے چڑھاؤ نے اُسے غرق کردیا ہے۔ اس واقعہ مین دریا کا رستہ دینا خواہ روحانی طاقت کا اثر ہو جس سے اشارہ کرتے ہی پانی کی حرکت رُک گئی اور جا بجا رستے پیدا ہوگئے۔ یا معمولی اتفاق ہو کہ دریا مین لکڑی ٹیکتے ہی جزر کے اثر سے کئی جگہ پانی پایاب ہوگیا ہو اور بعض بعض گردابون مین ابھی پہاڑ جیسی لہرین پڑ رہی ہون اور دشمن کے عبور کرنے کے وقت پھر مد پیدا ہوکر سطح ہموار ہوگئی ہو۔ ہر طرح پر ایسے نازک وقت مین مغلوب کا رہائی پانا اور غالب کا تباہ ہونا قدرت خداوندی کا بڑا کرشمہ ہے اور انسان کے لیے یہ واقعہ ہر طرح خدا کی طرف توجہ کرنے کا محرک ہے۔ پس ان دونون توجیہون یا اور ایسی چند تشریحون مین سے کیون کسی ایک پر یقین کیا جائے جبکہ مدعا ہر طرح حاصل ہوسکتا ہے اور کیون نہ کہا جاوے وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ ۘ اٰمَنَّا بِہٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا۔

معجزہ کو دعوی نبوت سے کیا تعلق ہے۔ معراج کو دعوے نبوت کی شہادت مین پیش نہین کیا گیا۔ بلکہ اسکی تفصیل بطور ایک واقعہ کے اپنے دوستون مین بیان کی گئی ہے اور کلام ربانی مین اس کا مجمل اشارہ اظہار قدرت کے طور پر ہوا ہے اور اس لیے اس کو مشہور اصطلاحی معنون مین معجزہ نہین کہہ سکتے۔ مگر دیگر عجیب واقعات جو اسی قسم کے مخفی اسباب سے ظہور پذیر ہوتے رہے ہین ان کو بیشک اکثر جگہ بطور شہادت کے پیش کیا گیا ہے اور اس لیے عام طور پر معجزہ الٰہی فوق العادت افعال کو کہتے ہین جو ثبوت نبوت کیلیے پیش ہون۔ پس اگر معجزات کو روحانی طاقت اور دیگر معینہ قوانین قدرت کا اثر مانا جاوے تو سوال ہوتا ہے کہ اس سے دعوی نبوت کیونکر ثابت ہوگا؟ کیونکہ اگر کوئی شخص جسمانی طاقت کی ایسی مشق بہم پہونچاوے کہ اپنے زمانہ کے تمام پہلوانون سے بڑھ جائے تو اس سے لازم نہین آتا کہ وہ

شخص صادق القول با دیانت اور اپنی تعلیم مین قابل تسلیم بھی ہے۔ اسی طرح جو شخص روحانی مشق مین ایسا فائق ہوگیا ہے کہ اور کسی شخص سے اُس جیسے افعال سرزد نہین ہو سکتے تو کیونکر لازم آتا ہے کہ مذہب کے متعلق بھی اُسکی باتین راست اور قابل پذیرائی ہین۔

اس کشش و پنج مین پڑکر مخالفین کی طرف سے ایک طرف تو یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اُس شخص کی صداقت کے لیئے جو اپنے تئین فرستادہ خدا اور اپنی تعلیم کو حکم خدا بتاتا ہے ضرور ہے کہ اس کو ایسے نشان دیئے جائین جو تمام قوانین معینہ سے پرے اور محض قدرت خداوندی کا اثر ہون۔ تا کہ ثابت ہو کہ جب خدا نے اُسے بھیجا ہے تو اپنی خاص قدرت کو گواہ بنا کر اُس کے ساتھ کر دیا ہے۔ اور دوسری طرف جب قدرت خداوندی کا بے واسطہ ظاہر ہونا ثابت نہین ہوتا تو نبوت کے وجود سے انکار کیا جاتا ہے چنانچہ ڈاکٹر جان ایس مل اپنے تیسرے مضمون مین اسی بنا پر وحی کی تردید کرتے ہین مگر ان دونون مقدمات مین سے دوسرا مقدمہ بیشک صحیح ہے اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے نظام عالم سے ثابت ہوتا ہے کہ سنت اللہ معین اور مقرر ہے اور اُس کے خلاف ہرگز نہین ہو سکتا۔ لیکن پہلا دعوے کہ ثبوت نبوت کے لیے فوق العادت نشان ہونا چاہیئے اور معینہ قوانین قدرت کے مظاہرہ یہ خدمت ادا نہین کر سکتے کسی قدر غلط ہے۔

معجزہ خاص حالات مین مفید ہوتا ہے۔

دُنیا کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اقوام انسانی کی حالت اپنے آغاز و انجام مین افراد انسانی سے بہت کچھ مشابہ ہے جس طرح پر ایک بچہ نہایت بے شعوری کی حالت سے ترقی کرتا ہوا کامل عقل و شعور تک پہونچتا ہے اسی طرح سے قومین بھی ابتدائی وحشیانہ حالت سے بتدریج تہذیب تک پہونچتی ہین اور جس طرح پر بچہ ابتدا مین عجیب باتون کا مشتاق ہوتا ہے اور ہر کام مین ان لوگون کی تقلید کرتا ہے جو طاقت مین اس سے برتر ہون۔ اور پھر جس جس قدر عقل و تمیز مین بڑھتا جاتا ہے عجائب پرستی اور تقلید کو چھوڑ کر عقل کی رہنمائی کو قبول کرتا جاتا ہے۔ اسی طرح سے اقوام انسانی بھی ابتدا سے تہذیب مین عقل و شعور سے عاری ہوتی ہین اور گرد و پیش کے مناظر قدرت کو دیکھ کر نہ اُن سے عاقلانہ علمی نتائج پیدا کر سکتی ہین اور نہ عارفانہ روحانی تسکین پا سکتی ہین۔ اُم ایکا

منتہائے نظر صرف یہی ہوتا ہے کہ جس چیز کو عام اشیاء سے ممتاز اور عجیب پاتے ہیں بچوں کی طرح اُسی کیطرف جُھک جاتے ہیں۔ کسی درخت کو عام نباتات میں کسی صفت میں ممتاز پایا اسی کیطرف جُھک گئے کسی جانور میں کوئی عجیب خاصیت دیکھی اُسکی پوجا کرنے لگے۔ یا کسی انسان میں اپنے سے زیادہ قدرت دیکھی اسی کا دامن پکڑ لیا۔ غرض اس طرح ابتدائی حالت سے ترقی کرتے کرتے بتدریج عقل و شعور اور وجدان و معرفت تک پہنچتی ہیں۔ اور نیز زمانے کی ترقی سے جُہلا کی تعداد اگرچہ اب بھی ہے مگر کم ہوتی جاتی ہے اور گذشتہ زمانے میں ایسی قومیں اور ایسے افراد بکثرت موجود تھے۔ چنانچہ اُس زمانے کی عجائب پرستی اور تقلید کی وجہ سے معمولی جادوگروں اور فسوں سازوں کی وہ پرستش ہوتی تھی جس کی آج خدا کے واسطے بھی توقع نہیں کی جاتی۔ پس ایسے وقت اور ایسی قوم میں جو شخص وحی والہام کی دولت لیکر آتا تھا اور لوگوں کو راہ راست دکھانا چاہتا تھا مگر لوگ نہ اسکی عرفانی قدر و منزلت کو سمجھ سکتے تھے اور نہ عقل و شعور سے اسکی تعلیم کو پرکھ سکتے تھے تو ان دنوں حالات ایسی قوم کو راہ راست پر لانے کا صرف وہی طریق ہو سکتا تھا جو بچوں کو عقل و شعور سکھلانیکے لیے برتا جاتا ہے اور خوش قسمتی سے آج ہم کو اس مثال کی وضاحت کے لیے جو سامان میسر ہے وہ پہلے حاصل نہ تھا۔ ہمیشہ سے بچوں کو بچپن کے زمانے سے عقل و شعور کی باتیں فلسفیانہ نکتہ سنجی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش ہوتی رہی ہے مگر چونکہ ان کے دماغ اس تعلیم کے لیے تیار نہیں ہوتے اسلیے مار پیٹ اور جبر و تشدد و بچپن کی تعلیم کا جزو اعظم رہا ہے اور پھر بھی نتیجہ بہت دیر میں اور بہت ناقص پیدا ہوا کرتا تھا لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ کنڈر گارٹن کے نام سے بچوں کو انہی عجائبات سے تعلیم دینے کا طریق رائج ہوتا جاتا ہے جن کی طرف وہ بالطبع راغب ہوتے ہیں۔ چنانچہ رنگین اور خوشنما کھلونوں سے انکو عقل و شعور کی باتیں سکھائی جاتی ہیں اور باوجود کہ ابھی اس طریق کی ابتدا ہے مگر بہت کچھ کامیابی ہوگئی ہے۔ رنگ برنگ کی گولیوں سے حساب کے ابتدائی قاعدے۔ لکڑی کے مختلف ٹکڑوں سے ہیئت کی ابتدائی شکلیں۔ تصویروں اور ان کے ناموں سے حروف ابجد کی مشق چھوٹی عمر میں ایسی خوبی سے ہو جاتی ہے کہ پُرانی طرز تعلیم سے بہت مدت میں ذہن نشین ہوتی تھی پس یہ طریقہ جو دنیا داروں نے آج زمانہ کی بہت سی الٹ پھیر کے بعد سیکھا ہے خدا کے بھیجے ہوئے اُستاد نہایت تاریک زمانے میں اس سے کام لیتے رہے ہیں۔ اور چونکہ اس زمانے والے اپنی گرد و پیش کی چیزوں سے جن کو

روزمرہ دیکھتے تھے خدا کی قدرت کا نتیجہ نہین نکال سکتے تھے اس لیئے وہ اوستاد اپنی روحانی طاقتون کے کرشمے دکھا کر ان کو خدا کی طرف متوجہ کرتے تھے اور چونکہ توجہ الی اللہ کی برکت اور جسمانیات سے روکش ہونے کے سبب اُن کی روحانی طاقت اُن جادوگرون اور فسون سازون سے زیادہ ہوتی تھی جو مصنوعی طور پر اس طاقت کی مشق کرتے تھے اس لیئے ان لوگون کی قدرت اُن کے تمام ہمعصر قدرت والون پر غالب آجاتی تھی۔ اور وہ بچون جیسی ناسمجھ قوم اپنی عجائب پرستی اور بڑی قدرت والون کا دامن پکڑنے کی عادت کے سبب اُنکی ہدایت سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔ پس صرف قرین قیاس بلکہ امر واقع ہے کہ مخفی طاقتون کے کسی نادر نظارے سے ایسے لوگ قدرت خداوندی کے معترف ہوئے ہین اور یہ کہ جس قوم اور جس ملک مین عجائب پرستی کی عادت زیادہ ہوتی ہے اسی قوم اور ملک مین ان لوگون کی طرف سے جن کی تعلیم اپنے زمانہ کے موافق توجہ الی اللہ اور مذہبی اصول سے معمور رہے معجزات بھی کثرت سے ظاہر ہوتے ہین۔

پس ان حالات کو دیکھتے ہوئے کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ روحانی طاقتون کا ظہور ہر جگہ ثبوت نبوت کے لیئے ناکافی سبب ہے جبکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ نہ صرف معجزات کا آنکھون سے دیکھنا بلکہ اُن کا قابل وثوق اور معتبر اشخاص کی زبان سے سننا بھی اکثر انسانون کو تسکین دینے کا باعث ہوتا ہے چنانچہ آج تک لکھوکھا مردم اپنی اپنی مذہبی ہدایتون پر اس لیئے قائم ہین کہ وہ اپنے پیشواؤن سے معجزات کا ظہور سنتے آتے ہین۔ یہ ضرور ہے کہ ایسے لوگ جہان ایسی طاقتون کا ظہور دیکھ کر ہدایت کیطرف آجاتے ہین وہان کسی گمراہ اور دھوکے باز کی طرف سے کوئی کرشمہ دیکھ کر نہایت جلدی اُس طرف بھی جھک جاتے رہے ہین چنانچہ سامری کے شعبدے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے مین بہت لوگون کو بہکا دیا۔

بنی اسرائیل کی کمزوری اور اسکی وجہ اور اس کے علاوہ بھی بنی اسرائیل اکثر اپنے پیشواؤن اور پیغمبرون سے برگشتہ ہوتے رہے ہین اور اکثر انبیا اُن کے ہاتھ سے قتل بھی ہوئے۔ ڈاکٹر ھل مذہب کی برکتون سے انکار کرتے ہوئے بنی اسرائیل کی اس عادت کو نظیر مین پیش کرتے ہین اور کہتے ہین ؛+

+ ایسسے ۲ خلاصہ صفحہ ۸۸ ۱۸۷۳ء

"اگر مذہب مین نیک اخلاق اور عادات پیدا کرنے کا وصف ہوتا تو بنی اسرائیل جنکی نسبت سب سے زیادہ براہ راست خدائی حکومت کے زیر اثر ہونیکا دعوی کیا جاتا ہے مذہبی احکام سے ایسے برگشتہ نہ ہوتے کہ اُن کی نسبت اُن کے پیغمبر اور مورخ ہمیشہ شکایت کرتے رہے ہین کہ اُنھون نے مذہبی ہدائتون کی طرف سے اپنے کان بہرے کر لیے ہین"

ڈاکٹر مل چاہتے ہین کہ مذہب کی برکت کو جب مانیں کہ مذہب کا اقرار کرتے ہی انسان فرشتہ بنجاے اور کفر کو چھوڑتے ہی ایسی کایا پلٹے کہ ایک دم مین تمام جسمانی خواہشین انسانی فطرت سے نابود ہو جائین حالانکہ نہ مذہب بے سبب اور بے سبب کسی چیز کے وجود مین آنے کا دعوی کرتا ہے اور نہ عقل ہی کسی واقعہ کا بے سبب پیدا ہونا تسلیم کر سکتی ہے البتہ مذہبی عبارت اور نیز عام انسانی محاورہ ایسا واقع ہوا ہے کہ اکثر افعال سبب اول کیطرف منسوب کر دیے جاتے ہین اور درمیانی معنون کو ذکر نہین کیا جاتا مثلاً کہتے ہین کہ بادشاہ نے فلان ملک فتح کیا حالانکہ بادشاہ محض سبب اول یعنی حکم دینے والا ہے اور فتح کرنے کے لیے اس کی فوج سبب قریب ہے جس کو ذکر نہین کیا گیا مگر سننے والا سمجھ لیتا ہے۔ اسی طرح ہم بیشک دعوی کرتے ہین کہ مذہب انسان کو برائیون سے روکتا ہے مگر اسی صورت سے کہ وہ انسان کو نیک و بد افعال سے آگاہ کرتا ہے اور جن امور سے روح روشن اور مجلّی ہوتی ہے انکی مشق کرنے کا حکم دیتا ہے تاریکی بخشنے والے اعمال سے روکتا ہے اور جن لوگون کی طرف مذہب بھیجا جاتا ہے پہلے اُن کو فطری ہدائت طلبی کے سبب اور اگر وہ کسی قوم مین روحانی امراض سے نیم مردہ ہو چکی ہو تو عقلا کو اون کو نظام کائنات سے اور جہلا کو غیر معمولی مظاہر قدرت دکھا کر مذہب کا یقین دلوایا جاتا ہے پھر تعلیم مذہبی کے موافق مشق کرنے سے روح مین جس قدر نور پیدا ہوتا جاتا ہے اسی قدر انسان کو برائیون سے نفرت اور نیکی کی رغبت ہوتی رہتی ہے حتی کہ ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ انسان خیر مجسم ہو جاتا ہے اور برائی سے ویسی ہی نفرت کرنے لگتا ہے جیسی پہلے رغبت کرتا تھا اور ہم وقت اور اس انسان کی نسبت کہہ سکتے ہین کہ مذہب کی برکت مکمل ہوئی۔ اور اس سے پہلے جس قدر روح کی صفائی مین کمی ہے اسی قدر برائیون سے بچنے کی خاصیت بھی نامکمل ہے۔ اور اسی طرح عملی حالت پیدا ہونے سے پیشتر جس قدر یقین حاصل کرنے کے ذرائع مین اختلاف ہے اسی قدر نور حاصل کرنے کی استعداد مختلف ہوتی ہے۔ چنانچہ جو لوگ

فطرت سلیم کی رہنمائی سے مذہب کو قبول کرتے ہیں اُن میں نور حاصل کرنے اور بدی سے بچنے کی استعداد نہایت قوی ہوتی ہے۔ اس سے دوسرے درجہ پر وہ لوگ ہیں جو عقل سلیم کو کام میں لا کر اور نظام کائنات سے کارپرداز کی قدرتوں کو دیکھ کر اُسکی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان سے کمتر وہ لوگ ہیں جو صرف گاہ گاہ پیدا ہونے والے غیر معمولی واقعات کو فعل خداوندی سمجھ کر ایمان لاتے ہیں۔ کیونکہ نظام کائنات کو عقل سلیم سے دیکھنے والے گو ویسے راسخ العقیدت نہ ہوں جیسے وہ لوگ جن کے دل خودبخود مذہب کی طرف راغب ہیں مگر پھر بھی چونکہ وہ قدرت کے تمام مظاہر کو دیکھتے اور سمجھتے ہیں اور خدا کے کاموں سے خدا کے احکام کی مطابقت اور مقابلہ کر کے مذہبی فرامین کی صحت و سقم کو پرکھ سکتے ہیں اس لیئے اُنکا اعتقاد بھی میلان قلب سے پیدا ہوتا ہے اور وہ محبت کے اصول پر ایمان لاتے ہیں۔ برخلاف عجائب پرستوں کے کہ وہ ایک بڑی طاقت کو دیکھ کر اس سے مجبور ہو جاتے ہیں اور ان کا اعتقاد خوف کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور اسی لیے اُن کے اعمال میں وہ محبت اور شوق نہیں ہوتا جو روحانی جلا کے لیے ضروری اور اس کو جلدی پیدا کرنے والا ہے اور اسی لیے ایسے لوگوں کو مذہب کی برکت کم میسر آتی ہے اور بنی اسرائیل اسی قسم کے لوگ تھے کہ ایک عرصہ دراز کی جہالت۔ فراعنہ مصر اور شاہان نینوا کے سامنے غلامانہ حالت میں رہنا اور ساتھ ہی خاندان نبوت میں ہونے کا بیجا فخر اور مقرب خدا اور عذاب الٰہی سے آزاد ہونے کا غلط اعتقاد۔ غرض یہ یا ایسے ہی چند اور اسباب سے ان میں نہ وہ فطری شوق اور میلان ہی باقی رہا تھا جو مذہبی برکات کے لیے ضروری ہے اور نہ عقل سلیم رکھتے تھے جس سے صحیح نتیجہ تک پہنچ کر اپنے اعتقاد کو درست کریں اسلیئے اُنکی ہدایت کے لیے صرف ایک ہی ذریعہ یعنے مخفی طاقتوں کا رعب و داب رہگیا تھا جو اُن کے پیشواؤں نے استعمال کیا۔ اور جیسا کہ اس ذریعہ کا خاصہ ہے ان میں وہ پختگی نہ پیدا ہوئی جو فطرت سلیم یا عقل قویم سے پیدا ہوتی ہے اور اسی لیے اُن سے اکثر اپنے رہنماؤں کے خلاف شورش اور فساد سرزد ہوتا رہا۔

مگر اس علت و معلول کے سلسلہ میں جکڑی ہوئی دنیا کے اندر اُس وقت اور اُس قوم کے لیے کوئی اور ذریعہ ہدایت کا نہ تھا اور گو تمام قوم نے اور قوم کی نسلوں نے راہ راست نہ پایا یا اس پر قایم نہ رہے مگر پھر بھی ان میں سے اکثر افراد اور اکثر نسلیں راہ راست پر آئیں اور مذہبی برکتوں سے فیضیاب ہوئیں

اِس سبب سے کہا جا سکتا ہے کہ مخفی طاقتوں کا ظہور بھی بعض وقتوں میں اور بعض قوموں کے لیے ہدایت اور ثبوت نبوت کا ایک ذریعہ ہے گو دوسرے وقت میں اور دوسری قوم کیلئے اُس سے بہتر کوئی اور ذریعہ بھی ہو۔ اور چونکہ یہ ذریعہ کم درجہ کا ہے اور اس کا قوی اثر رہتا بھی اُسی وقت تک ہے کہ معجزہ دکھلانے والا اور دیکھنے والے زندہ رہیں اس لیے ایسے مذاہب جنکی بُنیاد محض معجزہ پر ہو دائمی نہیں ہو سکتے اور نیز ایسے وقت میں انبیا بھی پیہم اور بکثرت آتے رہتے ہیں کہ اپنی معجز نمائی سے قوم کو تنبیہ کرتے رہیں

دائمی مذہب کے لیے معجزہ کے سوا کوئی اور ثبوت ہونا چاہیئے

لیکن جو مذہب ہمیشہ کیلیے اور تمام دُنیا کے واسطے ہدایت کا مدعی ہو اُس کو بیشک معجزہ پر انحصار نہیں رکھنا چاہیئے کیونکہ دُنیا میں عالم و جاہل ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں سان میں سے عقلا کے لیے گھاس کا ایک پتہ اور خاک کا ایک ذرہ بھی قدرت خدا کا ویسا ہی عجیب کرشمہ ہے جیسا مسیح کا مُردہ کو زندہ کرنا اور کرشن کا ایک وقت میں تین سو ساٹھ مکانوں میں موجود ہونا۔ اور جُہلا کے دل پر معجزہ کا اثر کامل طور پر اسی وقت تک رہ سکتا ہے کہ وہ اُس کو بذات خود ملاحظہ کریں اور مذہبی روایتوں میں معجزہ کا ذکر بیشک کسی قدر مفید ہے مگر انہی لوگوں کے مزید اطمینان کیلیے جو پہلے سے اُس مذہب اور اُس کے بیان کرنے والوں پر ایمان رکھتے ہوں ورنہ اُن لوگوں کے لیے جن کو کفر سے ایمان کی طرف لانا ہو اُن روایتوں کا اثر اور خصوصًا ایسی حالت میں کہ ہر مذہب ان روایتوں سے معمور ہے کوئی اثر پیدا نہیں کرتا پس دائمی مذہب کے واسطے معجزہ کے سوا کوئی اور ثبوت ہونا چاہیئے یا یوں کہیئے کہ ایسا معجزہ ہونا چاہیئے جو ہمیشہ ثبوت مدعا کے لیے کافی ہو۔ اور یہ ثبوت تعلیم کی خوبی اور نظام کائنات سے اُس کی تطبیق کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ مختصر یہ کہ شہادت خود مذہب کے اندر موجود ہونی چاہیئے اور عقل سلیم اس کو پرکھنے والی ہو۔ چنانچہ اسلام میں بار بار مظاہر قدرت پر ایمان کا مدار رکھا گیا ہے مثلاً ارشاد ہے

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

(انبیاء پ۱۷ ع۳)

کیا مذہب کے انکار کرنیوالے نہیں دیکھتے کہ آسمان و زمین باہم ناممتاز تھے ہمنے اُن کو جدا جدا کر دیا اور ہر چیز کی زندگی پانی پر منحصر رکھی۔ پس کیا وہ ایمان نہیں لاتے۔

اور معجزہ کہو یا ثبوت نبوت کی عقلی دلیل جو پیش کیا گیا ہے وہ اپنی تعلیم کا بے نظیر اور سب سے فائق ہونا ہی

وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ (بقرہ پارہ ۱ ع ۳)

اور اگر تم کو شک ہی اس کلام کے بارہ میں جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کی ہی تو اس جیسی ایک ہی سورہ لاؤ اور خدا کے سوا جو تمھارے مددگار ہین ان کو بھی بلا لو اگر تم اس شک مین رہتی ہو۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا (اسراء پارہ ۱۵ ع ۱۰)

کہدو کہ اگر تمام جن اور انسان اتفاق کرین کہ اس قرآن کی نظیر پیدا کرین تو وہ اس جیسا نہ لا سکین گے خواہ بعض بعض کی مدد کرین۔

اور اگرچہ بہت سی مخفی طاقتون کے ظہور بھی پیغمبر اسلام کی ذات بابرکات سی ارادۃً یا بے ارادہ صادر ہوئے ہین مگر وہ شہادت کے طور پر پیش نہین ہوئے۔ بلکہ جب مخالفین نے معجزات طلب کئے ہین تو جواب مین کہا گیا ہے کہ بیشک گذشتہ زمانے مین انبیاء نے معجزات کو دعوی نبوت کے ثبوت مین پیش کیا اور جو کچھ تم کہتے ہو ظاہر ہوا مگر نتیجہ یہی ہوا کہ معجزہ لانیوالون کو ساحر کہا گیا اور انبیا قتل ہوئے غرض یہ کہ وہ شہادت پورے طور پر مفید نہ ہوئی ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَیْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ ... بِالْبَیِّنٰتِ وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ (آل عمران پارہ ۴ ع ۱۹)

بیشک جو لوگ کہتے ہین کہ خدا نے ہم سی عہد کیا ہی کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائین جبتک کہ وہ ایسی قربانی نہ دکھلائے جسکو آسمانی آگ آکر کھا جاے انکو کہدو کہ میرے رسول تمھارے پاس معجزات لیکر اور جو تم کہتے ہو وہ نشان لیکر آئے پس اگر تم سچے ہو تو تمنے انہین کیون قتل کیا۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِیَ مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی اَوَلَمْ یَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ قَالُوْا سِحْرٰنِ

پس جب انکے پاس ہماری طرف سی راستی (قرآن) آئی تو انھون نے کہا کہ انکو ایسے معجزے کیون نہین دیے گئے جو موسی کو دیے گئے تھے مگر کیا اس سی پہلے موسی کے معجزات سی لوگون نے کفر نہین کیا

نَظٰهَرَا وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ○ (قصص پارہ ۲۰ ع ۵)

اور کیا یہ نہیں کہا کہ یہ دو تو جادو ایک دوسرے کے شامل ہیں اور ہم کسی کو بھی نہیں مانتے۔

اور اسی طرح معجزہ طلب کرنے پر ہمیشہ انکار کیا گیا ہے اور کہیں کہا گیا ہے کہ یہ کتاب دیکھو جس میں تمام انبیاء سابقین کی شریعت کا خلاصہ ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى (طٰہٰ۔ پارہ ۱۶ ع ۸)

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص ہمارے پاس اپنے خدا کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں لاتا۔ لیکن کیا ان کے پاس ایسی کتاب نہیں لایا جو گذشتہ کتابوں کی تشریح کرنے والی ہے۔

اور کہیں فرمایا گیا ہے کہ ہر ایک نبی اپنے اپنے وقت کے مناسب ذریعہ ہدایت لیکر آیا کرتا ہے چنانچہ یہ نبی بھی اپنے زمانہ کے موافق (عام مناظر قدرت سے) لوگوں کو سمجھانے اور ڈرانے آیا ہے۔

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ○ (رعد پارہ ۱۳ ع ۱)

کفار کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں اُترا مگر بات یہ ہے کہ تم بھی ایک پیغمبر ہو اور ہر قوم کے لیئے جدا جدا ہادی ہوتے ہیں۔

فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ○ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ..... لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (انبیاء پارہ ۱۷ ع ۱)

وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص ہمارے پاس نشان لائے جس طرح پہلے انبیا لاتے رہے ہیں مگر ہم نے جن قصبوں کو ہلاک کیا ہے ان میں سے کوئی ایمان نہیں لایا پس کیا یہ لے آئینگے ..... ہم نے تمہاری طرف کتاب اُتاری ہے جس میں تمہارے لیئے نصیحت ہے پس کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

عقلی ثبوت پر اعتراض اور اس کا جواب

غرض اسلام نے اپنی صداقت کا مدار اپنی تعلیم کی خوبی پر رکھا ہے مگر ڈاکٹر مِل اسپر اعتراض کرتے ہیں [۱]

"اندرونی شہادت بیشک بہت مہتم بالشان ہے لیکن اسکی عظمت اصولی طور پر منفی پہلو رکھتی ہے یعنی اندرونی شہادت کسی مذہب کو چھوڑنے کیلیئے تو بیشک قوی وجہ ہوسکتی ہے لیکن کسی تعلیم کو خدا کی طرف سے

[۱] ایسیسے نمبر ۳ صفحہ ۲۱۶ سنہ ۱۸۷۴ء

ماننے کے واسطے کافی نہین۔ اگرکسی الہامی مذہب کی اخلاقی تعلیم بُری اور راستی سے دور ہے تو خواہ کسی کیطرف سے ہو ہم پر اس کو ترک کرنا فرض ہے۔ کیونکہ ایسی تعلیم کسی حکیم وخبیر ہستی کیطرف سے نہین ہوسکتی۔ لیکن اخلاق کی عمدگی ہم کو مستحق نہین گردانتی کہ خواہ نخواہ اسے کسی فوق العادت سرچشمہ کی طرف منسوب کرین۔ کیونکہ اس امر کی کوئی دلیل توی موجود نہین کہ جس خوبی کو پرکھنے کی قابلیت انسان مین موجود ہے اس خوبی کو دریافت کرنے کی قابلیت اُس مین موجود نہ ہو"

مسٹر مل کی یہ دلیل جس قدر قوی ہے اُسی قدر بڑا دھوکا بھی اسمین موجود ہے کہ اُنھون نے آجکل کے مذاق کے موافق مذہب کو عین اخلاق سمجھا ہوا ہے اور محض اخلاقی خوبیون سے مذہب کو پرکھنا چاہتے ہین اور چونکہ فلسفۂ اخلاق انسان کے باہمی برتاؤ سے پیدا ہوتا ہے اور جس جس رویّہ کے نقص معلوم ہوتے جاتے ہین ان کو چھوڑ چھوڑتے اخلاق کی ایک مکمل شکل پیدا ہوسکتی ہے اس لیے اُن کو گمان ہوا ہے کہ عمدہ اخلاقی تعلیم خود انسان کے دماغ سے پیدا ہوسکتی ہے اور اس لیے اسکو خدا کی طرف سے ماننے کی کوئی وجہ نہین۔ اور یہ دھوکا اس تعلیم سے پیدا ہوا ہے جو مذہب کی شکل مین مسٹر مل کے گردوپیش پھیلی ہوئی ہے کیونکہ مذہب عیسوی پر نہ معلوم کیا اُفتاد پڑی ہے کہ اب اس مین جو کچھ خوبی موجود ہے وہ صرف اسی قدر ہے کہ اخلاق کے کچھ عمدہ اصول مانے جاتے ہین اور اسی کو اپنے مذہب کی ترجیح مین پیش کرتے ہین ورنہ مذہب کا اصلی عنصر یعنے ذات وصفات خداوندی کا اعتقاد ان مین نہایت بھدّی شکل مین رکھا گیا ہے اور ایک عاجز انسان کو اُس مین شریک گردان کر اوراسی پر نجات کا مدار رکھ کے مذہبی خوبی کو بالکل نیست ونابود کردیا ہے۔ اِس لیے مسٹر مل کو جب غور کرنے کا موقع ملا تو اُن کو جو چیز اچھی معلوم ہوسکتی تھی وہ اخلاق ہی تھے چنانچہ انھون نے اسی کو مذہب سمجھا اور اسی اصول پر جو تردید کرسکتے تھے کی۔ حالانکہ یہ اصول ہی غلط ہے اور جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے اخلاق مذہب کا پیرو رو اور اُس کا خادم ہے عین مذہب نہین۔ بلکہ مذہب کی حقیقت ایک نادیدہ ہستی کو ماننا ہے اور ذکر ہوچکا ہے کہ اُس چیز کی تلاش انسان کی فطرت مین داخل ہے اور سوا اے خاص موقعون کے جہان کہ یہ جذبہ خارجی اسباب سے مُردہ یا نیم مردہ ہوگیا ہو ہر جگہ تمام بنی نوع اِس

تلاش مین سرگرم ہین - اور پھر یہ بھی ذکر ہوا ہے کہ اس تلاش و تجسس مین جو کچھ دریافت ہوئے ہیں حقیقت مین اس کا مدار محض اُن تجربون پر ہے جو وقتاً فوقتاً انسان کے دل کو جلوہ ہاے معرفت کی صورت مین ہوتے رہے ہین اور پھر تجربہ کا عام قانون یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ ہمیشہ بالاترہستی کی فاعلیت اور کمتر کے انفعال سے ہوا کرتا ہے پس خدا کا تجربہ ہی اسکی حرکت فاعلی اور انسان کی استعداد انفعالی سے حاصل ہوتا ہے اس لیے ہر ایک حضوری اور ہر ایک وحی خواہ وہ کیسی بدنما سے بدنما شکل مین ہو ممکن نہین کہ انسان کی محض اپنی کوشش سے اور بغیر ذات باری کی فاعلانہ مداخلت کے ہو اور اگر انسانی استعداد انفعالی مین باہم تفاوت نہ ہوتا اور اگر سب کے دل نفسانی کدورتون سے پاک ہوتے تو جو نور ذات باری کیطرف سے وحی کی شکل مین جلوہ گر ہوتا ہے وہ یکسان رہتا اور مذہب کی یہ مختلف شکلین پیدا نہ ہوتین مگر چونکہ استعدادین مختلف ہین اور ہر زمانے مین ترقی کرتی رہی ہین اس لیے وحی کی شکلین یکے بعد دیگرے مختلف اور باہدگر ممتاز ہوتی آئی ہین - اب اگر انسان کے اپنے نفسانی جذبات احکام وحی کے ساتھ ملکر اسکی شکل بدل نہ دیا کرتے اور انسان مین خود رائی اور اصرار کی عادت نہ ہوتی تو ہر ایک ترقی جو تجربہ معرفت مین ہوتی بالعموم تسلیم کی جاتی اور ایک ہی مذہب ترقی کرتا ہوا چلا آتا اور ہر شخص کی طرف سے اپنے مذہب کو دوسرے پر ترجیح دینے کا دعوی پیش نہ ہوتا - مگر اب جبکہ بدقسمتی سے اختلاف کی یہ شکل موجود ہے تو اس وقت جو کام تعلیم کی اندرونی خوبی اور معیار عقلی سے لیا جا سکتا ہے وہ تجربہ ہاے معرفت یعنی وحی و الہام کے گرد و پیش کے حشو و زوائد کو دور کرنا اور مذہب کی اصلی شکل پر سے پردہ اُٹھانا ہے - غرض یہ کہ مختلف الہامون کی تعلیم کو عقل سے پرکھ کر یہ ثابت ہی نہین کیا جاتا کہ فلان خدا کی طرف سے ہے اور فلان اسکی طرف سے نہین بلکہ صرف یہی دیکھا جاتا ہے کہ ان مین سے حقیقی خوبی کس مین ہے اور خدا کی ذات و صفات کے متعلق قابل تسلیم عقیدہ کون پیش کرتا ہے جب کوئی مذہب ایسا ثابت ہو جائے تو پھر ضرور نہین کہ اُس کا خدا کیطرف سے ہونا بھی ثابت کیا جاوے کیونکہ ایسا الہام اور دوسرے تمام غلط الہام بھی خدا کے فاعلانہ توجہ سے اور غلطی جو کچھ موجود تھی وہ کچھ قصور استعداد کے سبب تھی اور کچھ بعد مین دیگر نفسانی خیالات کی آمیزش سے -

عقل مختلف مذاہب کی نزاع مین فیصلہ دے سکتی ہے۔

پروفیسر ولیم جیمس ایک طولانی لکچر[1] مین ثابت کرتے ہین کہ مذہب ایک وجدانی امر ہے اور اسکی پیدائش عارفانہ الہامون سے ہوتی ہے یا اُس فطری خواہش سے جو انسان مین ودیعت ہی۔ اور یہ کہ خشک عقلی دلایل مذہب کو پیدا نہین کرسکتے بلکہ مذہب کے پیدا ہونے کے بعد اُسکی تائید مین پیدا کیئے جاتے ہین اور پھر لکھتے ہین کہ اس طرح پر

"عقل کا یہ کام رہا ہے کہ مذہب کو ناگوار پوشیدگی سے نجات دے اور کافۂ ناس کے لیے قابل تسلیم بنائے"

اور آگے پرنسپل جان لیرڈ کی کتاب فلاسفی آف ریلیجیئن کا اقتباس لکھتے ہین کہ

"مذہب حقیقت مین ایک دل کی چیز ہے لیکن اسکو باطنیت اور پردہ نشینی کی فضا سے نکال لینے کے لئے اور نیز حق و باطل مذہب مین تمیز کرنے کیلیئے ضرور کسی ظاہری معیار کیطرف توجہ کرنی پڑتی ہی اور جو چیز دل پر قابض ہے یعنی مذہب۔ تو اُسے وہیہ سے دیکھنا پڑتا ہی کہ کیا وہ حق ہی اور کیا اسکو ایسا استحقاق حاصل ہے؟ کہ ہماری وجدان پر قابض ہو اور کیا اُسکو ایسا معیار گردانا جائے؟ جس سے وجدان کو پرکھ سکین پس کسی شخص یا قوم یا فرقے کے مذہبی خیالات کا اندازہ لگانے مین یہ نہین دیکھا جاتا کہ اس کا دلی میلان کس طرف ہی بلکہ یہ کہ اس نے کیا سوچ سمجھ کر ایسا طریق اختیار کیا ہی۔ اور یہ نہین دیکھا جاتا کہ اس کے مذہبی عقاید کیسے راسخ ہین اور ان مین کس قدر جوش اور دل دادگی ہے بلکہ یہ کہ خدا یا اپنے معبود کی نسبت اُسکے کیا خیالات ہین جن سے ایسا رسوخ اور جوش پیدا ہوا ہے۔ دلی میلان بیشک مذہب کا ضروری عنصر ہے لیکن کسی مذہب کی خوبی اور قدر و قیمت جاننے کے لیے صرف میلان قلب کی قوت و ضعف کو نہین دیکھا جاتا بلکہ اسکی عقلی بنیاد کو دیکھا جاتا ہے۔"

پھر اسی لکچر کے آخر مین یہ ثابت کرنیکے بعد کہ اگر تجربہ ہاے معرفت نہ ہوتے تو محض عقل سے مذہب کو پیدا کرنا یا ثابت کرنا ناممکن تھا۔ لکھتے ہین کہ۔

"مگر فلسفہ کی نسبت صرف یہی منفی نتیجہ نکال کر خاموش ہو جانا میرے نزدیک فلسفہ پر ظلم کرنا ہی اسلئے مجھے بیان کرنے کی اجازت ہونی چاہئے کہ وہ مذاہب کی کیا خدمت کرسکتا ہی۔ پس مین کہتا ہون

[1] کتاب ورائٹیز آف ریلیجیس ایکسپیرینس لکچر ۱۸

کہ اگر فلسفہ اپنے قیاس استقرا سے الٰہیات مین دخل نہ دے اور حقیقت ذات دریافت کرنے کے بجاے خدا کے عوارض وصفات مین غور کرے یعنی خود کو بجاے فلسفہ مذہب کہلانے کے علم مذہبی کا لقب دے تو بہت کچھ مفید ہو سکتا ہے"

"انسان کا ذہن جبکہ اپنے گرد و پیش کی ترغیبون سے آمادہ کیا جاے تو وہ اپنے معبود کی ویسی ہی تعریف کریگا جیسی اس کے سلیقہ مسلمات عقلی کے مناسب ہو پس فلسفہ ان تعریفون سے واقعی و فضول اجزا کو تمیز کر سکتا ہے اور عقاید و عملیات دونون کے غیر ضروری حصہ کو الگ کر سکتا ہے اور مذہبی عقاید کو علوم یقینیہ کے ساتھ مقابلہ کر کے اُن اصول کو جدا کر سکتا ہے جو عالمانہ نظر مین بیہودہ اور نامعقول ہون۔ اس طرح پردہ نادانی کے خیالات کو نکال کر تصورات کا ایک ایسا حصہ باقی چھوڑیگا جو کم از کم ممکن ہو۔ پھر ان تصورات مین سے ہر ایک کو ایک جداگانہ قیاس فرض کر کے اُن کا امتحان کریگا جس طرح مختلف قیاسون کا امتحان کیا جاتا ہے اور جس قیاس کو زیادہ قابل اعتراض پائیگا اس کو نکال کر تعداد کم کرتا جائیگا اور پھر شاید کسی ایک کا حامی بنجائیگا جس کو بالکل ثابت یا قابل اثبات پائیگا۔ پھر اس قیاس یا راے کی تعریف مین اصلاح کریگا اور اس مین جو اجزا محض تمثیل کے واسطے ہونگے یا نفس عقیدہ سے غیر متعلق سمجھے جائینگے اُن کو تعریف کے اصلی اور ضروری اجزا سے جدا کریگا نتیجہ یہ کہ وہ مختلف عقاید یا اہل عقائد مین منصف کا کام دیگا اور مذہب مین اتفاق اور یکجہتی پیدا کرنے مین ممد ہوگا۔ اور اسکو جس قدر کامیابی اپنی اس کوشش مین ہوگی اسی قدر وضاحت کے ساتھ مذہب کے ذاتی عناصر اور عام اور ضروری اجزا متمائز ہونے جائینگے"

"مین نہین جانتا کہ ایک ایسا علم جس کا موضوع مذہب کی نکتہ چینی اور اس باغ کی سرسبزی ہو وہ کیون نہ ویسی ہی تسخیر عام حاصل کریگا جو علوم ظاہری کو حاصل ہے۔ مین تو کہتا ہون کہ اس صورت مین وہ لوگ بھی جو مذہبی طبیعت نہین رکھتے ایسے فلسفہ کے نتایج سے انکار نہ کر سکینگے جیسے نابینا آدمی علم مناظر کے مسائل سے انکار نہین کر سکتے لیکن جیسا کہ علم مناظر و مرایا بینا لوگون کے تجربون سے پیدا ہوا ہے اور انہی کے تجربون سے اس کے مسائل ثابت ہوتے ہین اسی طرح علم مذہبی کا ابتدائی

عنصر بھی لوگون کے ذاتی تجربے (وحی و الہام) ہون گے - اور یہی آئندہ نکتہ چینی اور رد و قدح مین تحقیق و تدقیق کا سنگ بنیاد ٹھیرینگے - غرض علم علی حالت سے باہر جائیگا اور محض خالی فضا مین نہ اڑیگا اور ہمیشہ اُس کو یہی اعتراف کرنا پڑیگا جو دوسرے علوم کرتے ہین کہ مظاہر قدرت کی حقیقت ہماری دسترس سے باہر ہے البتہ جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اقرب بصواب ہے فلسفہ صرف الفاظ مین رہتا ہے اور صداقت و حقیقت ہمارے دل مین ایسے طور سے در آتی ہے کہ لفظی تشریح مدون سے بری ہوتی ہے"

غرض یہ کہ جو لوگ مذہبی تجربون یا جلوہ ہاے معرفت کی لذت سے آشنا نہین ہین وہ اگر محض اپنی راے سے دوسرے لوگون کے تجربون کا لحاظ کرنے کے بغیر کوئی مذہب قایم کرین تو وہ ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی اندھا بینا لوگون سے پوچھنے کے بغیر بینائی کے قواعد مرتب کرے - پس اس حالت مین ایسے لوگون کی عقل مذہب کے بارہ مین کچھ مفید نہین ہو سکتی - البتہ اگر روایات معرفت کو پیش نظر رکھ کر جو عقاید و مسائل ان روایتون کی بنا پر پیدا کئے گیے مین یعنے جو تعلیمات اہل الہام نے پیش کی ہین انکو عقلی معیار سے پرکھا جائے اور جو نقص اہل الہام کے قصور استعداد یا معتقدین کی نفسانی خواہشون سے وحی کے ساتھ مل گئے ہین اُن کو الگ کیا جائے تو اس صورت مین عقل مذہب کی شناخت اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے مین بہت کچھ مفید ہو سکتی ہے - بلکہ جن لوگون کو خود معرفت کا کوئی جلوہ نظر آیا ہے وہ بھی اسی طرح اپنے دیکھے ہوئے جلوہ کی نسبت فیصلہ کر سکتے ہین کہ آیا ان کے اپنے ذاتی میلان اور نفسانی خواہش کی کسقدر آمیزش ہے اور خالص جلوہ ربانی اور حکم الہی کس قدر ہے -

مثلاً جلوہ ہاے معرفت کی جو مثالین اوپر پروفیسر ولیم جیمس کی کتاب سے نقل کی گئی ہین اُن مین ایک شخص خدا کا جلوہ ایسی صورت مین دیکھتا ہے کہ اُسکو کولی بھرنے کا گمان کرتا ہے - دوسرا خیال کرتا ہے کہ مین خدا ہی مین رہتا ہون اور ایک اور شخص اُسکی حضوری ایسے طور پر محسوس کرتا ہے کہ نہ اُس کے لیے سمت ہے اور نہ کوئی رنگ اور مزہ - ان مین سے پہلا شخص چونکہ زیادہ تر جسمانی خیالات مین مبتلا ہے اس لیے اُس کو خدا کی نسبت بھی جسمانی صفات کا خیال ہوا ہے پس اگر اس کے خیالات مین ترقی نہ ہو اور نیز اگر اس طرح کا جلوہ بھی اُس کو پیہم نظر آتا رہے اور وہ اس بنا پر ایک مذہب قایم کرنا چاہے تو ایسے مذہب مین ضرور

خدا کو مجسم اور گرفت میں لینے کے قابل مانا جائیگا اور غالبًا اسی قسم کی غلطیوں سے بعض قدیم مذاہب میں خدا کو مجسم مانا گیا ہے۔ اور اسیطرح دوسرا شخص چونکہ خدا کے مطلق اور غیر محدود ہونے کو دنیا کے عام اور وسیع خیالات سے مشابہ سمجھتا ہے اس لیئے اسکو فضا کی طرح اپنے رہنے اور چلنے پھرنے کا ظرف تصور کرتا ہے اور تیسرا شخص چونکہ اعلیٰ خیالات میں ان سے ممتاز تھا اسلئے ایسے توہمات میں مبتلا نہیں ہوا۔ پس عقل اس قسم کے مختلف خیالات میں منصف بن سکتی ہے اور علوم یقینیہ کی تطبیق سے فیصلہ کر سکتی ہے کہ ان میں سے کونسا خیال قابل تسلیم ہے۔

مگر یہ سب کچھ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ نظام کائنات اور عام مناظر قدرت میں غور و فکر کرنے سے انسان میں ذہن سلیم اور فکر صائب پیدا ہو جائے اور سنت اللہ یعنی قوانین قدرت کا مطالعہ کرتے کرتے حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت حاصل ہو چکی ہو اور یہ سب علیٰ الیقین ظاہر ہے کہ ابتدائے آفرینش سے موجود نہ تھیں بلکہ قانون ترقی کے موافق رفتہ رفتہ اور نہایت طویل زمانے میں پیدا ہوئی ہیں پس اسی قدر زمانہ گذرنے کے بعد انسان کو کائنات کے مطالعہ سے مذہب کو تحقیق کرنے کی استعداد میسر آئی ہے۔ ورنہ گذشتہ زمانے میں جبکہ انسان کی جتنی حالت نہیں تھا اس وقت کے رہنماؤں کو اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ کسی بڑے ممتاز نظارہ قدرت یعنی معجزہ سے لوگوں کو خدا کی طرف بلائیں اس لیے اس وقت کے لیے وہی عجیب باتیں آیۃ اللہ اور برہان قویم تھیں اور انکے برخلاف عقل و شعور کے زمانے میں ذرہ سے لیکر آفتاب تک۔ ہر چیز اس کی طرف بلانے کے لیے زبان گویا کا حکم رکھتی ہے۔

عقلی ترقی سے مذہب کو استحکام ہوتا ہے

بلکہ انسانی علوم جس قدر ترقی کرتے جائیں گے اور قوانین قدرت کی پیچیدگیاں جس قدر کھلتی جائینگی اسی قدر خدا کی قدرت کو ماننے کا سامان زیادہ مہیا ہوتا جائیگا۔ بیشک خدا کی بڑی قدرت ہو کہ اس نے حرکت کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں اور دلی خیالات ظاہر کرنے کیلئے زبان اور قلم کو مہیا کیا۔ مگر سٹیم سے حرکت کا سامان اور بجلی سے نامہ پیام کی سہولت دیکھکر اس سے بھی زیادہ قدرت ثابت ہوتی ہو اور اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جس نے ہلکے سے

غبار مین لاکھون من بوجھ لیجانے کی اور غیر محسوس برقی رو میں ہزارون کوس سطے کرنیکی طاقت رکھی ہے اور اس کیلئے خاص قاعدے اور قانون مقرر کیئے ہین اور جس نے انسان کو یہ عقل دی ہے کہ وہ ان قاعدون کو دریافت کرے اور ان طاقتون سے کام لے۔ وہ حکیم و خبیر خدا بڑی قدرت اور عظمت کا مالک ہے اور بیشک خدا کے خوف سے ڈرنے والے وہی لوگ ہوسکتے ہین جو اسکی بیانتہا قدرت کا پتہ لگاتے ہین۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا بیشک بندگان خدا مین سے اُسکے خوف سے ڈرنیوالے علماہی ہوسکتے ہین

اور اُن قوتون کو پہچانتے ہین جو پہاڑون کو ہلاسکتی ہے زمین کو حکڑ مین رکھتی ہین اور آفتاب و ماہتاب سبکو ایک خاص نظام مین جکڑے ہوئے ہین اور پھر بھی مانتے ہین کہ ابھی اسکی قدرتون کی کوئی حد نہین اور بقول نیوٹن اعتراف کرتے ہین کہ حقیقت کے ناپیدا کنار سمندر کے صرف ساحل پر کھڑے ہین۔

اور تو اور ڈاروِن کی وہ تھیوری جس کو مذہب کی بیخ و بنیاد اکھاڑنے والی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے رو سے انسان و حیوان اور اُن کی آنکھ ناک وغیرہ اعضا کسی خاص ہستی نے ابتداءً پیدا نہین کیئے بلکہ تمام جاندار ایک ہی نسل سے ہین جس کے ناقص اور بیکار اعضا یکے بعد دیگرے معدوم ہوتے ہوتے انسان جیسی بصورت ہستی موجود ہوگئی ہے۔ اس تھیوری سے بھی مذہب کے نابود ہوجانے کا خوف ایک توہّم بیجا ہے۔ پہلے ہمارے دل اسی صنعت کو دیکھکر عش عش کیا کرتے تھے کہ ایک ناچیز قطرہ کو کیسے عجیب طور پر پرورش کیا جاتا ہے کہ وہ جمادی حالت سے ترقی کرتے کرتے ایک سرو قامت گلعذار اور عقیل و فہیم انسان بنجاتا ہے۔ اب اگر ڈاروِن صاحب کا خیال درست ہو تو اسکی قدرت کا کرشمہ اور بھی عجیب ہوجاتا ہے کہ پانی کے ایک کیڑے کو ایسی استعداد دیکر بھیجا ہے کہ وہ نہ صرف اپنی موجودہ ہستی حس و حرکت زندگی کو قائم رکھنے کے قابل ہے بلکہ ترقی کی ایسی قابلیت رکھتا ہے کہ بڑھتا ہے۔ اپنے ناقص اور بیکار اعضا کو بدلتا ہے۔ کچھ سے کچھ اور کچھ سے کچھ ہوتا ہوا رینگنے والے کیڑے سے شہ زور اور طاقتور حیوان بنتا ہے اس سے آگے بڑھتا ہے بندر کی حالت سے ڈاروِن جیسے ہزارون سال پیشتر کی باتین جاننے والے انسان کی صورت مین جلوہ گر ہوتا ہے۔ پس کیڑے کو ایسی استعداد دینے والا کیا کچھ قدرت نہ رکھتا ہوگا۔

اور ابھی تک صرف حیوانات کو ایک خاندان قرار دیا گیا ہے اور نباتات کو غالباً ایک جداگانہ سلسلہ مانا جاتا ہے لیکن اگر کبھی یہ پردہ بھی کھل جائے اور معلوم ہو کہ نباتات ہی ترقی کرتے کرتے حیوان اور حیوان سے انسان بن گیا تو یہ بات بھی خدا کی قدرت پر کوئی حرف نہ لائیگا۔ بلکہ مٹی کے ایک ذرہ میں نبات حیوان اور انسان بننے کی قابلیت پیدا کر دینا اس سے زیادہ حمد و ثنا کے لائق ہوگا۔ غرض ذرا قدرت عالم کے ذرائع اور اسباب خواہ کتنے ہی معلوم ہوتے جائیں اور انسان ان سب کے قاعدے دریافت کرتے جائیں ... جب منشا ... سمجھنے کے قابل ہو جائے تو جو ذات تمام عالم کا سرچشمہ ہے اسکی قدرت زیادہ سے زیادہ ثابت ہوتی جائیگی یہ علم حکمت کے متوالے طبقات زمین کی تحقیق کرتے ہوں یا اجرام سماوی کی حرکات دیکھتے ہوں قانون مقناطیس سے پیش از وقت زلزلہ کی اطلاع پائیں یا آفتاب کے داغوں سے موسمی تغیر کو پہچانیں ہر حال میں اگر دماغ کے ساتھ دل بھی رکھتے ہیں تو ہر ذرہ سے خدا کا نام سنینگے اور ہر واقعہ سے اسکی شہادت پائینگے اور انکو اعتراف کرنا پڑیگا کہ اے پیدا کرنیوالے تو نے ایسا عجیب نظام محض رائگان نہیں بنایا اور ضرور ہمکو کسی غایت کیلئے پیدا کیا ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ
اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ط
الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلٰى
جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ
الْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا
سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ط

(آل عمران پارہ ۴ ع ۲۰)

بیشک آسمان زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے تغیرات میں عقلمندوں کے واسطے نشان ہیں۔ مگر کون عقلمند جو کہ بیٹھے اٹھے اور لیٹے یاد کرتے ہیں اور آسمان زمین کی پیدائش میں ہمیشہ غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے پروردگار تو نے اس نظام کو رائگان نہیں بنایا تو پاک اور برتر ہے۔ ہمکو آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

باب ششم

ختم نبوت

جلوہ ہاے معرفت کی دو قسمین ہین۔ انکا خیر مستقیم تربیت ممکن نہین۔ نقصان ذاتی یا بواسطہ ادیت۔
اگر تحقیق کرنے والے اپنی حد امکان تک پہونچ گئے ہین تو آئندہ ... نبوت تقاضا پیدا ہوجانا ممکن ہے
انسانی علم صرف تعلقات تک محدود ہے۔ مذہب بھی محض خالق و مخلوق کے تعلقات بتانے کا مدعی ہے۔
مذہبی ترقی کثافت سے لطافت کی جانب ہے۔ ختم نبوت اور سپنسر۔ ختم نبوت اور پارکر۔ اعلیٰ
اخلاق کیا ہوسکتے ہین؟۔

ذکر یہ تھا کہ جس طرح بعض خاص انسانون کو علوم جسمانی مین بعض اوقات مین خاص نکتے سوجھتے ہین اور اس طریق سے انسانی عقل ترقی کرتی ہے اسی طرح خاص بندون کو خاص اوقات مین نکات معرفت معلوم ہونے لگتے ہین اور یون مذہب ترقی کرتا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ مذہب بالاتر ہستی کا تجربہ ہے اس لئے اُس مین انسان کی طرف سے انفعال اور خدا کی طرف سے فاعلانہ قدرت کا ظہور ہوتا ہے اور اسی کو وحی کہتے ہین۔ اس ضمن مین معراج اور معجزہ کا ذکر ایک جملہ معترضہ تھا جسکی اہمیت اور نیز اسکے خلاف غلط اعتراضون کی کثرت کے سبب مضمون کو معمول سے زیادہ طول دینا پڑا۔ اب نفس مضمون کی طرف رجوع کرتا ہون۔

جلوہ ہاے معرفت کی دو قسمین ہین

جلوہ ہاے معرفت جو خدا کے نیک بندون کو نظر آتے ہین انکی مختلف شکلون کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تجربے دو قسم کے ہین۔ ایک کسی خاص وقت مین یا بعض خوش قسمتون کو اکثر کوئی حضوری ہوتی ہے جو ان کے ذاتی افکار مین یا سلوک معرفت کی دقتون مین سہولت اور اطمینان کا باعث ہوتی ہے لیکن اس سے کسی مشکل مسئلہ کا حل یا جدید عقیدہ کا انکشاف نہین ہوتا اور اسکو اصطلاح مین کشف کہتے ہین اور جس شخص کو یہ حاصل ہو اگر وہ پہلے سے بالکل درست اعتقاد رکھتا ہو اور اس کے کشف مین کوئی نفسانی آمیزش نہ ہو تو ولی کہلاتا ہے اور اگر ایسا نہین تو صاحب استدراج نام پاتا ہے۔ اور دوسری قسم

کے وہ تجربے ہین جن سے کسی سابقہ نقص اور غلط فہمی کی اصلاح ہوتی ہے اور سلسلہ عقائد اور ذرائع وصال ربانی یعنی عبادات و معاملات کے متعلق خدائی احکام دریافت ہوتے ہین اور خاص اسی قسم کے تجربے ہین جن کو اصطلاح مذہب مین وحی کہتے ہین اور یہی تجربے ہین جن سے مختلف مذاہب پیدا ہوئے ہین اور جن کے لانیوالون کو پیغمبر کہتے ہین -

بظاہر ختم نبوت ممکن نہین

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح پہلے سے ہوتا آیا ہے آیا اسی طور پر آئندہ بھی کشف اور وحی کا سلسلہ جاری رہیگا یا کسی وقت اس کا بند ہو جانا بھی ضرور ہے - اور چونکہ عقلی ترقی محدود نہین ہے اور کوئی وقت ایسا خیال مین نہین آسکتا کہ انسان آئندہ قوانین قدرت کو دریافت نہ کر سکے اس لیے اس پر قیاس کرتے ہوئے کشف و وحی کے بارہ مین آسان جواب یہی ہو سکتا ہے کہ یہ سلسلہ بھی کبھی منقطع نہ ہوگا مگر اس جواب کو صحیح سمجھنے سے پہلے کسی قدر اور بھی غور کر لینا چاہیئے -

فیضان وحی بالواسطہ اور بے واسطہ

کشف مین چونکہ نئی تعلیم نہین ہوتی اور محض سالک کے سفر کو آسان کرنا مقصود ہوتا ہے اس لیے اس کا فائدہ دوسرون تک نہین پہونچتا بلکہ اکثر اہل تصوف حالات کشف کو مخفی رکھنا ضروری جانتے ہین تا کسی طرح تکبر اور رعونت نہ پیدا ہو اور اسکے برخلاف وحی سے نہ صرف صاحب وحی کو بلکہ عام خلق اللہ کو فائدہ پہونچتا ہے اور غلطیون کی اصلاح ہوتی ہے اور اسلیے انبیا پر فرض ہوتا ہے کہ اپنی تعلیم کو شائع کرین - پس یہ پیغام جو خلق اللہ مین شائع کرنے کے لیے القا ہوتے ہین - ان کی انسان تک پہونچنے کی دو صورتین ہین - ایک جب کوئی صاحب استعداد موجود ہوتا ہے تو خدا کی طرف سے اسکو وحی کی جاتی ہے - اور دوسری صورت یہ کہ جب تک کوئی شخص منصب نبوت کے لائق نہ پیدا ہو وہ نکات اور احکام جو کسی نبی پر اُتر چکے ہین ایک انسان سے دوسرے انسان تک پہونچتے رہتے ہین - پہلی صورت کو لا اف ایوولیوشن یا قانون ارتقا کہنا چاہیئے - اور دوسری صورت کو لا اف ملٹی پلی کیشن یا قانون توارث - اب دیکھنا یہ ہے کہ دنیا کے دیگر معاملات مین قانون ارتقا اور قانون توارث کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے یا کبھی کسی وجہ سے اس کا انقطاع بھی ہو سکتا ہے اور اسی طرح پر غور کرنے سے جو قاعدہ ان کے جاری رہنے یا بند ہونے کے واسطے دریافت ہوگا اسی کی رو سے وحی کی نسبت بھی فیصلہ ہو سکیگا -

اگر ترقی کرنے والے اپنی حد امکان تک پہونچ گئے ہین تو آئندہ قانون ارتقا کا بند ہوجانا ضروری ہے

زمین اور اسکی پیدائش یعنی موالید ثلاثہ کی نسبت ارتقا تو یقینی اور بدیہی بات ہے کہ آبادی کے قابل ہونے پر پہلے اسمین نباتات کا ظہور ہوا ہوگا یا بعض ایسے حشرات الارض کا جن کو نباتی غذا کی ضرورت نہین۔ نباتات مین اگرچہ بعض ایسی بھی دریافت ہوئی ہین جو جانورون کو غذا بناتی ہین مگر ان کو جانورون کے بعد کی مخلوق ماننا کیونکہ نباتات کا بڑا حصہ حیوانی غذا سے بے نیاز اور حیوانون سے پہلے موجود ماننا پڑتا ہے۔ ان کے بعد ایسے حیوانات پیدا ہوئے ہونگے جو نبات سے غذا لیتے ہین اور ان کے بعد وہ حیوان جو گوشت کھاتے ہین اور انسان کے لیے چونکہ تمام قسم کی نباتات اور ہر قسم کے حیوانات کی ضرورت ہے اس لیے یہ سب کے بعد دنیا مین آیا ہوگا۔ اس سلسلہ کو یقینی ماننے کے بعد اب احتمالات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جنمین سے قدیم خیال یہ ہے کہ ہر ایک نبات اور ہر ایک جاندار مجددًا پیدا ہوا ہے۔ اور ایک خیال علمی دنیا مین اب حکومت کر رہا ہے کہ سوائے ابتدائی آبی کیڑے کے اور کوئی جاندار ابتداءً معرض وجود مین نہین آیا بلکہ اسی کیڑے کی نسل سے بدلتے بدلتے ہر قسم کے حیوانات بن گئے ہین حتٰی کہ وہی نسل بڑھتے بڑھتے بندر۔ بن مانس اور انسان ہوگئی ہے۔

ان دونون احتمالون کو آپس مین کشتی لڑتے ہوئے اور ایک دوسرے کو پڑلنے کا نشانہ زمین پر لگاتے ہوئے چھوڑکر جو امر مشترک دونون مین پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ تمام نبات خوار اور گوشت خوار حیوانات ایک ہی وقت مین پیدا نہین ہوئے بلکہ پہلے بیشک کسی طرح کے کیڑے مکوڑے پیدا ہوئے ہون گے کیونکہ ایسے جاندار اب بھی دیکھے جاتے ہین کہ کسی متعفن جگہ یا گندہ موسم مین نہایت جلدی پیدا ہوجاتے ہین۔ پھر انکی نسل بڑھنی شروع ہوئی ہوگی حتی کہ جب وہ وقت آیا ہوگا کہ ان سے بڑا کوئی اور جانور بھی زندہ رہ سکے تو وہ موجود ہوگیا ہوگا۔ خواہ کیڑے مین ہی یہ استعداد آگئی ہو کہ وہ مینڈک مچھلی کی شکل حاصل کرے یا سطح زمین مین یہ قابلیت ہوگئی ہو کہ اُس مین سے بڑے جانور کا ظہور ہوسکے۔ پھر حسب معمول کچھ مدت اس جانور کی نسل چلی ہوگی اور ایک وقت پر اس جانور کی یا سطح زمین کی استعداد کامل ہونے پر کوئی تیسری شکل ظاہر ہوئی ہوگی اور یونہی سلسلہ جاری رہا ہوگا کہ کچھ عرصہ ایک ہی جانور نسل در نسل چلا آتا ہوگا اور

کسی وقت میں کوئی نئی صورت پیدا ہوتی رہی ہوگی حتّٰے کہ ایک وقت پر ان سب کا دربار آراستہ ہونے کے بعد حضرت انسان کا جلوس شاہی نمودار ہوا ہوگا۔

اور اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک انسان کی ایک نوع میں یا سطح زمین میں دوسری شکل پیدا کرنے کی استعداد نہ موجود ہو یا ناقص ہو تو قانون توارث عمل کرتا ہے اور ہرن کا بچہ ہرن اور بکری کا بچہ بکری پیدا ہوتا ہے یعنے قدرت کا اثر باپ کی وساطت سے بیٹے تک پہونچتا ہے اور جب یہ استعداد کامل ہو جاتی ہے تو قانون ارتقا قانون توارث کی جگہ لیتا ہے اور ایک اور حیوان کی شکل دیکھنے میں آتی ہے یعنی قدرت براہ راست عمل کرتی ہے اور بیٹے میں وہ بات پیدا ہوتی ہے جو باپ میں نہ تھی۔

لیکن اب انسان کو وجود پذیر ہونے پر اگر مادّہ میں یہیں تک ترقی کرنے کی استعداد ودیعت تھی یا اگر خدا کا ارادہ دنیا میں اسی نوع تک پیدا کرنے کا تھا تو کہنا چاہیئے کہ شاید اس سلسلہ میں قانون ارتقا کا خاتمہ ہو گیا اور اب قانون توارث سے انسان کا بچہ انسان ہی پیدا ہوتا رہیگا۔ اگرچہ ایک اور سلسلہ میں یعنی انسان کی عقلی قابلیت میں قانون ارتقا اب بھی عمل کر رہا ہے مگر اس وقت ہم حیوانی شکل و صورت کے سلسلہ کو دیکھ رہے تھے جس کے بدلنے سے نوع حیوانی کا نام بدل کر بلّی کے بعد شیر اور بندر کے بعد بن مانس کہنے لگتے ہیں اور عقلی ترقی سے ایسا تغیر پیدا نہیں ہوتا بلکہ افریقہ کا وحشی اور یورپ کا فلاسفر دونوں کا نام انسان ہی رہتا ہے۔

اچھا تو شکل و صورت یا انواع حیوانی کے سلسلہ میں قانون ارتقا کی نسبت سوال ہونے پر یہ عام جواب کہ "قانون ارتقا کبھی بند نہ ہوگا" بالکل غلط ہے بلکہ سچّا جواب یہی مشروط جواب ہوگا کہ اگر مادہ اپنی واقعی شکل تک پہونچ گیا ہے تو قانون ارتقا ختم ہو گیا اور یہ ہمکو معلوم ہے کہ مادّہ کی انتہائی شکل انسان ہے اس لیے یوں بھی جواب ہو سکتا ہے کہ اگر انسان مادّہ کی واقعی شکل ہے۔ تو قانون ارتقا ختم ہو گیا۔

اب روح کے بارہ میں قانون ارتقا کے بند یا جاری رہنے کا سوال ہو تو اس کی نسبت بھی یہی عام

فیصلہ غلط ہوگا اور سچا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ انسان کے لیے جہان تک خدا کو پہچاننا ممکن ہے اگر وحی کے تجربے اس حد تک پہونچ چکے ہیں تو اس سلسلہ میں بھی قانون ارتقا کی گنجایش نہیں۔ اور یہ معرفت کا یہ مسئلہ جو ایک دفعہ قانون ارتقا کے رو سے قدرت کے براہ راست عمل کرنے سے کسی انسان پر منکشف ہوا ہے آئندہ قانون توارث کے رو سے ایک انسان سے دوسرے انسان تک پہونچتا رہیگا جس طرح پر پیدایش کا سلسلہ کسی خاص حیوان تک پہونچنے کے بعد قانون ارتقا سے انسان پیدا ہوا ہے اور آئندہ صرف قانون توارث کے رو سے انسان سے انسان پیدا ہوتا رہتا ہے اور اب کسی حیوان سے یا زمین سے انسان پیدا نہیں ہوتا +

مگر آگے یہ دقت پیش آتی ہے کہ سلسلہ حیوانی میں مادہ کی انتہائی صورت یقیناً معلوم تھی کہ وہ انسان ہے ورنہ مذہبی سلسلہ میں خواہ تاریخی طور پر وحی کی انتہائی صورت معلوم ہو سکتی ہو مگر دنیا میں وحی کا جھوٹا دعوے کرنے والے بھی ہوتے آئے ہیں اس لئے ثبوت دینے سے پہلے کسی شکل کو انتہائی کہنا غلط ہوگا پس جیسا جواب حیوانی سلسلہ میں دیا جا سکتا ہے کہ "اگر انسان مادہ کی واقعی شکل ہے تو قانون ارتقا ختم ہو گیا" اس قسم کا جواب مذہب کے بارہ میں نہیں ہو سکتا بلکہ اسکی جگہ یوں کہنا پڑے گا کہ اگر مسئلہ وحدت وجود خدا کا واقعی جلوہ ہے جس تک انسان پہونچ سکتا ہے تو جس شخص نے سب سے پہلی اس مسئلہ کی تعلیم دی ہے وہ خاتم الانبیا ہوگا اور پیچھے آنے والے سب اسی کے خوشہ چین ہوں گے اور اگر خدا کا انسان کی شکل میں حلول کرنے کا یا بیٹے کی شکل میں آنے کا مسئلہ خدا کا واقعی جلوہ ہے تو اسکی تعلیم لانے والا سب سے آخری نبی ہے۔ یا اگر خدا کی نسبت واقعی علم یہ ہے کہ وہ بغیر مادہ اور روح کے دنیا کو پیدا نہیں کر سکتا تو اس مسئلہ کو ظاہر کرنے والا آخر المرسلین ہے اور اسی طرح دنیا کے ہر ایک مذہب کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ اگر اس کو واقعی کشف ہو گیا ہے تو پھر خدا کی طرف سے کسی اور نبی پر وہی مسئلہ القا کرنے کی ضرورت نہیں اور آئندہ محض اسی انسان کی وساطت سے واقعی تعلیم رائج ہو سکتی ہے۔ اب آگے عقل کی وساطت سے یا جس طرح بھی ممکن ہو یہ تلاش کرنا انسان کا فرض ہے کہ ان صورتوں میں سے کونسی صورت ہے جسکو خدا کا واقعی جلوہ کہا جائے +

انسانی علم صرف تعلقات تک رہتا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ چونکہ خدا غیر محدود ہے اِسلئے اسکی حقیقت تک پہونچنا محدود انسان کے لیے ناممکن ہے مگر یہی صورت مادّی علوم میں پیش آتی ہے انسان مادہ کی حقیقت کو دریافت نہیں کر سکتا اور اس کا مبلغ علم صرف اس قدر ہے کہ اس کے بعض اوصاف اور تعلقات سے واقف ہو اور اس کے علم کی صحت یہ ہے کہ اُن تعلقات اور اوصاف تک پہونچ جائے جو واقع میں مادہ کے اندر موجود ہیں اور غلطی یہ ہے کہ ایسے تعلقات اور اوصاف کا یقین کیے جو اسمیں نہیں ہیں مثلاً ہم سنکھیا کو دیکھتے ہیں اور چاہے ہم اُس کو کیسا ہی تحلیل و تحلیل کرنے کے قابل ہو جائیں اُسکی حقیقت سے نا آشنا ہیں گے اور صرف اُس کے بعض اوصاف معلوم کر سکینگے مثلاً یہ کہ وہ بسیط ہے یا مرکب ہے اور اُس کے اندر اس قدر اجزا ہیں پس اگر ہم نے سنکھیا کے وہی اوصاف دریافت کیے ہیں جو واقع میں اُسکے اندر ہیں مثلاً یہ کہ اُسکو ایک خاص وزن تک کھانے سے انسان مرجاتا ہی تو ہمارا علم صحیح ہے اور اگر اسکے خلاف کوئی اور یقین پیدا ہو گیا ہے مثلاً یہ کہ اسکو اناج کی طرح کھانے سے غذا کا کام لے سکتے ہیں تو ہمارا علم غلط ہے۔ ڈاکٹر سپنسر کہتے ہیں [۵]۔

"سائنس کی ترقی جہانتک بھی ہو اس سے صرف اندرونی اور بیرونی تعلقات کی تکمیل ہوتی ہے (اسکی مثال یوں دیتے ہیں) ایک تیتری کسی نبات کی خاص خوشبو سے اُسے کھانے لگتی ہے تو اُس وقت اُس کے اندر خوشبو کا تصور ایک حرکت پیدا کرتا ہے یعنی خوشبو جو بیرونی چیز ہے اس سے تیتری کے دل میں ایک تصور پیدا ہوتا ہے اور جیسا خوشبو کو درخت سے تعلق ہے ویسا ہی اس تصور کو کھانے سے تعلق ہے۔ اور اسی طرح تیتری کے قد و قامت رنگ ڈھنگ اور قرب و بعد کی نسبت کو دیکھ کر چڑیا کے دل پر ایک اثر ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اُسکو کھانے کو دوڑتی ہے اور اسی طرح عقاب چڑیا کو دیکھ کر چڑیا کے اندرونی حرکات سے زیادہ پیچیدہ اعصابی اور جسمانی حرکات کے ساتھ چڑیا پر جھپٹتا ہے۔ اور ان سب کے اوپر شکاری ہے جو عقاب کی شکل اور اسکے قرب و بُعد وغیرہ کے علاوہ معدنیات کے اثر اور مختلف کام کرنیوالے قوانین قدرت کے اوضاع و اطوار سے متاثر ہو کر بندوق بناتا ہے"

[۵] کتاب فرسٹ پرنسپلز باب نمبر ۲ خلاصہ صفحہ ۸۲ وغیرہ ۱۸۸۶ء۔

اور بارود بھر کر اور اسکے اثر کا قانون دریافت کرکے عقاب کو مارنا چاہتا ہے۔ پس چونکہ زندگی اپنے تمام مظاہر مین بشمول قوت عقلیہ نادرجہ غائت اندرونی اور بیرونی تعلقات کے ایک مسلسل مطابقت اور درستی کا نام ہے اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے علم کو محض تعلقات سے تعلق ہے اسکی نہائت سادہ شکل یہ ہے کہ اندرونی حالات اور بیرونی وسائل کا کسیقدر علم ہو جیسے تیتری کو خوشبو اور کھانے کے تعلق کا علم ہے اور اس سے اعلٰے شناخت ذرا اور پیچیدہ اندرونی اور بیرونی تعلقات کو معین کرلینا ہے جیسے انسان نے عقاب۔ لوہا اور بارود کو دیکھ کر جانور کو مارنے کا طریقہ معلوم کرلیا۔ پس عقل و ذہانت کی یہ کارروائی کیسی ہی اعلٰے ہو صرف تعلقات دریافت کرنے تک محدود ہے اور اس سے آگے نہ اندرونی حالات کو جان سکتی ہے اور نہ بیرونی وسائل کو۔ صرف اتنا جانتی ہے کہ کونسی چیز کس کے ساتھ ہوتی ہے (مثلاً خوشبو کے ساتھ نبات) یا کس چیز کے بعد کونسی چیز آتی ہے۔ (مثلاً بندوق چلانے کے بعد جانور کا مرنا) پس صداقت صرف یہی ہے کہ ہم تعلق کو ٹھیک دریافت کرلیں اور غلطی یہ ہے کہ تعلق کو ٹھیک دریافت نہ کریں۔ غرض تفکر چونکہ تعلق دریافت کرنیکا نام ہے اسلئے کوئی قوت متفکرہ تعلق سے آگے نہ بڑھ سکیگی ''

مذہب بھی محض خالق و مخلوق کے تعلقات بتانے کا مدعی ہے۔

غرض جب ہماری کل کائنات تعلق ہی کو دریافت کرنا ہے تو خدا کے لامحدود ہونے کو اور دریافت حقیقت ممکن نہ ہونے کو بہانہ بناکر تلاش معرفت سے پہلوتہی کرنا انسان جیسی عقیل ہستی کی شان نہین اور جب ہم حقیقت کسی چیز کی بھی دریافت نہین کرسکتے تو جس طرح مادی علم مین صرف مادہ کے تعلقات پر قناعت کرتے ہین اسی طرح یہان بھی خدا اور مخلوق کے تعلقات کو دریافت کرنا ہی انتہائی نظر ہوگا اور مذہب انہی تعلقات کو دریافت کرنے کا دعوے کرتا ہے ایک کہتا ہے کہ مخلوق اور خالق کا تعلق یہ ہے کہ ایک ہی ہستی مختلف مظہرون مین جلوہ کر رہی ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ ایک نے دوسری کو نیست سے ہست کیا ہے اور تیسرا دعویٰ کرتا ہے کہ ایک نے دوسری موجود چیز کو مختلف شکلین عطا کی ہین۔ اسی طرح ایک کہتا ہے کہ جب تک وہ کسی خاص محسوس شکل مین جلوہ نہ کرے انسان اس تک نہین پہونچ سکتا اور دوسرا کہتا ہے کہ اس تک پہونچنا ہو تو تمام

خاص چیزون سے پری دیکھو۔ اور یہ تمام تعلقات ہین حقیقت دریافت کرنیکا دعوی ان مین سے کسی مین بھی نہین اور انہی تعلقات مین غور کرنا اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا ہمارا فرض ہے۔ اس تحقیق مین اگر ہم اس نتیجہ تک پہونچ جائین کہ فلان تعلق واقعی تعلق ہے تو اسی کی تعلیم دینے والے کو خاتم المذاہب کہینگے اور اگر بالفرض کسی تعلق کو بھی واقعی نہ کہ سکین تو اس صورت مین بیشک مذہب کی آئندہ ترقی کا احتمال باقی رہیگا۔ مگر اس صورت مین بھی مذہب سے بالکل اعراض کرنا یا بالکل بے سوچے سمجھے کسی ایک پر کاربند ہونا غلط ہوگا بلکہ یہ دیکھنا ہوگا کہ ان مین سے واقعی غلط کون ہے اور قریب بصداقت کون۔ اور جو قریب بصداقت ہون ان مین سے سب سے ترقی یافتہ اور بالاتر کون ہے اور پھر سب کو چھوڑ کر سب سے بالاتر پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔ کیونکہ جب تک عقل کو معلومہ قوانین قدرت سے بالاتر قوانین دریافت کرنے کی استعداد نہین ہوتی عقل کا فرض ہوتا ہے کہ موجودہ معلومات مین جو سب سے برتر ہون ان پر کاربند ہو اور اُس سے پہلے کے معلومات کو جو غلط ثابت ہو چکے ہین ترک کرے۔ مثلاً جب تک انسان پانی اور ہوا وغیرہ کو تحلیل نہین کرسکا اربعہ عناصر پر یقین کرتا رہا اور جب ان چیزون کے اجزا دریافت ہو گئے تو اب اگرچہ ان اجزا کے تحلیل کا احتمال بھی باقی ہے مگر جب تک وہ وقت نہ آئے انسان کا فرض ہے کہ آگ اور پانی وغیرہ کو عنصر کہنے پر اصرار نہ کرے اور جو اجزاء دریافت ہو گئی ہین اُن کو عنصر مانکر اپنی عالمانہ نتائج اور مختلف فنون اور صنعتون کی بنیاد اسی اصول پر رکھے۔ اسی طرح کسی مذہب کو سب سے ترقی یافتہ تسلیم کرنیکے بعد ہمارا فرض ہوگا کہ اس سے کمتر مذہب پر اصرار نہ کرین اور اس بالاتر مذہب کو مانکر اپنی عارفانہ رفتار مین اسکی ہدایتون پر کاربند ہون ۔

غرض ہم ختم نبوت کے نتیجہ پر پہونچیں یا بحالت موجودہ سب سے بہتر مذہب کو معلوم کرین دونون حالتون مین عملی نتیجہ ایک ہی ہوگا۔ اور ہاتھ پاؤن توڑ کر بیٹھے رہنے یا ہر کس و ناکس کے دروازہ سے بھیک مانگنے کی بجائے کوشش کرنا اور ایک دروازہ تک پہونچنا ضرور ہوگا۔ مگر اس کوشش مین معیار یہی جلوۂ معرفت ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مذہبی جذبہ خدا کی طرف بلاتا ہے۔ اس لیے خدا کی شناخت ہی اس کے نتائج کا معیار ہوسکتی ہے ۔

مذہبی ترقی کثافت سے لطافت کی جانب ہے

اب خدا کی شناخت کو ختم نبوت یا ترجیح مذہب کا معیار گردانکر واقعی جلوۂ معرفت تلاش کرنیکے لیے اُن استدلالوں کے علاوہ جو بیرونی شہادت سے پیش کیئے جائیں خود مذاہب کے اندرونی تغیّر و تبدّل اور ترقی کی روش سے بھی استدلال ہوسکتا ہے۔ کیونکہ سب سے ابتدائی مذاہب جو دُنیا مین پائے جاتے ہین اُن مین کبھی بالکل محسوس اور معیّن چیز کو اور اکثر اوقات ایسی کئی کئی چیزون کو معبود گردانا گیا ہے اور اِس طرح خدا کو محسوس۔ محدود۔ متقیّد۔ ناقص۔ فانی اور متغیر سمجھا گیا ہے[ا]۔ اور چونکہ یہ سب سے ابتدائی شکل ہے اسلئے اس کے علاوہ اور جس قدر شکلین مذہب مین پیدا ہوئین اُن سب کو اِس شکل سے ترقی یافتہ اور صداقت سے قریب تر سمجھنا چاہیئے اور پھر جب ان شکلون کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان مین خدا کی محدودیت اور نقصان وغیرہ مین زیادتی نہین کی گئی بلکہ درجہ بدرجہ اسکو غیر محدود۔ مطلق۔ کامل۔ دائم اور نامتغیّر مانا گیا ہے۔ مثلاً درخت پتھر سے ترقی کی ہے تو اگرچہ خیال دنیوی چیزون کی طرف ہی گیا ہے مگر درخت پتھر سے لطیف تر یعنی پانی اور ہوا وغیرہ کو خدا مانا ہے۔ اس سے آگے اس سے لطیف تر یعنی پانی اور آگ کے موکل اور دیوتا فرض کئیے ہین اور اس کے بعد بتدریج بڑھتے بڑھتے اور دنیوی چیزون کا لطیف سے لطیف درجہ فرض کرنے کرتے تمام دُنیا کا مجموعہ اور پھر اس سے آگے تمام دُنیا کا امر انتزاعی یعنے درجۂ اطلاق خدا مانا گیا ہے اور پھر دُنیا سے پرے اور تمام اشیا سے برتر اور اعلیٰ ہستی تک پہونچے ہین اور مانا ہے کہ خدا تمام اشیا سے بالا ہے تمام کثافتون سے پاک۔ تمام لطافتون سے متصف اور عقل و قیاس سے برتر ہے۔ مگر نہایت کثیف درجہ یعنی محسوسیت سے آغاز کر کے ایسے لطیف درجہ تک آنا اور اس کو پورے طور پر دل مین جگہ دینی آسان

[ا] یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مذہب کی تشکیل خدا کی طرف سے نہین ہو سکتی بلکہ اسکی طرف سے پہلے جذبہ مذہبی پیدا کیا گیا ہے اور اس جذبہ کے اثر سے جب انسان نے تلاش شروع کی تو سب سے پہلے وہ محسوسات ہی کیطرف جھکا پس یہ ایک آمیزش ہے جو انسان کے قصور بشری سے الہام ربانی کے ساتھ ہو گئی اور علیٰ ہذا القیاس اس کے بعد جب کسی نبی نے تعلیم دی کہ خدا پتھر نہین ہے بلکہ پتھر وغیرہ کا خالق ہے تو جن طاقتون سے لوگون نے جمادات اور نباتات مین تغیر ہوتا دیکھا انکی طرف جھک گئے۔ اور اس طرح سے آخر تک ایک صادق وحی سے مذہبی ترقی اور ایک غلط قیاس سے غلط آمیزش ہوتی گئی۔

آسان کام نہ تھا چنانچہ جب پہلے پہل اس درجہ تک پہونچے ہین تو اس عقیدے نے واقعی شکل مین زبان سے دل تک آنے اور عملی حالت پر اثر کرنے مین بہت وقت صرف کیا اور خدا کو واقعی سب سے برتر کہنے کے بعد کسی نے نیتی نیتی[1] یعنی خدا نہ یہ ہے نہ وہ ہے کہتے کہتے نقائص سے پاک ماننے کے علاوہ اسکی تمام صفات کاملہ کو بھی اُڑا دیا۔ اور اگرچہ فلسفیانہ چھان بین کے وقت ہم کسی چیز کی ذات کا خیال اور اُس کی صفات کا خیال جدا جدا ذہن مین لا سکتے ہین اور اسطرح ذات کے مرتبہ کو تمام صفات سے معرّا تصور کر سکتے ہین مگر یہ محض ذہنی عمل ہوگا ورنہ خارج مین کوئی چیز ایسی موجود نہین ہو سکتی جو کوئی صفت نہ رکھتی ہو کیونکہ اس کو موجود ماننے کم از کم وجود کی صفت ضرور لاحق کرنی پڑتی ہے پس خدا کو نیتی نیتی کہہ کر تمام صفات سے معرّا کرنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ موجود بھی نہین اور صرف ذہن نے دیگر موجودات کو دیکھ کر اسکا تصور قائم کر لیا ہے پس گویا اس علم ہر نے موجودات عالم کو تحلیل کرتے کرتے اُس کے آخری درجہ یعنی حالت اطلاق تک پہونچ کر اس کو خدا مان لیا ہے اور مذہبی جذبہ جو خدا کو موجود اور ہر حال مین ہر چیز کا حامی و ناصر ماننے کا تقاضا کرتا ہے اور نیز جلوہ ہائے معرفت جنمین بالعموم خدا کا دیدار بطور ایک موجود فی الخارج کے ہوتا ہے ان دونون کو اس مذہب سے تعلق نہین ہے اور بقول ولیم جیمس گویا یہ علم مناظر کا ایسا حل ہے جو بصارت والون کے تجربہ پر مبنی نہین ہے۔ اور اسی طرح اور مذاہب نے اگرچہ زبان سے خدا کو برتر از قیاس کہا مگر عملاً اس اعتقاد کی تردید کی اور جب اس کے برتر از قیاس ہونے کو دل مین نہ جا سکے تو کبھی کسی بُت کو اُس کا خاص جلوہ گاہ فرض کیا اس کے بعد کبھی کسی انسان مین اُسکا ظہور مانا اور اس طرح پر خدا کو اُس کے درجہ سے نیچے لا کر عبادت ایسی چیز کی شروع کی جو محدود۔ مقید اور ہر طرح سے ناقص ہے نہ وہ برتر از خیال و قیاس ہستی۔ اور پھر کبھی اسکی ذات کو برتر مانا مگر اسکی صفات کو برتر ماننے کیلئے تیار نہ ہوئے اور اسکی قدرت کا انسانون کی قدرت پر قیاس کر کے خالقیت وغیرہ مین اُس کو مادہ کا محتاج ماننے لگے۔ ان سب کوششون کے بعد معرفت کا وہ درجہ ہے جس مین خدا کو برتر از احساس (لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ط انعام پارہ ۷ ع ۱۳) برتر از قیاس (لَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ط طٰہٰ پارہ ۱۶ ع ۶) تمام مثالون سے بالا (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ط شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۲) تمام صفات کمال سے متصف

[1] یہ سوامی شنکر اچاریہ مشہور حامی ویدانت کا مذہب ہے جس کو وہ اپنشدون سے استخراج کرتے ہین۔

(وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی اعراف پارہ ۹ ع ۲۲) سب سے بے نیاز (اَللّٰہُ الصَّمَدُ پارہ ۳۰ اخلاص) ذات وصفات مین یکتا (رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَہٗ انعام پارہ ۸ ع ۲) اور تنہا لائق عبادت (لَآاِلٰہَ اِلَّاھُوَ انعام پارہ ۸ ع ۱۳) اور ہر چیز کا خالق (خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ انعام پارہ ۸ ع ۱۳) مانا گیا اور اس وقت وہ ترقی جو معرفت کے بارہ مین کثافت سے لطافت کی طرف شروع ہوئی تھی ختم ہوئی کیونکہ دایرہ کے ایک نقطہ سے عین مقابل نقطہ تک اور بالکل کثیف سے کامل لطیف تک پہونچ گئی ہے اور یہی انتہائے ترقی اور کمال معرفت ہے۔ اس کے بعد کہدینا آسان ہے کہ آئندہ معرفت کی وحی ہوتی رہیگی مگر صرف گمان پیدا کرلینا اور ہے اور کوئی معقول وجہ پیدا کرکے آئندہ کی امید باندھنی اور ہے بیشک خدا غیر محدود ہے اور انسان اُسکا احاطہ نہین کرسکتا مگر انسان کے واسطے کمال معرفت بھی یہی تھا کہ اس کو تلاش کرتا ہوا اُس یقین تک پہونچ جائے کہ وہ سب سے بالا ہے اور اپنی صفات کمال مین کسی چیز کا محتاج نہین اور ہم اُسکی ذاتی اور صفاتی کنہ تک نہین پہونچ سکتے اور نہ صرف زبان سے اپنے عجز کا اعتراف کریں بلکہ عملاً بھی کسی اور ناقص چیز کو خدا کا مظہر یا اُس کا شریک نمانے اور عبادت کرنے کے وقت محدود اشیا پر دھیان نہ جمائے بلکہ عبادت بھی اس برتر ہستی کی اُسی برتر حیثیت سے کرے اور جب اعتقاد اور عمل کے اس درجہ تک رسائی ہوجاسے تو آئندہ انسان کیلئے کوئی درجہ باقی نہین اور مذہب اور وحی اور نبوت ختم ہوگئی۔ البتہ دوسرے قسم کے جلوہ ہائے معرفت جو انسان کو سلوک معرفت میں اطمینان بخشنے والے اور قرب وصال کی خوشخبری دینے والے ہین ہمیشہ انسان کی اپنی حیثیت کے موافق ہوتے رہین گے کیونکہ ان کے بغیر سالک کو منازل طے کرنے مین کامیابی کا یقین نہین ہوسکتا +

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ (یونس پارہ ۱۱ ع ۱۲)	جو لوگ ایمان لائین اور متقی ہون۔ ان کے لیئے بُشرٰے ہے دنیوی زیست مین اور آخرت مین۔
عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَھْلِ مِصْرَ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ عَنْ قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فَقَالَ مَا سَأَلَنِیْ اَحَدٌ غَیْرُکَ اِلَّا رَجُلٌ	قبیلہ مصر مین سے ایک شخص کہتا ہے کہ مین نے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے اس آیت قرآنی کے بارہ مین سوال کیا لھم البشرٰے الخ ابو درداء نے کہا کہ جب سے مین نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وَاحِدٌ مُنْذُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا سَأَلَنِيْ عَنْهَا اَحَدٌ غَيْرُكَ مُنْذُ اُنْزِلَتْ هِيَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ اَوْ تُرٰى لَهٗ۔

(ترمذی - ابواب الرؤیا)

سے اِس آیت کا مطلب پوچھا ہے مجھ سے تجھ سے پہلے ایک شخص کے سوا اور کسی نے نہیں پوچھا اور جب میں نے جناب رسالت مآب سے پوچھا ہے تو آپ نے یہی فرمایا تھا کہ جب سے یہ آیت اتری ہے مجھ سے تیرے سوا کسی نے اسکا مطلب نہیں پوچھا۔ بُشریٰ سے مراد نیک خواب ہے جو مسلمان دیکھتا ہے یا اس کے بارہ میں کسی اور مسلمان کو نظر آتا ہے۔

اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوْا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ (بخاری باب المبشرات)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ نبوت میں سے مبشرات کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ مبشرات کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ نیک خواب۔

ختم نبوت اور سپنسر

ھربرٹ سپنسر اپنی فلسفیانہ نظر سے موجودہ درجۂ معرفت سے آگے ایک اور درجہ کو دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں[۱] کہ ایک وقت پر خدا کو ایسا مطلق سے مطلق اور برتر سے برتر سمجھا جائیگا کہ اسکی طرف کوئی صفت منسوب نہ ہو سکیگی اور انسان ہر ایک حیثیت سے اوس کو ناقابل فہم تسلیم کریگا۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر طرح کا کمال اچھی جو آج انسان خدا کی طرف منسوب کرتا ہے اور وہ ہر طرح کی امداد اور اعانت جو اسکی طرف سے پہنچنے کا یقین کرتا ہے یہ سب خیالات دور ہو جائینگے اور صرف خدا کا اقرار ہوگا اور کچھ نہ ہوگا اور ان کے نزدیک ترقی اس وقت ختم ہوگی۔

انصاف کی نظر مسٹر سپنسر کی اس ترقی کو دیکھ کر ویدانت والوں کی فلسفیانہ باریک بینی کا اعتراف کرتی ہے کہ انہوں نے بہت عرصہ پہلے سے خدا کی نسبت اسی قسم کے خیالات قایم کئے ہوئے ہیں فرق اگر ہے تو اس قدر کہ عموماً وحدت وجود کو ماننے والے اور غالباً ویدانت فلاسفی کے پیرو بھی فرق مراتب کو مانتے ہیں اور ان کے نزدیک مرتبۂ ذات بحت (خالص) سب سے اول ہے اور یہی مرتبہ

---

[۱] کتاب فرسٹ پرنسپلز آخر باب پنجم

مین ذات کے ساتھ کسی صفت کا انتساب نہین ہوتا اور پھر مرتبہ احدیت اور واحدیت وغیرہ کے بعد مرتبۂ صفات مانا جاتا ہے اور اس درجہ مین ہر طرح کے صفات کمال اسکی طرف منسوب ہو سکتی ہین مگر مرتبون کا یہ تمام امتیاز اور تفریق صرف ذہن مین ہو سکتی ہے اور خارج مین جو ذات موجود ہے اس مین تمام مراتب متحد ہوتے ہین اور مسٹر سپنسر خدا کے وجود خارجی کو تمام مراتب سے معرّا اور محض ذات بحت کا درجہ مانتے ہین۔

مگر حقیقت مین جیسا کہ مین ذکر آیا ہون ویدانت کی نیتی نیتی اور سپنسر کا آن نوابیل دونو عقیدے فلسفہ کی پیدائش ہین۔ جذبۂ مذہبی کی ترقی کا نتیجہ نہین ہین۔ کیونکہ جذبہ مذہبی نے جس رتبہ پر ترقی کی ہے اسمین خدا کو بیشک کثیف سے لطیف مانتا چلا گیا ہے مگر ساتھ ہی اُس کو حسن و کمال مین بیشتر از بیشتر مانتا آیا ہے۔ پس اس طرز کی ترقی کا اختتام اسی درجہ پر ہوتا ہے جہان اُس کو ہر طرح کی لطافت اور ہر طرح کے حسن و کمال مین ایسا اونچا مانا ہے کہ عقل اُس تک پہونچ نہین سکتی۔ اب اسکے آگے اگر اسکی طرف صفات کو منسوب کرنے سے بھی انکار کیا جائیگا اور انکار مین صفات حسنہ بھی منفی ہو جائینگی تو یہ ترقی نہ ہوگی بلکہ دائرہ کی ایک قوس سے آگے بڑھکر نیچے کی طرف اُترنا ہوگا۔ اور بیشک اگر مادیت کی ترقی مذہب کی طرف سے بے پروائی اور جذبۂ مذہبی کو دبانے کی کوشش جو آجکل ہو رہی ہے اسی طرح جاری رہی تو مذہب اور خدا سے انکار کرنے کا پہلا زینہ یہی ہوگا کہ اگر خدا ہے تو وہ حسن و خوبی کا خدا نہین ہے بلکہ محض درجہ اطلاق او ہستی موہوم ہے اور اس کے بعد اس رستہ پر ترقی کرنے کا اختتام یون ہوگا کہ نہ صرف صفات بلکہ خود ذات بھی کوئی چیز نہین ہے اور اس وقت دائرہ مذہب کی عروجی اور نزولی دونون قوسین ختم کر کے انسان اسی نقطہ پر پہونچ جائیگا جہان سے ابتدائے وحشت مین چلا تھا۔ اور ہم مانتے ہین کہ اس نقطہ پر پہونچنے والا شخص اگر اسکو نبی کہا جائے تو مذہب کو نابود کرنے والے انبیا مین خاتم المرسلین ہوگا مگر مذہب کو ترقی دینے والے نبیون مین خاتم الانبیاء وہی ہے جس نے مذہب کو موجودہ ترقی تک پہونچا دیا۔

مسٹر سپنسر اپنی ایجاد کردہ معرفت مین اتنا نقص تسلیم کرتے ہین کہ بحالت موجودہ انسان

اس کو ماننے کے لئے تیار ہے اور نہ اس کو ماننا اس وقت انسان کی اخلاقی حالت کو درست کرنیکے قابل ہوگا بلکہ اس کے برخلاف نہایت ناگوار نتائج مرتب ہون گے کیونکہ آجتک کی تہذیب مین انسان اور راست پر اسی خیال سے قائم رہ سکتا ہے کہ کوئی خدا ہے جو اسکو نیکی بدی کا پھل دیتا ہے اور اپنے تعلقات وار وستر سے اس پر ہر وقت تصرف رکھتا ہے اور اگر خدا کو تمام صفات سے معرّا مانا جائے تو جزا و سزا اور تعلقات وار وستد بھی چونکہ صفات ہین اس کیطرف منسوب ہو جائینگے اور انسان بالکل آزاد ہو جائیگا۔ مگر یہ کہتے ہین کہ جس وقت انسان تمدنی حالت کے کمال تک پہونچ جائیگا اور سمجھ لیگا کہ نیک و بد اعمال کے نتائج بے انتہا پھیلے ہوے چلے جاتے ہین اور خود بخود ظاہر ہوتے ہین تو اس وقت خدا کی نسبت ایسا ملبند عقیدہ مناسب ہوگا۔

مگر دیکھنا یہ ہے کہ انسان ایسا مہذب ہو جائے تو اس وقت بھی ایسے خدا کا اقرار کیا فایدہ دیگا کیونکہ جب نیک و بد اعمال کا اثر خود بخود پہونچنا تسلیم ہو جائیگا اور صفات خداوندی کی نفی سے انسان کے ساتھ اُس کا کسی طرح تعلق ہی مانا نجائیگا تو اس وقت ایسے خدا کو ماننے کی کیا ضرورت ہوگی۔ پس جیسا کہ مین کہتا ہون یہ اعتقاد خدا کو نہ ماننے کا پہلا زینہ ہوگا اور یہ درجہ مذہبی تنزل کی ابتدا ہوگی نہ اُسکی ترقی کی انتہا۔ البتہ ڈاکٹر سپنسر کی تقریر سے جس کا خلاصہ مینے نقل کیا ہی یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اگر انسان ترقی کرتا ہوا نیک و بد نتائج کے سلسلہ کو چشم عقل سے دیکھنے کے قابل ہو جائے تو اُس وقت خدا کو ماننے کے بغیر بھی اخلاق قایم رہ سکتے ہین۔ مگر اول تو یہ صورت جب خیال مین آسکتی ہے کہ ہر فرد بشر عقل و فکر مین سپنسر ہو جائے جو ایک امید موہوم سے زیادہ نہین اور دوسرے یہ بحث کہ اخلاق خدا کے بغیر بھی قائم رہ سکتے ہین ہمارے اس موضوع سے باہر ہے کیونکہ یہان جذبہ مذہبی اور اُسکی ترقی کا ذکر ہے نہ جذبہ اخلاقی اور اُس کے وجود و عدم کا اور جذبہ مذہبی کی نسبت ہم دیکھتے ہین کہ وہ خدا کو مانتا ہے اور اپنے خدا کو مانتا ہے اور مسٹر سپنسر کا خدا خدا تو شائد ہو مگر اپنا خدا نہین۔ اس لیے یہ جذبہ مذہبی کا تنزل ہوگا نہ ترقی۔

ختم نبوت اور پارکر

مسٹر ڈی پارکر اگرچہ ختم نبوت کے لفظ سے گھبراتے ہین مگر ایبسولیوٹ یعنے

مکمل مذہب کی تلاش ان کو بھی ہے چنانچہ اُس کے لیے ایک معیار قائم کرتے ہیں اور پھر اس معیار کے مطابق تعلیم دینے والے مذہب تک پہونچتے ہیں اور اپنے نزدیک اس مذہب کو سب سے مکمل اور اس کے اصول کو دائمی ثابت کرتے ہیں چنانچہ معیار قایم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ[1]۔

" مذہب اور محبت کی قسم ہمیشہ ایک ہی رہی ہے گویہ دونوں اُن ولولوں کے لحاظ سے جو اُن کے ساتھ رہتے ہیں اور نیز اس چیز کے لحاظ سے جو ان دونوں کا مقصود رہا ہے بہت مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں مثلاً محبت کا ولولہ کبھی کمزور ہوتا ہے کبھی زبردست۔ کبھی جاہلانہ کبھی عاقلانہ۔ کبھی خودغرضی کے ساتھ کبھی اخلاق کے ساتھ۔ یہ تو محبت کرنیوالے کے اوصاف ہیں اور پھر ایسا ہی اختلاف اُس چیز کے متعلق نظر آتا ہے جس کی محبت کی جائے یعنی محبت اولاد کی ہوتی ہے یا بیوی کی یا دوست کی یا اسکے سوا اور۔ اسی طرح مذہب کے مختلف عنصر ہیں یعنے مذہب کبھی عقیدت کے ساتھ ہوتا ہے کبھی خوف کے ساتھ۔ کبھی دانائی کے ساتھ کبھی جہالت کے ساتھ۔ کبھی محبت سے اور کبھی نفرت سے۔ اور اسی طرح مذہب کا مطلوب کبھی ایک چیز ہوتی ہے کبھی بہت چیزیں اور کبھی تمام چیزیں۔ اور ایسا ہی کبھی اُسکو بالکل مکمل مانا جاتا ہے اور کبھی محدود۔ کبھی ظالم کبھی متلوّن اور کبھی ناقابل اُلفت "

اور پھر آگے چل کر مکمل مذہب کی تعریف کرتے ہیں کہ

" مکمل مذہب خدا کے قانون کی کامل اطاعت کرنا۔ جسم کے ہر ایک عضو اور روح کی ہر ایک طاقت کے مناسب استعمال یا تکمیل اور تربیت سے خدا کی خدمت بجا لانا اور خدا اور انسان کے ساتھ کامل محبت رکھنا ہے جس سے زندگی میں انسان کی تمام طاقتیں جہاں تک کرسکیں ہم آہنگی اور تناسب سے کام کریں "

یہ معیار قائم کرنیکے بعد وہ مسیحیت کو سب سے مکمل مانتے ہیں کیونکہ اس کے اصول میں داخل ہے کہ

" تمام انسانوں سے ایسی محبت کرو جیسی اپنے آپ سے اور خدا کے ساتھ سب سے اوپر "

مسٹر پارکر کی پہلی تقریر سے جسمیں اُنہوں نے مذہب کی مختلف شکلیں بیان کی تھیں گمان ہوتا تھا کہ وہ واقعی نتیجہ تک پہونچینگے کیونکہ اسمیں مذہب ماننے والے کے مختلف ولولے اور مدعائے مذہب

---

[1] ای ڈسکورس آف میاٹرز پرٹیننگ ٹو ریلیجن مقالہ سوم۔ باب اول صفحہ ۳ ۱۸۵۸ء

یعنی خدا کی معرفت کے مختلف مدارج دونوں باتوں کو پیش نظر رکھتے ہیں جس کا اثر یہ ہونا چاہیئے تھا کہ
عبد اور معبود دونوں کی مکمل حالت کو مکمل مذہب کی تعریف میں مدنظر رکھا جاتا۔ مگر حیرت ہے کہ وہ تعریف کرنے
کے وقت مذہب ماننے والے کی سب سے اعلےٰ خواہش کا تو خیال رکھتے ہیں اور اس مذہب کو مکمل مانتے
ہیں جس کی بنیاد کامل محبت پر ہو۔ لیکن مدعائے مذہب یعنی معرفت خدا کی سب سے اعلیٰ شکل کا ذکر
تک نہیں کرتے اور اس وجہ سے جو تعریف مکمل مذہب کی اُن کی قلم سے نکلی ہے وہ اس صورت پر بھی
صادق آسکتی ہے جب کوئی شخص بہت سی محسوس اشیا کو خدا مانتا ہو اور تمام انسانوں سے محبت رکھتا ہے
کاش اگر مسٹر پارکر کو تعریف کرتے وقت یہ سہو نہ ہو جاتا اور وہ تکمیل معرفت کا بھی خیال رکھتے
تو مسیحیت کے کمال کا نتیجہ نہ نکال سکتے۔ کیونکہ جس مذہب میں خدا کی تقدیس و تنزیہہ کی طرف بالکل توجہ
نہیں کی گئی حتےٰ کہ اُسکی ذات کا شرک۔ ولدیت۔ جسمانیت اور حلول وغیرہ ناموزون صفات سے
پاک ہونا بھی صاف لفظوں میں بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کو باپ کے لفظ سے پکار کر ایسا اشتباہ
ڈالا گیا جسکی بنا پر تعلیم پانے والوں نے خود اُسی کو خدا کا بیٹا مان لیا جو خدا کی بادشاہت کی خوشخبری
دینے آیا تھا۔ اور اس کے علاوہ ایک کا تین ہونا اور مجسد کا جسم میں حلول کرنا۔ ایسی قباحتوں کی
بنیاد پڑی وہ مذہب کبھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے کامل معرفت کی تلقین کی ہے۔
یہ ہمارا ایمان ہے کہ نبی کی زبان سے بصراحت یہ عقائد بھی نہ نکلے ہوں گے جو اُن کے
شاگردوں نے اُنکی نسبت قائم کیئے مگر اتنا ضرور ہوا کہ اس وقت کی استعداد کے موافق یا کسی اور وجہ
سے وحی کو ایسے گول الفاظ میں بیان کیا گیا جس سے کامل معرفت پیدا نہ ہو سکی۔ اور اگر اس کے بعد
خدا کی رحمت جوش میں نہ آتی اور واقعی جلوہ معرفت سے خدا کی تنزیہ و تقدیس پر صاف الفاظ میں مہر
نور نہ دیا جاتا جو زور دینے کا حق ہے اور سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ (نساء پارہ ۶ ع ۲۳)
کا غلغلہ فضائے عالم میں نہ پھیل جاتا تو مسیحیت میں یہ یونی ٹیرینز (موحد) وغیرہ فرقے اور یہ
مسٹر پارکر جیسے مجدد دیکھنے میں نہ آتے۔ بلکہ وہی حضرت پوپ کی خدائی حکومت اور انسانوں
بلکہ تصویروں کی پرستش جاری رہتی اور دنیا کامل خدا کی تقدیس سے آشنا نہ ہوتی۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے

کہ لیسے مذہبوں میں بھی جو ہزاروں خدا مانتے تھے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے غلغلہ سے بہت ہی موحّد فرقے پیدا ہو گئے ہیں گو وہ اُس سرچشمہ کا اعتراف نہ کریں جس سے نامعلوم طور پر ان کے لب تر ہوئے ہیں +

اعلیٰ اخلاق کیا ہو سکتے ہیں غرض مسیحیت میں جو کچھ کمال ہے وہ اُن چند اخلاقی اصول کا ہے جن کو مسٹر پارکر مذہبی کمال سمجھتے ہیں اور اُن کو اس ٹھوکر کی وجہ بھی یہی ہوئی ہے کہ خدا کی تقدیس کے متعلق اُن کو اس تعلیم میں کوئی زریں اصول نظر نہ آیا ورنہ ضرور مدعائے مذہب یعنی معرفت کے کمال کو وہ تعریف میں داخل کرتے - اور اگر غور سے دیکھا جائے تو گو تمام انسانوں سے اپنی جیسی محبت کرنا نہایت اعلیٰ اخلاق ہے لیکن اسکی تشریح میں جو فروگذاشت ہوئی ہے اور اس کا مطلب جس طرح سمجھا گیا ہے اُس نے اسکی وقعت سی بہت دور کر دیا ہے کیونکہ جیسا مسٹر پارکر بیان کرتے ہیں کہ اگر دشمن ستر بار دشمنی کرے تب بھی اسکو معاف کر دینا چاہئے اور جیسا کہ انجیل کا ترجمہ کرنیوالوں کی عبارت سی سمجھا جاتا ہے (کیونکہ اصلی انجیل غالباً دُنیا کے پردہ پر موجود نہیں ہے) یہ اصول خاص خاص حالات میں اور خاص خاص مردان خدا کے لیے بیشک اُنکی رفعت درجات کا باعث ہے لیکن اسکو شرعی حکم قرار دینا اور معتقدین کے لیئے فرض ٹھیرانا کہ اگر کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی آگے کر دو" ایک ایسی فروگذاشت ہے کہ اگر یہ حکم صرف کاغذ پر نہ رہتا اور عیسائی قوم عملاً اس پر کاربند ہوتی تو دُنیا کے تختہ پر اُن کا نام باقی رہنا مشکل ہو جاتا- کیونکہ جب لوگوں کو یقین ہو جائے کہ انتقام ہرگز نہ لیا جائیگا تو جن لوگوں کی طبیعتیں بدی کی طرف راغب ہیں اور جن کو ایسے نفوس قدسیہ کی جان اور مال اور آبرو لینے میں کچھ فائدہ ہوگا وہ کبھی ایذا دہی سے باز نہ رہینگے -

غرض یہ اصول جنرل رول یعنے عام قاعدہ بننے کی ہرگز قابلیت نہیں رکھتا اور یہی وجہ ہے کہ کبھی اس پر عمل نہیں ہوا اور غالباً مسٹر پارکر نے اس نقص کو دیکھ لیا ہے اور اسی سیئے وہ پیش بندی کرتے ہیں کہ ---

"اصول کی خوبی کو دیکھنا چاہیئے خواہ اصول کو پیش کرنے والا بھی اس پر کاربند نہ ہوا ہو"

مگر یہ اُن کی غلطی ہے۔ اکثر اخلاقی اصول کی شناخت ہی یوں ہو سکتی ہے کہ وہ قابل عمل ہے یا نہیں۔ کون نہیں جانتا کہ تعلقات زناشوئی کی خواہش یا مال کی خواہش ہی وہ جذبات ہیں جن سے دُنیا میں ہزاروں طرح کے فتنہ و فساد پیدا ہوتے ہیں لیکن باوجود ان فتنوں کے عورت اور مال کی خواہش کو بالکل دبانے اور مجرد اور مفلس رہنے کا حکم اسی لیے نازیبا ہے کہ وہ قابل عمل نہیں۔ یہی حالت اِس اصول کی ہے کہ وہ زبان اور قلم سے نکلتا ہوا بہت خوبصورت اور دلکش معلوم ہوتا ہے مگر عمل کرتے کے وقت ثابت ہوتا ہے کہ کس قدر ناموزوں ہے۔

اور اگر مذہب کی خوبی یہی ہے کہ بظاہر خوشنما اصول پیش کئے جائیں تو عیسائیت سے زیادہ کمال اُن مذہبوں میں ہے جو کسی جاندار کو بھی ستانا ناجائز نہیں سمجھتے خواہ وہ کیسا موذی ہو بلکہ سانپوں کو دودھ پلاتے ہیں مُنہ پر پٹی باندھتے ہیں۔ جوتی نہیں پہنتے صاف پانی نہیں پیتے اور دوسروں کے برتنوں کا دھوون استعمال کرتے ہیں تا غیر محسوس جاندار جو ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں ان کے ہاتھ سے ضائع نہ ہوں اور قتل و خونریزی سے اس قدر نفور ہیں کہ اس مذہب کے پابند کو بادشاہ بننا بھی جائز نہیں کیونکہ حکومت کے لیے جنگ و جدل لازمی ہے مسیحیت صرف انسانوں سے محبت رکھنے پر کمال کا دعوے کرتی ہے مگر جو تمام مخلوق سے ایسا برتاؤ کرتے ہیں جو اپنے آپ سے بھی نہیں کر سکتے۔ وہ مسیحیت سے زیادہ مکمل کیوں نہ ہوں لیکن یہ غنیمت ہے کہ اس اصول کے پورے پابند صرف چند تارک الدنیا گوشہ نشین ہوتے ہیں ورنہ اور تو اور دُنیا میں سانپ ہی اس کثرت سے ہوتے کہ زمین سکونت کے قابل نہ رہتی۔

اور اگر اخلاق کی خوبی یہ ہونی چاہئے کہ اس سے بدی کا استیصال ہو اور امن و رحمت اشاعت پائے تو چاہئے کہ درشتی اور نرمی دونوں اپنے اپنے موقعوں پر جائز ہوں تا بد کو بدی کرنے اور نیکبختوں کو ستانے کا موقع نہ ملے اور خلق اللہ دین و دُنیا کے کام اطمینان سے بجا لائے۔ اور حقیقت میں تمام انسانوں سے محبت کرنیکا اثر بھی یونہی ظاہر ہو سکتا ہے کہ صبر کرنے کا حکم ہو اور اسکو انتقام سے بہتر قرار دیا جائے مگر انتقام بھی جائز ہو اور اس کے ساتھ شرط ہو کہ سزا جرم کی حد سے نہ بڑھے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِىٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ	تم ضرور اپنے مال اور جان کے متعلق ستائے جاؤ گے

مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ

(آل عمران پارہ ۴ ع ۱۹)

اور اہل کتاب سے اور مشرکین سے بہت ہی ایذا کی باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کو شعار بناؤ تو یہ اعلیٰ ہمتی کا کام ہے۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ۔

(نحل پارہ ۱۴ ع ۱۶)

پس اگر تم سزا دو تو اسی قدر سزا دو جس قدر تم کو تکلیف پہونچی ہو اور اگر اس پر بھی صبر کرو تو صبر کرنے والوں کیلئے بہتر ہے۔

جنگ و جدل میں پہلے دستی ممنوع ہے۔ مگر جب کوئی شخص اور محض اس وجہ سے مارنے کے لئے آمادہ ہو کہ ہم ایک خاص طرز مذہب کے پابند ہیں تو جواب دینا بھی فرض قرار پائے مگر اس وقت بھی حد سے بڑھنا جائز نہ ہو۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ

(بقرہ پارہ ۲ ع ۲۴)

اور خدا کے رستہ میں اپنے اپنے نفسانی اغراض کے بغیر ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑیں مگر زیادتی نہ کرنا خدا زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا

اور ہر حال میں عدل و احسان کا حکم اور صبر و مغفرت کی ترغیب ہو اور ظلم و ستم کی ممانعت۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ

(نحل پارہ ۱۴ ع ۱۳)

حکم خدا دیتا ہے عدل کا احسان کا قرابت داروں سے سلوک کرنے کا اور روکتا ہے بے شرمی برائی اور بغاوت کے کاموں سے اور وہ تم کو نصیحت کرتا ہے تاکہ تم باز آؤ۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ

اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے پس جو شخص معاف کرے اور صلح کرے تو اس کا اجر خدا پر ہے بیشک خدا ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور جو شخص مظلوم ہونے کے بعد بدلا لے

مِنْ سَبِيْلٍ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۳)	اس پر کوئی مواخذہ نہین بیشک مواخذہ اُن لوگون پر ہے جو لوگون پر ظلم کرتے ہین اور زمین پر ناحق فساد مچاتے ہین ان کے لئے سخت عذاب ہے اور جو شخص صبر کرے اور معاف کرے تو یہ کام اعلیٰ ہمتی کا ہے۔

غرض یہ ہے وہ اخلاق جس سے صبر اور مغفرت کی وجہ سے جبکہ ایسا کرنے کی ہمت اور نیز اقتضائے وقت ہو درجات کی بلندی میسر ہوتی ہے اور انتقام جائز ہونے سے بلکہ کسی کے بیوجہ قاتلانہ حملہ کرنے کے وقت اگر تاب مقابلہ ہو تو انتقام فرض ہونے سے بدمعاشون کو بدی کرنے اور نیکبختون کو ستانے کا موقعہ نہین ملتا اور اس کے برخلاف اگر بدون کو سزا دینے سے روکا جاوے تو نہ نیک راحت پاسکینگے اور نہ بد بدی کو چھوڑ سکینگے اور یہ دونون کے حق مین یعنی تمام انسانون کے حق مین دشمنی ہوگی نہ تمام انسانون سے اپنے جیسی محبت۔ اسی لیے انتقام کی تحریک مین کہا گیا ہے۔

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۴)	اور فتنہ قتل سے زیادہ بُرا ہے۔
وَاِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ (انفال پارہ ۱۰ ع ۱۰)	اگر تم ایسا نہ کروگے تو زمین پر فتنہ اور بہت فساد برپا ہوگا۔

پس معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق کے لحاظ سے بھی مسٹر پادر کو مکمل مذہب تلاش کرنے مین کامیاب نہین ہو سکے اور اسی قسم کی تکمیل بھی انہی لوگون کا حصہ ہے جو دنیا مین تلوار پکڑنے کے لیے بدنام ہین +

حامد حسن باب ہفتم نالطی

مختلف مذاہب پر نظر

دنیا کی موجودہ صورت - کیا یہ صورت ہمیشہ سے ہے؟ مادہ کی ابتدائی شکل - وہ خیال جو مہاتما بدھ کی طرف منسوب ہے - ھیلیسین اور سپنسر کی بحث - مادہ کا خود بخود عمل کرنا - وحدت وجود مادی - ایک سے زیادہ چیزوں کا قدیم ہونا - وحدت وجود روحانی - عالم کا ہر ایک تغیر کسی مصلحت پر مبنی ہے - پاک ناپاک کیونکر ہوا مطلق علیت کے سلسلہ میں نہیں علم بغیر نظیر کے پیدا نہیں ہوسکتا - وحدت وجود کے لئے کیا تشبیہیں ہوسکتی ہیں -

اگرچہ مکمل مذہب یا خاتم المذاہب تلاش کرنے کیلئے جو اصول قرار دیا گیا ہے اس سے اس مسئلہ پر بہت کچھ روشنی پڑسکتی ہے لیکن کسی خاص مذہب کو اس درجہ پر ملانے کے بغیر کم از کم اس قدر تو ہر شخص تسلیم کرسکتا ہے کہ جس مذہب میں خدا کا انکشاف اس حد تک پہونچ گیا ہے جہاں تک انسانی دل و دماغ کی رسائی ہوسکتی ہے وہ مذہب سب سے اعلیٰ ہوگا - اور اگر کوئی شخص صاف لفظوں میں اس کا اعتراف نہ کرے تب بھی معلوم ہوتا ہے کہ عملاً سب مذاہب اس اصول کو مانتے ہیں اور اسی لیے ہر ایک مذہب کی طرف سے اپنی تعلیم کو خدا کا واقعی انکشاف ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے - پس اس موقع پر اس امر کی نسبت غور کرنا بھی ضرور ہے کہ کونسا مذہب ہے جسکی تعلیم اصول عقلیہ کے مطابق دیگر مذاہب سے زیادہ قرین قیاس ہے - مگر سردست صرف اسی حیثیت سے غور کیا جائیگا کہ معرفت ربانی اور تعلق خالق و مخلوق کی نسبت کون سے عقائد برتری کے مستحق ہوسکتے ہیں - کیونکہ جہانتک میں سمجھتا ہوں مذہب کا اصول اور سب سے مہتم بالشان مسئلہ معرفت اور بندہ و خدا کا تعلق ہے اور اس کے علاوہ اخلاقی تعلیم اور اصول عبادت وغیرہ دوسرے درجہ پر اور اس اصول اولی کو تقویت دینے والے ہیں -

اور اگرچہ آجکل عقلاء زمانہ کا رجحان اِس جانب ہے کہ موجودات عالم سے خدا کو ثابت نہین کیا جا سکتا اور بقول پروفیسر ولیم جیمس آجکل اس قسم کی تحریروں کی نسبت کتب خانون کو خاک سے بھر دینا بہتر سمجھا جاتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ عقل کے خزانہ مین دولت ہی اس قدر ہے اور انسان کو آنکھ کھول کر محسوسات کے سوا اور کچھ دکھائی نہین دیتا۔ اسی لیے مذہبی اصول کو عقلی طور پر پرکھنے کے لیے بھی موجودات عالم ہی کو معیار گردانا ہوگا۔ اور جہان تک بن پڑے یہین کے قاعدے قانون سے دیکھنا ہوگا کہ اس سے پرے کے حالات ہم کہان تک سمجھ سکتے ہین۔ اور جب قدرت نے ہماری عقل کو سرمایہ ہی یہ دیا ہے تو کیا بعید ہے کہ اسی دریا کی غوطہ زنی سے کسی وقت گوہر مقصود بھی ہاتھ لگ جائے۔ اس لیئے

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب آؤ نہ ہم بھی سیر کرین کوہ طور کی

اور جیسا کہ اوپر مفصل طور پر ذکر ہو چکا ہے کہ عقل اگرچہ مذہب کو پیدا نہین کر سکتی۔ مگر وحی والہام سے خدا اور مذہب کی نسبت یقین پیدا ہونے کے بعد جو اختلاف معرفت خدا اور پیدائش عالم متعلق اقوام عالم مین پایا جاتا ہے۔ اس اختلاف سے نجات پانے اور کسی ایک تعلیم پر یقین کرنے کے لیے دلائل عقلیہ بہت کچھ مفید ہو سکتی ہین۔ چنانچہ ہم بھی اس مضمون کے لیے اصول عقلیہ سے کام لینے کی جرأت کرتے ہین اور دیکھتے ہین کہ کونسی تعلیم ان کے روسے قابل تسلیم ثابت ہوتی ہے۔

دنیا کی موجودہ صورت

انسان جن چیزون کو اپنے گرد وپیش دیکھتا ہے انمین سے بعض اس کو اپنی چھوٹی سی عمر مین کئی طرح کی حالت بدلتی ہوئی نظر آتی ہین۔ وہ دیکھتا ہے کہ بچہ پیدا ہوتا ہے۔ دن بدن بڑھتا جاتا ہے کمال کو پہونچتا ہے پھر زوال شروع ہوتا ہے اور ہوتے ہوتے ایک دن مرجاتا ہے۔ وہ کھیت مین دانہ ڈالتا ہے روئیدگی پیدا ہوتی ہے۔ بڑھکر اپنے وقت پر پھل لاتی ہے اور فنا ہو جاتی ہے وہ مکان بناتا ہے پہلے سفید میدان ہوتا ہے۔ پھر اینٹ مٹی کے ڈھیر نظر آتے ہین۔ عمارت اٹھنی شروع ہوتی ہے۔ سربفلک محل بنکر تیار ہو جاتا ہے کچھ مدت مین بوسیدہ ہونے لگتا ہے اور ایک وقت منہدم ہو جاتا ہے۔ مگر ان کے علاوہ اکثر چیزین اسے ایسی نظر آتی ہین جن کو اسکی جسمانی آنکھ تمام عمر یکسان دیکھتی رہتی ہے۔ وہ زمین کو دیکھتا ہے کہ ہزارون طرح کی مخلوق اس مین سے پیدا ہوتی ہے اور اسی میں سما جاتی ہے

مگر وہ جیسی بچپن میں دیکھی تھی ویسی ہی مرنیکے وقت تک نظر آتی ہے - وہ پہاڑون کو دیکھتا ہے کہ
جس طرح سے وہ کالے دیو بچپن مین دوڑنے کے وقت اِس کے سد راہ ہوتے تھے اسی طرح بڑھاپے
کے وقت رفتار کو روکتے ہین - وہ چاند سورج اور ستارون کو دیکھتا ہے کہ جس قاعدے سے وہ روشنی
دیا کرتے تھے اسی قاعدے پر چلے جا رہے ہین بلکہ ان کے علاوہ وہ بعض بڑے درختون کو بھی تمام عمر
دیکھتا رہتا ہے کہ ایک ہی قاعدے سے کبھی پھل لاتے ہین اور کبھی پتے گراتے ہین ◆

کیا یہ صورت ہمیشہ سے ہے؟ اب سوال ہوتا ہے کہ کیا یہ قرین قیاس ہے کہ دُنیا کو اسی طرز پر مانا جائے
کہ اسکی بعض چیزین بدلتی رہتی ہین اور بعض ازل سے ایک ہی حالت پر ہین اور یہ دسترخوان ہمیشہ سے
یونہی بچھا ہوا ہے ؟ عقل جواب دیتی ہے کہ نہین یہ عقیدہ دماغ مین جگہ پانے کے قابل نہین کیونکہ
اگرچہ حیوانی آنکھ بڑے درختون کو اور زمین اور دیگر کواکب کو ایک حالت پر دیکھتی ہے لیکن عقل کی
آنکھ اُن کے تغیرات کو دیکھ رہی ہے اور وہ جانتی ہے کہ نہ صرف درخت بلکہ پہاڑ اور زمین اور چاند
سورج سب اپنے اپنے وقت پر پیدا ہوئے ہین اور نباتات وحیوانات کی طرح اپنے طفولیت - شباب
اور پیری کا زمانہ گذارتے ہوئے جا رہے ہین - چنانچہ جہان تک زمین کے پہاڑون اور دیگر
سخت طبقات کا تعلق ہے عقل کو یقیناً معلوم ہے کہ یہ ہمیشہ سے اس شکل پر نہین تھے اور وہ جانتی
ہے کہ کیونکر ابتدائی حالت سے رفتہ رفتہ اس موجودہ شکل تک پہنچے ہین - مگر اس سے بڑے اگرچہ اسکی نظر بھی
پورے طور پر کام نہین کرتی لیکن پھر بھی یقین ہے کہ سخت ہونے سے پیشتر جو حالت ہوگی وہ بھی
ہمیشہ سے نہین ہے اور اپنے موجودہ تجربون سے عالمانہ اصول کے مطابق اسکی پہلی حالت کا خاکہ بھی
کھینچا ہوا ہے اور فیصلہ کر چکی ہے کہ زمین کی جداگانہ ہستی بھی ایک محدود عرصہ سے معرض وجود مین
آئی ہے اور نہ صرف زمین بلکہ تمام سیارے اور خود آفتاب بھی اسی تدریجی رفتار سے اس درجہ تک پہونچے
ہین ورنہ پہلے ایک وقت پر جداگانہ وجود کسی کا بھی نہ تھا - چنانچہ طبقات الارض کے مشہور عالم
ڈاکٹر سر آرچیبالڈ گیکی لکھتے ہین لـه

لـه کتاب کلاس بک آف جیالوجی باب شانزدہم -

اگر زمین کی تاریخ کا پتہ محض اس شہادت سے لگایا جاوے جو خود زمین کے اندر مہیا ہے تو ہم اُن قدیم تر اجزائے زمین سے آگے نہیں بڑھ سکتے جو ہماری دسترس کے اندر ہیں۔ تاہم ہمیں کوئی شک نہیں کہ اس کرہ کے موجودہ منجمد اجزا کے ظاہر ہونے سے پہلے بھی اس پر تاریخ کا ایک لمبا زمانہ گذر چکا ہے اور یہ خیال تدریجی ارتقا اور تکمیل کے اُن نشانات سے یقین تک پہونچ جاتا ہے جو عالمان ہیأت نے اجرام سماوی میں دیکھے ہیں اور چونکہ زمین بھی اُن سیّاروں میں سے ایک ہے جو آفتاب کے گرد گردش کرتے ہیں اسلیئے ہمکی جداگانہ ہستی کے ابتدائی مدارج بالکل وہی ہوں گے جو تمام نظام شمسی میں پائے جاتے ہیں۔ اس لیے زمین کی ابتدائی تاریخ تلاش کرنے کے لیے عالم طبقات الارض کو عالمان ہیئت کی تحقیقات کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے ''۔

'' زمانہ حال میں تحقیقات کے صحیح تر طریقوں سے اور خصوصاً اجرام سماوی کی تحقیق میں دوربین کے استعمال سے وہ خیال صحیح ثابت ہوتا ہے جس کو نیبیولا کا عقیدہ کہتے ہیں۔ اس عقیدہ کے موافق اجرام سماوی کا یہ سلسلہ جس کو نظام شمسی کہتے ہیں ایک زمانہ میں جو کہ بہت ہی پرانا ہے نیبولا یعنے تمام مادے کا ایک بادل کا سا مجموعہ تھا[۱] ۔ جیسے کئی مجموعے آجکل بھی فضا میں (کہکشاں کی شکل کے) مشاہدہ کئے جاتے ہیں اور یہ بادل اسوقت میں کم از کم اتنا ہی پھیلا ہوا تھا جتنی دور تک آجکل آفتاب کے گرد سیاروں کا ہجوم ہے اور اس بادل میں تو یا گیس کیسا ہوا بخار ہوگا یا تیز حرکت کرتے ہوئے پتھروں کے بادل ہونگے جس طرح کے پتھر اب بھی گاہ گاہ شہابوں کے ساتھ ہماری فضا میں آتے اور زمین پر گرتے ہیں اور یہ پتھر تیز حرکت کرتے ہوئے رگڑ کھا کر بخار بن گئے ہونگے جیسا کہ غالباً ٹوٹتے ستاروں کی دم بخار بن کر اڑ جاتی ہے۔ غرض کچھ بھی ہو پھر اُس بادل کا مادہ کثیف ہونا شروع ہوا ہوگا اور اس حالت میں کچھ کچھ حلقے جدا ہوتے گئے ہونگے جس طرح کا حلقہ اب بھی زحل کے گرد موجود ہے اور اس بادل کی دوری حرکت کے سبب یہ حلقے بھی اس کے گرد حرکت کرنے لگے ہوں گے اور جس قدر وہ بادل سکڑتا گیا ہوگا یہ حلقے نکلتے آئے ہونگے۔ لیکن اِن کے ٹکڑے

---

[۱] ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ (حم سجدہ پارہ ۲۴ ع ۲) کیا عجب ہے کہ اسی کی طرف اشارہ ہو۔

اِس زور سے باہم نہ ٹکراتے ہوں گے کہ حرارت پیدا ہو کر پھر بخار بن جائیں اور آخر کار یہ حلقے بھی سکڑتے سکڑتے سیارے بن گئے ہونگے اور ان میں سے بعض کے کثیف ہونے سے پہلے حلقے بن گئے ہونگے جو کسی کسی میں اب تک موجود ہیں اور کسی میں وہ بھی کثیف ہو کر ان کے مددگار سیارے یا چاند بن گئے اور جس قدر بھاری مادہ بادل کے وسط میں رہ گیا وہ وہیں کثیف ہوتا گیا اور اسکی حرارت عرصۂ دراز تک قائم رہنے کے قابل ہو گئی پس آفتاب وہی بادل کا درمیانی حصہ ہے جس کی حرارت اس نظام کی بعیدی مقامات تک پہونچتی ہے۔"

مادہ کی ابتدائی شکل غرض عالمانہ نظر کسی قدر یقین اور کسیقدر استدلالی عمل سے زمین و آسمان کو حادث مانتی ہوئی اُس بادل تک پہونچی ہے جس میں سے تمام اجرام سماوی پیدا ہوئے ہیں[1] اور اگرچہ سائنس کی تحقیق ابھی تک اس سے آگے نہیں بڑھ سکی لیکن کیا آیندہ کے لیے کوئی سوال بھی پیدا نہیں ہوتا اور کیا ہماری سمجھ کو اس سے تسکین ہو سکتی ہے کہ جہان کی ابتدا محض یہی بادل ہے؟ تحریک مذہبی کے بڑے مہربان مسٹر بریڈلا ایسا سوال کرنے سے روکتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ[2]

"ضرورت ہی کیا ہے کہ دنیا کی اصلیت کو خیال میں لانے کی کوشش کی جائے۔"

---

[1] دنیا کا بادل سے شروع ہونا ایک تصویری ہے جو ممکن ہے کہ صحیح ہو اور ممکن ہے کہ اس کے سوا کوئی اور صورت ہو اور حال میں جو ریڈیم ایک جدید دھات دریافت ہوئی ہے اس نے یہ خیال پیدا بھی کر دیا ہے کہ شاید آفتاب میں اسی دہات کی بڑی مقدار موجود ہے اور اس لئے وہ بغیر سکڑنے کے حرارت اور روشنی پہونچا رہا ہو اور اس بنا پر اسکا بادل کی شکل سے سکڑ کر موجودہ شکل میں آنا غلط ہو غرض خواہ کوئی صورت ہو سکڑنے کے علاوہ اور بھی کئی طرح کے تغیرات عقل کو اور نیز دوربین کو نظر آتے ہیں جو آفتاب اور دیگر سیاروں میں ہو رہے ہیں اور اس لیے یقین ہے کہ یہ سب موجودات حادث ہیں اور ضرور ہے کہ دنیا کی اس سے پہلے کوئی اور صورت ہوگی اور یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ جو شکل اس وقت موجود ہے ہمیشہ سے یہ شکل اسی طرح پر چلی آتی ہو اور موجودہ ضرورت کیلئے اسی قدر ثابت ہونا کافی ہے۔

[2] فری تھنکرس ٹکسٹ بک صفحہ ۱۱۸ ۱۸۸۲ء

لیکن کیا واقعہ مین انسان کا دماغ اس سوال کو پیدا نہین کرتا؟ اور کوئی عام انسان تو خیر دیوانہ بھی ہوسکتا ہے اور اُس کے سوال کو دیوانہ پن کہہ سکتے ہین۔ مگر کیا عالمانہ دماغ ضرور اس سوال سے خالی رہتا ہے؟ ڈاکٹر سیمون نیوکوم ایل ایل ڈی جن کی نسبت سر رابرٹ بال ایل ایل ڈی لکھتے ہین کہ :-

"وہ نہ صرف امریکا مین تمام دنیا کے علما مین ہیئت اور دیگر علوم کے لحاظ سے مقدم نشین ہین"

غرض ایسا عالم تو یہ سوال پیدا کرتا ہی اور کہتا ہے کہ[۲]

"نیبولا کے عقیدے کو مان کر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ نیبیولا یعنے بخار کا بادل کیونکر پیدا ہوا اور اس کا آغاز کیونکر ہوا۔ لیکن اب ہم ایسی حد پر پہونچ گئے ہین جہان سائنس سوال تو پیدا کرسکتی ہے مگر اسکا جواب نہین دے سکتی۔"

غرض معلوم ہوا کہ تحقیق کی حد پر پہونچ کر عقل پوری تسکین نہین پاتی اور نہ عام عقل بلکہ سائنس کی عقل بھی سوال پیدا کرتی ہے۔ البتہ ڈاکٹر نیوکوم ہمکو سائنس کیطرف سے کسی جواب کی امید نہین دلاتے اور واقع مین ہونا بھی یہی تھا کیونکہ خواہ کسی زمانے مین سائنس اس بادل کو چیر کر دیکھ لے اور اسکی ساخت کا پتہ لگا سکے لیکن جس شکل کو اس سے پہلے فرض کیا جائیگا اسکی نسبت پھر بھی سوال ہوگا اور آخر سائنس کو پھر بھی سوال ہوگا اور آخر کار سائنس کو اعتراف کرنا پڑیگا کہ اب اُسے کچھ معلوم نہین۔ پس یہی وہ حد ہے جہان سے مذہب کی حکومت شروع ہوتی ہے اور مذہب کی ضرورت کی بھی ایک بڑی دلیل ہے کہ آخر مین سائنس ایسا سوال پیش کرتی ہے جس کا جواب نہین دے سکتی۔ گویا اس وقت تک وہ خود عقل کی رہنما تھی اور اب ایک جگہ ٹھیر کر دور سے مذہب کی طرف اُنگلی کا اشارہ کرتی ہے اور عقل کو اُسکے پیچھے دوڑا کر الگ ہوجاتی ہے ڈاکٹر سپنسر کہتے ہین[۳]

---

[۱] دیباچہ کتاب اسٹرانومی فار ایوری باڈی۔

[۲] کتاب مذکور حصہ سیوم آخر باب دوئم۔

[۳] فرسٹ پرنسپلز۔ باب اول۔ خلاصہ۔

حقیقی علم تمام ممکن خیالات کا حاوی نہیں ہو سکتا اور انکشاف کتنی ہی دور تک جاوے سوال باقی رہتا ہے کہاں سے پیدا کیا ہے۔ سائنس مین جس قدر زیادتی ہوتی ہے وہ اسی نامعلوم حالات سے اور زیادہ قریب کرتی جاتی ہے۔ پس جب علم تمام واقفیت کا اجارہ دار نہیں بن سکتا اور جب دماغ کے لئے ہمیشہ ممکن رہیگا کہ موجودہ علم سے بالاتر معلومات کے ساتھ تعلق پیدا کرے تو کبھی ایسا نہ ہوگا کہ مذہب جیسی چیز کے لیے کوئی موقع ہی نہ رہے اور چونکہ مذہب اپنی تمام اشکال مین اور ما اشیا سے علیحدہ اور ممتاز ہے اسئے اسکا مرجع بھی تجربہ کی حدود سے بالاتر ہوگا۔

وہ خیال جو مہاتما بدھ کیطرف منسوب ہے

غرض یہ کہ اگرچہ سائنس اسوقت تک بخار کے بادل تک پہونچی ہے لیکن اس سے آگے بھی جہان تک تجربہ کی ترقی کا احتمال ہے وہ مُلک سائنس کی موجودہ قلمرو مین نہین تو اس کے زیر اقتدار ضرور ہے اور ان حدود تک مذہب کی حکومت مسلّم نہین اور دراصل مین مذہبی خیالات اسی جگہ سے شروع ہوتے ہین جہان مادہ کی ابتدائی حالت مانی جائے پس وہ ابتدائی شکل خواہ یہی بخار کا بادل ہو یا کچھ اور اسکی نسبت سوال ہوتا ہے کہ آیا وہ خود بخود موجود ہے اور خود بخود عمل کرتا ہے یا اس پر کوئی اور مخفی طاقت حکومت کر رہی ہے اور یہی سوال ہے جس کا جواب مذہب کی طرف سے دیا گیا ہے اور بدقسمتی سے اس جواب کا مطلب سمجھنے مین بہت کچھ اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور چونکہ سوال مادہ کی ابتدائی شکل کے متعلق ہے اس لیے پہلا اختلاف خود مادہ کے وجود کی نسبت ہے۔ چنانچہ ایک احتمال یہ پیدا کیا گیا ہے کہ روح اور خدا ایک طرف خود مادہ بھی موجود نہین ہے[1] اور دنیا مین یہی تغیرات اور اوصاف موجود ہین جو نظر آتے ہین اور لہرون کی طرح بدلتے رہتے ہین۔ اور ان لہرون کا بند ہو جانا ہی نجات ہے چنانچہ اس احتمال کو پیدا کرنے والے کہتے ہین[2] کہ جو تغیرات ہم دیکھتے ہین اُن کے لیے اوصاف کا وجود کافی ہے پس اوصاف کے

ف۱ کتاب گیان یوگ مصنفہ سوامی ویویکانند باب ہفتم صفحہ ۲۳۰ طبع دوئم۔

ف۲ جن لوگون کی طرف یہ خیال منسوب کیا جاتا ہے یعنی پیروان بدھ انکی بس یہ ہے کہ مجھے کوئی انکی اپنی تصنیف دیکھنے کا اتفاق نہین ہوا۔ اور مہاتما بدھ کے متعلق جو کچھ دیکھنے مین آیا ہے وہ اغیار کی تحریرین ہین جو مذہب کو نہین مانتے اور خود وہ لوگ کیسی ہی صفائی سے ان خیالات کو لکھتے ہون مگر میرے دل کو ان پر ایسا یقین نہین جیسا خود صاحب مذہب کی

ساتھ ذات کو بھی موجود ماننا ایک مسبب کے لیے دو سببون کا یقین کرنا ہے جو غیر منطقیانہ طریق اور فضول اعتقاد ہے۔ اس خیال کو خواہ کیسے ہی شاندار الفاظ مین ظاہر کیا جاے مگر بالعموم عقل پر قبضہ کرنے کے لیے کافی نہین اور اگرچہ ہماری نظر صرف تغیرات یا ان سے آگے اوصاف تک محدود ہے مگر یہ جسمانی نظر ہے جو ایسی ضعیف واقع ہوئی ہے ورنہ عقل کی آنکھ دیکھتی ہے کہ تغیرات اور اوصاف عارضی چیزین ہین اور قایم نہین رہ سکتین جب تک کوئی ذات ان کے پیچھے سہارا دینے والی نہ ہو۔ اور چیزون کے لیے تو یہ فیصلہ صرف عقل ہی کرتی ہے مگر انسان کے اپنے وجود مین اس کا تمام تر تجربہ شہادت دیتا ہے کہ اس کے جسمانی اور روحانی ہزارون قسم کے تغیرات ہین جو اس کے رنگ روپ۔ قد و قامت اور دیگر اوصاف کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک بدل دیتے ہین مگر یہ خود ایک چیز ہے جو تمام مختلف حالات مین قائم رہتا ہے اور ایک بچہ بوڑھا ہوکر اور ایک تندرست بیمار و نزار ہوکر یقین رکھتا ہے کہ مین وہی ہون جو پہلی حالت مین موجود تھا۔ پس اگر محض تغیرات اور اوصاف ہی موجود ہوتے تو ان کے بدل جانے پر ایک انسان فنا ہو جاتا اور دوسرا پیدا ہوتا اور اس طرح پر بچپن سے بڑھاپے تک کا زمانہ ہزارون انسانون کا ایک سلسلہ ہوتا نہ وہی ایک انسان۔

ہیریسن اور سپنسر کی بحث

سوامی ویکانند نے اسی مضمون سے ملتی جلتی ایک بحث مسٹر ہیریسن اور مسٹر سپنسر کی لکھی ہے[1] مسٹر سپنسر مانتے ہین کہ تغیرات کے اندر ایسی چیز موجود ہے جو غیر متغیر ہے مسٹر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۹) تحریر سے پیدا ہو سکتا ہے اور بالخصوص جبکہ مین ذاتی تجربہ بھی دیکھتا ہون کہ اسلام کے متعلق جو تحریرین اغیار کی طرف سے شائع ہوئی ہین۔۔۔۔۔ ان مین خواہ کیسی ہی صداقت اور نیک نیتی سے لکھنے کا دعوی کیا جائے۔ اسلام کے چہرہ کو بدنما کرنے مین شاذ و نادر ہی کوتاہی ہوئی ہے اور اصلیت پر بالعموم پردہ ڈالا گیا ہے۔ پس جس پیالہ سے اسلام کو پلایا جاتا ہے کیون ممکن نہین کہ اسی پیالہ سے اورون کی تواضع ہو۔ اور دوسرے بدھ مذہب کی نسبت ان تحریرون کے مفہوم مین بھی اختلاف ہے چنانچہ بعض جگہ سے خدا کو ماننے کا خیال بھی سمجھ مین آتا ہے۔ مگر چونکہ اس وقت ان احتمالات سے بحث ہے جو مذہب کے متعلق پیدا ہو سکتے ہین اس لئے یہ خیال خود مہاتما بدھ کا ہو یا کسی اور کا ہمین اسکی قوت اور ضعف کو دیکھنا چاہیئے۔

[1] کتاب گیان یوگ باب پانزدہم صفحہ ۲۶۲ طبع دوئم

ھیر یسین کہتے ہین کہ ہم صرف تغیرات کو دیکھتے ہین اور انہی کو معلوم کر سکتے ہین۔ غیر متغیر کا ہم کو علم نہین اور نہ ہو سکتا ہے مسٹر سپنسر کیطرف سے بہی انسان کی نظیر پیش کی گئی ہے کہ مین کھاتا ہون۔ چلتا ہون سوتا ہون۔ یہ سب کام بدلتے رہتے ہین لیکن مین موجود رہتا ہون۔ پس وہ " مین " تغیرات کو برداشت کرنے والا مادہ ہے۔ اور دوسرے یہ کہ تغیرات پیش آتے ہین اور مین اُن کو یاد رکھتا ہون۔ پس وہ یاد رکھنے والی رُوح ہے ؎

سوامی جی اعتراض کرتے ہین کہ " مین " اور کھانے والا کہنے مین جدا ہو سکتے ہین مگر جس وقت کھانے والا موجود ہے اس وقت " مین " اور کھانے والا ایک چیز ہے اور اسی طرح جب چلنے والا موجود ہی اُسوقت " مین " اور چلنے والا ایک چیز ہے " گویا کھانے کے وقت بھی ایک ہی چیز موجود ہے اور چلنے کے وقت بھی ایک ہی چیز موجود ہے۔ اور محاورہ زبانی مین ان دونون چیزون کو ان کے موجود ہونے کے وقت " مین " کہا جاتا ہے جس سے لازم نہین آتا کہ دونون وقتون مین چیز بھی ایک ہی موجود ہے بلکہ کہنا چاہیئے کہ دو چیزون کے لیئے ایک مشترک لفظ یعنی " مین " استعمال کیا جاتا ہے اور دوسرے کبھی انسان کو بعض باتین یاد نہین رہتین یا بعض امراض مین کچھ بھی یاد نہین رہتا بلکہ انسان اپنے تئین پتھر یا حیوان سمجھ لیتا ہے۔ پس کیا اس وقت وہ غیر متغیر " مین " فنا ہو گیا ہی؟

مگر سوامی جی کے دونون اعتراض ہمارے خیال مین مسٹر سپنسر کی دلیل کو کمزور نہین کر سکتے کیونکہ اگرچہ کھانے والا ظاہر مین وہی " مین " ہے مگر جو شخص صرف تغیر کو جانتا ہے آیا وہ کھانے والے کے چلنے یا سونے کے وقت یقین کرتا ہے؟ کہ کھانے والا نہین رہا اور اب اور چیز چلنے والی پیدا ہو گئی ہے۔ اور نیز جو شخص کہتا ہے کہ مین کھانا کھاتا تھا اور اب مین سیر کر رہا ہون اور مین مکان پر جا کر سو رہونگا۔ وہ لفظ " مین " کو اس طرح استعمال نہین کرتا جیسے کوئی مشترک نام دو شخصون پر استعمال کیا جاتا ہی یعنی وہ اس وقت نہین سمجھتا کہ ایک " مین " کھاتا تھا اور کوئی اور " مین " سیر کر رہا ہے اور کھانے والا مین فنا ہو گیا۔ بلکہ وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ ایک ہی " مین " ہے جسکی تینون حالتون کا ذکر ہو رہا ہے۔ اور جو لوگ صرف متغیر کو مانتے ہین وہ بھی اپنے تمام معاملات مین اس طرح " مین " کا استعمال کرنے والے کو سچا جانتے ہین اور جس شخص نے

خون کیا ہے اس کو اس واقعہ کے بعد کھانا کھانے کی حالت میں پکڑ کر سزا دینا جائز سمجھتے ہیں پس جس حاسہ سے اس وقت یہ لوگ کھانیوالے کو چلنے والا اور قاتل کو گھر میں چھپنے والا کہہ رہے ہیں وہی حاسہ قائم رہنے والے مادہ کو محسوس کرتا ہے۔

اور اسی طرح سوامی جی کے دوسرے اعتراض سے بھی کوئی نقص ثابت نہیں ہوتا کیونکہ خواہ بعض باتیں بھول جاتی ہوں یا انسانوں کو سب کچھ بھول جاتا ہو لیکن پھر بھی بہت سی باتیں یاد رہتی ہیں اور بہت سے انسانوں کو یاد رہتی ہیں پس جیسے بعض دفعہ انسان بالکل مدہوش ہو جاتا ہے یا بعض انسان بالکل عقل سے بے بہرہ رہتے ہیں۔ لیکن عام طور پر عقل کے موجود ہونے سے نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان میں عقل کا جوہر ودیعت ہے۔ اسی طرح اکثر باتوں کے یاد رہنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ تغیرات سے پرے کوئی یاد رکھنے والی ہستی موجود ہے۔ اور جس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر جوہر عقل انسان میں ودیعت نہ ہوتا تو کوئی انسان بھی عقل کا حصہ نہ پاتا اسی طرح کہہ سکتے ہیں کہ اگر صرف تغیرات موجود ہوتے اور ان کے پیچھے غیر متغیر ہستی موجود نہ ہوتی تو ضرور تھا کہ ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں کچھ بھی اور کسیکو بھی یاد نہ رہتا۔ بلکہ یہاں تو بہت سی باتیں یاد رہتی ہیں حالانکہ صرف کسی ایک بات کا یاد رہنا بھی غیر متغیر مادہ کو ثابت کرنے کے لیئے کافی تھا۔ اس لیئے اب بعض اشخاص کو یاد نہ رہنے کی وجہ یہ ماننی چاہیئے کہ اس وقت ذات کی صفت حافظہ دور ہو جاتی ہے نہ یہ کہ خود ذات معدوم ہو جاتی ہے

مادہ کا خود بخود عمل کرنا

غرض صرف تغیرات کے موجود ہونیکا احتمال جو مذہبی ارشاد سمجھا جاتا ہے ایک معلول کو مانتا ہے اور اسکی فاعلی اور مادی کسی علت کو نہیں مانتا اور معلول کا بغیر علت کے پیدا ہونا ایسا دعوی ہے جس کو سمجھنے کے لیئے عقل انسان کسی طرح تیار نہیں ہوتی۔ اس لیئے اس کو چھوڑ کر اور تغیرات کے اندر کسی مادہ کو موجود مانکر دوسرا احتمال یہ ہوسکتا ہے کہ مادہ کے اجزا ایک وقت پر خود بخود حرکت کرنے لگے ہیں اور حرکت سے ان کا تکاثف شروع ہو گیا ہے۔ یا اگر انکی حرکت دائمی ہوگی تو کسی وقت خود بخود جمع ہونے لگے ہیں اور اس اجتماع سے آفتاب اور ستارے پیدا ہونے لگے اور ہوتے ہوتے دنیا کی یہ صورت بن گئی۔

اس احتمال کو اگرچہ ایک فرقے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور ان کا نام اے تھی اسٹ یا دہریّہ رکھا جاتا ہے مگر یقین نہین آتا کہ کوئی عقلمند اس عقیدے کا قائل ہوا ہو کیونکہ دنیا کو مادّہ کی ابتدائی شکل سے موجودہ صورت مین آنے تک خواہ کیسا ہی بڑا اور طویل زمانہ صرف ہوا ہو مگر تاہم وہ زمانہ محدود ہوگا۔ اور خواہ ہم اس زمانے کے سال اور صدیان بتانے کے لئے تمامتر رقوم ہندسیہ کو جہان تک ضرب دے سکتے ہون دے لین مگر پھر بھی اُس زمانے سے پہلے مادّہ کا اپنی سادہ حالت مین موجود رہنے کا زمانہ غیر متناہی باقی رہیگا۔ پس اس قدر عرصہ تک مادّہ کا بے حس و حرکت اور بغیر اجتماع کے موجود رہنا اور آخر مین ایک وقت پر تکوین عالم کا سلسلہ شروع کر دینا ایسا فعل ہے جس کی کوئی علّت مانی نہین جاتی اور مسبّب کا بغیر سبب کے موجود ہونا سمجھ مین نہین آتا کہ کسی عقلمند کے دماغ نے کیونکر تسلیم کیا ہوگا ٭

وحدت وجود مادّی | مادہ کو موجود مانکر اور کسی وقت اتفاق سے خود بخود پیدائش کا عمل شروع ہو جانے کو نامعقول سمجھ کر وہ احتمال پیدا ہوتا ہے جس کو وحدت وجود مادّی یا کاسموتھی اِزم یعنی الوہیّت عالم کہتے ہین[1] اور اس کے رو سے محض مادّہ کو قدیم مانا جاتا ہے اور سلسلہ تکوین کو نہ اتفاق بلکہ مادّہ کے مقررہ قوانین کا اثر تسلیم کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ مادّہ دائمًا حرکت کرتا رہتا ہے اور اپنے غیر متبدل قاعدون سے اپنی حالت کو بدلتا رہتا ہے اور اسی طرح گویا موجودات عالم سے پہلے اسکی ہزارون شکلین بن کر بگڑ چکی ہین اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہیگا ٭

اس احتمال مین تسلیم کیا گیا ہے کہ مادّہ ایک شکل اختیار کرتا ہے مثلاً آفتاب ماہتاب و سیارے بنجاتے ہین اور پھر خود بخود اس شکل کو توڑنے لگتا ہے اور واپس لوٹتا ہوا اپنی اصلی حالت پر جاکر پھر دوسری شکل مین نمودار ہونے لگتا ہے اور یونہی کبھی بنتا اور کبھی بگڑتا چلا جاتا ہے۔ مگر ہم جو صرف اِسی عالم کو دیکھ سکتے ہین مادہ کی اُنھی طاقتون کا یقین کر سکتے ہین جو اس عالم مین مشاہدہ ہون

---

[1] یہ خیال ارسطو اور دیمقراطیس وغیرہ چند حکماے یونان کی طرف منسوب ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب اے ڈسکورس آف میتھڈز پرٹیننگ ٹو ریلیجن باب پنجم۔

اور اِس عالم میں کسی چیز کے اندر اس دوگانہ بننے اور بگڑنے کی طاقت کا تجربہ نہیں بلکہ اس کے خلاف مادہ میں انرشیا کے نام سے یہ طاقت ثابت ہوئی ہے کہ وہ اگر متحرک ہو تو اس کی حرکت ہمیشہ تک جاری رہ سکتی ہے اور اگر ساکن ہو تو سکون ہمیشہ تک قائم رہ سکتا ہے اور دنیا کی چیزیں جو متحرک سے ساکن اور ساکن سے متحرک ہوتی ہیں تو اس لیے کہ اوربیرونی قوتیں اُن پر عمل کرتی ہیں اور حالت کو بدل دیتی ہیں - مثلاً اگر کوئی درخت اجزا کے مجتمع ہونے اور تکمیل کو پہونچنے کے بعد سوکھنے لگتا ہے اور اجزا پراگندہ ہونے شروع ہوتے ہیں اور اگر ایک جاندار جوان ہو کر بڑھاپے اور موت کی طرف لوٹتا ہے تو اس انقلاب میں زمین و آسمان کی ہزارہا بیرونی طاقتیں عمل کر رہی ہیں اور انہی کے اثر سے بننے والی چیز بنی ہے اور انہی کے اثر سے اسکا زوال ہوتا ہے -

اور اس کے علاوہ جب عام طور پر تمام مادے کے میلان کو دیکھا جاتا ہے تو اس میں بھی بننے اور بگڑنے کی دُہری طاقت کا ثبوت نہیں ملتا - بلکہ ایک خاص سمت ہے جسکی طرف چلا جا رہا ہے چنانچہ علمی تجربہ جہان تک پہونچ چکا ہے اس کا فیصلہ ہے کہ اس سلسلہ کی ابتدا بخار کے بادل سے ہوئی ہے اور آئندہ کے لیے وہ اجزائے منتشرہ جمع ہوتے جاتے ہیں اور اب وقت آ رہا ہے جبکہ یہ تمام کائنات ایک منجمد تودہ بنجائیگی جان سٹوارٹ مل[1] لکھتے ہیں کہ :-

"جن لوگوں نے تکوین عالم کا موجودہ روشنی سے مطالعہ کیا ہے وہ یقین رکھتے ہیں کہ نظام شمسی ایک بخار کے بادل سے شروع ہوا ہے اور ایسا عمل کر رہا ہے جس سے ایک وقت پر سب کچھ ایک ٹھوس مادے کا ڈھیر ہو جائیگا اور جو برودت اس کو جائیگی وہ قطب شمالی کی سردی سے بھی زیادہ ہوگی"

اور چونکہ احتمالات مذہبی کی تحقیق کے لیے نظام عالم سے پرے کی شہادت مسلم نہیں اس لیے دُنیا کی اس رفتار کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ جب اس تمام سفر میں مادہ کا میلان صرف انجماد کی جانب ہو تو جب وہ برف کی مانند جم جائیگا اس وقت کے لیے کس دلیل سے ثابت ہوتا ہو کہ مادہ اپنے میلان کو چھوڑ کر خود بخود پیچھے کو لوٹنا شروع کریگا اور اجزا کو منتشر کرتا ہوا بخار کی شکل اختیار کریگا - بلکہ اگر محض مادہ کو موجود مانا جائے اور اُس کے اوپر کوئی اور طاقت حکمران نہ ہو تو اس کی رفتار سے عقلی نتیجہ یہی نکل سکتا ہے کہ انجماد

[1] ایسیسے غٹا حصہ دوئم -

پر مادہ کی کارروائی ختم ہو جائیگی اور اجزا میں سکون پیدا ہونے سے آئندہ خلق و تکوین کا سلسلہ جاری نہ رہے گا ؛

مگر ایسا افسوسناک انجام ہا نگر جب آغاز کو دیکھا جاتا ہے تو محض مادہ کا وجود اور وقت پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ بخار کی حالت جو ابتدا میں تسلیم کی گئی ہے اس سے موجودہ صورت پیدا ہونے کی کیفیت یوں ثابت ہوتی کہ :[1]

" ہر چیز موجودہ عالم کے ایک محدود عرصہ کو ثابت کرتی ہے کیونکہ اسکی جو شکل اب ہے وہ ایک وقت میں نہ تھی اور اسکی حالت ہمیشہ بدلتی رہتی ہے اس لیئے اسکا آغاز کہین نہ کہین سے فرض کرنا پڑتا ہے اور اس سیلیے ہم مجبور ہین کہ اصول موضوعہ کے طور پر اس دُنیا کے آغاز مین بخار جیسی غیر منور حالت کو فرض کرین جس کے ذرّات مع اپنی قوائے جاذبہ رماریہ کے ایک دوسرے سے الگ ہون گے اور یکسان طور پر منقسم نہ ہون گے۔ کیونکہ اگر ذرّات یکسان پھیلے ہوئے ہوتے تو قوت جاذبہ اُن اجزا کو ایک انبار کی صورت مین جو ہمیشہ کروی شکل مین رہے کسی عام مرکز ثقل کیجانب کھینچ لاتی اور قوت نا سیہ اجزا کے باہمی رگڑ سے متحرک ہو کر اور حرارت بنکر بغیر کوئی نتیجہ پیدا کرنے کے ایتھر مین سے گذر جاتی پس اسوقت مین ضرور ہے کہ اِن اجزا کی وضع اور اطوار مختلف ہونگے اور وہ اجزا خاص خاص مرکزون کی طرف کھچے جا رہے ہونگے اور ان انبارون کی مقدار اور اُنکی حرکتون کی مقدار مین بے انتہا تبدیلیان ہوتی ہونگی - اور اس طرح جمع کرنے والی قوتون اور پھیلانے والی طاقتون کی وساطت سے بار بار ذرات کی ترتیب بدلنے سے دنیا کو یہ انقلاب واقع ہوتے رہے ہون گے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو چیز بظاہر یکسان تھی (یعنی بخار کا بادل سا) اس سے ترقی ہو کر وہ اجسام پیدا ہونے لگے جو حقیقت مین ایک دوسرے کے مشابہ نہین ہین اور جو چیز بے شکل تھی وہ شکلدار ہو گئی اور سادہ چیز مرکب و مرکب بنتی گئی حتے کہ یہ ترکیب جاندار مخلوق مین ادنےٰ سے اعلےٰ درجہ تک پہنچ گئی "

---

[1] کتاب دی سٹوری آف کری ایشن حصہ دوم باب ششم مصنفہ مسٹر اڈورڈ کلاڈ۔

اس طرح جو ترکیب بخار سے اجسام بننے کی بیان کی گئی ہے ہمین تسلیم کرنا پڑا ہے کہ وہ ایک محدود زمانے سے موجودہ حالت تک پہونچ گئی ہے اور وہ زمانہ خواہ کیسا ہی بڑا ہو لیکن قدامت ایسی چیز ہے کہ اُس کا عرصہ اس زمانے سے پہلے بھی غیر محدود باقی رہتا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس غیر محدود وقدیم زمانے مین مادّہ کے ذرّات ہمیشہ سے اسی طرح مختلف مقدار کے انبارون مین حرکت کر رہے تھے یا اُس کے خلاف کوئی اور صورت تھی۔ اگر مانا جائے کہ ہمیشہ سے مادّہ انھی مختلف انبارون کی شکل مین تھا تو چونکہ اس شکل مین ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ تو اسے جاذبہ اور حارہ عمل شروع کرین اور ان کے عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ مادّہ مین انقلاب ہوتے ہوتے موجودہ شکل تک پہونچ جائے اس لیئے ضرور ہے کہ جو عمل اب چند ارب سال سے شروع ہو کر موجودہ شکل تک پہونچا ہے وہ عمل قدیم سے ہوتا اور اب اس کو ختم ہوئے اور مادہ کو موجودہ حالت سے گذر کر برف کا تودہ بنے غیر محدود زمانہ گذر جاتا۔ اور اسی طرح اگر کہا جاوے کہ اگرچہ مادہ قدیم سے مختلف انبارون مین جمع نہ تھا مگر قدیم سے اسکی وہ صورت تھی جس کا نتیجہ یہ ہو کہ مادہ کے انبار متفاوت ہو جائین تو بیشک اِس طرح پر دُنیا کی بناوٹ کا زمانہ اور زیادہ دراز ماننا پڑیگا لیکن جس طرح بخار سے اجسام بننے کا زمانہ محدود ہے اسی طرح بخار کے متفاوت بادلون سے پہلے خواہ لاکھ شکلین اور مانی جائین انکا زمانہ بھی ضرور محدود ہوگا اور ان تمام طویل سے طویل زمانون کو نکال کر بھی قدامت کا زمانہ غیر محدود باقی رہتا ہے یعنی اگر قدیم سے مادّہ کی وہ شکل تھی جسکا نتیجہ انبارون کا متفاوت ہوتا ہے تب بھی آج تک اس عمل کو ختم ہوئے غیر محدود زمانہ گذر جاتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تغیرات چاہے کیسے ہی طویل در طویل ماننے جائین اور خواہ اُنکی حرکت بھی بخار سے انجماد کی جانب ہو یا کسی اور طرز پر۔ وہ سب ایک محدود زمانہ چاہتے ہین اور قدیم نہین ہوسکتے اس لیے اگر مادہ قدیم ہے تب بھی ضرور ہے کہ وہ پہلے بالکل سادہ شکل مین ہو۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا (انبیا پارہ ۱۷ ع ۳)	کیا مذہب سے انکار کرنے والے نہین دیکھتے کہ آسمان و زمین باہم ناملتے تھے۔ ہمنے انکو انکو جدا جدا کر دیا۔

پس اگر مادہ کے سوا کوئی اور طاقت موجود نہین تو لازم آتا ہے کہ مادّہ اپنی سادگی کے لا محدود زمانے کو ختم کر کے ایک وقت پر بغیر کسی علت کے وہ شکلین اختیار کرنے لگا ہے جن کا نتیجہ دنیا کی موجودہ حالت ہے

غرض علمی مشاہدہ سے جس قدر ثبوت مہیا ہو سکتا ہے اس کا یہ نتیجہ یقینی ہے کہ محض مادّہ واقعات عالم کو پیدا کرنے کے لیئے بالکل ناکافی ہے اور ایسا خیال کرنا معلول کو بغیر علت کے ماننا ہے جو قابل تسلیم نہین *

ایک سے زیادہ چیزون کا قدیم ہوتا

یہان تک جن احتمالات کا ذکر ہوا ہے وہ اُن لوگون کے دماغ کا نتیجہ ہے جنہون نے موجودات عالم کو دیکھا مگر اُن کی دلچسپیون مین اس قدر محو ہوئے کہ اپنے خیال کو دنیا سے پرے تک نہ لیجا سکے اور اس لیئے ابھی تک مذہبی عنصر یعنے نادیدہ ہستی کا اعتراف نہین پایا گیا لیکن آگے بڑھکر جو احتمالات پیدا کیئے گئے ہین وہ باختلاف مدارج اس غیر محسوس کا اعتراف کرتے ہین چنانچہ ان مین سے ایک وہ احتمال ہے جسمین کائنات کو ایک بالاتر ہستی سے وابستہ کیا ہے لیکن موجودات عالم کی عظمت بھی دل مین جاگزین رہی ہے اور خدا اور مخلوق دونون کو قدیم مانکر خدا کو اس مملکت پر قابض تسلیم کیا گیا ہے اور اسی طرح پر کبھی خدا اور مادّہ۔ کبھی خدا اور شیطان اور کبھی خدا مادّہ اور روح تینون کو غیر مخلوق اور قدیم ہونے کی عزت دیگئی ہے[۱]۔

اس احتمال کی نسبت فیصلہ کرنے سے پہلے چند قوانین قدرت کو دیکھنا ضرور ہے جو واقعات عالم سے ثابت ہوتے ہین۔

اوّل یہ کہ جب کوئی چیز کسی دوسری چیز کی ذات مین داخل ہوتی ہے تو دوسرے کا وجود بعینہٖ پہلی چیز کا وجود ہوتا ہے یعنی ممکن نہین ہوتا کہ دوسری چیز موجود ہو اور جو اسکی ذات مین داخل ہے وہ موجود نہو لیکن جو چیز کسی اور چیز کی ذات مین داخل نہین اسکو اس چیز کے ساتھ موجود کرنے کے لیئے فاعل کو جدید فعل کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ ممکن ہے کہ دونو باہم موجود نہ ہون مثلاً ہیڈروجن اور آکسیجن پانی

۱؎ خدا اور مادّہ کی قدامت افلاطون کی طرف منسوب ہی اور خدا اور شیطان کی قدامت ایرانی فلاسفر مانی کیجانب (الیسے آف مل ص۱۱۶) اور اکثر یہی خیال زردشت کیطرف بھی منسوب کیا جاتا ہی مگر حال مین یہ خیال پارسی اسکو غلط کہتے ہین اور زردشت کو توحید کا قائل بتاتے ہین (دیکھو سٹڈی دادابھائی نوروزجی) اور تین قدما کا خیال ہندی فلاسفر سوامی انند اپنی مذہبی کتاب وید کی طرف سے پیش کرتے ہین اور آجکل اہل ہند کی ایک جماعت اس خیال کی سخت حامی ہے *

کی ذات مین داخل ہین یعنے دونون اُس کے عناصر ہین اِسلئے پانی کا موجود ہونا بعینہ ہیڈروجن اور آکسیجن کا موجود ہونا ہے۔ اور ممکن نہین کہ پانی موجود ہو اور ہیڈروجن اور آکسیجن موجود نہو لیکن پانی کی روانی اور پانی کا رنگ پانی کی ذات مین داخل نہین بلکہ ایک عارضی صفت ہے اور اس لیے ممکن ہے کہ پانی موجود ہو اور اس مین روانی یا رنگ نہ ہو۔

دوم۔ دو چیزون کا کسی ایک ذاتی خاصہ مین مشترک ہونیکا یہ مطلب ہی کہ اُن دونو کی ذات مین وہ مشترک عنصر موجود ہے مثلاً زنگ آہن اور پانی جو آکسیجن کی صفت مین مشترک ہین تو اس کا یہ مطلب ہی کہ دونو مین آکسیجن کا عنصر موجود ہے۔

سوم۔ جو دو چیزین ایک دوسرے سے علیحدہ اور ممتاز ہین ضرور ہے کہ ان مین سے ہر ایک اپنی ذات مین ایک ایسا عنصر رکھتی ہے جو دوسری چیز مین موجود نہین۔ ورنہ دونون جداگانہ چیزین نہ ہوتین مثلاً پانی اور زنگ آہن جو ایک دوسرے سے علیحدہ ہے تو اسی لیے کہ پانی مین آکسیجن کے ساتھ ہیڈروجن اور زنگ آہن مین بجائے ہیڈروجن کے لوہے کا عنصر موجود ہے اور اگر ہیڈروجن اور لوہے کا اختلاف نہ ہوتا اور دونون مین ایک ہی قسم کے عناصر ہوتے تو دو جداگانہ چیزین ہرگز موجود نہ ہوتین یا پانی ہوتا یا زنگ آہن بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ جن دو چیزون مین مادی عناصر بالکل ایک ہین اُنکی ذات مین بھی کوئی غیر مادی عنصر ایسا موجود ہے جن سے وہ دونون چیزین ممتاز اور علیحدہ شمار ہوتی ہین مثلاً الماس اور کوئلا مادی عناصر مین بالکل متحد ہین لیکن انرجی یعنے طاقت کا دوسرا عنصر دونو مین مختلف ہے اور اسی سے وہ دونون باہمدگر ممتاز ہین اور جب کبھی دونون کی طاقت کو یکسان کرنے مین کامیابی ہوئی ہے تو امتیاز معدوم ہو گیا ہے اور اس عمل سے کوئلا بعینہ الماس بنگیا ہے۔

چہارم۔ جو چیز دو چیزون سے مرکب ہوتی ہے وہ ضرور حادث ہوتی ہے اور اس کے وجود سے پہلے اسکی اجزا کا موجود ہونا ضرور ہوتا ہے اور نیز ایسے مرکب کو ترکیب دینے کے لیے کسی فاعل کا وجود بھی لازم ہے مثلاً پانی جو آکسیجن اور ہیڈروجن سے مرکب ہے اُس کے وجود سے پہلے آکسیجن اور ہیڈروجن کا وجود ضروری ہے اور کوئی ایسی طاقت بھی ضرور موجود ہو گی جس نے دونون عنصرون سے پانی کو تیار کیا۔

ان مقدمات کو پیش نظر رکھنے کے بعد کہہ سکتے ہین کہ اگر خدا اور مادہ اور رُوح یا کوئی سی دو چیزین قدیم ہون تو ضرور ہے کہ قدامت انکی ذات مین داخل ہو گی کیونکہ اگر قدامت اُن کے لئے ایک عارضی صفت ہو تو پہلے قاعدے کے موافق ممکن ہو گا کہ وہ چیزین موجود ہون اور قدامت اُن کے ساتھ نہ ہو اور نیز ضرور ہو گا کہ اس صفت کو لاحق کرنے کے لیئے کوئی فاعل موجود ہو پس جس چیز کو قدیم مانا گیا تھا وہ اس صورت مین قدیم نہ ہو گی بلکہ حادث ہو گی۔ پس جبکہ قدامت دو یا تین چیزون کی ذات مین داخل ہے اور وہ سب اس ذاتی وصف مین شریک ہین تو دوسرے قانون کے رو سے ضرور ہے کہ قدامت کا عنصر اُن سب کی ذات مین موجود ہو۔ اور چونکہ وہ سب ایک دوسری سے علیحدہ اور ممتاز ہین اور اسی لیے اُن کو دو یا تین کہا جاتا ہے تو تیسرے اصول کے مطابق ضرور ہے کہ ہر ایک مین کوئی ایسا عنصر موجود ہے جو دوسری چیز مین نہین اور اس تحقیق کے رو سے ماننا پڑتا ہے کہ خدا اور مادہ اور روح تینون مین ایک عنصر قدامت کا مشترک ہے اور ہر ایک مین ایک ایک عنصر ایسا موجود ہے جس سے خدا کی خدائی اور مادہ کی مادیت اور روح کی روحانیت ایک دوسرے سے ممتاز ہے پس وہ تینون دو دو عنصرون سے مرکب ہونگے اور چوتھے قاعدے کے رُو سے ماننا پڑے گا کہ تینون حادث ہین اور ان سے پیشتر ان کے عناصر کا وجود ماننا پڑیگا اور نیز ان عناصر سے ترکیب دینے کے لیے کسی اور فاعل کی ضرورت ہو گی اور نتیجہ یہ ہو گا کہ جن تین چیزون کو قدیم مانا گیا تھا قدامت ہی کے اشتراک سے وہ سب اس صفت سے محروم ہو جائینگے اور ترکیب دینے کے لیے فاعل کی ضرورت پیش آنے پر چونکہ اس مذہب والے ان تینون کے سوا کسی اور چیز کو موجود نہین مانتے لازم آئیگا کہ مرکب جو معلول ہے بغیر علت کے پیدا ہوا ہے اس لیے اس احتمال مین بھی بالآخر وہی دقت پیش آئی جو پہلے احتمالون مین موجود تھی یعنے قانون علت و معلول کا باطل ہونا جس سے یہ احتمال ناقابل تسلیم ہو جاتا ہے۔ ہربرٹ سپنسر لکھتے ہین[۱]:۔

"اگر بہت سے قدیم ہون تو اُن مین ضرور کوئی چیز مشترک ہو گی جو ایک سے زیادہ قدما کو ضروری ثابت کرے پس وہی مشترک عنصر قدیم ہوا نہ کہ وہ بہت سے مانے ہوئے قدما۔ اور نیز چونکہ بہت ہین

۱؎ فرسٹ پرنسپلز باب چہارم صفحہ ۹۶ شائع شدہ ۱۹۰۱

اس لیئے وہ ایک دوسرے سے محدود ہونگے پس غیر محدود نہ رہینگے اور نیز وہ سب مطلق نہ ہونگے کیونکہ ایک دوسرے سے انکو تعلق ہے۔"

وحدت وجود روحانی

اس خیال کے بعد اس احتمال کا درجہ ہے جس کو وحدت وجود روحانی کہتے ہین اور جسمین مادہ کے وجود سے بالکل انکار کیا گیا ہے اور محض ایک غیر محدود مطلق ہستی کو موجود مانا گیا ہے اس خیال کو ماننے والے مختلف اقوام عالم مین کثرت سے ہین چنانچہ ملا حسن اس کی تقریر یون کرتے ہین[۵۱]

"اس عالم کون مین صرف ایک بسیط ذات موجود ہے جو نہ کلی ہے اور نہ جزئی یعنے نہین کہہ سکتے کہ وہ درحقیقت کثرت کو قبول کر سکتی ہے اور نہ یہ کہ کثرت کو ہرگز قبول نہین کرتی۔ بلکہ اُس ذات سے بیشمار مختلف اور واقعی شانین ظاہر ہوتی ہین اور اسکی ہر شان پر مختلف آثار اور احکام مرتب ہوتے ہین۔ پس وہ معین شان جو نظر آتی ہے ممکن کہلاتی ہے اور اس تعین سے قطع نظر جو ذات موجود ہے وہ واجب الوجود اور خدا ے قادر ہے۔"

مسٹر بارکر اس مسئلہ کا ذکر یون کرتے ہین[۵۲]:۔

"وحدت وجود روحانی روح کی ہستی کو مانتی ہے اور علانیہ یا کنایتہً مادہ کے وجود سے انکار کرتی ہے اس کے نزدیک وہ روح خدا ہے جو ہمیشہ یکسان رہتی ہے مگر ہمیشہ نئی شکلین بدلتی رہتی ہے۔ اس کے رو سے خدا ایک مکمل ہستی ہے اور دو صفتین رکھتی ہے علم اور وسعت۔ انسان مین آکر اُس کو اپنی ذات کا علم ہے اور اس سے پہلے حیوانات وغیرہ مین شعور سے خالی ہے۔ جو کچھ خدا کے سوا ہے وہ شے ہونے سے محروم ہے اور موجود نہین۔ محض ظاہر مین نظر آتا ہے اور اس کی ہستی محض اُسکا نظر آنا ہے۔"

سوامی ویکانند لکھتے ہین[۵۳]:۔

---

[۵۱] شرح سلم العلوم مصنفہ ملا حسن مرحوم بحث علم باری تعالیٰ۔

[۵۲] ای ڈسکورس آف میٹرز پرٹیننگ ٹو ریلیجین باب پنجم۔

[۵۳] کتاب گیان یوگ باب شانزدہم۔

"سوامی شنکر آچاریہ کے نزدیک خدا مادہ بھی ہے اور فاعل بھی ہے - مگر بظاہر ورنہ درحقیقت خدا یہ دنیا نہین بنگیا - بلکہ دنیا نظر آتی ہے کیونکہ خدا اُسکی بنیاد ہے"

غرض الفاظ اور طرز ادا اگرچہ مختلف ہے مگر مدعا سب کا یہ ہے کہ ایک مطلق ہستی اسی طرح مختلف شکلون مین ظاہر ہو رہی ہے جیسے دریا اپنی روانی مین مختلف لہرون کی شکل مین ظاہر ہوا کرتا ہے پس جس طرح پر لہرون کو اُن کے ظاہر ہونے پر جداگانہ نام اور تشخص حاصل ہوجاتا ہے حالانکہ حقیقت مین لہر کوئی جداگانہ ہستی نہین ہے بلکہ وہی دریا اس شکل مین ظاہر ہوا ہے - اِسی طرح سے اِس ہستی مطلق کے مختلف مظہرون کو آسمان زمین انسان حیوان وغیرہ جداگانہ نامون اور تشخصون سے نامزد کرتے ہین ورنہ حقیقت مین یہ چیزین جداگانہ ہستی نہین ہین اور اسی ایک ذات کے مختلف ظہور ہین - پس جس وقت یہ مظہر موجود ہین چونکہ اُنکی ذات جداگانہ نہین ہے اس لیے کہہ سکتے ہین کہ وہی ایک ذات موجود ہے اور چونکہ ان کی شکلین جداگانہ ہین اور وہ ذات شکلون سے پاک ہے اِس لیے محض ان شکلون کو اُس کا غیر کہہ سکتے ہین لیکن چونکہ یہ شکلین محض اعراض ہین اِس لیے اِن کا وجود ایک اعتباری وجود ہوگا اور حقیقی اور ذاتی وجود پھر بھی ایک ہی رہیگا -

عالم کا ہر ایک تغیر کسی مصلحت پر مبنی ہے

اس عقیدے مین بیشک یہ خوبی ہے کہ موجود اور قدیم محض ایک چیز کو مانا گیا ہے اور یہ چیز بھی ایسی جو خود ہی اپنے مظاہر کی علت ہو لیکن اس خیال کو دل مین جگہ دینے سے پہلے اس ظاہر ہونے والی ذات کا ایک اور خاصہ بھی پیش نظر آجاتا ہے اور وہ یہ کہ اس کے جس قدر مظاہر دیکھے جاتے ہین وہ چھوٹے ہون یا بڑے معلوم ہوتا ہے کہ ان مین سے ہر ایک کسی بڑے مدّعا اور فایدے کو مدنظر رکھ کر پیدا کیا گیا ہے - آفتاب ہی تو اُس کو بنایا ہی اس طرز پر گیا ہو کہ سیارون کے ایک بڑے انبوہ کو اپنے ساتھ وابستہ رکھ سکے اور ان سب مین روشنی اور حرارت اور حرکت دینے والی شعاعون کو پہونچائے - زمین ہے تو اسکی ترکیب اسی قسم کی ہو کہ لاکھون طرح کے جاندار اور بے جان مخلوق کو پیدا کر سکے اور ان کی بقا اور تناسل کا سامان بہم پہونچائے - اسی طرح حیوانات اور دیگر موجودات مین سے ہر ایک کو اسی طرز پر پیدا کیا ہے کہ اس غرض اور مدعا کو باحسن وجوہ پورا کر سکے

جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے اور پھر ہر ایک مخلوق کے اجزا اور اعضا کو وہی ساخت دی ہے جس سے وہ اپنے فرض پورے طور پر ادا کر سکے۔ اگر درخت کی رگین ہین تو انکی بناوٹ ہی ایسی ہے کہ خود بخود خوراک اور سامان زیست کو جذب کر سکین اور بقائے شخص و بقاء نوع کا سامان مہیا ہو۔ اگر جاندار کی آنکھ کان وغیرہ اعضا ہین تو ان کے اجزاء کو ترتیب ہی اس طرز پر دیا ہے کہ خود بخود ان کے افعال سرزد ہوتے رہین۔ غرض ایک ذرّے سے لیکر بڑے سے بڑے کوہ تک کسی چیز کا چھوٹے سے چھوٹا حصّہ بھی ایسا نہین معلوم ہوتا جو کسی مفاد اور مدعا سے خالی ہو اور اس ذات کے تمام مظاہر سے یہ ایک عام اور کلّیہ خصوصیت معلوم ہوتی ہے کہ اس کا کوئی فعل عبث نہین بلکہ ہر چیز کو کامل علم و شعور سے کسی مصلحت پر مبنی کیا گیا ہے اور کسی کہنے والے کا یہ خیال بالکل غلط معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذات انسان بننے سے پہلے بے شعور تھی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ انسان مین ظہور کرنے سے پیشتر جس قدر مظہر مادہ کی مختلف شکلون مین ہوئے ہین ان حالتون مین یہ مادّہ بیشک بے شعور ہے اور وہ صرف بے شعور ہے لیکن تمام حالتون مین کثیف ہے۔ محدود ہے۔ محسوس ہے گو کثافت محدودیت اور محسوسیت کے مدارج مختلف ہون اور نیز بعض حالتون مین بے حس ہے بعض مین بے حرکت ہے اور بعض حالتین غلاظت اور دیگر عیوب بھی ظاہر کرتی ہین۔ اس لیے اُس ایک ذات کو ہر ایک شان مین ظاہر ہوتے ہوئے مانکر طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس غیر محسوس۔ مطلق۔ پاک اور بے عیب ذات نے یہ مظاہر کیون اختیار

پاک ناپاک کیون ہوا

کئے جو محسوس۔ مقید۔ ناپاک اور عیب دار ہین اور جب اس ذات کا تمام تر کام یہ ہے کہ وہ ایک ذرہ کو بھی عبث اور بے وجہ پیدا نہین کرتی تو خود اپنی ذات کو جو ہر طرح کا کمال رکھتی تھی کس مصلحت سے ان نجاستون مین جلوہ گر کیا۔ اور جب ہم دیکھتے ہین کہ زمین اور زمین کی پیداوار یکے بعد دیگرے کثیف سے لطیف ہوتی جاتی ہے۔ معدنیات بالکل بے حس و حرکت تھے نباتات مین حرکت نے ظہور کیا حیوانات مین مختلف حواس کی تکمیل ہوئی انسان سب سے بڑھکر عقل و شعور اور دیگر کمالات مین ترقی کرتا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان مظاہر کی رفتار لطافت کی جانب ہے اور اس لیے یہ گمان بھی نہین ہو سکتا کہ وہ ذات کثافت کی طرف آنے کو کمال سمجھتی ہوگی۔ کیونکہ

اگر غیر محسوس سے محسوس ہوجانا کمال ہوتا اور اس کمال کو حاصل کرنا اُس ذات کی غرض و غایت قرار دیا جاتا تو ضرور تھا کہ موجودات عالم کی رفتار لطافت سے کثافت کی جانب ہوتی اور اسی طرح ایک پیداوار سے دوسری پیداوار کثیف تر ہوتی جاتی مگر جب اس کے خلاف نظر آتا ہے اور دنیا کی چیزوں کا کمال اسی لطافت کی جانب ترقی کرنا سمجھا جاتا ہے جس لطافت سے اُس ذات نے تنزل کر کے کثافت کا جامہ پہنا ہے تو اس فعل کا عبث اور بے سبب ہونا اور بھی دلنشین ہوجاتا ہے۔

مطلق علیت کے سلسلہ میں نہیں

سوامی ویکانند اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں[1]:-

"غیر محدود محدود اور مقید کیوں ہوا؟ یہ بہت مشکل سوال ہے مگر اس کا حل یہ ہے کہ کیوں کا سوال دُنیا کی چیزوں پر ہوتا ہے جو علیت کے سلسلہ میں مقید ہیں اور مطلق علیت اور زمانہ و فضا سے بالاتر ہے اسلئے اسکی ذات کی نسبت کیوں سے سوال نہیں ہوسکتا"

علم بغیر نظیر کے پیدا نہیں ہوسکتا

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مطلق بیشک بالاتر ہے مگر سوال کی بنیاد یہ ہے کہ ہم اس عالم اسباب میں مقید ہیں اور ہمارے استدلال عقلی کی افتاد یہ واقع ہوئی ہے کہ جب کسی نامعلوم چیز یا واقع کی نسبت غور کرتے ہیں تو اس کے لیئے ایسا ہی نتیجہ یا عقیدہ قرار دیتے ہیں جسکی نظیر واقعات معلومہ میں پائی جاتی ہو اور اس کے برخلاف کبھی ایسا دعوی نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں جس کی نظیر ہمکو معلوم نہ ہو۔ مثلاً جب ہم کوئی نامعلوم آواز سنتے ہیں اور خیال کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کیونکر پیدا ہوئی تو جو طریق آواز پیدا ہونے کے ہمکو معلوم ہیں اُن میں غور کرتے ہیں کہ ایک آواز انسان کی ہوسکتی ہے جو کچھ بات کرتا ہو اور ایک آواز حیوان کی ہوتی ہے جو اپنی عادت کے موافق بولتا ہے اور ایک آواز بادل کے گرجنے کی یا بجلی کڑکنے کی ہوتی ہے اور اسی قسم کی آوازیں جہاں تک ہمارے علم میں ہوں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ نامعلوم آواز ان میں سے کس سے مشابہ ہے اور اس طرح پر جو تشبیہ ہمکو اغلب معلوم ہوتی ہے اسی کے مطابق اُس آواز کی نسبت رائے قائم کرتے ہیں اور کبھی ایسا احتمال قائم نہیں کرتے جسکی نظیر ہمنے نہ دیکھی ہو۔ یا مثلاً جب[2] چاند کے داغوں کو دوربین سے دیکھا گیا تو داغوں

[1] کتاب گیان یوگ باب پنجم۔

[2] ملاحظہ ہو کتاب آسٹرانومی مصنفہ پروفیسر نیوکم حصہ سیوم۔ باب چہارم۔

کا مقام روشن جگہ کی نسبت کسی قدر ہموار معلوم ہوا چنانچہ اس وقت کے ذخیرہ معلومات کی بنا پر داغوں کی نامعلوم کیفیت معلوم کرنیکے لیے نظیر کی تلاش ہوئی اور دیکھا گیا کہ زمین پر پانی کی سطح خشکی کی نسبت ہموار ہوتی ہے اس لیے خیال ہوا کہ چاند کا یہ مقام بھی سمندر ہے۔ اس کے بعد دوربینوں میں ترقی ہونے پر جب داغ زیادہ صاف نظر آئے تو خود اس کے اندر بھی نشیب و فراز معلوم ہوئے اب چونکہ پانی میں نشیب و فراز ہونے کی کوئی نظیر موجود نہیں اور اس کے برخلاف اُن داغوں کو موجودہ علم کی بنا پر پہاڑ کے غاروں سے تشبیہ دی جا سکتی ہے اس لیے دوسرا احتمال قائم ہوا کہ چاند میں سمندر نہیں ہیں بلکہ بڑے بڑے غار ہیں جو داغ کی شکل میں نظر آتے ہیں بلکہ اب جبکہ قریب قریب کے سیاروں کا ایک دوسرے پر عکس ڈالنا معلوم ہوا اور نیز چاند کا وہ عکس بھی دیکھا گیا جو ایک اس کے قریب کے ستارہ پر ہمیشہ پڑتا ہے اور اسمیں دیکھا گیا کہ پانی کا کہیں نشان نہیں پایا جاتا تو نتیجہ نکالا گیا کہ کم از کم چاند کے بالائی سطح پر کوئی دریا یا خلیج موجود نہیں ہے اور یہ اسی لیے کہ پانی موجود ہو اور اسکا قریب سیارے پر عکس نہ پڑے اسکی کوئی نظیر موجود نہیں۔

ڈاکٹر سپنسر لکھتے ہیں[1]:—

"مین سل اور سر ولیم ہملٹن نے جو شرطیں علم کی لکھی ہیں میرے نزدیک انکے علاوہ ایک اور بھی شرط ہے یعنی مناسبت۔ ہم جس چیز کو معلوم کرتے ہیں اس کا اتنا ہی علم حاصل ہوتا ہے جتنا اور چیزوں کا علم پہلے سے ہوتا ہے مثلاً ہم کسی جانور کو دیکھتے ہیں تو اگر اسی قسم کا جانور پہلے دیکھا ہو اس حالت میں اُسے پورے طور پر معلوم کر لیں گے اور اگر نہیں دیکھا تو جو باتیں اس میں پائی جاتی ہیں جن جانوروں میں اسی قسم کی باتیں پائی جائیں ہم جانینگے کہ یہ جانور اُن جانوروں کی قسم کا ہے اگر چار پیر رکھتا ہو تو چوپایوں کی قسم سے کہیں گے۔ بڑے دانت رکھتا ہوگا تو درندہ سمجھیں گے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو مطلق جاندار کہیں گے۔ یا زندگی کا نشان بھی نہ ہو تو نباتات یا اس سے اتر کر جمادات وغیرہ کی قسم سے کہیں گے۔ غرض اسی حد تک علم حاصل ہوگا جس حد تک پہلے معلومات سے پیدا ہو چکا ہے۔"

غرض ہمارا علم محض نظایر اور مناسبات کی وساطت سے ترقی کرتا ہے اور اس بنا پر صحیح علم وہ ہوگا جسمیں مناسبت کا

[1] فرسٹ پرنسپلز باب چہارم۔

کامل لحاظ رکھا گیا ہے اور جہان تک مشابہت اور نظیر کی تعین مین غلطی کی گئی ہے اُسی حد تک علم بھی غلط ہوگا اور اس قاعدے کے موافق جب ہمنے تغیرات عالم کو دیکھا اور اُن کے آغاز کی نسبت غور کرنا شروع کیا تو چونکہ محض تغیرات کو۔ محض مادہ کو یا مادہ اور خدا دونون کو قدیم مانکر دیکھا کہ معلول کا بغیر علت کے پیدا ہونا لازم آتا ہے اور اپنے ذخیرۂ معلومات مین اسکی کوئی نظیر موجود نہ تھی کہ معلول خودبخود اور بغیر علت کے پیدا ہو جائے اس لیئے ان خیالات کو غلط مانکر ہم اس عالم سے پرے کسی ایسی ہستی کی تلاش کرنے لگے اور یہان تک ہماری رفتار بالکل درست تھی لیکن اب ایک غیر مادی ہستی کو مانکر جب یہ خیال قائم کیا گیا کہ وہی ایک ذات اپنی پاک اور کامل حالت کو ان ناپاک اور ناقص حالتون مین بدل رہی ہے تو لامحالہ سوال پیدا ہوا کہ اُس کا یہ فعل کس مصلحت پر مبنی ہے اور چونکہ کوئی فائدہ قرار دیا نہین جاسکتا اس لیئے اگر اُس کے دیگر افعال مین جنکو روزمرہ ہم دیکھتے ہین کوئی ایسی نظیر ملجاتی جو بالکل عبث اور بے وجہ ہوتی تو بیشک اس عقیدے کو ماننے کی گنجایش ہوسکتی لیکن حال یہ ہے کہ اس دُنیا مین اُس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا فعل بھی عبث نہین ہے اس لیئے یہ خیال ہرگز قرین قیاس نہین کہ اُس کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا کام یعنی ان تمام تغیرات کو موجود کرنا عبث اور سلسلۂ علیت سے خارج ہوگا۔ غرض پہلے احتمالون مین کسی ذات کا بغیر علت کے پیدا ہونا لازم آتا تھا اور اس احتمال مین ذات اگرچہ قدیم ثابت ہوئی مگر اُس کا سب سے بڑا انقلاب جس مین تغیر محسوس محسوس اور غیر محدود محدود ہوگیا بے علت رہا۔ قصہ مختصر اس عالم کا وجود ہر احتمال مین معلول بے علت ثابت ہوا اس لیے یہ احتمال بھی اگرچہ پہلے احتمالون سے بالاتر ہے مگر اس نقص کے سبب قابل تسلیم نہین ۔

سوامی ویکانند ایک اور موقع پر بھی یہی سوال پیدا کرتے ہین[51] کہ جب ایک ہی ہستی سب ظہور کرتی ہے تو وہ تکلیف کیون اُٹھاتی ہے اور ذلیل وناپاک کیون ہوتی ہے؟ اور جواب دیتے ہین کہ آفتاب یکسان چمکتا ہے لیکن کسی کے نقصان بصارت ہی سے جو تاریکی یا مختلف رنگ نظر آتے ہین وہ آفتاب پر عیب نہین لگا سکتے اسی طرح وہ مکمل ہستی جسمانی نقصون سی عیب دار نہین ہوسکتی اور اسی طرح ایک اور

۵۱ کتاب گیان یوگ باب ششم ۱۲

جیسے لکھتے ہین[1] کہ وحدت کثرت کیون ہو گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل مین اب بھی وحدت ہی موجود ہے اور کثرت صرف بیرونی طور پر ہے۔

لیکن آفتاب کی نظیر سے اور کثرت کو محض نمائشی ماننے سے یہ عقدہ اسی صورت مین حل ہو سکتا ہے کہ اس لطیف ہستی کے سوا کوئی کثیف ذات موجود ہو جس پر اُس کا نور وحدت چمکے اور دوسری ذات کی کثافت اور کثرت کے سبب سے وہ ظاہر مین کثیف اور کثیر معلوم ہو۔ حالانکہ اس عقیدے کے رو سے عالم کی یہ صورت نہین ہے بلکہ ذات ہر حال مین ایک ہی موجود مانی گئی ہے اور جسم یا اُن کے خیال کے مطابق مایا کوئی ذاتی وجود نہین رکھتی اور اس لیے کثرت یا عیب جو کچھ نظر آتا ہے وہ سب اعراض یا صفات ہین اور ظاہر ہے کہ عرض اور صفت بغیر کسی ذات کے موجود نہین ہو سکتی اسلئے وہی ایک ذات ہو گی جو پہلے غیر محدود و غیر محسوس و غیرہ صفات سے متصف تھی اور اب محدود و محسوس اور ہر طرح کی ناقص صفات سے موصوف ہے۔ غرض ذات ایک مانکر صفات بیرونی ہون یا اندرونی اُن کا محل ہر حال مین وُہی ذات ہو گی اور آفتاب کی نظیر اس پر صادق نہ آئیگی کیونکہ یہان جن چیزون پر آفتاب کی شعاع پڑتی ہے وہ آفتاب سے علیحدہ ہین اور اسی لیے اُنکا نقص آفتاب کے نور کو عیب دار نہین کرتا۔ البتہ اگر محض آفتاب موجود ہوتا اور اس حالت مین اُس کی شعاع کبھی نورانی اور کبھی تاریک ہو جاتی تو بیشک ایک نظیر موجود ہوتی لیکن اس صورت مین شعاع کا تاریک ہونا بھی آفتاب ہی کا نقص ماننا پڑتا۔

وحدت وجود کے لیے کیا تشبیہین ہو سکتی ہین۔

مسئلہ وحدت وجود کو سمجھنے کی یون بھی کوشش ہو سکتی ہے کہ اگر اس ذات کو دریا سے تشبیہ دی جائے اور تعینات عالم کو دریا کی لہرین فرض کیا جائے یعنی دُنیا کی ہر ایک چیز کو اُس ذات کا ایک حصہ مانا جائے تو وہ ذات ایک جسم کی طرح طول و عرض وغیرہ جسمانی صفات سے متصف ہو گی اور صاحب اجزا ہونے کے سبب قدیم نہ رہیگی اور اس صورت مین یہ احتمال بھی دوسرے لفظون مین محض مادہ کا اپنی لطیف تر حالت مین قدیم ہونے کا احتمال ہوگا۔ اور اگر اس تشبیہ کو ناقص سمجھا جائے اور واقع مین وحدت وجود کے نقطۂ خیال سے یہ تشبیہ ہے بھی ناقص۔ کیونکہ وہ

[1] کتاب گیان یوگ باب یازدہم۔

لوگ دُنیا کی ہر ایک چیز کو اُس ذات کا ایک جزو یا حصّہ نہیں مانتے بلکہ یقین رکھتے ہین کہ ہر چیز بلکہ ہر ذرّہ مین اُس کا کامل ظہور ہے تو اِس صورت مین اُس ذات مطلق کی نظیر انسان یا دیگر امور کلّیہ کو ماننا چاہیئے کیونکہ انسان بھی ایک ہستی مطلق ہے اور اپنے ہر فرد یعنی زید عمر خالد وغیرہ مین وہ کامل طور پر موجود ہے یعنی افراد کو انسان کا ایک حصّہ نہین کہتے بلکہ ہر شخص کو پورا انسان کہتے ہین۔ لیکن ایسا مطلق ماننے مین یہ قباحت ہے کہ ایسی ہستی مطلق مثلاً انسان محض اپنے افراد مین موجود ہوسکتی ہے اور افراد سے باہر اُس کا کوئی وجود نہین یا یون کہا جائے کہ محض زید و عمر کا وجود ہے جس سے انسان کی ہستی مطلق کو خیال کرنیوالے کا ذہن استنباط کرتا ہے ورنہ خارج مین زید عمر وغیرہ کے سوا اور کوئی چیز موجود نہین اور اسلیئے جب زید و عمر وغیرہ تمام افراد معدوم ہون اُس وقت انسان بھی موجود نہ ہوگا۔ اسی طرح پر وہ ذات جس کو مطلق مانکر دُنیا کے تعینات کو اُسکے افراد مانا جاتا ہے اُسکا وجود بھی خارج مین محض دُنیا کی وساطت سے ہوگا اور یہ تعینات چونکہ یقیناً حادث ہین اس لیے جس زمانے مین اُنکو معدوم فرض کیا جاے اسوقت خدا بھی موجود نہ ہوگا اور لازم آئیگا کہ وہ ذات اس عالم کی علّت اور فاعل نہین ہے بلکہ خود ایک طرح سے معلول اور اپنے وجود کیلیئے وجود عالم کا محتاج ہے اور اس صورت مین پھر عالم کو موجود کرنے کیلیئے جس سے وہ ہستی مطلق بھی وجود کی عزت حاصل کرے کسی اور فاعل کی تلاش ہوگی اور چونکہ اسکے سوا کوئی اور فاعل مانا نہین جاتا اسلیئے اس صورت مین بھی معلول کا بغیر علّت کے موجود ہونا لازم آئیگا۔

اور اگر یہ تمثیل بھی غلط قرار دی جائے اور خدا کو نہ دریا کی طرح تمام مظاہر کا مجموعہ مانین اور نہ انسان کیطرح تمام افراد کا امر مشترک سمجھین اور پھر بھی یہ خیال کرین کہ وہی ایک موجود ہے اور تمام مظاہر مین جلوہ کرتا ہے تو یہ ایسا دعوے ہے کہ اگر صحیح ہو تو اجتماع نقیضین اور دیگر تمام ناممکن دعوے بھی صحیح ہونگے کیونکہ نظیر نہ اُسکی موجود ہے اور نہ اُنکی۔ اور بے دلیل ماننا ہو تو اُلٹا سیدھا سب کچھ مانا جاسکتا ہے۔

غرض محض ایک ذات کو موجود ماننا اور اُسی کو مادّی صورتون مین جلوہ گر فرض کرنا ہر طرح سے ویسا ہی ناقابل ہے جیسے محض مادّہ کو قدیم سمجھنا یا بغیر فاعل کے تغیرات عالم کا ظہور پذیر ہونا اور یہ خیال قائم کرنے کے لیئے دُنیا مین کوئی نظیر موجود نہین۔

باب ہشتم

پیدائش

نیست سے ہست ہونا۔ کیا نیست سے ہست ہونیکی کوئی نظیر موجود نہیں۔ نظیر کی تلاش مین کوتاہی ہوئی ہے۔ خیالی مخلوق نظر آسکتی ہے۔ خیالی مخلوق قابل لمس اور وزندار ہوتی ہے۔ خیالی مخلوق دوسرون کو بھی محسوس ہوتی ہے۔ نیست سے ہست کرنیوالے مین شعور کی صفت ہونی چاہیئے۔ خیال کی پیدائش مادی اوصاف رکھتی ہے جو مادی مخلوق مین ہین۔ معلول حادث اور علت قدیم۔ وحدت شہود۔ علم کے لیئے کوئی معلوم ہونا چاہیئے۔ علم کس کس چیز کا ہوسکتا ہے۔ خدا کا علم کیونکر خیال مین آسکتا ہی۔ خدا کی ہمیشگی اور زمانہ وفضا کی نسبت اعتراض اور اسکی تحقیق۔ خاص سے عام کیطرف جانا قانون قدرت ہی۔ خدا کو ماننے سے انسان ذلیل ہوجاتا ہے۔ مسٹر بریڈلا کا اعتراض کہ دنیا جیسی چیز کبھی پیدا ہوتی نہین دیکھی۔ ثبوت باریتعالی کو ضعیف کرنیکے اسباب۔ لامحدودیت۔

نیست سے ہست ہونا

ترتیب احتمالات کے روسے یا کم از کم میرے علم مین اب صرف ایک احتمال باقی ہی اور وہ یہ کہ کسی ہستی بے کیف نے اس عالم کو نیست سے ہست کیا ہے۔

کیا نیست سے ہست ہونیکی کوئی نظیر موجود نہین ؟

اس خیال کو دل مین جگہ دینے کے وقت سب سے پہلے یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ محض نیست ہست کیونکر ہوسکتا ہے اور تلاش ہوتی ہے کہ آیا دنیا مین اسکی کوئی نظیر موجود ہے ؟ اس تلاش مین دنیا کے اکثر واقعات پیش نظر آجاتے ہین مگر کسی مین کوئی چیز محض عدم سے وجود مین آتی معلوم نہین ہوتی بلکہ ایک ہمیشہ رہنے والا مادہ مختلف شکلین بدلتا نظر آتا ہی درخت اگتا ہے تو وہ کوئی نئی چیز نہین ہوتی بلکہ تخم اور اجزاے زمین نئی شکل مین جلوہ گر ہوجاتے ہین جاندار پرورش پاتا ہے تو وہ نیست سے ہست نہین ہوتا بلکہ نطفہ اور خوراک کی شکل مین انقلاب ہوجاتا ہی نجار کرسی بناتا ہے یا درزی کوٹ سیتا ہے تو صرف موجودہ اشیا کو نئی شکل دیتا ہے۔ غرض ایسے ہی واقعات

ہین جن سے یقین ہوگیا ہے کہ کوئی چیز ہے جو ہمیشہ موجود رہتی ہے اور صرف اُس کے اعراض مین انقلاب ہو سکتا ہے اور یہ ممکن نہین کہ کوئی چیز محض عدم سے وجود مین آئے۔

نظیر کی تلاش مین کوتاہی ہوئی ہے

مگر کیا ہمنے تمام تغیرات کو دیکھ لیا اور کیا کسی تغیر مین نیست سو ہست نظر نہین آتا؟ شاید ایسا ہی ہو مگر ابھی تک ہماری تلاش ضرور ناقص ہے ہمنے اگرچہ تمام شہر مین ڈھنڈورا پیٹ لیا ہے مگر اپنی گود کو دیکھنا باقی ہے یعنی بے شعور چیزون کو شعور دار انسانون کو دیکھا لیکن خود شعور کو نہین دیکھا اور اگرچہ اِس اعتراض کا خیال بڑے بڑے کے دل مین پیدا ہوا ہے لیکن افسوس ہے کہ کسی نے خود خیال کی طاقت کو نہین آزمایا کہ وہ کیا کیا کچھ کر سکتا ہے اور علمی کارنامون مین شائد اِس سے زیادہ تعجب انگیز کوئی امر نہ ہوگا کہ جس چیز سے روزمرّہ کام لیتے ہین اسی کی ایسی خاصیت کو نہین دیکھتے جو کم و بیش ہر شخص مین موجود ہے۔

خیالی مخلوق نظر آسکتی ہے

خیالی طاقت کا سب سے کمتر ظہور عموماً اور قریباً ہر شخص کو نظر آتا ہے جب کوئی شخص تنہا اور بالخصوص تاریکی مین ہو اور کسی چیز کا خوف نہایت شدّت سے پیدا ہووے تو ایسے وقت مین جس چیز کا خوف ہے، وہ اکثر پیدا ہو جاتی ہے شیر کا خوف ہے تو شیر کی شکل دانت نکالے ہوے حملہ کرتے ہوے دکھائی دیتی ہے دیو کا خیال ہے تو ایک بلند اور مہیب بُت آنکھین چمکاتا ہوا اور ہاتھ بڑھاتا ہوا نظر آتا ہے۔ خوف زدہ انسان کو یقین ہو جاتا ہے کہ رہائی ناممکن ہے کسی وقت بے اختیار آنکھین بند کر لیتا ہے۔ کبھی بھاگتا ہے اور کبھی چیخ مار کر بیہوش ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی دل گردہ رکھتا ہو اور اس نے اس خیال کو دور کر کے پھر دیکھا تو وہان کچھ بھی نہین ہوتا۔

خیالی مخلوق قابل لمس اور وزندار ہوتی ہے۔

پس کیا اس وقت نظر آنے والا نیست سے ہست نہین ہوا؟ البتّہ ہان وقت تک ایسی چیز کا محض نظر پر اثر کرنا معلوم ہوا ہے مگر اس سے بڑھکر بعض انسانون کو سوتے مین اور بالخصوص کسی مرض کی حالت مین معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھاری انسان نے اس کو دبوچ لیا ہے۔ ایسی حالت مین مریض اکثر بیدار ہو جاتا ہے اور بیداری اور ہوش مین بھی کچھ دیر تک خیالی اثر قائم رہتا ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ پشت پر فلان جگہ اس کا سر ہے اور

فلان مقام پر چھاتی اور فلان فلان جگہ اُسکی موٹی موٹی انگلیوں سے دبی ہوئی ہے اور وہ ہلنا چاہتا ہے پر نہیں جاتا۔ بولنا چاہتا ہے بولا نہیں جاتا۔ تھوڑی دیر میں خواب کی خیالی قوت ختم ہوتی ہے اور دیکھتا ہے تو چار پائی پر اس کے سوا کوئی نہیں۔ یہاں ایسی چیز نیست سے ہست ہوئی ہے جس میں وزن بھی ہے اور جس کو پیدا کیا گیا ہے اُسے قوت باصرہ نے دیکھا اور قوت لامسہ نے چھوا اور کم و بیش اکثر اشخاص کو اُس کا تجربہ ہے۔

خیالی مخلوق دوسرون کو بھی محسوس ہوتی ہے

مگر ان مثالون میں اپنے خیال نے خود اپنے تئین ایسا نظارہ دکھایا ہے لیکن اس سے بڑھکر ایسے واقعات بھی نہایت کثرت سے پیش آتے ہیں جن میں قوت خیال نابود کو بود کرتی ہے اور دوسرون کو دکھاتی ہے اور نہ صرف قریب والون کو بلکہ بڑے بڑے فاصلہ پر یہ غیر مادی شکلیں نظر آتی ہیں اور نہ صرف کسی ایک آدھ کو بلکہ بعض اوقات بہت سے لوگون کو اس کا تجربہ ہوتا ہے اور اس طاقت کا ظہور نہ صرف اتفاقاً ہوتا ہے بلکہ ایسی نظیرین موجود ہیں جن میں کسی شخص نے اپنے ارادہ سے خیالی وجود کسی فاصلہ پر اور وہ بھی ایسے شخص کو دکھایا ہے جسکو پہلے سے اس قسم کا خیال نہ تھا۔

سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ نے روحانی مظاہر کی تحقیقات میں جو واقعات خیالی قوت ظاہر ہونے کے جمع کئے ہیں اُن میں سے بہت سے مسٹر پیٹمور نے اپنی کتاب کے ایک باب میں لکھے ہیں[۱]۔ چنانچہ بعض میں کسی مرنے والے کو جس عزیز کے دیکھنے کی حسرت ہے اس عزیز کو کسی فاصلہ پر اسوقت مرنے والے کی شکل نظر آئی ہے۔ بعض میں مرنے والے کے پاس تیمار دارون نے اس کے کسی عزیز کو دیکھا ہے جس کو مرنے والے کا خیال دامنگیر ہے مگر اُس کے پاس نہیں آسکتا اور تیمار دارون نے جس شکل کو اور جس قسم کے لباس کو دیکھا ہے وہ پہلے اِس سے آشنا نہ تھے مگر بعد میں ملاقات کے وقت سب باتیں صحیح ثابت ہوئی ہیں بعض میں کسی دوست کی شکل دیکھی ہے مگر اُس کا لباس ایسا نظر آیا ہے جس کا پہلے سے علم نہ تھا اور بعد میں صحت ہوئی ہے کہ اُس وقت نظر آنے والے کا واقعی وہی لباس تھا۔ اور بعض

[۱] کتاب سٹڈیز ان سائیکیکل ریسرچ باب ہشتم

مین کسی شخص نے کسی فاصلہ پر خود کسی دوست کو اپنی شکل دکھلانے کا ارادہ کیا ہے اور اسکو نظر آیا ہے اور یہ سب بیداری مین اور روشنی مین نظر آئے ہین بلکہ بعض اوقات برقی روشنی مین یا دن کے وقت دکھائی دیئے ہین۔ اور ان کے بعد وہ ایسے واقعات جمع کرتے ہین جن مین بہت سے لوگون کو کسی کی خیالی طاقت کا جلوہ نظر آیا ہے۔ چنانچہ ان واقعات کی تمہید مین لکھتی ہین کہ :-

یہان تک ہم نے وہی روحانی نقش ذکر کیے ہین جو ایک شخص کو معلوم ہوئے اور اکثر ہوتا بھی ایسا ہی ہے کہ محض ایک شخص کو تنہائی مین نظر آئے ہین کیونکہ دوسرون کی موجودگی مین جو دماغی مصروفیت ہوتی ہے وہ اکثر حالات مین ان واقعات کے لیے مناسب نہین مسز ھرلی کا واقعہ جو اوپر درج ہوا ہے (جسمین ایک شخص کو دوسرون کی موجودگی مین مرنے والے کی شکل نظر آئی تھی) ایک مستثنیٰ واقعہ ہے[۱]۔ لیکن تاہم ایسا بھی واقعہ ہوا ہے کہ ایک ہی خیال دو یا دو یا زیادہ شخصون کو نظر آیا ہے اور بعض دفعہ وہ معلوم کرنے والے خود بھی ایک دوسرے سے فاصلہ پر ہوئے ہین اور دونون کو یہ خیال مختلف وضع سے نظر آیا ہے مثلاً سر لارنس جونس مقام بری سنٹ ایڈمنڈز مین تھے اور ان کے بھائی ویسٹ منسٹر مین جبکہ انھون نے اپنے والد کے وفات کی شب کو غیر معمولی تجربہ دیکھا۔ سر لارنس اس آواز سے چونکے کہ "ایک خوفناک واقعہ پیش آیا ہے" اور مسٹر ھربرٹ جونس جو بیدار تھے انھون نے اپنا نام دو دفعہ سنا اور ایک بھاری چیز سیڑھیون سے گرتی ہوئی سنائی دی۔ اور دیگر واقعات مین (اور اکثر اسی قسم کے ہوتے ہین) معلوم کرنے والے ایک جا جمع ہوتے ہین اور عموماً خیال بھی ایک ہی شکل مین نظر آتا ہے۔ اگر کوئی ایک شکل کو دیکھتا ہے تو سب وہی شکل دیکھتے ہین اور اگر ایک آواز سنتا ہے تو دوسرے بھی آواز ہی سنتے ہین۔ چنانچہ سائیکس کی رپورٹ مین مجتمع اشخاص کے ۹۵ نظارے لکھے گئے ہین جن مین سے ۶۷ انسانی شکلون کے تجربے ہین اور ان مین ۲۷ ایسے واقعے ہین جن کے نظر آنیوالے زندہ اشخاص تھے"

[۱] ایسے واقعات دیگر ابواب مین مسٹر ہڈسن نے اور بھی لکھے ہین۔

اور اس کے علاوہ اور واقعات جن میں کسی خاص مقام پر کوئی شکل عموماً نظر آتی ہے اور جس کو دیکھنے والے جن کہتے ہیں یا مُردون کی رُوح فرض کی جاتی ہے ایسے واقعات کو وہ باتون میں جمع کر کے مسٹر پڈمور اپنے استدلال سے نتیجہ نکالتے ہین کہ عموماً خیالی قوت کا اثر ہوتا ہے اور بعض جگہ جہان کے لوگون کو جنات پر یقین ہو سب کی خیالی طاقت اِس شکل کو پیدا کرتی ہے اور بعض جگہ کسی ایک شخص کا خیال پیدا کرتا ہے اور دوسرے اس کے خیال کو محسوس کرتے ہین۔

مسٹر جے ہڈسن اپنی کتاب مین ایک عنوان "اشکال مردگان" کا قائم کرتے ہین اور اس مین لکھتے ہین[۲]:-

"یہ امر بالکل ثابت شدہ ہے کہ انسان کی رُوح مین خیالی جسم پیدا کرنے کی طاقت موجود ہے جو دوسرون کے ظاہری حواس کو نظر آسکے اور بہت سے واقعات ہین جن مین ایک ہی وقت پر بہت سے شخصون نے خیالی اجسام دیکھے ہین اور اکثر اس طرح نظر آئے ہین کہ دیکھنے والے پوری صحت اور معمولی حالت مین تھے۔ اور ایسی چیزون کو نہ صرف انسانی نظر محسوس کرتی ہے بلکہ وہ ایسی مجسم اور نمایان ہوتی ہین کہ انکا عکس اُتارا جاسکتا ہے۔ گریہ پیدا اسی وقت ہوتی ہین جب خیال پوری قوت سے عمل کرے اور چونکہ ایسی قوت بڑی آرزو کی وجہ سے پیدا ہو سکتی ہے اور سب سے بڑی آرزو انسان کو مرنے کے وقت اپنے عزیزون کو دیکھنے کی ہوتی ہے اور خصوصاً ایسے لوگون کو جو تنہائی مین ناگہانی یا ظلم کی موت سے مرین اس وقت سخت حسرت ہوتی ہے کہ کاش ان کے دوستون کو اس واقعہ کا علم ہوتا اور وہ اسکا تدارک کرتے اس لیے یہ واقعات بیشتر مرنے والون ہی کے دیکھے گئے ہین اور انکی اس وقت کی حسرت ان کے خیال کو مجسم کر کے انکے عزیزون کو دکھا دیتی ہے یا کسی عرصہ تک اس نواح مین نظر آتی رہتی ہے جہان موت واقع ہوئی ہو۔ اور اسی وجہ سے اکثر روحین غمگین اور افسردہ نظر آتی ہین کیونکہ ان

[۱] باب نہم و دہم کتاب سٹڈیز۔

[۲] کتاب لا آف سائیکک فینامنا باب ہفتم خلاصہ۔

وقت کا خیال بالطبع افسوسناک ہوتا ہی اور اگرچہ بعض اوقات زندہ لوگون کی شکلیں بھی نظر آئی ہین مگر اُن کی طاقت کسی قدر کم ہوتی ہے اور سبب یہی کہ انکی حسرت اس درجہ کی نہین ہوتی جیسی مرنے کے وقت ہوسکتی ہے"

مُردے کی شکل نظر آنے پر ایک گمان یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شاید یہ خیالی قوت نہ ہو بلکہ خود مُردے کی رُوح نظر آتی ہو لیکن جن حالات مین زندہ شخص کی تصویر دوسرے مقام پر نظر آئی ہے یا جس وقت کسی شخص نے اپنے ارادہ سے کوئی شکل دوسرے کو دکھائی ہے اُس وقت خود روح کے جانے کا گمان نہین ہوسکتا - بلکہ مسٹر ھڈسن مُردے کی شکل کو بھی خیالی قوت کا اثر ثابت کرتے ہین اور لکھتے ہین کہ

"عمومًا مُردون کے ساتھ اونکا لباس اور کبھی گاڑی گھوڑا بھی نظر آیا ہے اور اس حال مین جب گاڑی گھوڑے اور لباس کی رُوح نہین فرض کرسکتے اور یہ عُقدہ صرف خیالی قوت کے اثر سے حل ہوتا ہے تو انسان کی روح ماننے کی کوئی وجہ نہین"

مگر اس بحث کو طول دینے کے بغیر بھی زندہ اشخاص کا تجربہ خیالی قوت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے چنانچہ جو لوگ ارواح کا باقی رہنا اور ایک طرح کے جسم مین جس کو وہ اسٹرل باڈی کہتے ہین داخل ہونا مانتے ہین وہ بھی انسان کی خیالی قوت سے انکار نہین کرسکتے - چنانچہ تھیوسافیکل سوسائٹی کے مشہور ممبر مسٹر لیڈ بیٹر جو قیام ارواح کے بڑے حامی ہین اپنی کتاب کا ایک باب خیالی اجسام کے ذکر پر وقف کرتے ہین اور ایسے واقعات کو کثرت کے ساتھ جمع کرکے جن مین صرف خیال کا اثر مانا جاسکتا ہے خیالی جسم اور اسٹرل جسم مین یہ فرق بتاتے ہین کہ[1]

آسٹرل جسم اُسوقت دوسرون کو نظر آسکتا ہے جبکہ خاکی جسم موت کے سبب ناپیدا ہوگیا ہو یا سخت مرض یا غلبہ خواب کے سبب بیکار رہے اور جب وقت خاکی بیداری اور قوت کی حالت مین ہو اس وقت اگر وہ دوسرون کو کسی اور مقام پر نظر آئیگا تو خیالی جسم ہوگا"

نیست سے ہست کرنیوالی مین شعور کی صفت ہونی چاہئے	غرض دنیا کی اور چیزون مین اگرچہ دیکھا جاتا ہے کہ تغیرات مین ایک مخفی مادہ ہر وقت موجود رہتا ہے مگر اُن جسموں مین جو ہمکو خوف کے وقت شیر یا دیو کی شکل مین نظر

[1] کتاب دی آدرسائڈ آف ڈیتھ خلاصہ باب سیزدہم -

آتے ہین یا سوتے مین خوفناک وزن کے ساتھ ہم کو دبا لیتے ہین اور بیداری مین بھی پیچھا نہین چھوڑتے یا جو فاصلہ پر لوگون کو نظر آتے ہین ۔ پھرتے ہین ۔ کبھی اشارہ کرتے ہین ۔ کبھی مُنہ سے بولتے ہین اور اُن کی حرکات اور آواز کو ہم اپنے جسمانی حواس سے دیکھتے اور سُنتے ہین اور اُن کا اثر نہ صرف انسان کو محسوس ہوتا ہے بلکہ خیال قوی ہونے کی صورت مین عکسی آئینہ بھی ان سے متاثر ہو جاتا ہے یہ ایسے اجسام ہین جو کسی فاعل نے نیست سے ہست کر دئے ہین[۱] ۔ البتہ یہ ضرور معلوم ہوا کہ ایسا فعل صرف شعور کی طاقت ہی کر سکتی ہے پس دیکھنا یہ ہے کہ تغیرات عالم کو دیکھ کر اور اُن کے متعلق تمام احتمالون مین معلول کا بغیر علّت کے پیدا ہونا لازم آنے پر ہم جس علّت اولیٰ تک پہونچتے ہین آیا اس مین علم و شعور کی صفت ثابت ہوتی ہے یا نہین ۔ سو جب ہم دیکھتے ہین کہ دُنیا کے تمام مظاہر مین ایک خاص مدعا اور انجام کو مد نظر رکھا گیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک واقعہ پیش بینی اور مآل اندیشی کے طور پر آغاز ہوا ہے اور خواہ نتائج اور فوائد کیسے ہی لمبی ترتیب اور کتنے ہی بڑے عرصہ مین ظاہر ہوتے ہون مگر ہر چیز کی فطرت مین وہ قابلیت پہلے سے رکھ دی گئی ہے جس کا ظہور لاکھا سال کے بعد ہوتا ہے اور اس امر واقعہ سے منکرین خدا کو بھی انکار نہین ہو سکتا[۲] تو معلوم ہوتا ہے کہ جس ہستی سے یہ مظاہر پیدا ہوئے ہین وہ صفت علم سے متصف ہی اور نیز یہ کہ اگر وہ موجود ہے اور علم کی صفت بھی رکھتی ہے تو چونکہ اس کے کام انسان کے کامون سے بے انتہا عظمت اور قوت رکھتے ہین اس لیے اُس کا علم و شعور بھی انسانی شعور سے بے انتہا زیادہ ہوگا ۔ اور جب انسان اپنے خیال سے نظر مین آنیکے لایق جسم بغیر مادہ کے پیدا کر سکتا ہی تو وہ ہستی بھی اپنے

---

[۱] مسٹر ہوڈیلا کے سامنے نیست سے ہست کرنیکی مثال مین نئے خیالات نئی حرکات اور جسمانی چیزون کے نئے نمونے پیش کیے گئے تھے جن کے جواب مین وہ لکھتے ہین (دی فینکس ٹکسٹ بک صفحہ ۲۹ سنہ ۱۹۰۴ء) کہ یہ چیز کا پیدا کرنا نہین بلکہ صفت کا پیدا کرنا ہے ۔ مگر افسوس ہے کہ خیالی اجسام کو کسی نے پیش نہ کیا ورنہ وہ دیکھتے کہ یہان کسی موجود چیز کی صفت پیدا نہین ہوئی بلکہ خود چیز کو نیست سے ہست کر دیا گیا ہے ۔

[۲] ڈاکٹر مِل استدلال تخمین کے نام سے اس صفت کو امور دُنیا مین مسلم مانتے ہین اور کہتے ہین کہ ایک یہ واقعہ ایسا ہے جس سے خدا کی نسبت گمان غالب پیدا ہوتا ہے (ملاحظہ ہو ... بحث مذکور)

علم سے بغیر مادہ کے نظر میں آنے کے لائق اشیا ہمسے بڑھکر پیدا کر سکتی ہوگی اور جب انسان ایسے بے مادہ جسم کو مس کرنے کے لائق اور حرکت کرنے اور بولنے کا لائق بنا سکتا ہے تو وہ ہستی بھی ان اشیاد کو انسان سے بہت زیادہ محسوسیّت حرکت آواز اور اثر کے لائق بنا سکتی ہوگی۔

خیال کی پیدائش وہی اوصاف رکھتی ہے جو مادی مخلوق میں ہیں

پس علم خدا سے بغیر مادہ کے پیدا ہونے کی نظیر خود انسان کے اندر ایسی موجود ہے کہ اس میں اور انقلابات عالم میں تفاوت محض درجہ کا ہے نہ قسم کا۔ کیونکہ اگر خیالی جسم محسوس نہیں ہوتا بلکہ محض اسکی شکل وزن یا آواز محسوس ہوتی ہے تو اسی طرح کائنات کا مادہ بھی کبھی براہ راست محسوس نہیں ہوتا اور صرف اس کا رنگ وزن اور دیگر صفات محسوس ہوتی ہیں اور جب طرح یہاں صفات سے مادہ پر استدلال کیا جاتا ہے اسی طرح شکل وزن وغیرہ سے خیالی جسم پر استدلال ہو سکتا ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ خیالی جسم معدوم ہوجاتا ہے گر دنیوی مادہ معدوم نہیں ہوسکتا تو یہ بھی ایک دعویٰ ہوگا کیونکہ خیالی جسم بھی جبھی معدوم ہوتا ہے کہ خیالی طاقت ختم ہوجائے یا خود خیال کرنیوالا اپنے خیال کو بدل دے یا بعض حالات میں کوئی اسی قوت کا دوسرا خیال مخالف اثر پیدا کرے۔ ورنہ ان حالات کے بغیر اگر کوئی دوسرا شخص کسی کی خیالی تصویر کو نابود کرنا چاہے تو نہیں ہوسکتی اور اسی لئے تجربہ ہوا ہے کہ بعض اوقات کوئی خیالی جسم سالہاسال تک قائم رہا ہے اور لوگوں کے بنائے کچھ نہیں بنی اور یہی حال مادہ کا ہے کہ وہ بھی ہماری ضعیف قوت سے معدوم نہیں ہوسکتا کیونکہ ہم سے بے انتہا زیادہ قوی ہستی نے اسکو موجود کیا ہے۔ اور جس علم نے اسے موجود کیا ہے وہ اگر چاہے تو جب بھی معدوم نہ ہوسکیگا اسکی کوئی دلیل نہیں۔

غرض انسان آنکھ کھول کر دوسری چیزوں کو دیکھنا شروع کر دیتا ہے اور خود اپنے تئیں نہیں دیکھتا حالانکہ اسکی قدرت کے نشان اس عالم اصغر یعنے انسان میں یعنے عالم اکبر سے زیادہ نظر آسکتے ہیں

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (ذاریات پارہ ۲۶ ع۱)

زمین پر یقین کرنے والوں کے لئے نشان ہیں اور خود تمہارے اندر ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ

ہم ان کو اپنے نشانات دنیا میں دکھلاتے ہیں اور خود ان کے

حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ ط — نفسوں میں تا اُن کو معلوم ہو کہ وہ ذات حق ہے۔

(حم سجدہ پارہ ۲۵ ع ۶)

معلول حادث اور علت قدیم — ان نظائر کو دیکھتے ہوئے اگرچہ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح پر انسان چھوٹے پیمانہ پر اپنی خیالی طاقت سے انسان کا اور اُسکے لباس اور دیگر اشیا کا جسم اور جسم کے خواص یعنی محسوسیت وغیرہ کو نیست سے ہست کر دیتا ہے اسی طرح پر خدا نے بڑے پیمانہ پر اپنی علمی طاقت سے مادہ اور اس کے خواص کو پیدا کر دیا ہے مگر ابھی اس خیال کو صحیح سمجھنے سے پہلے چند امور کا لحاظ کرنا بھی ضرور ہے از انجملہ ایک یہ اعتراض ہے کہ خدا قدیم ہے اسلئے اگر وہ اور اُس کا علم اس عالم کی علت ہو تو لازم تھا کہ عالم بھی قدیم سے ہوتا حالانکہ عالم جو ہم دیکھتے ہیں اُسکے حادث ہونے کی علامات خود اُس کے اندر بیشمار موجود ہیں اور اگر اس عالم کے بننے اور بگڑنے کے سلسلہ کو دراز کیا جائے اور کہا جائے کہ موجودہ عالم سے پہلے بھی بیشمار عالم بن بن کر تباہ ہو چکے تو اول تو اس عالم میں اسکی شہادت موجود نہیں اور دوسرے اس سے پیشتر کے مفروضہ عوالم چونکہ بن بن کے فنا ہو گئے ہیں اسلئے وہ بھی ضرور حادث ہونگے کیونکہ قدیم کے فنا ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور اسلئے ضرور ہے کہ کسی نہ کسی وقت میں اس سلسلہ کو شروع کیا گیا ہے پس اس شروع کے وقت کا خیال جاکر اعتراض ہوتا ہے کہ جو چیز پہلے نابود تھی اسکو موجود کرنے کی علت کیا ہوئی اور اگر کہا جائے کہ خدا ذی ارادہ ہے اس لیئے ایک وقت پر اُس نے اپنے ارادہ سے عالم کو پیدا کر دیا تب بھی سوال ہوتا ہے کہ اُس وقت پر ارادہ کے پیدا ہونے کا کیا سبب ہوا۔ اور اس بنا پر اگرچہ خدا قدیم ہے اور اگرچہ اسکی علمی قوت نیست سے ہست کرنے کے لیئے کافی ہے مگر پھر بھی نیست سے ہست ہونے کی صورت پر سے اعتراض دور نہیں ہوتا۔

اس اعتراض کو ہمارے زمانہ کے ایک بڑے فاضل[۱] نے لا ینحل مانا ہے اور بظاہر ان الفاظ میں شوکت بھی ایسی ہے کہ عقل ایک دفعہ ضرور چکر کھا جاتی ہے مگر تعجب یہ ہے کہ یہی بزرگ اس اعتراض کو وحدت وجود کے مسلک پر حل شدہ گردانتے ہیں حالانکہ غور کیا جائے تو وحدت وجود کو مانکر یہ اعتراض اور بھی قوی

---

[۱] یعنی علامہ شبلی نعمانی۔ ملاحظہ ہو تذکرہ مولانا روم بحث وحدت وجود۔

ہوجاتا ہے کیونکہ یہ تعینات جن میں وحدت وجود والے خود ذات باری کو ظہور کرتے ہوئے مانتے ہیں وحدت وجود کو مان کر بھی حادث ہیں اس لئے نیست سے ہست کرنے میں تو اتنا ہی اعتراض تھا کہ جب پہلے نہ کیا تھا تو اس وقت ایسا کیوں کیا مگر وحدت وجود کی صورت میں ایک تو یہی سوال باقی رہتا ہے کہ جب پہلے تعینات کو اختیار نہیں کیا تھا تو اس وقت کیوں کیا؟ اور دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنی کامل اور مطلق ذات کو نقص اور قید کی آلائشوں سے کیوں آلودہ کیا اور ناقص چیز کو پیدا کرنا تو پھر بھی کمتر ہے وہ ذات خود کیوں پاک سے ناپاک ہوگئی۔ اسلئے اگر یہ اعتراض پیدا کرنے کی صورت میں لاینحل ہے تو ذات کے ظہور کرنے میں لاینحل سے بھی بہت بڑھکر ہے۔ مگر اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس اعتراض میں کس قدر قوت ہے۔

اس اعتراض کی بنا اس مسئلہ پر ہے کہ جس وقت کوئی کامل علت موجود ہے اس کے معلول کو بھی اسی وقت موجود ہونا چاہئے اور اگر معلول اسی وقت موجود نہ ہو بلکہ کچھ عرصہ بعد ہو تو ایسے معلول کے لئے اس علت کو کامل نہیں کہنا چاہئے بلکہ کوئی اور علت بھی تلاش کرنی چاہئے مثلاً اگر حرکت حرارت پیدا کرنے کے لئے کامل علت ہے تو جس وقت حرکت موجود ہو اسی وقت حرارت بھی موجود ہونی چاہئیے اور اگر ہمکو ہاتھ ہلاتے ہی حرارت محسوس نہیں ہوتی بلکہ پہلے سردی معلوم ہوتی ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محض حرکت کا وجود حرارت پیدا کرنے کیلئے کافی نہیں بلکہ حرکت کا موجود ہوکر کچھ عرصہ تک قائم رہنا یا سخت حرکت کے بعد دفعتہً سکون پیدا ہونا یہ شرطیں ہیں جن کے ساتھ حرکت سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور اس لئے کامل علت اس صورت میں حرکت اور حرکت کا استمرار یا حرکت کے بعد سکون کا طاری ہونا ہے یہ کلیہ اگرچہ بالکل درست ہے مگر اسکو سمجھنے میں کسی قدر فروگذاشت بھی ہوئی ہے اور اس کو دیکھنے کے لئے ایک اور مثال کی ضرورت ہے۔

ایک کاریگر کلاک بناتا ہے اور بنانے کے بعد اسکو چلاتا ہے اب اگر فرض کیا جائے کہ اس نے بارہ بجے کے پانچ منٹ پر کلاک کو کوک دی ہے تو وہ ٹک ٹک اسی وقت سے کرنے لگیگا لیکن ایک بجنے کی آواز کا فعل پچپن منٹ بعد پیدا ہوگا اور دو کی آواز پانچ منٹ کم دو گھنٹہ بعد اور علی ہذا بارہ

کی آواز یا پانچ منٹ کم بارہ گھنٹہ میں ظہور پذیر ہوگی - اب ظاہر ہے کہ کلاک کی ٹِک ٹِک کی علت اور گھنٹوں کی آواز کی علت وہی کاریگر اور اسکی کوک تھی مگر معلول ایک اسی وقت پیدا ہو گیا ہے تو دوسرا کچھ عرصہ بعد - پس کیا مذکورہ بالا کلیہ اس وقت غلط ہو گیا؟ اور کیا ثابت ہو گیا کہ معلول علت سے کچھ عرصہ بعد بھی پیدا ہوا کرتا ہے؟ نہیں - وہ کلیہ غلط نہیں بلکہ اسکی صورتیں دو ہیں کبھی تو ایک علت کے بعد کسی دوسری مستقل علت کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی کامل علت ایک ہی ہوتی ہے مگر فعل کی فطرت ایسی ہوتی ہے کہ اسکا ظہور کچھ عرصہ کے بعد ہو - چنانچہ کلاک کی فطرت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ بجنے کی آواز ضرور ہی کسیقدر دیر میں پیدا ہو اور اگر فعل کی فطرت کو دوسری علت کہا جائے تو اس میں کوئی مضایقہ نہیں اور مضمون بحث کو سمجھنے میں دقت نہ ہوگی - چنانچہ اس عالم کو حادث مانکر اور اسکی کامل علت علم خدا کو گردان کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیشک خدا قدیم ہے اور اسکی صفات بھی قدیم ہیں لہذا اسکا علم بھی قدیم ہے اور اسکا علم غلط نہیں ہو سکتا ہم بیشک اسکا کل نیوالے واقعہ کو غلطی سے سمجھ سکتے ہیں کہ وہ آج ہو گیا لیکن اگر خدا کا علم قدیم ہے تو اس کے یہی معنی ہیں کہ وہ قدیم سے ہر زمانہ کو جانتا ہے اور ہر زمانہ کی ہر چیز کو عین اسی زمانہ کے ساتھ جانتا ہے - اگر ایسا نہ ہو بلکہ وہ دو سال بعد آنے والی چیز کو جانتا ہو کہ دو سال پہلے گذر چکی یا اگر اس کو علم ہی جب ہوتا ہو جب کوئی چیز موجود ہو جائے تو وہ معاذ اللہ عالم نہ ہوگا جاہل ہوگا حالانکہ دنیا کی ساخت شہادت دیتی ہے کہ اس کو ہر ایک نتیجہ کا پہلے سے علم ہے اسلئے جب قدیم سے اسکا علم ہی اس طرح پر ہو گا کہ یہ کائنات ایک خاص وقت میں موجود ہو نگی تو جس طرح کلاک کے نیچر میں داخل ہے کہ گھنٹہ کی آواز چلنے کے بعد ایک خاص وقت پر ہو اسی طرح پر اس علم کے نیچر میں داخل ہے کہ دنیا کا وجود علم کے بعد ایک خاص وقت پر ہو - اور جب آواز کے لیے کلاک کی فطرت کے سوا کسی اور علت کی ضرورت نہیں تو حادث دنیا کے لیئے بھی علم کی فطرت کے سوا کسی اور علت کی ضرورت نہ ہوگی - پس خدا کہو - خدا کا علم کہو - علم کی فطرت کہو لفظوں کا تفاوت ہوگا اور مطلب ایک ہی رہیگا کہ ایک کامل ہستی نے دنیا کو نیست سے ہست کیا ہے یا زیادہ سے زیادہ یوں کہو کہ کائنات اسکے علم میں قدیم سے تھی اور ظہور بعد میں ہوا جس طرح پر گھنٹہ کی آواز کلاک میں پہلے سے

تھی مگر اُس کا ظہور بعد میں ہوا[۱۵] لیکن جس طرح پر انسان کی خیالی مخلوق جو کسی کو نظر آتی ہے خیال کرنے والے کی ذات کا عین نہیں ہوتی اور نہیں کہہ سکتے کہ وہی انسان بعینہٖ اپنی تصویر اور اپنے لباس اور گاڑی گھوڑے کی تصویر بن گیا ہے بلکہ یہی کہا جاتا ہے کہ اُس نے ان چیزوں کو اپنی خیال سے پیدا کر دیا اور خود اُن کے ظہور کے لیے سرچشمہ بنا۔ اسی طرح خدا کے علم کی مخلوق اسکی ذات کا عین نہ ہوگی

۱۵ اس اعتراض کو ایک اور شکل میں مسٹر سپنسر نے پیش کیا ہے (کتاب فرسٹ پرنسپلز باب دوئم اقتباس مسٹر مینسل) کہ کامل علت ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر وہ علت ہو تو علت بننے سے پہلے ہمیں اس صفت کی کمی ہوگی جس کو علت بن کر پورا کیا۔ پس علت بننے سے پہلے مکمل نہ ہوگا۔ اس اعتراض کا جواب بھی اسی تقریر سے ہو سکتا ہے کہ جیب کلاک کی طرح علم کی نیچر ہی یہ تھی کہ اسکی قوت مخلوقات کو ایک خاص وقت پر پیدا کرے تو اگرچہ اس وقت ایک کامل ہستی حادث مخلوقات کی علت ہوئی مگر اس عجیب طرز سے کہ مخلوقات کے موجود ہونے پر اسکی ذات میں کوئی اضافہ لازم نہیں آیا۔ کیونکہ مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے بھی اُس کے علم کی یہی شکل تھی کہ مخلوقات ایک وقت پر موجود ہیں اور اس سے پہلے معدوم ہیں اور مخلوقات کے موجود ہونے پر بھی اسکا علم یہی ہے کہ مخلوقات ایک وقت پر موجود ہیں مگر اس سے پہلے معدوم ہیں۔ غرض علم پہلے بھی مکمل تھا اور اب بھی اسی طرح کا مکمل ہے جس طرح کلاک گھنٹے کی آواز پیدا ہونے سے پہلے بھی مکمل تھا اور بعد بھی اسی طرح کا مکمل ہے اسلئے اس طرح کی علت ہونے اور نیز قدیم سے کامل ہونے میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

اس اعتراض کا جواب امام غزالی علیہ الرحمۃ نے قریباً اسی طرح پر دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں (کتاب تہافۃ الفلاسفہ بحث قدم عالم) کہ جو شخص کہتا ہے کہ عالم حادث ہے اور وہ پیدا ہوا ہے خدا کے قدیم ارادہ سے اور ارادہ قدیم سے یہی تھا کہ ایک خاص وقت پر عالم پیدا ہوگا چنانچہ جبتک اُس کے ارادہ میں عالم کا عدم تھا وہ معدوم رہا اور جس وقت ارادہ میں عالم کا وجود تھا اسی ارادہ سے وہ موجود ہوگیا تو اس عقیدہ پر کیا اعتراض ہے؟۔ اور پھر خود ہی امام موصوف منکرین کی طرف سے اِس عقیدہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ حادث کے لئے کوئی موجب اور سبب ہوا کرتا ہے اور جس طرح پر حادث کا بغیر موجب اور سبب کے پیدا ہونا محال ہے اسی طرح ایسے موجب کا وجود بھی محال ہے جس کے تمام شرائط اور لوازم موجود ہوں حتے کہ کسی امر کا انتظار باقی نہ ہو اور پھر اسکا معلول اس سے متاخر رہے۔ اور اسی وقت موجود نہ ہو

اور نہ کہہ سکین گے کہ وہی ذات بعینہٖ ان تعینات مین جلوہ گر ہے بلکہ یہی کہا جائیگا کہ اُس نے ان چیزون کو اپنے علم سے پیدا کر دیا اور خود اُن کے ظہور کا سرچشمہ بنا اور یہان وہ دِقّت پیش نہ آئیگی جو وحدت وجود مین لازم آتی ہے کہ ایک کامل اور بے عیب ذات خود تعینات کے نقص اور عیوب سے آلودہ ہو۔ اور اگر کوئی وحدت وجود کا حامی خدا کو اسی طرح کا سرچشمہ گردانتا ہو اور تعینات مین اُس کا ایسا ظہور فرض نہ کرتا ہو جس طرح پر انسان

پس عالم کے وجود سے پہلے ارادہ کرنے والا اور ارادہ موجود تھا اور اس ارادہ کا تعلق حادث سے موجود تھا اور ان مین سے کوئی چیز ایسی پیدا نہین ہوئی جو قدیم سے موجود نہ تھی۔ کیونکہ نہین سے کسیکو پیدا ماننا خدا کی ذات مین تغیرات کو ثابت کرنا ہے۔ تو اب ارادہ کا مدعا یعنے عالم کیون قدیم سے موجود نہ ہوا۔ حالانکہ عالم کے پیدا ہونے کا وقت اور اس سے پیشتر کا وقت یکسان ہین اور کسیوجہ سے تفاوت نہین۔ اس اعتراض کے بعد امام صاحب ایسے ارادہ کو جو قدیم سے ایک خاص وقت پر پیدا کرنے کے لیے ہو محال نہین مانتے۔ مگر قاضی ابن رشد (کتاب تہافۃ التہافہ بحث قدم عالم) اگرچہ اصل اعتراض کو ضعیف سمجھتے ہین اور اپنے سلک کے مطابق اس کا جواب دیتے ہین لیکن امام صاحب کے جواب کو سفسطہ اور وہم کا قرار دیتے ہین اور متکلمین کی طرف سے جو اعتراض امام صاحب نے پیش کیا ہے اس کو بیّن غایۃ البیان یعنے نہایت ہی صریح اور صاف بتاتے ہین اور بیشک اگر عالم کی پیدائش اسی طرح فرض کیجائے جیسی مادہ اور خدا دونو کو قدیم ماننے سے لازم آتی ہے اور جیسے ہم کوئی مکان موجودہ مصالح سے بنایا کرتے ہین تو پہلے ہمارے دل مین اس کو ایک خاص وقت پر بنانیکا ارادہ ہوتا ہے اور پھر اُس وقت کے آجانے پر عزم پیدا ہوتا ہے اور اسکے بعد وہ فعل ظہور کرتا ہے جس سے مکان بن جاتا ہے اور اس صورت مین پہلے ارادہ کے سوا مکان بنانے کے وقت ایک عزم نیا پیدا ہوتا ہے اور پھر ایک فعل پیدا ہوتا ہے اگر خدا نے اسی طرح عالم کو بنایا ہو تو بیشک اسکی ذات مین عزم اور فعل کی نئی صفت پیدا ہوئی جو پہلے سے نہ تھی۔ لیکن جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے پیدائش عالم کی یہ صورت نہین بلکہ اسکی پیدائش قوت علم سے ہے اور تجربہ سے قوت علم کا یہ خاصہ ثابت ہوا ہے کہ اسمین ایک خاص وقت کے لئے جس واقعہ کا خیال قائم ہو وقت آنے پر وہ واقعہ موجود ہو جاتا ہے اور اسکے لئے کسی نئے عزم اور نئے فعل کی ضرورت نہین ہوتی۔ پس جب خدا کے علم مین موجود تھا کہ ایک وقت پر یہ عالم موجود ہوگا تو عالم اسی علم کی قوت سے اپنے وقت پر پیدا ہو گیا ہے اور پیدا ہونیکے

مطلق زید وعمر مین ظہور کرتا ہے تو بیشک ایسی وحدت وجود پر مذکورہ بالا اعتراض وارد نہ ہوگا۔
لیکن اس وقت بحث صرف لفظی رہ جائیگی اور پیدائش کے عقیدہ مین اور ایسی وحدت وجود مین
کچھ اختلاف نہ ہوگا۔

وحدت شہود	بعض مسلمان فاضلون نے وحدت وجود کے خلاف ایک اور خیال قائم کیا ہے

وقت اسکی ذات مین کسی جدید صفت اور کسی تغیر کا وجود لازم نہین آیا اور علم کی یہ صورت فرض کرنے پر منکرین کا یہ اعتراض کہ جب کوئی نسبت اور کوئی سبب نیا پیدا نہین ہوا اور سب کچھ قدیم سے تھا تو عالم قدیم سے کیون نہ ہوا کسی طرح بیّن غایۃ البیان کہلانے کا مستحق نہین کیونکہ علم اور مخلوقات کے مابین نسبت ہی ایسی ہے کہ گو علم قدیم سے ہے مگر اس علم سے مخلوقات خاص وقت سے پہلے پیدا نہین ہوسکتی۔

البتہ امام علیہ الرحمہ منکرین کی طرف سے ایک خاص وقت کی نسبت ایک اعتراض پیدا کرتے مین اور وہ یہ کہ خدا کے سیلئے یہ وقت جس مین عالم کو پیدا کیا اور اس سے ماقبل اور مابعد کا زمانہ برابر تھا پس وہ کیا وجہ تھی جس سے اس وقت خاص کو دوسرے وقتون پر ترجیح ہوئی اور اگر کہو کہ خود ارادہ نے ایک وقت کو چن لیا تو ہم کہتے ہین کہ ارادہ نے دو مساوی وقتون مین سے ایک وقت کو کیون ترجیح دی۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہین کہ آدمی کے سامنے کھانے کیلئے دو سیب رکھے ہوتے ہین اور وہ دونو کو دفعۃً منہ مین نہین رکھ سکتا اور اس لیے کسی ایک کو پہلے کھانے کے لئے اٹھاتا ہے تو اس وقت یا تو ایک دوسرے کی نسبت زیادہ پختہ ہوتا ہے یا خوش رنگ ہوتا ہے یا ہاتھ کے قریب ہوتا ہے اس لئے اسے پہلے اٹھاتا ہے غرض کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے جس سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دیجاتی ہے۔ تو جب تمام زمانے خدا کے نزدیک مساوی ہین اور اسکی قدرت ہر زمانہ مین پیدا کرسکتی ہے تو ایک وقت کے لئے ارادہ کرنا اور دوسرے وقت کو چھوڑنا بے وجہ ہے۔ امام صاحب جواب دیتے ہین کہ اسی مثال مین یہ بھی فرض کیا جاسکتا ہے کہ دونو سیب پختگی اور رنگت اور تمام صفات مین مساوی معلوم ہوتے ہین اور اس کے دہنے ہاتھ کو جو کام کے لئے جلدی حرکت کرتا ہے مرکز مانکر اسکے گرد ایک دائرہ فرض کیا جاسکتا ہے جس کے خط پر دو سیب رکھے ہون اور ہاتھ کا اور ہر ایک سیب کا فاصلہ مساوی ہو۔ اس وقت انسان کو بھوکا بھی فرض کرو تو ایسی صورت

جس کو وحدت شہود کہتے ہین[۱] - اور جو عام اسلامی مسئلہ یعنی نیست سی ہست ہونے کے خلاف نہین
بلکہ فلسفیانہ طرز سے اسکو قابل فہم بناتا ہے - چنانچہ وہ کہتے ہین کہ ہر چیز کے مقابل مین اسکی ضد ہوا
کرتی ہے مثلاً علم کے مقابل مین جہالت اور نور کے مقابل مین ظلمت لیکن ایسی ضدین عدم محض ہوتی
ہین یعنے جہالت علم کا عدم ہے اور ظلمت نُور کا نہ ہونا - پس اسی طرح خدا کی صفات کاملہ کے مقابل

مین کوئی ترجیح نہ ہونے کے سبب کیا وہ شخص حیران رہ جائیگا اور سیب جو اسکی گرفت مین آسکتے ہین انکو نہ کھائیگا ؟ نتیجہ یقیناً غلط ہے بلکہ وہ ضرور ان مین سے ایک کو پہلے اٹھائیگا تو جو قوت اس وقت دونو مین سے ایک کو ترجیح دیتی ہے وہی ارادہ ہے اور خدا چونکہ صاحب ارادہ مانا جاتا ہے اس لئے دو مساوی وقتون مین سے ایک کو ترجیح دینے کی قدرت رکھتا ہے - اور اس وقت یہ کہنا کہ ارادہ نے کیون ایک کو انتخاب کیا بعینہ ایسا ہے جیسے کہا جائے کہ علم نے کسی چیز کی واقعی حالت کو کیون پہچانا یعنی فضول ہے کیونکہ علم کہتے ہی اس طاقت کو ہین جس سے چیزون کی واقعی شناخت ہو اسی طرح ارادہ کہتے ہی اُس قوت کو ہین جس سے دو مساوی چیزون مین سے ایک کو انتخاب کیا جائے - قاضی ابن رشد چونکہ امام صاحب کی کلام مین نکتہ چینی کو فرض سمجھتے ہین اسلئے اس جواب پر بھی فرماتے ہین کہ یہ تخلیط ہے کیونکہ جب دو چیزین بالکل ہم مثل فرض کیجائین تو اس وقت ارادہ کرنے والے کا ایک کو اختیار کرنا ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا نہین کیونکہ دو تو ہم مثل ہون اور پھر ایک کو دوسرے پر ترجیح ہو - یہ بے معنی ہے بلکہ اس وقت وہ دونو کو ہم مثل مانتا ہے اور پھر ایک کو دوسرے کا بدل فرض کرتا ہے اور جانتا ہے کہ کوئی سی چیز اٹھائی جائے مدعا پورا ہو جائیگا - مگر سمجھ مین نہین آتا کہ اسکو قاضی صاحب نے اس ایچ پیچ سے کیا اعتراض پیدا کیا - دو مساوی چیزون مین سے ایک کو اختیار کرنے پر اس فعل کو ترجیح کہو یا دونو کا برابر ہونا یہ ثابت ہوا کہ ارادہ کی قوت سے دو ہم مثل چیزون مین سے ایک کو لیا جا سکتا ہے اور اعتراض یہی تھا کہ خدا نے ہم مثل وقتون مین سے ایک کو کس طرح پر لیا پس ایک وقت کو ترجیح نہ سہی اس کو دوسرے وقت کے برابر سمجھ کر ایک کو اختیار کر لیا تو یہ وہی عمل ہوا جو دو سیب یکسان ہونے کی صورت مین انسان کرتا ہے اس لئے اسمین کوئی استحالہ نہین -

تہافۃ التہافۃ ص ۱۲۸

[۱] اس بارہ مین ملاحظہ ہون مکتوبات مرزا جانجانان اور مکتوبات قاضی ثناءاللہ علیہما الرحمہ -

میں انکی ضدین یا اعدام ہونگے اور ان اعدام نے ہر ایک صفت کے مقابل ہونے کے سبب کسی قدر امتیاز حاصل کر لیا ہوگا مثلاً نہ ہونا ایک مطلق مفہوم ہے اور علم کا نہ ہونا یا قدرت کا نہ ہونا اس مطلق مفہوم کی ممتاز فردیں ہیں۔ پس اسوقت ان اعدام ممتازہ پر صفات خداوندی کا عکس ا پڑا ہوگا جسطرح سے انسان کا عکس آئینہ پر پڑتا ہے چنانچہ یہ کائنات وہی صفات خداوندی کا عکس ہے جن میں اعدام ممتازہ بمنزلہ مادّہ کے ہیں اور عکوس صفات بمنزلہ صورت کے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ کائنات وجود اور عدم دونو کی قابلیت رکھتی ہے اور یہی سبب ہے کہ اس سے خیر اور شر دونو طرح کی صفات ظاہر ہوتی ہیں۔

اس عقیدہ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کوئی چیز موجود ہونی چاہیے جس پر دوسری چیز کا عکس پڑے جس طرح سے انسان کے مقابل میں آئینہ موجود ہوتا ہے اور صفات کی ضدوں میں سے اگرچہ ایک صفت کا عدم دوسری صفت کے عدم سے ہمارے ذہن میں ممتاز ہے لیکن خارج میں وہ سب معدوم محض ہیں اسلئے عکس پڑنے کی قابلیت نہیں رکھتیں۔

اس اعتراض کا حل یونہی ہو سکتا ہے کہ پہلے علم کی قوت سے اشیا عالم وجود میں آئیں اور پھر اُن پر صفات الٰہیہ کا عکس پڑکر ان میں خیر اور بھلائی کی قابلیت پیدا ہوئی پس وحدت شہود میں اصلی احتمال وہی علم خداوندی کی قوت سے اشیاء کا نیست سے ہست ہونا ٹھیرلگا۔ اور یہ بعد میں دوسری بحث ہوگی کہ ان اشیا میں بھلائی اور برائی کیوں ہے جس کو حل کرنے کے لئے اس خیال کو پیش کیا جائیگا کہ چونکہ چیزیں عدم سے وجود میں آئی ہیں اور عدم عیب ہے اس لیئے ان میں بدی کی قابلیت ہے اور چونکہ علم وغیرہ صفات خداوندی کا ان پر عکس پڑتا ہے اس لئے ان سے بھلائی صادر ہو سکتی ہے اور غالباً وحدت شہود والے بھی اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں کہ علم خداوندی نے

(تفسیر ... صفحہ ۲۴۲) غرض خاص وقت کا اعتراض امام صاحب کی تقریر سے پورے طور پر حل ہوجاتا ہے اور خدا کے قدیم ارادہ اور قدیم علم میں جس وقت پر عالم کا پیدا ہونا مرکوز تھا اسوقت پیدا کرنے سے پیشش کا مدعا پورا ہو جاتا ہے جسطرح دو سیبوں میں سے ایک کو اٹھا لینے سے کھانے کا مدعا پورا ہو گیا تھا۔ اور جب ایسے فعل کے لیئے نظیر موجود ہے تو جواب کو تغلیط کہنا تغلیط سے بھی بڑھکر ہے۔

اضداد وصفات کو نسبت سے بحث کرو باہے اور اس کے بعد اُن پر صفات کا عکس پڑا ہے کیونکہ وہ اپنی تقریر میں صفات ربانی کا اُس کے علم میں مفصل اور ممتاز ہونا مانتے ہیں اور علم کی اس شکل کو مرتبۂ واحدیت سے موسوم کر کے اضداد باہمدگر ممتاز ہونے کے لیئے اس مرتبہ کو سبب قرار دیتے ہیں۔

علم کے لیے کوئی معلوم ہونا چاہئیے | عدم سے وجود میں آنا چونکہ علمی قوت پر منحصر ہے اسلیئے علم کے متعلق ایک اور اعتراض بھی قابل غور ہے کہ علم اور معلوم باہم ایسا تعلق رکھتے ہیں کہ ایک دوسرے کے بغیر موجود نہیں ہو سکتا۔ عالم کسی معلوم کا عالم ہوگا اور معلوم کسی عالم کا معلوم ہوگا" اور موجودات اپنے وقت سے پہلے معدوم تھیں اس لیے اس حال اُنکا علم بھی نہ ہوگا۔

ھربرٹ سپنسر اس پر اور اضافہ کرتے ہیں کہ خدا کا علم مخلوقات کے متعلق ایک طرف۔ خدا کو جو اپنی ذات کا علم ہے وہ بھی سمجھ میں نہیں آتا[۵۱]۔ کیونکہ وہ خدا کی ذات پر منحصر ہوگا پس اس وقت مطلق صرف ذات کو کہ سکینگے اور علم مطلق نہ ہوگا۔

اِس اعتراض کا جو حصہ مسٹر سپنسر نے پیش کیا ہے اس میں اسیقدر الزام ہے کہ خدا کا علم خدا کی ذات پر منحصر ہے اور بیشک عام طور پر صفات کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ وہ ذات پر منحصر ہوں لیکن ذات مطلق ہو اور اسکی صفات مطلق نہ ہوں یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ مگر اس بارہ میں تحقیق و تفتیش کو طول نہیں دے سکتے اس لیے کہ خدا اور اسکی ذات وصفات احاطۂ عقل سے بالاتر ہیں اور خدا کی ذات اور اسکے علم کا سمجھ میں آنا ایک طرف خود مسٹر سپنسر تسلیم کرتے ہیں کہ ہم کو جو اپنی ہستی کا علم ہے اسکی کیفیت بھی ناقابل فہم ہے چنانچہ وہ اِس بحث کو تفصیل سے لکھتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں[۵۲] کہ "تمام علوم کی پہلی اور بنیادی شرط عالم و معلوم کا تقابل (غیریت) ہے پس اپنا عالم ہونے کی صورت میں آپ اگر معلوم ہے تو عالم کون ہوگا یا عالم اگر خود ہے تو علم کس چیز کا ہے۔ پس اُس چیز کا تعین جو عالم ہے اور جسکی ہستی کا سب سے زیادہ یقین ہے ایک ایسا معما ہے جو بالکل سمجھ میں نہیں آتا" لیکن باوجود نہ سمجھ سکنے کے جب ہمکو یقین ہے کہ ہم اپنی ذات اور صفات کا علم رکھتے ہیں تو اسی طرح خدا کو بھی اپنی ذات

---

[۵۱] کتاب فرسٹ پرنسپلز باب دوئم اقتباس مسٹر مین سل۔
[۵۲] ایضاً باب سوئم

اور صفات کا علم ہوگا مگر مخلوقات چونکہ قدیم سے موجود نہین ہین اس لیئے علم خداوندی کا ان سے متعلق ہونا البتہ غور طلب ہے۔ اور ہمارے اپنے علم کی کیفیت دیکھی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم عموماً اسی چیز کا علم حاصل کرتے ہین جو موجود ہو اور جس چیز کا کسی قسم کا بھی وجود نہ ہو وہ ہمارے علم مین نہین آسکتی مگر اس قاعدے کو ذرا تفصیل دینے کی ضرورت ہے۔

علم کس کس چیز کا ہوسکتا ہے؟ ہم ایک تو اُن چیزون کا علم حاصل کرتے ہین جو خارج مین موجود ہون مثلاً یہ در و دیوار اور گھوڑا گاڑی جو خارج مین موجود ہین ان کا تصور بھی ہمارے ذہن مین موجود ہے اور ایک ایسی چیز کا تصور بھی ہم کرسکتے ہین جو خارج مین موجود تو نہین مگر اُسکی اجزا کی مختلف شاخین موجود ہین مثلاً ہم ایک دیو کا تصور کرسکتے ہین جسکی انگارہ سی آنکھین ہون آسمان سے لگا ہوا سر بھاڑ سا کھلا ہوا منہ ہو اور پھاوڑے سے نکلے ہوئے دانت ہون اور درخت جیسے ہاتھون سے ہم کو پکڑنے کے لیئے لپکے۔ ایسا وجود خارج مین دیکھا نہین گیا مگر ایسی چیزین موجود ہین جن سے اُس کے اعضاء کو تشبیہ دیکر ہمنے خیالی وجود قایم کرلیا ہے۔ اور ایک ایسی چیز کا تصور بھی ہم کرسکتے ہین جو نہ خود خارج مین موجود ہو اور نہ کسی قسم کی اُسکی ناقص تشبیہ موجود ہو مگر اسکی ضد ہمارے تصور مین ہو مثلاً ایک مادرزاد نابینا روشنی کا تصور کرسکتا ہے حالانکہ اُس نے خارج مین کبھی روشنی کو نہین دیکھا اور وہ تصور اس لیئے کرسکتا ہے کہ اسکی ضد یعنی تاریکی اس کے علم مین موجود ہے جس سے وہ خیال جما سکتا ہے کہ اُس کا نہ ہونا روشنی ہے اور یہ ضد سے دوسری ضد کا علم صرف نابینا پر منحصر نہین بلکہ علمی دنیا مین اکثر تحقیقات کی بنیاد اسی قسم کے تصور پر ہے۔ ہمنے جب سے دیکھنا شروع کیا ہے بلکہ جب سے ہماری تاریخ اور تجربہ نے دیکھنا شروع کیا ہے ہمنے زمین کی یہی شکل دیکھی ہے پس ایسی ضد کو تصور کرسکنے کی طاقت کا کرشمہ ہے جس سے ہم خیال کرسکے کہ زمین جو اس وقت ٹھوس ہے کبھی سیال یا گیس کی شکل مین تھی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ کبھی یہ سرے سے موجود ہی نہ ہوگی۔ پس ہمنے جو زمین کے سیال یا معدوم ہونے کا تصور کیا ہے ایسا تصور ہے جس کا موضوع ہم کو خارج مین کبھی نظر نہین آیا اور جو کچھ دیکھا ہے وہ سیال یا معدوم ہونے کی ضد ہے پس ہمنے دیکھا کہ اسی ضد سے

ہمکو دوسری ضد کا تصور پیدا ہو گیا۔ اور اسی طرح چاند سورج جو خارج مین ہم کو اسی شکل مین نظر آتے ہین ہم ان کے وجود کی ضد بھی تصور کر سکتے ہین اور نہ صرف کر سکتے ہین بلکہ عنوانوں کو دیکھنے کے بعد ایسا یقین بھی رکھتے ہین کہ ایک وقت مین فضا کی بساط پر یہ روشن مُہرے چُنے ہوئے نہ تھے۔ اور تو اور خود اس اعتراض مین جو مخلوقات کے معدوم ہونے کے وقت خدا کے علم کی وجہ دریافت کی جاتی ہے اس وقت مخلوقات کے معدوم ہونے کا تصور خود ہماری اس تصور کی طاقت کو ثابت کرتا ہے جس سے ہمنے موجودات کے موجود ہونے سے اُنکی ضد یعنی عدم کا خیال قائم کیا۔

خدا کا علم کیونکر خیال مین آسکتا ہے؟

پس علم کا قاعدہ یہ معلوم ہوا کہ کوئی چیز خارج مین خود موجود ہو یا اُسکی تشبیہ موجود ہو یا اُسکی ضد موجود ہو ان سب صورتون مین ہم اُسکا تصور کر سکتے ہین۔ اب اگر خدا کے علم مین اتنی ہی طاقت مانی جاوے جتنی انسان مین ہے تب بھی چونکہ خدا کو اپنی ذات کا علم ہے اپنی صفات کا علم ہے اور وہ سب عدم ذات اور عدم صفات کے اضداد ہین اسلئے عدم کا بھی علم ہوگا اور علاوہ برایں صفات کے علم کا سوا اس کے کوئی مطلب نہین کہ وہ سب اپنے عدم سے ممتاز ہین مثلاً قدرت کا علم یہی ہوگا کہ وہ عجز نہین ہے اور وجود کا علم یہی ہوگا کہ وہ عدم نہین علم کا علم یہی ہوگا کہ وہ جہل نہین۔ کیونکہ اگر اُسکو قدرت اور عجز یا وجود اور عدم مین امتیاز ہی نہین تو قدرت اور وجود کا علم بھی نہین بلکہ جہل ہے پس صرف یہی ثابت ہوا کہ خدا کو اضداد صفات کا علم ہونا ممکن ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوا کہ اسکو ان اضداد کا ضرور علم ہوگا اور یہ اعدام جنکے مقابل مین صفات ربّانی ہین یہی وہ مادّہ ہے جس سے علمی قوت نے دنیا کو پیدا کیا اس لئے لازم نہین آتا کہ ازل مین مخلوقات کی تصوّر کی کوئی وجہ موجود نہ تھی۔

پس جس طرح نابینا تاریکی کو دیکھ کر روشنی کا تصوّر کر سکتا ہے اور پھر اپنے علم کے موافق اُسکی کوئی شکل فرض کر سکتا ہے اور اس کے ساتھ اُسکی صفات قائم کر سکتا ہے یا جس طرح ہمنے زمین اور آفتاب وغیرہ کے وجود سے ان کے عدم کا تصوّر کیا ہے اور پھر اس عدم کی صورت کو پھیلا کر اپنے ذہن مین اس تمام مادّے کو نیبیولا یعنی بخار کے بادل سے لیکر گیس اور سیال اور منجمد طرح طرح

کی شکلین قایم کرلی ہین اِسی طرح ممکن ہے کہ علم خدا مین ان اعدام کی پھیلی ہوئی شکلین موجود ہون مثلاً عجز کے پھیلاؤ سے ایک عاجز مخلوق کی صورت اور اس پر قدرت کے عکس سے کسی قدر طاقت کا ظہور یا موت کے پھیلاؤ سے ایک بیجان مخلوق کی صورت اور صفت حیات کے عکس سے کسی قدر جانداری کا نشان یہ تصوّرات ہون گے جن کو علمی قوت نے انسان کی خیالی تصویر کیطرح موجود کرلیا۔

غرض اہل وحدت شہود کی فلسفیانہ وقت نظر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اُنھون نے الہام ربانی کے ٹھیک منشا کو سمجھ کر اُسکی بعض نکات کو اس خوبی سے حل کیا ہے کہ اِس سے بہتر نہین ہوسکتا۔ ورنہ جن لوگون نے اسی قسم کی دقتون سے تنگ آکر خود خدا کو ان تعینات مین ظہور کرتے ہوئے مانا تھا وہ پاک ہستی کو ناپاک بنانے کے مرتکب ہوئے اور جنہون نے اُس کے ساتھ مادہ کو قدامت کا حصہ دار ٹھیرایا تھا وہ دونو مین ایک وصف مشترک مانکر دونوں کے مرکب ہونے اور اجزا کے محتاج ہونے سے خدا اور مادّہ کو واقع مین قدامت سے محروم کرنیوالے ٹھیرے اور باوجود اس کے علم کی کوئی وجہ بیان نہ کرسکے۔ کیونکہ خواہ وہ ذات خداوندی خود ہی تعینات مین ظہور کرتی ہو مگر ذات کے مرتبہ مین یہ تعینات نہ تھے اِس لیے اس وقت ذات کو ان تعینات کا علم ہو تو یہی اعتراض وارد ہوتا ہے اور اسی طرح خواہ مادہ قدیم ہو مگر اسکی یہ شکلین خدا نے پیدا کی ہین اسلئے بے شکل مادہ موجود ہونے کے وقت خدا کو ان شکلون کا علم ہو تو یہی وقت پیش آتی ہے حالانکہ خدا کا پہلے سے عالم ہونا اس تمام نظام کی ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے پس اسکا حل سوائے اس کے اور کوئی نہین ہوسکتا جو وحدت شہود نے پیش کیا ہے کہ یہ سب کھیل اسی علمی قوت کا ہے اور علمی قوت ایک ضد کے وجود سے دوسری ضد کیطرف جاسکتی ہے۔

خدا کی ہیشگی اور زمانہ وفضا کی نسبت اعتراض اور اسکی تحقیق۔

ڈاکٹر ہربرٹ سپنسر نے جس قدر شکوک مذہبی اعتقادون کی نسبت قائم کئے ہین عموماً ان کا میلان اُن کے لاادریہ اصول کے موافق اس جانب ہے کہ وہ خدا اور مخلوقات کے تعلق کو سمجھ نہین سکتے ورنہ وہ تسلیم کرتے ہین کہ باوجود نہ سمجھ

سکنے کے اقرار خدا اور مذہب کو تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہین لیکن چونکہ نہ سمجھنے سی گمان ہوسکتا ہی کہ ان تعلقات کا یا خدا کا عقیدہ غلط ہوگا اس لئے جا بجا اُن کے شکوک کو بطور اعتراض کے ذکر کیا گیا ہے چنانچہ ان مین ایک اعتراض اور قابل غور ہے۔ وہ موجودات عالم کی نسبت تین احتمال پیدا کرتے ہین۔ ؎۱

(۱) قدیم سے اسی طرح موجود ہونگے

(۲) خود بخود پیدا ہوگئے ہونگے

(۳) یا کسی خدا نے اُن کو پیدا کیا ہوگا

اور ان مین سے دوسرے احتمال کی نسبت وہی اعتراض کرتے ہین جو پہلے اس اعتراض کے ضمن مین ذکر ہوچکا ہے کہ پیدا ہونے کے لئے کسی علّت کا ہونا ضروری ہے ورنہ قانون علیت کا باطل ہونا لازم آئیگا۔ اور پہلے احتمال کی نسبت کہتے ہین کہ ہمیشہ سے موجود ہونے کے لئے غیر محدود زمانہ فرض کرنا پڑیگا حالانکہ غیر محدود زمانہ ماضی کا سمجھنا ناممکن ہے۔ اور تیسرے احتمال یعنی خدا کی قدرت سی پیدا ہونے کی نسبت تین اعتراض کرتے ہین۔ ایک تو یہ کہ بغیر مادہ کے پیدا کرنے کی کوئی نظیر نہین اور اگر مادہ سے پیدا کیا ہو تو پھر اس مادہ کی نسبت بھی تین احتمال ہوسکتے ہین اور ہر احتمال پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ جس فضا مین یہ دُنیا ہے وہ کہان سے آئی۔ اگر فضا کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے تو مخلوقات سے پہلے فضا بھی نہ ہوگی حالانکہ ہم فضا کے نہ ہونے کو سمجھ نہین سکتے اور تیسرے یہ کہ بنانیوالا خود کہان سے آیا۔ آیا وہ قدیم سے تھا یا خود بخود پیدا ہوا یا اُس کو کسی اور خدا نے پیدا کیا۔

ان اعتراضون کے بعد وہ تینون احتمالون کو ناقابل فہمید قرار دیتے ہین اور یہی وجہ حیرت ہی کیونکہ پہلے اور تیسرے احتمال کی نسبت ان کا اعتراض صرف یہی ہے کہ وہ سمجھ سے باہر ہین مگر دوسرے احتمال کی نسبت نہ سمجھ سکنے کے علاوہ یہ اعتراض بھی ہے کہ وہ قانون علیت کو توڑتا ہے پس اگر پہلا اور تیسرا احتمال ایک درجہ پر رکھا جائے تو دوسرا احتمال پھر بھی ان سے زیادہ مشکل اور ایک بڑی قانون قدرت کو توڑنے کے سبب قابل ترک قرار دینا چاہئے تھا۔

؎۱ فرسٹ پرنسپلز باب دوم۔

اور پھر دیکھا جائے تو موجودات کے ہمیشہ سے ہونے پر جو پہلا احتمال ہے اور خدا کے ہمیشہ سے ہونے پر جو تیسرے احتمال سے لازم آتا ہے جو اعتراض وہ کرتے ہین اُسکا وزن بھی مساوی نہین ہے یہ ضرور ہے کہ اگر موجودات عالم کے ہمیشہ سے موجود ہونے پر کوئی اور اعتراض وارد نہ ہوتا تو خدا کے اور موجودات کے ہمیشہ سے موجود ہونے پر صرف یہی اعتراض رہتا کہ ہم اُسکو سمجھ نہین سکتے اور اس صورت مین دونون جگہ اعتراض کا وزن مساوی ہوتا مگر اب صورت یہ ہے کہ موجودات عالم کو ہم اپنی آنکھ سے دیکھتے ہین کہ انکی حالت یوماً فیوماً اور لحظہ بلحظہ بدلتی رہتی ہے حتیٰ کہ ہماری عقل کی صحیح رفتار نے ثابت کر دیا ہے کہ تمام زمین و آسمان ایک وقت پر اس صورت مین نہ تھے بلکہ جب سے یہ موجود ہین اپنی شکلون کو بدلتے رہے ہین پس اگر یہ مخلوقات ہمیشہ مانی جائے تو سمجھ نہ سکنے کے علاوہ یہ بھی لازم آتا ہے کہ اُن کے تغیرات بھی بغیر کسی علت کے خود بخود پیدا ہوتے ہین اس لیئے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس احتمال پر بھی قانون علیت کا باطل ہونا لازم آتا ہے اور اس وجہ سے اس احتمال پر جو اعتراض ہے وہ وزن مین دوسرے احتمال کے اعتراض سے مشابہت رکھتا ہے اور قانون دائمی کو توڑنے کے سبب اس احتمال کو بھی قابل ترک قرار دینا چاہئے۔

رہا خدا کے ہمیشہ سے ہونے پر اعتراض سو اسکی یہ صورت ہے کہ جس عقلی رفتار سے ہم اس مسئلہ پر پہونچے ہین اس سے ماننا پڑتا ہے کہ خدا کی ذات ہمیشہ سے غیر متغیر اور "کَانَ کَمَا کَانَ" ہے پس اسکو ہمیشہ سے ماننے پر قانون علیت کا ٹوٹنا لازم نہین آتا اس لیئے اسکی نسبت صرف نہ سمجھ مین آنیکا الزام باقی ہے۔ اور واقع مین ہماری محدود عقل خواہ آگے کی نسبت غور کرے خواہ پیچھے کی نسبت ایک حد تک جا کر وہ تھک جاتی ہے اور آگے تاریکی کا ناقابل عبور پردہ حائل ہو جاتا ہے اور ہم ہمیشگی کو خواہ وہ ماضی کی ہو یا مستقبل کی معین و مشخص طور پر اپنے ذہن مین حاضر نہین کر سکتے مگر یہ بھی تو ہماری عقل کا ہی ناطق فیصلہ ہے کہ دو ضدون مین سے اگر ایک نہ ہو تو دوسری ضد ضرور موجود ہوگی مثلاً اگر روشنی موجود نہ ہو تو ضرور تاریکی موجود ہوگی اور اگر علم موجود نہ ہو تو ضرور جہل موجود ہوگا اور اس لیئے جب ہم کسی موجود کے حادث ہونے کو ناممکن یقین کرتے ہین تو ضرور ماننا پڑیگا کہ وہ قدیم ہوگا۔ اور نیز دُنیا مین بہت سی چیزین ہین جن کو ہم

سمجھ نہیں سکتے چنانچہ حرکت کا وجود۔ شعاع کی رفتار اور اور ایسی بہت سی باتیں ہیں جن کو خود مسٹر سپنسر ناقابل فہم ثابت کرتے ہیں مگر باوجود اس کے ہم حرکت اور رفتار شعاع وغیرہ کو یقیناً موجود مانتے ہیں کیونکہ ان کو ماننے کے سوا چارہ نہیں اس لئے خدا کی ہمیشگی پر بھی باوجود نہ سمجھنے کے جب اسکے اقرار کے بغیر چارہ نہیں یقین کرنا پڑیگا۔ پس یہ اعتراض تیسرے احتمال کے متعلق کوئی وزن نہیں رکھتا حالانکہ پہلے احتمال کی نسبت بوجہ تغیرات کے ایسا بھاری ہے کہ حل نہیں سکتا۔

رہا دوسرا اعتراض کہ پیدا کرنے کی کوئی نظیر نہیں اسکی نسبت پہلے لکھا جاچکا ہے کہ انسان کی خیالی مخلوق بعینہ اسی شکل کی ہوتی ہے اور حیرت ہے کہ اس قابل تعظیم فلاسفر کی قوت واہمہ نے دنیا کے ہمیشہ سے ہونے کی نظیر پیدا کرلی اور مان لیا کہ اسکا نمونہ درخت ہے جو خود بخود مکمل ہو جاتا ہے حالانکہ درخت ہرگز خود بخود موجود نہیں ہے بلکہ ہزارہا قسم کی ارضی وسماوی اثر ہیں جو درخت کو مکمل کرتے ہیں اور وہ خود نمونہ مانکر پھر تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیشہ سے ہونیکا مطلب یہ ہے کہ وہ بغیر شروع کے ہو پس جب اس قدر نقص موجود ہیں تو اس احتمال کو صاحب نظیر ہونے کی عزت نہیں معلوم کس خیال سے دی گئی ہے اور یہی حال دوسرے احتمال کی نظیر کا ہے کہ بخارات سے بادل کا پیدا ہونا خود بخود پیدا ہونے کا نمونہ قرار دیتے ہیں حالانکہ پھر خود ہی کہتے ہیں کہ " بادل پہلے بالکل معدوم تو نہ تھا" اور دوسرے اسکو پیدا کرنے میں صرف بخار ہی فاعل نہیں بلکہ آفتاب کی حرارت یا گرمی بازگشت کا کم ہوتے جانا بالائی کرہ کا سرد ہونا اور زمین کا کشش کرنا بہت سے فاعل ہیں جنہوں نے بخار کے ساتھ عمل کرکے بادل کو پیدا کیا ہے پس اسکو خود بخود پیدا ہونیکا نمونہ کہنا اور عدم سے وجود میں آنے کی نظیر سے کانوں پر ہاتھ دھرنا حیرت پر حیرت ہے حالانکہ جن چیزوں کو دنیا میں موجود کہا جاتا ہے وہ بھی محض عرض طول رنگ وزن اور حرکت وغیرہ سے پہچانی جاتی ہیں ورنہ اصل چیز یعنی مادہ کو کسی نے نہیں دیکھا اور جو جسم انسان کا خیال پیدا کرتا ہے اسمیں بھی طول عرض رنگ وزن اور حرکت وغیرہ تمام جسمانی صفات مہیا ہوتی ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ خدا کا علم بڑا ہے اس لئے اسکی مخلوق بھی بڑی ہے اور انسان کا علم حقیر ہے اس لیئے اس کی مخلوق بھی حقیر ہے پس اگر نظیر رکھنے کی

ف اس قسم کی اقتباسات گذشتہ ابواب میں اکثر ذکر ہو چکے ہیں۔

عزت حاصل ہے تو صرف اسی احتمال کو نہ کسی اَور کو۔ اور اس سبب ایسے فاضلوں کا ایسی واضح نظیر کو نہ دیکھنا تعجب ہی۔ مگر سچ ہے

گاہ باشد کہ پیر دانشمند — بر نیاید درست تدبیرے

غرض خدا کی ہمیشگی کو ذہن کا معین نہ کرسکنا ذہن کے وسیع نہ ہونے کے سبب سے ہے اور اور اس لئے حقیقت میں یہ کوئی اعتراض نہیں جس سے خدا کا انکار لازم آئے۔ پیدایش کی نظیر کا نہ ہونا البتہ اعتراض تھا مگر نظیر موجود ہے اس لئے اس وقت جو امر غور طلب باقی ہے وہ فضا کے متعلق اعتراض ہے اور اس اعتراض پر خود مسٹر سپنسر کی تحریر سے بہت کچھ روشنی پڑتی ہی۔ چنانچہ وہ فضا کے موجود ہونیکا یقین رکھتے ہیں مگر اس پر اعتراض بھی کرتے ہیں کہ

"اگر وہ خارج میں موجود ہوگی تو شے ہوگی اور ہمکو تجربہ بتاتا ہے کہ اس کا شے ہونا ناممکن ہے کیونکہ شے ہونے کے یہ معنے ہیں کہ وہ صاحب صفات ہی کیونکہ شے کو لاشے سے ہم تمیز ہی اس طاقت سے کرتے ہیں جو کوئی شے ہمارے علم پر اثر کرنے کے لیے رکھتی ہو اور جو اثر وہ ہمارے علم پر کرتی ہو اس کو اس شے کی صفت کہتے ہیں۔ اور ان صفات کا معدوم ہونا اس اصطلاح کا معدوم ہونا ہے جس سے ہم اس شے کو تصور کرتے تھے اور اس طرح اس شے کا تصور ہی فنا ہو جاتا ہے۔ اب شے کے لئے صفات کا ہونا لازمی ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ فضا کوئی صفت نہیں رکھتی۔ فضا کی صفت پھیلاؤ ہو سکتا ہی مگر فضا کی صفت فضا کہنے کے برابر ہے پس جب وہ کوئی صفت نہیں رکھتی تو اسکو شے کہنا بھی غلط ہوگا۔ اب اگر وہ شے نہیں تو لاشے بھی نہیں ہو سکتی اور کسی اور شے کی صفت بھی نہیں ہو سکتی ورنہ اُس شے کے نہ ہونے سے اس کا عدم لازم آئے حالانکہ یہ معدوم خیال میں نہیں آسکتی اور اگر یہ موجود ذہنی ہو تو ذہن کے عدم سے معدوم ہونی چاہیئے"

غرض یہ ہے خلاصہ اُس الجھن کا جو ڈاکٹر سپنسر کو فضا کے متعلق ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ فضا نہ خود صفات رکھتی ہے اور نہ کسی اور چیز کی صفت ہو سکتی ہے اور نہ موجود ذہنی ہے اور موجود ہونے کی یہی تین صورتیں تھیں مگر باوجود اس کے وہ موجود بھی ایسی ہے کہ اور سب چیزوں کو معدوم فرض کر سکتے ہیں مگر

اس کا معدوم ہونا کسی طرح خیال مین نہین آتا البتہ اسکی نسبت ایک اور شکل سے بھی غور ہو سکتا ہے۔
شطرنج کا ایک گول مُہرہ جس پر گھوڑے یا فیل کی شکل نہ بنی ہوئی ہو جب کسی جگہ رکھا ہو اور فرض کیا جائے کہ اِس کے پاس کوئی انسان بھی موجود نہین تو اس مہرہ کا بسبب گول اور بے تصویر ہونے کے نہ کوئی آگا ہوگا نہ پیچھا اور صرف غیر محسوس فضا اُس کو چارون طرف سے محیط ہوگی۔ لیکن جب اسکو کوئی انسان بساط کے اوپر اور مُہرون کے ساتھ چننے اور کھیلنا شروع کرے تو اس وقت انسان کے وجود اور نیز دوسرے مہرون کے وجود سے اُس کے گرد کی فضا مین آگا پیچھا پیدا ہو جائیگا۔ یعنی جس مہرہ کو انسان نے اپنے آگے اُس مُہرہ سے پہلے رکھا ہے وہ اُس کے پیچھے ہوگا اور جس کو اُس مہرہ کے بعد رکھا ہے وہ آگے ہوگا اور اسی طرح بعض مُہرے اس کے دائین ہونگے اور بعض بائین۔ غرض جو غیر محسوس فضا پہلے بغیر کسی تمیز کے اسکو چارون طرف سے گھیرے ہوئے تھی اب اُس فضا کے چار حصے ہو گئے جن کو آگا پیچھا دایان بایان کہہ سکتے ہین۔ اب فرض کیجیے کہ کھیل ختم ہو گیا۔ بساط اُلٹ گئی مُہرے بکھر گئے اور وہ مہرہ کسی تنہا مقام مین جا پڑا تو پھر وہی آگا پیچھا رکھنے والی فضا بغیر کسی تمیز کے مطلق فضا رہ گئی۔ اب اُس مہرے کے آگے پیچھے کی نسبت سوال ہو کہ وہ خارج مین موجود ہے یا نہین تو یہی جواب ہوگا کہ خارج مین صرف اِردگرد کی غیر محسوس فضا موجود ہے مگر انسان کے بیٹھنے اور مہرون کو چننے سے ایسی شکل پیدا ہو جاتی ہے جس سے ہم اُس فضا کے چار حصے کر سکتے ہین اور اُن کا نام آگا پیچھا دایان بایان رکھ لیتے ہین پس قبلیت اور بعدیت حقیقت مین کوئی موجود خارجی نہین ہین بلکہ ایک غیر محسوس چیز یعنی فضا اور چند محسوس چیزین یعنے انسان اور مُہرے ان سب کا مجموعہ ایسی ترکیب ہے جس سے قبلیت اور بعدیت کا تصور ہوتا ہے اور اس مجموعہ کے بعض افراد یعنی انسان اور مہرون کے پراگندہ ہونے پر جس چیز کو ہم معدوم فرض نہین کر سکتے وہ غیر محسوس فضا ہے۔

اس مثال کو دیکھنے کے بعد جب ہم فضا کو دیکھتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا خیال بھی ہمارے ذہن مین اسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ چیزون کو دیکھتے ہین جو خود بھی عرض و طول رکھتی ہین اور نیز دوسری

چیزون کے ساتھ کبھی پیوستہ اور کبھی تھوڑے فاصلہ پر اور کبھی بڑے فاصلہ پر واقع ہوتی ہین اور جہان تک کسی چیز کا طول ہوتا ہے ہم وہان تک اُس چیز کو دیکھتے جاتے ہین اور پھر اُس کے بعد جگہ خالی پاتے ہین یا یون کہو کہ وہان کوئی محسوس چیز نہین ہوتی اور وہ خلا کچھ دور تک ہماری نظر کو لیجاتی ہے پھر کوئی اور چیز حائل ہوجاتی ہے اور اس کے بعد خلا یا کوئی تیسری چیز حتےٰ کہ اسی طرح جسمانی یا قیاسی آنکھ سے جہان تک رسائی ہوسکے تمام چیزون اور اُن کے درمیانی خلا کو دیکھتے ہوے آخری حد تک پہونچتے ہین اور اسکے بعد خلا کو دیکھتے ہین جو دور تک چلی جاتی ہے اور پھر نظر اور قیاس کی حد تک پہونچکر تاریکی ہماری رفتار کو روکتی ہے۔

غرض موجودات کی اس شکل اور ترتیب نے ہمارے ذہن مین فضا کا تصور پیدا کر دیا ہے جس طرح مُہرون کی ترتیب اور انسان کے وجود نے قبلیت اور بُعدیت پیدا کر دی تھی اب اگر کوئی وقت ہو جبکہ یہ تمام موجودات معدوم فرض کی جائین تو اس وقت کسی فضا کا تصور بھی نہ ہوسکیگا جس طرح ایک مُہرہ کے تنہا ہونے کے وقت قبلیت اور بُعدیت نہین ہوتی لیکن جیسے مہرہ کے گرد غیر محسوس فضا موجود ہے اسی طرح اُس وقت ایک غیر متمیز عدم یعنی خلا موجود ہوگی۔ مطلب یہ کہ فضا کی حقیقت عدم ہے جیسے قبلیت اور بعدیت کی حقیقت فضا تھی مگر یہ عدم ہمارے ذہن پر اثر اسلئے کرتا ہے کہ اس عدم کے ساتھ اشیا کا طول و عرض اور باہمی بعد اور فاصلہ مل گیا ہے اور ان سب کے مجموعے نے ہمارے حواس پر اثر کیا ہے جس طرح مہرون کی ترتیب نے قبلیت و بعدیت کا اثر پیدا کیا تھا پس جو چیز ہمارے حواس پر اثر کرتی ہے وہ حقیقت مین موجودات خارجی ہین جس طرح قبلیت و بعدیت پیدا کرنے کا سبب مہرون کی ترتیب تھی اور جس چیز کو ہم بقول مسٹر سپنسر کے ہم معدوم فرض نہین کرسکتے وہ خلا محض ہے جس طرح مہرہ کے لئے غیر محسوس فضا تھی جس کو معدوم فرض نہین کرسکتے تھے

غرض جو چیز معدوم نہین ہوسکتی وہ اور ہے یعنی عدم اور جو چیز ہمارے حواس پر اثر کرتی ہے وہ اور چیز ہے یعنی موجود چیزین جن سے اس عدم کا فرضی تصور پیدا ہوتا ہے۔ آگے یہ اصطلاح کا فرق ہے کہ اس کا نام موجود خارجی رکھو اس لئے کہ ہمنے اُسے خارجی چیزون سے تصور کیا ہے یا موجود ذہنی

کہو اس لئے کہ ذہن ہی اس سے متاثر ہوا ہے یا معدوم کہو اس لیے کہ اسکی حقیقت عدم ہی مگر مناسب یہ معلوم ہوتا ہی کہ جو چیز ہمارے حواس پر اثر کرتی ہے اُسے موجود ذہنی کہیں کیونکہ موجودات خارجیہ ہی سے مستنبط ہوتی ہے اور موجود ذہنی ایسی چیز کا نام ہے جس کا تصوّر دیگر اشیا سے پیدا ہو جیسے انسان کہ زید عمرو وغیرہ موجودات خارجیہ سے مطلق انسان کا تصوّر پیدا ہوتا ہے اوسیں چیز کو ہم معدوم فرض نہین کر سکتے اسکو اُس کے اصلی نام یعنے عدم سے نامزد کرین کیونکہ اُس کا خالص تصوّر اس وقت پیدا ہوتا ہی جب تمام حقیقت کو معدوم فرض کیا جاتا ہے اور اس وقت عدم کے سوا اور کچھ نہین۔

اس نتیجہ کے بعد جب مسٹر سپنسر کے اعتراض کا خیال کیا جاتا ہے کہ فضا کو کس نے پیدا کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ اعتراض کسی حقیقت پر مبنی نہین کیونکہ موجودات کو پیدا کرنے سے پہلے جو کچھ تھا اور ہمارے نزدیک معدوم نہین ہوسکتا وہ عدم ہی ہے پس اُسکی نسبت پیدا کرنیکا سوال فضول ہی اور ہم کہہ سکتے ہین کہ بیشک اُسکو کسی نے پیدا نہین کیا۔ خدا نے موجودات کو پیدا کیا۔ اُن کے عرض وطول کو پیدا کیا۔ اُنکو قریب قریب اور فاصلے سے ترتیب دیا جس سے ہم اس قابل ہوے کہ اس عدم کا تصوّر اپنے ذہن مین لائین اور اس لئے کہہ سکتے ہین کہ موجودات کو پیدا کرنے سے اُس نے اس عدم کے تصوّر کو بھی پیدا کیا اور اگر خدا موجودات کو پیدا نکرتا تو عدم کا تصوّر بھی پیدا نہوتا اور صرف عدم ہوتا جو پہلے سے تھا۔

مسٹر سپنسر پہلے احتمال یعنے دُنیا کے ہمیشہ سے ہونے پر اعتراض کرتے ہین کہ اس کے لئے غیر محدود زمانہ چاہیئے جو سمجھ مین نہین آتا اور یہ درست ہے لیکن ہے زمانہ کی بھی وہی صورت جو فضا کی ہے کہ کسی چیز کے شروع ہونے سے اس کے قایم رہنے سو پھر ختم ہو جانے پر دوسری چیز کے شروع ہونے سے غرض اس قسم کی موجودات خارجیہ سے ہمارا ذہن ایک عرصہ کو تصوّر کرلیتا ہے اور اس کا نام زمانہ رکھتے ہین اور موجودات کا آغاز تسلیم کرنے پر ان سے پہلے کا عرصہ تصوّر مین آتا ہی اور موجودات کو ختم کرنے پر ان کے بعد کا زمانہ خیال مین آتا ہے پھر جب ان مخلوقات کے پہلے اور پیچھے کسی اور موجود چیز کا خیال نہ قایم کیا جاوے تو یہ پہلے اور پیچھے کا زمانہ ہمارے تصوّر مین ایک غیر محدود طول اختیار کرتا ہی جس کو سپنسر صاحب درست کہتے ہین کہ ہم سمجھ نہین سکتے مگر یہ بھی ضرور ہی کہ اسکی کوئی حد بھی فرض نہین کرسکتے

مگر یہ تمام ذہنی عمل اسلئے ہوا ہے کہ ہمنے موجودات کو یکے بعد دیگر سامنے آتے اور کچھ کچھ عرصہ قیام کرتے دیکھا ہے اور اگر یہ سلسلہ نہ ہوتا تو عدم محض کے وقت زمانہ بھی ایک عدم ہی ہوتا اور تصوّر نہ کیا جاسکتا پس دُنیا کو قدیم مانکر زمانہ کا اُسکے ساتھ ساتھ چلنا اس لئے قابل اعتراض نہیں کہ وہ سمجھ میں نہیں آتا بلکہ اسلئے قابل اعتراض ہے کہ دُنیا تغیرات کو قبول کرتی ہے اور ان تغیّرات کے سبب سے وہ عدم طویل یعنی زمانہ بھی اجزا میں تقسیم ہوتا جاتا ہے اور قابل تصور ہوتا ہے اور اس طرح پر دُنیا کے تغیرات کا اور زمانہ کے قابل تصور ہونے کا وجود بغیر کسی علت کے لازم آتا ہے۔ مگر اگر بجائے دُنیا کے خدا کو قدیم مانا جائے تو چونکہ خدا کی ذات میں کوئی تغیّر نہیں ہے اس لئے وہ عدم جو تغیّرات سے قابل تصوّر ہوتا ہے اس صورت میں اُس وقت قابل تصوّر نہ ہوگا اور محض عدم رہیگا اور عدم کے لئے کسی علت کی ضرورت نہیں اس لئے خدا کو قدیم مانکر وہ دقت لازم نہیں آتی جو دُنیا کو قدیم مانکر لازم آتی تھی۔

خاص سے عام کیطرف جانا قانون قدرت ہے۔

مسئلہ تخلیق پر عقلی اعتراضوں کے سلسلہ میں سب سے آخر وہ آچکا ہوا ہے جو سوامی ویکانند[1] کرتے ہیں کہ دُنیا کو خدا کی مخلوق ماننے میں عقل کا کلیہ قاعدہ خاص سے عام کیطرف جانیکا پایا نہیں جاتا اور نیچر کو نیچر سے واضح کرنیکا یہ دستور نہیں۔ اُن کا مطلب ویدانت تصوری یعنے وحدت وجود کے موافق غالبًا یہ ہے کہ اگر مثلاً مرکبات عناصر سے اور عناصر ایتھر سے اور ایتھر روح سے اور رُوح خدا سے نکلی ہوئی مانی جاتی تو یہ خاص سے عام کیطرف جانے کی صورت ہوتی اور اسی طرح پتھر جو گرتا ہے اگر کہا جائے کہ اس کا سبب قانون فطرت ہے تو یہ نیچر کی نیچر سے توضیح ہوگی لیکن اگر پتھر کے گرنے کو کسی انسان کی طرف منسوب کیا جائے یا کسی جن کی طرف تو خلاف نیچر ہوگا پس اگر دُنیا کو مانا جائے کہ اپنی فطرت کے موافق ایک مطلق ذات سے پیدا ہوئی ہے تو نیچر کے موافق ہے اور اگر اسکو خدا کی مخلوق مانا جائے تو نیچر کے خلاف ہے۔ مگر آپ تو گذشتہ تحریر میں ہمنے محض عقل کی رہنمائی سے تغیرات کو قدیم ماننے سے لیکر ذات مطلق کے درجہ تک تمام احتمالوں کو دیکھا ہے اور اُن میں سے ہر ایک پر کسی نہ کسی صورت میں قانون علیت کو توڑنے کا الزام آتا نظر آیا ہے اور ان کے بعد تخلیق

---

[1] کتاب گیان یوگ باب سیز دہم۔

کے احتمال کو دیکھا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ اسکے اعتراضون پر ہم غالب آسکتے ہین اور ہم دیکھتے ہین کہ دنیا مین عام طور پر کسی نامعلوم سبب کو تلاش کرنے کے لئے یہی صورت ہو سکتی ہے کہ اسکے متعلق تمام احتمالون مین سے جو اعتراضون سے پاک ہو اس پر یقین کیا جاسے۔ ہم جب چھت پر رکھے ہوئے برتن کو زمین پر گرتا دیکھین اور دیکھین کہ نہ چھت گری ہے اور نہ ہوا ایسی چلی ہے جو برتن کو اُڑا سکے اور نہ زمین کی کشش ایسی حالت مین اثر کر سکتی ہے تو ضرور اس احتمال پر یقین کرتے ہین کہ اِس کو کسی نے اٹھا کر پھینک دیا ہے اور یہی صورت یہان پیدا ہوئی ہے اور تمام احتمالون کے غلط ہونے سے ہمنے یقین کیا ہے کہ اِس دُنیا کو کسی خالق نے پیدا کیا ہے اور پھر مفصل طور پر یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ پیدا کرنے کے لئے جو عنوان ہماری عقل تسلیم کرتی ہے وہ موجود ہین اور جو اعتراض خیال مین آسکتے ہین وہ غلط ہین تو پھر ایسے عمل کو نیچر کے خلاف قرار دینا کسی طرح صحیح نہین۔

اور دوسرے وہ ذات مطلق جس کو ویدانت کے حامی ان تعیّنات مین ظہور کرنے ہوئے مانتے ہین اگر اس کو بے شعور اور بے ارادہ سمجھا جائے تو جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے اسکو اپنے اطلاق کے درجہ سے ان تعیّنات مین ظہور کرنے کے لئے کسی اور فاعل کی ضرورت ہوگی اور اگر اسے ذی شعور اور ذی ارادہ مانا جاوے اور کہا جائے کہ وہ خود اپنے ارادہ سے یہ ظہور کرتی ہے تو یہ عمل خود ویسا نیچر کے مطابق نہ ہوگا جیسا سوامی جی کو مطلوب ہے کیونکہ موجودات کے جس قدر درجے فرض کئے جا سکتے ہین اِن مین سے آخری درجہ یعنے صرف انسان صاحب شعور نظر آتا ہے ورنہ اس کے نیچے جس قدر درجات ہین اُن مین یکے بعد دیگرے شعور وارادہ معدوم ہوتا جاتا ہے حتے کہ مادہ کی ابتدائی شکلون مین اس کا نام و نشان نہین رہتا پس ان تمام بے شعور درجوں سے پہلے اور سب سے عام درجہ جس کو وہ ذات مطلق کہتے ہین وہ سب سے زیادہ بے شعور ہونی چاہئے اور اگر صاحب شعور ہو تو رفتار عام سے عام تر نہ ہوگی اسلئے اس احتمال کو بھی خلاف نیچر کہنا چاہئے۔

اور پھر اگر خاص سے عام کی طرف جانے کو دیکھا جاوے تو وہ بھی اپنی مکمل صورت مین محض اسی احتمال مین موجود ہے کیونکہ ویدانت مین وجود کو خاص سے عام کرتے ہوئے اس عمل کو ایک

موجودی پر جا کر ٹھیرا دیا گیا ہے جس کو ذات مطلق کہتے ہین اور اس کے خلاف اس احتمال ہین مرکبات سے عناصر اور عناصر سے ایتھر وغیرہ عام تر اور لطیف تر موجودات کو فرض کرتے ہوئے آخر مین ایسے عام پر بس ہوئی ہے جس سے زیادہ عام خیال مین نہین آسکتا یعنی عدم۔ اب دیکھنے والے دیکھین کہ خاص سے عام کیطرف وہ سلسلہ جاتا ہے جسمین محدود کو وجود ٹھیرایا گیا ہے یا وہ جسمین وجود کو تحلیل کرتے ہوئے عدم سے ملا دیا ہے اور پھر اس کے علاوہ ایک ایسے وجود کو مانا گیا ہے جو ہمیشہ سے یکسان رہا ہے اور رہیگا اور تغیرات کی آلایش کو اسکے ذات سے نہ مس ہوا ہے اور نہ ہوگا۔

خداکو ماننے سے انسان ذلیل ہو جاتا ہے؟

عقلی اعتراضون کے بعد اُس اخلاقی اعتراض کا درجہ ہے جو سوامی ویکانند نے مہاتما بدھ کی طرف سے پیش کیا ہے[1] کہ خدا کو ماننا انسان کو ذلیل بناتا ہے۔ کیونکہ اس سے انسان اپنے تئین عاجز جانتا ہے اور ہر کام مین ایک بیرونی طاقت کا محتاج بنتا ہے حالانکہ طاقت سب اس کے اندر ہے۔ پس جس قدر بدی دنیا مین ہے وہ بیشتر خدا کو ماننے کی وجہ سے ہے اس سے اُس کو وسیلہ تلاش کرنے کی عادت ہوتی ہے جس سے مذہبی پیشواؤن کا ظلم و تشدد شروع ہوتا ہے۔

اس اعتراض کو ایک بڑے آدمی کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس لیے قابل التفات ہو تو ہو اور بات ہے ورنہ سمجھ مین نہین آتا کہ اپنی واقعی حالت کو یقین کرنے سے انسان ذلیل کیون ہو جاتا ہے اور جو ذلت واقع مین موجود ہو اُسے خدا کا انکار کر دینے سے کیونکر دور کر سکتا ہے اور جو طاقت اسمین نہین ہے صرف اسکا خیال جما لینے سے کیا عزت پا سکتا ہے بیشک انسان کی فطرت مین بہت سی طاقتین ودیعت ہین اور جو لوگ اُن کو پیدا کر سکتے ہین وہ حیرت انگیز کرشمے دکھاتے ہین لیکن جس شخص نے اُن طاقتون کی مشق نہین کی وہ واقع مین ذلیل ہے اور اس وقت اگر وہ خدا کو نہین مانتا بلکہ خود خدا ہے جب بھی ذلیل خدا ہے۔ پس اس وقت محض غلط یقین کر لینے سے کہ مین سب کچھ کر سکتا ہون وہ ذلت سے بری نہین ہو سکتا اور کسی واقعی فخر کا مستحق نہین بن سکتا اور نیز جو لوگ خدا کو نہین مانتے آخر مین وہ بھی ایسے شخص کو جو خدا کی دی ہوئی طاقتون کی مشق نہین کرتا ذلیل خیال کرتے ہین اور فرض سمجھتے ہین کہ جہان تک اس کو خدا نے ہمت دی ہے

[1] کتاب گیان یوگ باب ہفدہم۔

دوسرے کا دست نگر ہو پس اس صورت میں خدا کو ماننے سے کیا ایسی قباحت لازم آتی ہے جو خدا کا انکار کرنے سے دور ہو سکتی ہو۔ اور اُدھر ایسی بہت سی طاقتین ہین جو انسان کی فطرت مین ودیعت نہین ہین۔ انسان انسانی جسم مین رہے اور ابدالآباد تک زندہ رہے ناممکن ہے۔ انسان انسانی جسم مین رہے اور قوانین قدرت اور بالائی طاقتون کے اثر سے محفوظ رہ سکے ناممکن ہے یہ اور بات ہے کہ انسان کو خدا یا روح کا مظہر مانکر کہا جائے کہ مرنے کے بعد وہ رُوح یا خدا باقی ہے اس لئے انسان بھی غیر فانی ہے کیونکہ اُس وقت اگر غیر فانی مانا جائیگا تو اُس ہستی مطلق کو مانا جائیگا نہ کہ اس پیکر خاکی کو۔ پس وہ ہستی مطلق اس پیکر خاکی مین جلوہ گر ہی اور پھر دایم و باقی رہے یہ بدھ اور ویدانت کے نزدیک بھی ناممکن ہے پس اس واقعی حالت پر یقین رکھنا کیونکر ذلت کہلانیکا مستحق ہے اور اسکے خلاف مہمل طور پر اپنے اندر سب طاقتون کا دعویٰ کرنا کہانتک قابل تحسین ہے اس وقت ویدانت یا بدھ مذہب کی بحث سے (جو گذر چکی) یک سو ہو کر جو امر واقع معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جو طاقتین واقع مین انسان کو حاصل ہین انہی کا دعویٰ اسے زیب دیتا ہے اور انہی سے کام لینا اسکا فخر ہے اور انہی کو بیکار چھوڑنا ذلت ہے اور جہانتک کم از کم اس پیکر انسانی مین رہکر اس کی رسائی نہین ہے اُن کا دعوے فخر بیجا ہے اور ان سے عاری ہونے کا اعتراف قابل ملامت نہین اور اس بارہ مین خدا کو ماننے والے اور انکار کرنیوالے سب برابر ہین۔

حقیقت یہ ہے کہ خدا کو نہ ماننے کا دعویٰ عملی طور پر زبان سے اُتر کر دل تک کبھی نہین پہونچ سکتا۔ جو لوگ خدا کو نہین مانتے وہ بھی اس ہستی انسانی کے ضعف سے انکار نہین کر سکتے اور ہر ایک کام جو وہ کرتے ہین اس سے ثابت کرتے ہین کہ کوئی اور طاقت یا قانون ہے جو ان کی موجودہ حالت سے برتر اور انکی موجودہ حالت پر حکمران ہے۔ کیا ہوا اگر وہ بظاہر دل خوش کن مثالون سے اپنے تئین تسلی دیتے ہین کہ "صرف نام اور شکل ہے جس سے لہر سمندر سے جدا ہو گئی ہے۔" یا ہمنے اپنی آنکھون پر خود ہاتھ رکھ کر اندھیرا اندھیرا پکارنا شروع کر دیا ہے" ورنہ حقیقت چاہے کچھ ہو اس وقت جو کچھ موجود ہے لہر ہی کی شکل اور اسیکا نام ہے اس لیے وہ سمندر کی عظیم الشان طاقت کے ماتحت ہو اور جو پیکر انسانی

موجود ہے اسکی آنکھوں پر ضرور ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور اس لیے اس وقت اسکو کسی نور سے رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت ہو اور جب یہ حالت موجود ہے تو اس وقت پانی کی پتلی سی لکیر ہونے کے وقت سمندر ہونے کا دعویٰ اور آنکھیں بند ہونے کے وقت سب کچھ دیکھنے کا فخر ہر گز درست اور سچا نہیں اور یہی وہ دعویٰ ہے جو خدا کو ماننے والے پیش کرتے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ خدا کو نہ ماننے والے اس بالاتر طاقت کی نسبت یقین رکھتے ہیں کہ وہ ہم ہی ہیں مگر ہمارا تعین اس وقت موجود نہیں ہوتا اور خدا کو ماننے والے اسکو "ہم" اور "مگر" وغیرہ قیود سے بھی پاک اور اصلی معنوں میں برتر خیال کرتے ہیں۔ پس خواہ کوئی ایسا خدا موجود نہ ہو مگر خدا ماننے والوں کا محکوم ہونے کا دعویٰ ایسا صحیح ہے کہ منکروں کو بھی تسلیم کرنے سے چارہ نہیں پس ایسے دعویٰ کو دوسروں کے سر لگا کر کس طرح ذلت کا باعث قرار دیا جاتا ہے۔ یہ دعویٰ باعث ذلت اس وقت ہوتا کہ فی الواقع انسان بقید انسانیت ہر قسم کا کمال رکھتا اور خدا کو نہ ماننے والے ان کمالوں کو ظاہر کرتے ہوئے دکھائی دیتے اور اس کے برخلاف خدا کو ماننے والے اپنے تئیں محکوم سمجھ کر تمام طاقتوں سے محروم رہتے تو اس وقت منکرین یہ کہنے کا حق رکھتے تھے کہ خدا کو ماننے سے یہ ذلت نصیب ہوئی۔ مگر جب حالت اس کے برخلاف ہے اور موجودہ کمزوری میں دونوں فریق یکساں ہیں تو اس سچی حالت کو تسلیم کرنا کیونکر ذلت کا باعث قرار دیا جاسکتا ہے۔

رہا یہ اعتراض کہ دنیا میں بدی محض خدا کو ماننے سے پیدا ہوتی ہے اسکا ثبوت نہیں معلوم کیا ہوگا ورنہ جو لوگ خدا کو مانتے ہیں وہ اس کو محض نیک اور تمام نیکیوں کا سرچشمہ سمجھتے ہیں اور بدی کو اس سے دور ہونیکا باعث خیال کرتے ہیں پس اس خیال کا جب پختگی سے ذہن میں قائم ہو لازمی اثر ہے کہ انسان تمام برائیوں کو ترک کرے اور ہمہ تن نیکی کا طالب ہو۔ اور ہم جو اس کے خلاف بدی کرتے ہیں تو اسکا سبب یہ ہوتا ہے کہ جو اعتقاد واقع میں خدا پر ہونا چاہیئے اور جو یقین نیکی کرنے سے قرب ربانی کا انسان کو رکھنا چاہیئے وہ پایا نہیں جاتا مثلاً انسان کو یقین ہے کہ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے جل جائیگا اس لیے کبھی کوئی دانستہ اس فعل کا مرتکب نہیں ہوتا پس اگر اسی طرح کا یقین اس عقیدہ پر ہو کہ بدی کرنے

سے خدا سے بُعد ہوگا جو سب عذابوں سے بڑھکر ہے تو انسان دانستہ ہرگز بدی کا ارادہ نہ کرے پس اس سے
ثابت ہوتا ہے کہ حقیقت مین خدا کا یقین کامل نہ ہونیکا یا دوسرے لفظون مین خدا کا انکار کرنیکا عنصر ہے
جو دنیا مین بدی کو رواج دیتا ہے نہ خدا کا یقین جیسا کہ ان اعتراض کرنیوالون کا خیال ہے وہ کہتے ہین کہ
خدا کو ماننے والے یقین رکھتے ہین کہ ان طاقتون کا قیام جو خدا نے انسان کو دی ہین اور ان قوانین قدرت کا انتظام جو دنیا مین عمل کر رہے ہین سب کچھ خدا
خدا کو ماننے وسیلہ تلاش کرنے کی عادت ہوتی ہے اور بیشک خدا کو ماننے والے یقین رکھتے ہین کہ ان طاقتون
کے ہاتھ مین ہے اور اس لیئے وہ کوئی کام کرنے کے وقت اپنی تمام طاقتون کو اور تمام بیرونی اسباب کو مہیا
رکھنے کے لیے خدا سے ملتجی ہوتے ہین مگر اس بارہ مین ان کے اس فعل سے کوئی اور بہتر فعل خدا کا انکار کرنے
والے بھی نہین کر سکتے کیونکہ اس دنیا مین رہکر وہ بھی تمام قوانین قدرت کے ماتحت ہین اور کسی کام کے
وقت اُن کی بھی دلی آرزو یہی ہوتی ہے کہ جو اسباب اندرونی اور بیرونی اس کام کے لئے ضروری ہین
وہ مہیا رہین - اور پھر خدا کو ماننے والے جس وسیلہ کی تلاش کرتے ہین اگر وہ سچے خدا کو ماننے والے ہین تو
وہ وسیلہ محض خدا ہے - مذہبی پیشوا یا کوئی اور مددگار اُن کے نزدیک بھی کارساز نہین ہو اس لیے مذہبی
پیشواؤن کا ظلم و تشدد جو ایمان والون کے سر تھوپا جاتا ہے وہ بھی حقیقت مین خدا کے اعتراف مین نقص
رہنے کے سبب پیدا ہوتا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ خدا کو کامل کارساز نہ ماننا اور اس کے سوا دوسرے
بانیازون کو خدائی اختیار دیکر سیاہ و سفید کا مالک ٹھیرانا وہی خدا کے انکار کا بقیہ ہے جو اس قباحت کا
باعث ہوا ہے - ہان دنیا مین رہکر اپنے تمام کاروبار کے لیے اسباب کو تلاش کرنا انسان کا فرض ہے
وہ چلنے کے لئے لکڑی پر سہارا لیتا ہے سیکھنے کے لیئے استاد سے مدد مانگتا ہے روحانی مشق کے
لئے روحانی پیشواؤن سے تعلیم حاصل کرتا ہے اور اسی ضمن مین مذہبی پیشواؤن سے اُن کے متعلقہ
فرائض مین ہدایت پاتا ہے مگر خدا کو ماننے والا ان سب چیزون کو ذریعہ گردانتا ہے اور فاعل حقیقی
ہر امر مین خدا کو جانتا ہے پس اگر یہ فعل بدی پیدا کرنے کا باعث ہو تو خدا کو نہ ماننے والے بھی اس سے
زیادہ کچھ نہین کر سکتے اور عالم اسباب کے قانون سے باہر ہوکر اور وسائل معینہ کو چھوڑکر کوئی کام انجام
نہین دے سکتے -

مسٹر بریڈلا کا اعتراض کہ دنیا جیسی چیز کبھی پیدا ہوتی نہیں دیکھی

مذکورہ بالا استدلال مین چونکہ جا بجا قانون علیت کا تذکرہ ہوا ہے اور ہر جگہ اس قانون کو جاری پاکر مانا گیا ہے کہ اس تمام نظام عالم کی بھی کوئی علت ہوگی اسلئے اس قانون کے متعلق مسٹر بریڈلا کا ایک اعتراض دلچسپ اور قابل غور ہے۔ انکا خیال[1] ہے کہ

"ہم کسی چیز کو دیکھ کر اُسکی علت اور فاعل کی تلاش اسی لیئے کیا کرتے ہین کہ اور موقع پر ہمنے اپنی آنکھ سے وہ چیز کبھی فاعل کے ہاتھ سے بنتی دیکھی ہوتی ہے مثلاً جنگل مین کسی کاغذ پر تحریر لکھی ہوئی دیکھ کر کسی لکھنے والے کا یقین اس لیے کرتے ہین کہ اور موقعون پر ہمنے لوگون کو لکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ مگر جیسی یہ دنیا ہے ایسی دنیا کو ہمنے بنتے ہوئے کبھی نہین دیکھا اِس لیئے اس دنیا کے فاعل کی تلاش عبث ہے"

اس استدلال کی قوت بیشک حیرت مین ڈالتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر بریڈلا نے ہمکو ایسے موقع پر ٹوکا ہے کہ استدلال علیت کا تمام سلسلہ درہم برہم ہو گیا ہے۔ مگر نہین معلوم یہ ہدایت جو طالبان خدا کو دی گئی ہے دیگر علوم دنیوی کی تلاش کرنیوالون کو بھی مسٹر موصوف اسی قسم کی تنبیہ کرتے ہین یا نہین اور اگر نہین کرتے تو اس وقت اپنے فرض سے کوتاہی کرنا کیون جائز سمجھتے ہین حالانکہ وہ لوگ بھی اکثر اپنے نتائج یقینیہ اسیطرح بغیر کسی مقیس علیہ کے پیدا کیا کرتے ہین۔ مثلاً انہون نے زمین جیسے کرہ کو کبھی گیس کی حالت سے منجمد ہوتے ہوئے آنکھ سے نہین دیکھا اور چاند جیسے ٹکڑے کو کبھی زمین سے ٹوٹتے ہوئے مشاہدہ نہین کیا۔ اور نہ نظام شمسی کو ایک دور تک پھیلے ہوئے بخار کے بادل سے بنتے دیکھا ہے اور نہ آفتاب جیسے کرہ کا زمین کو اپنی طرف کھینچنا یا زمین جیسے کرہ کا چاند کو کشش کرنا یا کسی کرہ کا پہلے جاندارون سے اور نباتات سے خالی ہونا اور پھر بتدریج آباد ہوتے جانا یا آفتاب کا حرکت کرنا اور زمین کا اُسکے گرد گھومنا نظر سے گذرا ہے۔ غرض کوئی واقعہ جو تحقیق عالم کے متعلق ہو اپنی آنکھ سے نہین دیکھا اور جہانتک افرادی یا مجموعی نظر کا تعلق ہے اس عالم کو اسی شکل پر آباد دیکھا ہے مگر باوجود اس کے

[1] فرسٹ تھنکرس ٹکسٹ بک صفحہ ۱۱۳ و ۱۱۴ [illegible]

وہ ان تمام واقعات پر یقین رکھتے ہین اور یقین پیدا ہونے کی وجہ یہی ہوئی ہے کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے واقعات مین اس قسم کے انقلاب نظر آتے ہین پس جس طرح پر کہا جاتا ہے کہ جنگل مین پڑے ہوئے کاغذ کا لکھنے والا مانو مگر دنیا کے بنانے والا نہ مانو اس لیئے کہ ایسے بنانے والے کو دیکھا نہین اسی طرح یہان اعتراض ہونا چاہیئے کہ بخار سے پانی اور پانی سے برف بن جانے کو مانو مگر گیس سے زمین بن جانے کو نہ مانو اس لیئے کہ ایسا مشاہدہ نہین ہوا اور درخت سے پھل گرنے کو زمین کی کشش کہو مگر زمین کی حرکت کو آفتاب کی کشش نہ کہو بلکہ زمین کو حرکت کرتے ہوئے بھی نہ مانو اس لیے کہ ایسا کبھی دیکھا نہین اور کسی انسان کا کبھی منہ نظر آنے پر اور کبھی پشت دکھائی دینے پر بیشک کہو کہ وہ شخص گھوم رہا ہے مگر آفتاب کے داغون کو سامنے آتے جاتے دیکھ کر نہ کہو کہ وہ حرکت کرتا ہے اس لیے کہ اتنے بڑے جسم کی دوری حرکت کا کبھی تجربہ نہین ہوا بلکہ جس طرح پر وہان مسٹر بریڈلا کہتے ہین کہ دنیا یونہی پیدا ہو گئی ہوگی اسی طرح یہان کہنا چاہیئے کہ زمین ہمیشہ سے یونہی آباد ہو گئی ہوگی اور حرکت بے وجہ پیدا ہو گئی ہوگی اور آفتاب کے داغ بے سبب سامنے آتے جاتے ہونگے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ مسٹر بریڈلا کا اعتراض غلط ہے اور کسی بڑے واقعہ کے لیے اُسی جیسا آنکھون سے دیکھنا ضرور نہین بلکہ انسانی عقل کی ساخت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ کسی چھوٹے واقع کو دیکھتی ہے اسکی وجہ تلاش کرتی ہے اور چند واقعات مین وہی علت موجود پانے پر کلیہ بناتی ہے اور پھر اس کلیہ کو بڑے واقعات کے متعلق جاری کرنے کی شیکل ہوتی ہے کہ بڑے واقعہ کی جو حالت موجود ہے اُسکا اور اسکی ضد کا اور دیگر کسی قدر مخالف حالات کا تصور کر کے اپنے کلیہ قاعدہ کو جس حالت پر منطبق پاتی ہے اس کے وجود کا حکم دیتی ہے اور اسی طرح یہان تمام دنیا مین معلول کو بغیر علت کے موجود ہوتے نہین دیکھا گیا اس لیے اس کلیہ کو تسلیم کرنا پڑا اس کے بعد مختلف علتون سے مختلف اوصاف دیکھے اور ان اوصاف کے مطابق معلول مین مختلف حالات نظر آئے یون اور کلیات بنتے گئے اور ان سب کی مجموعی حالت کو مد نظر رکھ کر جب ایجاد عالم کی نسبت غور کیا تو دنیا کی موجودہ حالت اور اس کے خلاف صرف مادہ کے موجود ہونے کی حالت یا بالکل معدوم ہونے کی حالت یا ایک خدا کے قدیم ہونے کی حالت غرض اس قسم کی تمام

صورتون کو تصور کیا گیا اور قانون علیت کو ہر حالت پر منطبق کرنا چاہا شدہ شدہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ یہ قانون جبھی مطابقت کہا تا ہے کہ کوئی فاعل ہو جس نے عالم کو نیست سے ہست کر دیا ہے

ثبوت باری تعالی کو ضعیف کرنے کے اسباب۔

غرض جس طریق استدلال سے یہان کام لیا گیا ہے اگر اس مین غلطی نہین تو کہا جا سکتا ہے کہ خدا کی علمی قوت سے عالم کے پیدا ہونیکا احتمال دیگر تمام مذہبی اور غیر مذہبی احتمالون کی نسبت زیادہ قرین عقل اور اعتراضون سے پاک ہو اور نیز کہا جا سکتا ہے کہ موجودات عالم کا سلسلہ علت ومعلول اور موجودات عالم کی ترتیب اور نظام اور خود انسان کی اندرونی طاقتین یہ سب بلکہ خیالات کا ایسا سلسلہ بناتے ہین جو اس بالاتر ہستی کا پتہ دیتا ہے اور اس کے خلاف جس قدر اعتراض پیدا کئے جاتے ہین ان مین جن مقدمات کو کلیہ فرض کیا جاتا ہے وہ واقع مین کلیہ کہلانے کے مستحق نہین ہوتے مثلاً نیست کا ہست نہ ہو سکنا یا موجودات خارجی کے سوا کسی اور چیز کا تصور مین نہ آنا اور اس کے سوا اور قاعدے جو گذشتہ اعتراضون مین تسلیم کئے گئے ہین ثابت ہوا ہے کہ وہ واقع مین قاعدہ کلیہ نہین ہین۔ اور اس کے علاوہ ایک بڑی بات یہ بھی ہے کہ جو لوگ مذہب کے خلاف قلم اُٹھاتے ہین وہ اپنے اعتراضون مین اس طرح بھی کامیاب ہوئے ہین کہ انھون نے دلیل ثبوت کے چند ٹکڑے کر لیے ہین اور ان مین سے ہر ایک ٹکڑے کو جو واقع مین پوری دلیل کا ایک ایک مقدمہ ہے مکمل دلیل گردان کر ثابت کرنا چاہا ہے کہ ان دلیلون سے خدا کا ثبوت بہم نہین پہونچتا۔ مثلاً سلسلہ علیت کو ایک دلیل اور نظام عالم کو دوسری دلیل اور جذبہ فطری کو تیسری دلیل ٹھیرایا گیا ہے اور پھر اعتراض کیا گیا ہے کہ اتنی اتنی بات سے مدعا ثابت نہین ہوتا گویا کسی انسان کی طاقت کو آزمانے کے لئے اُس کے دست وپا اور دیگر اعضا کو کاٹ کر ہر ایک کی جداگانہ حالت کو انسانی قوت کا معیار فرض کیا گیا ہے حالانکہ انسانی طاقت مکمل انسان مین دیکھنی چاہیئے۔

مثلاً مسٹر جان سٹوارٹ مل نے علت اولی کو دلیل مانکر اعتراض کیا ہے کہ دُنیا مین مادہ قائم رہتا ہے اور صرف حالات بدلتے ہین اس لیے مادہ کے لیے کسی علت کی ضرورت نہین اور علت

اولی کی تلاش بالکل فضول ہے مگر اتنی ہی بات سے خود اُن کو بھی اطمینان نہیں ہوا - اور واقع مین یہان سوال پیدا ہوتا ہے کہ انقلاب حالت کی علت کیا ہوگی؟ چنانچہ اسی سوال پر اُنھون نے غور کیا ہے اور فرمایا ہے کہ تمام علوم جسمانیہ کی متفقہ شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ تغیرات کی علت فورس یعنی طاقت کی کچھ مقدار اور ترتیب سے ہے اور اس لیئے علت اُولی مادّہ کو یا فورس کو کہنا چاہیئے ورنہ کوئی خدا موجود نہیں ہے جسے علت اولی مانا جائے - غرض اس نتیجہ تک پہونچ کر انھون نے اپنی طرف سے دلیل علت کو غلط ثابت کر دیا ہے حالانکہ ابھی اس دلیل سے خدا کو ثابت کرنیکا موقع ہی نہین آیا تھا بلکہ یہ ایک ابتدائی تمہید تھی جس کے بعد خیال کرنا چاہیئے تھا کہ جس قوت کو علت اولے قرار دیا جاسکتا ہے وہ قدیم ہونی چاہیئے ورنہ اُس کے لیئے کسی اور علت کو تلاش کرنا پڑیگا اور پھر قوت اور مادّہ دو چیزین جداگانہ قدیم نہین ہوسکتین ورنہ دونون کا مرکب ہونا لازم آئیگا اور بقول مسٹر سپنسر ان کے اس جزو کو جو دونون مین مشترک ہے قدیم ماننا پڑیگا اور پھر قدیم قوت کو دیکھنا چاہیئے تھا کہ نظام عالم کی شہادت سے اُس مین پیش بینی اور علم بھی ثابت ہوتا ہے - اس طرح دلیل علیت سے اس قدیم اور علیم ہستی تک پہونچ سکتے تھے جس کے علمی فورس کو وہ دنیا مین کام کرتے دیکھتے ہین اور واقع مین اُس وقت اس دلیل کی وہ قوت معلوم ہوتی جس کو اُنھون نے قلم کی ایک کشش سے اُڑانا چاہا ہے -

اسی طرح مسٹر مل نے نظام عالم کو ایک مستقل دلیل فرض کیا ہے اور اسکو تار پیڑ تاڑ دیتے ہوئے آخر مین تسلیم کیا ہے کہ" ہمارے علم کی موجودہ حالت مین یہ دلیل وجود خدا کا ایک گمان غالب پیدا کرتی ہے" - اور پھر فرمایا ہے کہ اور دلائل ثبوت سے اس دلیل کو کوئی قوت نہین ملتی - حالانکہ یہ دلیل بھی مکمل دلیل کا ایک درمیانی مقدمہ ہے اور اس کے ساتھ علت اُولے کی دلیل کو ضرور خیال کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ بقول ان کے فزیکل سائنس کی تمام شاخون سے ثابت ہوتا ہے کہ مادّہ کے علاوہ ایک قوت موجود ہے جو تمام تغیرات کو پیدا کرتی نظر آتی ہے اور پھر دیکھنا چاہیئے

ملہ اس موقع پر باب گذشتہ مین وحدت وجود مادی کی بحث ملاحظہ ہو -

کہ وہ قوت جسکو اس دلیل نظام سے علیم بھی کہنا چاہیئے بدین وجہ قدیم اور یگانہ بھی ہے کہ اگر حادث ہو تو اس کے لیے اور فاعل کی ضرورت ہوگی اور یگانہ نہ ہو تو مرکب اور حادث ٹھیریگی اور اس طرح تمام دلائل کو یکجا کرنے سے خدا اور اسکی علمی قوت کا پتہ اس سے زیادہ ملتا جس قدر صرف نظام سے اُنکو ملا ہے ۔

لامحدودیت

اسی طرح دلائل عقلیہ کو جو موجودات حسی سے بنائی جاتی ہین غور کرتے ہوئے یہ لوگ اعتراض کرتے ہین کہ ان سے اگر خدا ثابت ہوتا ہے تو اسکی لامحدود قوت ثابت نہین ہوتی یا یہ کہ اُس کی لامحدودیت کو ہم سمجھ نہین سکتے۔ اور بیشک ہم خود محدود ہین ہماری نظر، ہمارا تجربہ ہماری عقل اور اس کا استدلال سب کچھ محدود ہے۔ ہم جہان تک غور کرین اور جہان تک موجودات عالم کی مخفی سے مخفی حالات کا پتہ لگائین وہ سب محدود ہوگا اور اس لیے اُن کے فاعل کا فعل بھی جو اس وقت تک ہمارے سامنے آئیگا وہ محدود ہوگا اور نہ غیر محدود کو ثابت کرنے کے لیے ضرور ہے کہ اُس غیر محدود ذات متشخص اور معین طور پر ہمارے پیش نظر ہو پس ہمکو اس اعتراف کے سوا چارہ نہین کہ غیر محدود کو محض استدلال عقلی سے ثابت کرنا اور منوانا ہماری قدرت سے باہر ہے۔ مگر یہان بھی استدلال کو ناقص چھوڑنے کا جرم کسی قدر موجود ہے کیونکہ اس وقت صرف موجودات حسی کو دیکھا گیا ہے اور جو قوت ان کے ساتھ جذبہ فطری کو ملانے سے پیدا ہوتی ہے اسکو نظر انداز کر دیا گیا ہے حالانکہ مذہب اور خدا کے اعتقاد کی جو حقیقت تھی وہ اسی جذبۂ فطری مین پائی جاتی ہے اور موجودات خارجیہ کو دیکھنے کا صرف اسی قدر فائدہ تھا کہ جس خدا کے خدا ہونے کی آواز ہمارے ہی نوع کے ہر عالم و جاہل کے دل سے ہر ملک اور ہر زمانے مین کسی نہ کسی شکل سے پیدا ہوتی رہی ہے اور جس کو کوئی اندر بیٹھا ہوا لامحدود اور بے انت پکار رہا ہے اُس کا اعتقاد محض دل ہی مین جاگزین نہین ہے بلکہ دُنیا کے ہر ذرہ سے بھی اُسکی اپنی اپنی قابلیت کے موافق اس ہستی کا کچھ نہ کچھ نشان ملتا ہے اور اسی نشان ڈھونڈھنے کا نام استدلال عقلی ہے۔ اس لیے موجودات حسی سے یہ امید ہی رکھنی فضول تھی کہ وہ خدا کو اس کی پوری حقیقت کے ساتھ ہمارے

سامنے جلوہ افروز کرسکین گی - پس جو دعوی غیر محدود ہستی کا مذہب کی طرف سے پیش ہوتا ہے وہ عقل کا نتیجہ نہین ہے بلکہ اس کو صرف ہمارے وجدان اور جذبہ مذہبی نے ہی سمجھا ہے اور ہمارے اندر اسکی جڑ ایسی مضبوط ہے کہ خواہ سمجھ مین نہ آئے اور کوئی واضح ثبوت بہم نہ پہونچے لیکن پھر بھی ان محدود اشیا اور محدود خیالات کو دیکھ کر ذہن ان سے پرے ایک غیر محدود ہستی کیطرف جاتا ہے اور اسی غیر محدود کی تلاش ہے جس کے لیے ابتداے آفرینش سے ابتک ہزارون طرح کے مذہبی جد و جہد ہوچکے ہین اور یہ اس کے سمجھ مین نہ آنے کا سبب تھا جس سے ہر ایک ناقص مذہب نے غیر محدود مانکر پھر اسکو کسی نہ کسی ایسی شکل مین سمجھا کہ غیر محدود محدود ہو گیا - اس لیے جیسا کہ پہلے ذکر ہوچکا ہی اس فطری تلاش کا آخری مقام ہونا ہی یہ چاہیے تھا کہ غیر محدود مانکر اس کو غیر محدود ہی رہنے دیا جائے اور اسکی ذات اور کُنہ کو سمجھنے کی ہر ایک کوشش کو ترک کیا جائے اور صرف وہی تعلق دریافت کرنے پر اکتفا کی جائے جو ہمکو اس ذات کے ساتھ ہے کیونکہ اُس ذات کے متعلق سمجھ جہان تک جائیگی وہان تک غیر محدودیت نہ رہیگی - پس استدلال عقلی سے غیر محدودیت کا ثابت نہ ہونا درحقیقت اعتراض نہین بلکہ اگر عقل ایسا ثابت کرسکتی تو ایک طرح سے اعتراض ہوتا کہ وہ ذات عقل کے احاطہ مین آگئی اسلئے غیر محدود نہین ہے -

مگر اسکی ذات یا ذات کی غیر محدودیت کو سمجھ نہ سکنے سے یہ لازم نہین آتا کہ اُس ذات کا خیال جو ہمارے ذہن مین فطرت نے ودیعت کیا ہے اس کو چھوڑ دیا جائے بلکہ ہمارا فرض ہے کہ بحیثیت عطیۂ فطرت ہونے کے اُسکو ترقی دین اور دیگر نفسانی غلطیون سے پاک کرکے اس کے حقیقی ثمرہ کو حاصل کرین اور پھر ہم جو اس کا اعتراف کرتے ہین اور دنیا مین اسکی نظیر تلاش کرتے ہین تو اگرچہ کوئی کامل نظیر دستیاب نہین ہوتی مگر ناممکل سی نظیر پھر بھی مل ہی جاتی ہے کیونکہ ہم دنیا کی چیزون کو دیکھتے ہین اور اپنی اور تمام گذشتہ تجربہ کرنے والون کی متفقہ کوشش سے یقین کرنے لگتے ہین کہ کم از کم اس وسیع دنیا کے کسی گوشہ کے تمام نباتات اور ہر قسم کے حیوانات کو جان گئے ہین مگر پھر بعد مین اپنے زمانے کی نظر یا آیندہ آنے والون کی نظر کو اور نباتات اور حیوانات ایسے دکھائی

دی جاتے ہین جن کو پہلے تجربہ کرنیوالون نے نہ دیکھا تھا۔ اسی طرح زمین و آسمان اور اجرام علویہ کو آنکھین پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہین اور سمجھنے لگتے ہین کہ ہم اس فضا کے کونے کونے سے واقف ہو گئے مگر بعد مین ثابت ہوتا ہے کہ بہت سی چیزین پہلے نظر آئی تھین جو اب دکھائی دینے لگی ہین پھر ان چیزون کی اندرونی ساخت کو دیکھنے لگتے ہین کھول کھول کے اور تحلیل کر کر کے گمان کرتے ہین کہ بس اب سب کچھ معلوم ہو گیا مگر تجربہ اور آگے بڑھتا ہے تو کہتا ہے کہ ابھی تمنے دیکھا ہی کچھ نہین پھر چیزون کے خواص اور تاثیرون کو دیکھتے ہین اور ایک حد پر پہونچ کر ہمہ دانی کا دعوی کرنے لگتے ہین مگر زمانہ ثابت کرتا ہے کہ اس امتحان مین بھی فیل ہوئے اور بہت سی خواص اور تاثیرین باقی ہین جو ہمہ دانی کے وقت معلوم نہ ہوئی تھین۔ غرض کہنے کو کہدینا آسان ہے کہ دنیا جس کو ہم دیکھتے ہین محدود ہے مگر دنیا کے کسی ایک چھوٹے سے حصہ کو بھی یقیناً محدود ثابت کر دینا بہت مشکل ہے اور ہمارے گذشتہ ناکام تجربے ثابت کرتے ہین کہ اشیاء موجودہ کی تعداد اور ان کے اقسام ان کے افراد اور ان کے خواص کوئی بھی کسی حد تک ختم نہین ہوتے اس لئے اگر اس نظام کے بنانے والے کی طاقت کو خشک منطقی استدلال سے نامحدود ثابت نہین کیا جا سکتا تو کم از کم ایسا نامحدود ضرور ماننا پڑتا ہے جس کو انسانی عقل احاطہ نہ کر سکے اور انسان کی عقل ہی وہ بڑی کائنات تھی جو جذبہ فطری کے مقابل مین کچھ چون و چرا کر سکتی ہے پس جب وہی اس کو احاطہ نہین کر سکتی تو اور کونسی طاقت ہے جس نے اسکی قدرت کو گھیر کر محدود کیا ہوا ہے اور جس سے جذبۂ فطری ہار مان سکتا ہے

مسٹر سپنسر ایک مقام پر اشیاء عالم مین سے صرف علم کو دیکھتے ہین کہ وہ محدود ہے یا غیر محدود چنانچہ لکھتے ہین کہ[۱]

"اب اندرونی حالات کی طرف توجہ کرین اور اپنے علم کے درجات کو دیکھین کہ کیا ہماری قوت محدود ہے یا غیر محدود۔ غیر محدود تو کہہ نہین سکتے ایک تو اس لیے کہ ہم بالواسطہ جانتے ہین کہ اسکی کوئی ابتدا ضرور تھی اور دوسرے غیر محدود کوئی ہو سمجھ سے بالاتر ہے اب اگر محدود کہین تو یہ بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ اُس کا کوئی کنارہ ہمارے علم مین نہین۔ اپنے حافظہ کو دیکھو ور خیال کی

[۱] فرسٹ پرنسپلز باب سوم صفحہ ۶۱ سنہ ۱۹۱۸ء۔

دور بین سے جہان تک پیچھے کو جا سکتے ہو جاؤ۔ تاریکی چھا جائیگی اور کچھ نظر نہ آئے گا اور نہ معلوم ہوگا کہ ہم نے کہاں سے شروع کیا تھا۔ اور یہی حال انجام کا ہے کہ آیندہ کے لیے کہین ختم ہونیکا ہم کو علم نہین۔ حال مین جو سب سے آخری درجہ علم موجود ہے وہ بھی ہم دریافت نہین کر سکتے کیونکہ جس درجہ کو ہم آخری سمجھین وہ حقیقت مین آخری نہین کیونکہ اس وقت ہم اسکو آخری سمجھ رہے ہین اور یہ بھی ایک علم ہے جو آخری کے بعد آیا پس آخری آخری نہ ہوا۔ اگر کوئی کہے کہ ہم اُس کی حد معین طور پر جان نہین سکتے مگر بالواسطہ یہ خیال تو کر سکتے ہین کہ اسکی کوئی حد ضرور موجود ہوگی مگر ایسا نہین۔ ہم خیال بھی نہین کر سکتے کیونکہ ہم سلسلہ واقفیت کا انجام نہین دیکھ سکتے سوا اسکے کہ ایک اور تصور انجام کے متعلق قایم کرتے ہین۔ اور نیز جب کوئی کیفیت ذہنی پیدا ہوتی ہے تو اسکی نسبت ہم جانتے ہین کہ وہ پہلی حالت ذہنی کی مانند ہے یا نہین کیونکہ اگر یہ معلوم نہ ہو تو وہ کیفیت ذہنی ممتاز نہ ہوگی اور پہچانی نہ جائیگی پس اسکو علم بھی نہ کہہ سکین گے۔ اس لیئے اسکی نسبت مانند ہونے یا نہ مانند ہونے کا خیال ایک اور علم ہے جو اس کیفیت ذہنی کے بعد پیدا ہوا۔"

غرض یہ ہین وہ نظیرین جو اگرچہ مکمل نہین ہین مگر تاہم درجات علم اور دیگر اشیاء کو پیدا کرنے والے کی نامحدود قوت کا کچھ نہ کچھ پتہ دیتی ہین اس لیے مذہب کا خدا کو نامحدود سمجھنا اگرچہ وجدان پر موقوف ہے مگر عقل کے رُو سے بھی ایسا نہین کہ اسکی کوئی بنیاد نہ ہو یا اس کی تردید ہو سکے ٭

باب نہم

پیدائیش کے متعلق مذہبی شہادتین

وید بھگوان کی شہادت - بائبل کی شہادت - قرآن کی شہادت - اول - دوم - سوم - چہارم - پنجم - ششم
وحدت وجود کا نقلی استدلال - انسانی افعال کا خدائی افعال ہونا - خدا کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا -

ہمیشہ سے ایک نامحدود قدرت رکھنے والے وحدہ لاشریک خدا کا موجود ہونا اور ازل سے اسکے علم مین مقدر ہونا کہ ایک وقت پر وہ سلسلۂ کائنات کو عدم سے وجود مین لائیگا اور پھر اُس وقت پر اُسکی علمی طاقت سے خیالی تصویر کی طرح عالم کا وجود مین آنا بھی وہ صورت ہے جو تمام دیگر احتمالات کی نسبت دقتون سے خالی اور قرین عقل ہے اور یہی وہ صورت ہے جس پر الہامی روایات اور پیشوایان مذہب کے اقوال منطبق ہوتے ہین -

وید کی شہادت | مثلاً وید مین مذکور ہے کہ[1]

"اُس ہریا تما کی نابھی یعنے ناف سے درمیانی عالم پیدا ہوا سر سے بالائی عالم اور پاؤن سے زمین ہوئی اور کانون سے سمت - اسی طرح وہ سب لوگون کو بھی پیدا کرتا ہے"

[1] یہ مضمون یجروید ادھیا نمبر ۳۱ منتر ۱۲ کا ہے اور اگرچہ یقیناً کہا نہین جاسکتا کہ وید مقدس کا دعوی الہامیت کہان تک درست ہے مگر بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے اِس قدر ہمکو یقین ہے کہ اِس سرزمین اور اِس قوم مین بھی حسب ارشاد قرآنی ضرور انبیا مبعوث ہوے ہونگے - اور فرامین الٰہی کسی نہ کسی طرز مین اُن پر اُتارے گئے ہون گے اس لئے ممکن ہے کہ وید بھی اسی قسم کی کتاب ہو - خواہ بعد مین اُسکی شکل جیسا کہ بعض دیگر الہامی کتابون کی نسبت دیکھا جاتا ہے بعض جگہ یا ہر جگہ بدل گئی ہو یا شروع سے کچھ تو حسب استعداد زمانہ اور زیادہ تر مضمون کی پیچیدگی کے سبب وہ مضامین مجمل الفاظ اور پیچیدہ استعارون اور تشبیہون کی شکل مین بیان کئے گئے ہون ۔

اس منتر کے الفاظ مین چونکہ خدا کو انسان کی طرح دست و پا اور دیگر اعضا سے متصف مانا گیا ہے
جو یقیناً شان ایزدی کے خلاف ہے اس لیے اگر یہ الفاظ الہامی ہین تو ضرور ان کا مطلب کچھ
اور ہوگا اور جو اور مطلب قرار دیا جا سکتا ہے وہ یہی ہے کہ علم خداوندی مین جو صورت اس سلسلہ
کائنات کی ہوگی اسمین ضرور بلندی پستی اور اطراف وغیرہ ہون گے کیونکہ علم یا خیال مین کوئی
چیز موجود ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اُس کے تمام اجزا کی ترتیب اور تصویر موجود ہے اور چونکہ
وجود اُسی کی علمی طاقت سے ہوا ہے اس لیے جو صورت اُس کے علم مین ہوگی اسی کے مطابق ظہور
ہوا ہوگا۔ پس جس جس طرح کی مخلوق اُس کے علم مین جس جس جگہ کے لیئے مقرر ہوگی وہ سب اسی جگہ پیدا
ہوئی ہوگی پس اس مضمون کو بیان کرنیکے وقت اس علمی صورت کو اطراف و جوانب رکھنے کے
سبب انسان سے تشبیہ دیکر بیان فرمایا گیا ہے کہ جو شکل اس صورت کی ناف یعنی وسط مین تھی
وہی درمیانی عالم کی ہے اور جو صورت بالائی جانب مین تھی وہی دنیا کی بالائی جانب کی ہوئی
اور اسی طرح تمام اشیا مین اسی علمی تصویر کے مطابق ظہور پذیر ہوئین اور پھر چونکہ علم خدا کا تھا اس لیئے
یہ ایک اور استعارہ استعمال کیا گیا کہ صفت کی بجائے خود موصوف کا ذکر کر دیا گیا اور یون بیان
ہوا کہ خدا کی ناف اور سر وغیرہ سے دنیا موجود ہوئی۔

اسی طرح ایک خاص منتر مین جو اشمیدیگ کے آخری اشنان مین پڑھا جاتا ہے اور جسکو
ویدک دھرم والے اب سندھیا کا پہلا منتر شمار کرتے ہین لکھا ہے کہ

”مہاپرلے یعنی عدم محض کی حالت مین برہم ہی برہم (خدا) تھا اور پھر جب دنیا کا آغاز ہوا تو پہلے
تاریکی پیدا ہوئی اس کے بعد پانی کا سمندر پیدا ہوا......“

اس موقع پر پہلے تاریکی کو پیدا کرنے کا ذکر ہے حالانکہ تاریکی نور کا عدم ہے اور جس وقت نور نہ ہووے
خود بخود موجود ہوتی ہے اس لیئے اسکو پیدا کرنیکا کوئی مطلب نہین سوا اس کے کہ اگر نور موجود نہیں ہوتا
تو تاریکی بھی ممتاز اور ممیز نہ ہوتی کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اس لیے تاریکی کی شناخت
نور کو پیدا کرنے سے ہوئی ہے اور اس لئے کہہ سکتے ہین کہ اگرچہ تاریکی مخلوق نہین مگر اس کا امتیاز

مخلوق ہے اور وہ اسی وقت ہوا ہے جبکہ نور کو پیدا کیا گیا اور پھر یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ جب کسی چیز کو موجود کرنیکا خیال اور ارادہ ہوتا ہے تو اس خیال اور ارادہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کے نابود ہونے کی طرف توجہ ہوتی ہے اور خواہش ہوتی ہے کہ یہ حالت عدم دور ہو۔ غرض موجود کرنیکا پہلا قدم نابود ہونے کی طرف توجہ کرنا ہے اور چونکہ اسی توجہ سے اس کا امتیاز پیدا ہوگا اس لیے اس مضمون کو مختصراً یون کہدیا گیا کہ سب سے اول تاریکی یعنے عدم کو پیدا کیا۔

اسی مضمون کو قران شریف مین صاف الفاظ مین بیان کیا گیا ہے اور ارشاد ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ انعام پارہ ۷ ع ۱	حمد کے لائق وہ خدا ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور ظلمت و نور کو بنایا

یہان پیدا کرنیکا لفظ موجودات پر استعمال کیا گیا ہے اور نور جس کا ظہور بعض موجودات کے پیدائش سے ہوا اور تاریکی جو نور کے سبب سے ممتاز ہوئی ان کو جَعَلَ یعنی بنانے کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور چونکہ ظلمت مقدم ہے اور اسی کی طرف توجہ کرنے سے وجود اور نور پیدا ہوا ہے اس لیے ظلمات کو نور سے پہلے ذکر کیا گیا۔

بائبل کی شہادت ایسے ہی کہنگی کی چادر مین چھپے ہوئے جواہر کے بعد جو بید مقدس سے تلاش کرنے پر مل سکتے ہین جس الہامی کتاب تک ہمیں دسترس ہے وہ عہد عتیق و جدید ہے چنانچہ اس مین اس مضمون کو کسیقدر وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ کتاب امثال مین علمی قوت کو دانائی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسکی زبان سے کہا گیا ہے۔

"خداوند اپنے انتظام کے شروع مین مجھے رکھتا تھا۔ اپنی صنعتون سے پیشتر قدیم سے۔ مین ازل سے مقرر ہوئی۔ زمین کی پیدائش کی ابتدا سے پہلے.... (باب ۸ آیت نمبر ۲۳-۲۴ وغیرہ)

اور کتاب یوحنا کے آغاز مین یہی مضمون ہے جس مین علمی قوت کو کلام کے لفظ سے ظاہر کیا گیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ:۔

"ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔ سب چیزیں اس سے موجود ہوئیں اور کوئی چیز موجود نہ تھی جو بغیر اس کے ہوئی۔ زندگی اسی میں تھی اور وہ زندگی انسان کا نور تھی۔..."

قرآن کی شہادت قرآن شریف میں اس مضمون کو متعدد جگہ مختلف اسلوب سے بیان کیا گیا ہے چنانچہ

اول ۱۔ مذکور ہے کہ خدا نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اور چونکہ تمام اشیا میں مادہ بھی شامل ہے اس لیے مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ سب کو نیست سے ہست کیا ہے۔ ارشاد ہے

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۞ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ (انعام پارہ ۷ رکوع ۱۳)

وہ آسمان و زمین کو ایجاد کرنے والا ہے۔ اس کے ہاں بیٹا کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ اس کی بیوی کوئی نہیں اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے (اور کیوں نہ ہو) وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ یہ ہے خدا تمہارا پروردگار عبادت کے لائق اس کے سوا کوئی نہیں۔ وہ ہر چیز کا خالق ہے تم اسی کی عبادت کرو۔

اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ (یونس پارہ ۱۱ رکوع ۱)

وہ خلق کو آغاز کرتا ہے پھر دوبارہ پیدا کرتا ہے

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۞ (فرقان پارہ ۱۸ رکوع ۱)

وہ ذات ہے جس کے لیے آسمان و زمین کی بادشاہت ہے اور جس کے ہاں کوئی اولاد نہیں اور جس کی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور ہر چیز کے لئے اندازہ مقرر فرمایا ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (مومن پارہ ۲۴ رکوع ۷)

یہ خدا تمہارا پروردگار ہے جو ہر چیز کا خالق ہے اور جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں پس تم کیونکر اس پر افترا باندھتے ہو

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا (دہر پارہ ۲۹ رکوع ۱)

کیا انسان پر زمانہ کا ایسا وقت نہیں آیا جبکہ وہ کچھ بھی نہیں تھا۔

دوئم ۲۔ پیدائش کے ساتھ اپنی صفت علم اور صفت ارادہ اور قدرت کو ذکر کیا ہے اور بیشک نیست سے ہست ہونے کی یہی صورت ہے کہ کسی چیز کا خیال یا علم ہو اور اس کو موجود کرنے کی خواہش ہو

اور ایسی قدرت حاصل ہو۔

قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ (آل عمران پارہ ۳ ع ۱۵)

اس نے کہا کہ اسی طرح خدا پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (مائدہ پارہ ۶ ع ۱۳)

وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے (اور کیوں نہ ہو) خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

خَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ (انعام پارہ ۷ ع ۱۲)

اس نے ہر چیز پیدا کی ہے اور (کیوں نہ ہو) وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ (روم پارہ ۲۱ ع ۷)

وہ پیدا کرتا ہے جو چاہے اور (کیوں نہ ہو) وہ دانا اور قادر ہے۔

ذٰلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ الَّذِىْ اَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ (سجدہ پارہ ۲۱ ع ۱)

یہ چھپی کھلی کو جاننے والا غالب اور مہربان خدا ہے جس نے ہر چیز کو خوبی سے پیدا کیا اور انسان کی پیدائش کا آغاز مٹی سے کیا۔

يَزِيْدُ فِى الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (فاطر پارہ ۲۲ ع ۱)

زیادہ کرتا ہے پیدائش میں جو چاہتا ہے بیشک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِىْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ (یس پارہ ۲۳ ع ۵)

کہدو کہ زندہ کریگا ان کو وہ جس نے پیدا کیا تھا ان کو پہلی دفعہ اور وہ ہر مخلوق کو جانتا ہے

اَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (ایضاً)

کیا وہ ذات جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا قادر نہیں ہے کہ انہی جیسا پیدا کرے۔ ہاں کیوں نہیں وہ پیدا کرنیوالا اور جاننے والا ہے۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَىْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (حمعسق پارہ ۲۵ ع ۲)

زمین و آسمان کو پیدا کرنیوالا جس نے تمکو جوڑا جوڑا بنایا اور چارپایوں کو جوڑا جوڑا بنایا تمکو زمین پر پھیلاتا ہے اس جیسا کوئی نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ (زخرف پارہ ۲۵ ع ۱)	اور اگر ان سے پوچھو کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے کہ ان کو ایک غالب اور دانا نے پیدا کیا ہے۔
وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا (فتح پارہ ۲۶ ع ۱)	اور خدا کے لیے ہے آسمان و زمین کا لشکر اور اللہ علم و حکمت کا مالک ہے۔
وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ (ذاریات پارہ ۲۷ ع ۳)	آسمان کو ہمنے اپنی قدرت سے بنایا اور ہم کو بڑی قدرت ہے۔
اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا	خدا وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی قدر زمینیں اسکا حکم ان میں نافذ ہے تاکہ تم جانو کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اپنے علم سے ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے (پیدا اس لیے کیا کہ تم کو پیدائش کے متعلق غور کرتے ہوئے اسکے علم و قدرت کا پتہ لگے)
أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (ملک پارہ ۲۹ ع ۱)	کیا جس نے پیدا کیا وہ علم نہیں رکھتا؟ حالانکہ وہ لطیف اور دانا ہے

سوئم **۳**۔ مذکور ہے کہ وہ چیز کو موجود ہونے کے لیے حکم دیتا ہے اور وہ فوراً ہو جاتی ہے اور فی الحقیقت جو چیز خیال کی قوت کے ساتھ نیست سے ہست کیجائے انہیں صرف خیال کرنا کافی ہوگا اور اس سے زیادہ کسی سامان کو مہیا کرنے کی ضرورت نہیں۔

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ (بقرہ پارہ ۱ ع ۱۲)	وہ آسمان و زمین کو ایجاد کرنے والا ہے اور جب حکم دیتا ہے کسی بات کا تو کہتا ہے ہو، وہ ہو جاتی ہے۔
كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ (آل عمران پارہ ۳ ع ۵)	اسی طرح خدا پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ وہ جب حکم دیتا ہے کسی بات کا تو کہتا ہے (ہو) وہ ہو جاتی ہے۔
وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ	وہ وہی ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور

وَيَوْمَ يَقُولُ كُن فَيَكُونُ (انعام پارہ ۷ ع ۹)	جس دن کہتا ہے 'ہو' وہ ہو جاتی ہے
إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَن نَّقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ (نحل پارہ ۱۴ ع ۵)	ہماری بات کسی چیز کے لیے جب ہم اس کا ارادہ کریں یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں 'ہو' وہ ہو جاتی ہے۔
إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ (یس پارہ ۲۳ ع ۵)	اسکا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرے یہ ہے کہ وہ کہتا ہے 'ہو' وہ ہو جاتی ہے۔
هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ (مومن پارہ ۲۴ ع ۸)	وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے پس حکم دیتا ہے کسی بات کا تو صرف کہتا ہے 'ہو' وہ ہو جاتی ہے۔
وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (قمر پارہ ۲۷ ع ۳)	ہمارا حکم صرف ایک ہے جیسے کہ آنکھ اٹھا کر دیکھ لینا۔

چہارم عظمت

۴۔ مذکور ہے کہ خدا سب چیزوں پر محیط ہے اور سب کو بلکہ ہر ذرہ کو جانتا ہے اور اس کی حفاظت اسکے لیئے دشوار نہیں ہے اور واقع میں کسی چیز کے علم اور قبضہ اور حفاظت میں دشواری جبھی ہوتی ہو کہ وہ پہلے سے موجود ہو اور دوسرے شخص کو بعد میں اس پر تصرف کرنا پڑے مگر جب تمام اشیاء کو علمی قوت سے موجود کیا جائے تو اس علم کا وجود بعینہ تمام اشیاء کا وجود ہے اور علم ہی کے موجود رہنے سے وہ سب چیزیں قبضۂ قدرت اور احاطہ میں رہ سکتی ہیں اور جبتک خیال یا علم میں وہ اشیاء موجود ہیں ظاہر میں بھی موجود رہ سکتی ہیں اس لیے دنیا کا علم اور قبضہ اور حفاظت اسکی ذات کو ہرگز دشوار نہیں۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ (بقرہ پارہ ۳ ع ۳۴)	اس کا قبضہ آسمان و زمین پر وسیع ہے اور اسکو انکی حفاظت تھکاتی نہیں اور وہ بلند و باعظمت ہے۔
وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا (نساء پارہ ۵ ع ۱۶)	اور اللہ تمہارے اعمال پر محیط ہے۔
وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا (نساء پارہ ۵ ع ۱۸)	اور اللہ ہر چیز پر محیط ہے
وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ	اور تیرے خدا سے زمین میں اور آسمان میں ایک ذرہ

فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ط (یونس پارہ ۱۱ ع ۷)

بھی مخفی نہین۔

وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِن شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ط (ابراہیم پارہ ۱۳ ع ۶)

اور خدا سے زمین مین اور نہ آسمان مین کوئی چیز مخفی نہین۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَن تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ (روم پارہ ۲۱ ع ۳)

یہ اُس کے نشان ہین کہ آسمان و زمین اُسی کے حکم سے قائم ہین

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ط (سجدہ پارہ ۲۱ ع ۱)

وہ آسمان سے لیکر زمین تک ہر چیز کا انتظام کرتا ہے۔

پنجم

۵ - مذکور ہے کہ زمین آسمان مین وُہی ایک خدا ہے اور وہی حق ہے اور اس کے سوا تمام اشیا فانی اور زوال پذیر ہین اور وہی اول آخر، ظاہر اور باطن ہے - ان آیات کا مضمون بھی علمی قوت سے موجود ہونے پر بالکل منطبق ہے کیونکہ جو چیز خیال کی طاقت سے موجود ہو وہ سراسر اُس طاقت پر منحصر ہوتی ہے اور اپنے اندر کسی طرح کی طاقت اور کسی نوع کا استقلال نہین رکھتی اس لیئے ایسی ہستی ذات خداوندی کے مقابل مین بالکل بے بود اور معدوم ہے پس بیان واقع ہے کہ زمین آسمان مین وہی ایک ذات حق اور دائم ہے اور جو کچھ اُس کے سوا ہے چونکہ اُس کا پیدا کردہ ہے اس لیے عارضی وجود سے متصف ہے مگر حقیقت مین فانی اور معدوم ہے اور یہی دو طرح کی حیثیت رکھنے سے اُس کے متعلق دو طرح کے خیالات ظاہر کئے جا سکتے ہین - چونکہ عارضی سا وجود رکھتا ہے اسلیئے ذات خداوندی کو اس کے مقابل مین خیال کرکے کہہ سکتے ہین کہ اگرچہ یہ موجود ہے مگر خدا کی ذات اپنی ازلیت مین ان سب سے اول ہے اور ابدیت مین سب سے آخر ہے اور ظہور صفات مین سب سے روشن تر اور نمایان ہے، اور خفاء ذات مین سب سے پوشیدہ اور چونکہ ان سب کی حقیقت عدم ہے اس لیے ان کو فانی اور ہالک اور صرف خدا کو حق اور موجود کہہ سکتے ہین -

وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ (انعام پارہ ۷ ع ۱)

اور وہی خدا ہے آسمان اور زمین مین وہ جانتا ہے تمہاری مخفی اور ظاہر حالات اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ (طٰہٰ پارہ ۱۶ ع ۹)

خدا بلند ہے جو مالک اور حق ہے

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (قصص پارہ ۲۰ ع ۹)

خدا کی ذات کے سوا سب چیزین فانی ہین۔ حکم اسی کا ہے اور تم اسی کی طرف واپس جاؤ گے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ (رحمٰن پارہ ۲۷ ع ۲)

دُنیا کے پردہ پر جو کچھ ہے فانی ہے اور خدائے بزرگ وباعظمت کی ذات باقی رہیگی۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (حدید پارہ ۲۷ ع ۱)

اس کے لئے آسمان و زمین کی بادشاہت ہے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اول ہے۔ آخر ہے۔ ظاہر ہے۔ باطن ہے۔ اور وہ ہر چیز کا عالم ہے۔

ششم

۶- ایک موقع پر صفت علم سے پیدا کرنے کو ایک لطیف تشبیہ مین بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

(نور پارہ ۱۸ ع ۵)

خدا آسمان اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایک طاق کی مانند ہے جس مین چراغ ہو اور وہ چراغ ایک فانوس مین ہو اور فانوس گویا ایک روشن ستارہ ہے جو چمکتا ہے ایک ایسے زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے جو نہ شرقی ہے اور نہ مغربی ہے اور اس کا تیل گویا جل اٹھے گو ہر خواہ اسے آگ نہ لگے۔ خدا نور پر نور ہے اور وہ ہدایت کرتا ہے اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے اور خدا مثالین بیان کرتا ہے لوگون کی رہنمائی کے لیئے اور خدا ہر چیز کا عالم ہے۔

یہان خدا نے اپنے تئین ارض وسما کا نور فرمایا ہے اور پھر اپنے ظہور کو ایک مثال مین بیان کیا ہے۔

اس مثال مین ایک چراغ ہے جس سے روشنی نکلا کرتی ہے اس کے بعد فانوس ہے جس کے بیچ مین سے گذر کر نور پھیلا کرتا ہے۔ پھر طاق کا ذکر ہے جس مین فانوس رکھ دینے سے اسکی تاریکی نور سے مبدل ہو جاتی ہے۔ پھر فانوس کی نسبت کہا گیا کہ وہ ستارہ سا چمکتا ہے اور چمکنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کے اندر ایسا تیل جلتا ہے جو اپنی نورانیت کے سبب کسی بیرونی آگ سے روشن ہونے کے بغیر جل اُٹھنے کے قابل ہے اور وہ ایسے درخت کا تیل ہے جو مشرق یا مغرب کسی سے تعلق نہین رکھتا اس مثال کو دیکھنے کے بعد جب پیدائش کائنات کی اس صورت کو دیکھا جاتا ہے جو عقل کے مطابق ہے اور الہامی نوشتون سے مفہوم ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثال اُس صورت پر بالکل منطبق ہے کیونکہ دُنیا خدا کی قدرت کاملہ سے ظہور پذیر ہوئی ہے اور صفت علم وہ واسطہ ہے جس مین ہو کر قدرت کا ظہور ہوا ہے اور عدم وہ حقیقت ہے جس کو قدرت نے نور وجود سے مُنوّر کیا ہے اِس لئے قدرت خداوندی منبع وجود ہونے کے سبب چراغ ہے اور علم پھیلنے نور کا راستہ اور ذریعہ ہونے کے سبب فانوس کی مانند ہے اور عدم اصل مین تاریک اور قدرت سے مُنوّر ہونے کے سبب طاق سے مشابہت رکھتا ہے۔ اور پھر صفت علم جو ایسی روشن چیز ہے کہ کوئی ذرہ اس سے مخفی نہین تو اسکی وجہ یہی ہے کہ وہ ایک قادر و قوی خدا کا علم ہے اِس لیئے اگر یہ فانوس ہے تو اس کے اندر جلنے والا تیل وہی قوت و قدرت کا اثر ہے اور اگر اس کو تیل کہین تو جس زیتون کا یہ تیل ہے وہ ذات خداوندی ہے جو مشرق مغرب وغیرہ تمام طرفون سے اور تمام جسمانی لوازم سے پاک اور برتر ہے اور پھر علم اگر نور ہے تو ذات خداوندی جو اس نور کا منبع ہے اس سے برتر ہے اس لئے وہ "نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ" ہے۔ غرضؔ وہی مضمون جس کے مختلف مدارج مختلف اسلوبون سے گذشتہ آیتون میں بیان کیے گئے تھے اِس آیت مین اُن تمام مدارج کو ایک تشبیہ مین ادا کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ زمین و آسمان کی حقیقت عدم ہے اور حقیقی اور دائمی وجود وہی خداوندی ہے جس نے اپنی قدرت اور علم سے اُن کو نیست سے ہست کیا۔

علامہ محی الدین ابن العربیؒ جو وحدت وجود کے امام ہین اپنی تفسیر مین یہان طاق سے جسم انسان اور فانوس سے روح انسان مُراد لیتے ہین لیکن حقیقت یہ ہے کہ عقیدہ وحدت وجود کے مطابق

شجرو حجر سب کچھ اسی ایک ذات کی مختلف شانیں اور شکلیں ہیں۔ پس اگر وہ ذات چراغ ہے تو پھر فانوس یعنی روح بھی خود ہی ہے اور طاق یعنی جسم بھی خود ہی ہے اور اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ وہی چراغ فانوس اور طاق بن گیا ہے بلکہ اس کے نور کو فانوس میں سے گذر کر طاق کو روشن کرتے ہوئے مانا گیا ہے اس لئے اگر یہاں روح اور جسم ہی مراد ہو تب بھی اس تشبیہ سے نتیجہ وحدت وجود کے مطابق نہیں نکل سکتا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جس طرح چراغ بعینہ فانوس اور طاق نہیں بن جاتا بلکہ ایک کے اندر سے دوسرے کو روشن کرتا ہے اسی طرح خدا روح اور جسم نہیں بنا بلکہ روح کی وساطت سے جسم کو قوت اور حیات بخشتا ہے اس لیے اس تشبیہ سے انکی تفسیر کے مطابق بھی وحدت وجود کی تردید ہوتی ہے نہ تائید۔ بلکہ آخر میں وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ فرمانے اور اللہ اور شے اور علم کا ذکر کرنے سے ایما ہوتا ہے کہ اس آیت کی تفسیر ذات خداوندی اور صفت علم اور اشیاء موجودہ کے تعلق سے ہونی چاہئے اور ہمنے دیکھا کہ اسی صورت میں آیت کا مضمون منطبق ہوتا ہے۔

وحدت وجود کا نقلی استدلال

علمائے وحدت وجود مذکورہ بالا آیت نور کے علاوہ منجملہ آیات گذشتہ کے بعض اور آیتوں سے بھی وحدت وجود کا خیال اخذ کرتے ہیں۔ گر ہمنے دیکھا کہ تمام آیات مذکورہ کا مضمون پیدائش کے خیال پر بالکل منطبق ہوتا ہے اور اکثر آیات میں علم وقدرت کے ذکر سے علمی قوت اور اسکی ایجاد کی طرف ایما ہوتا ہے اور بعض آیات میں پیدائش کا مضمون بصراحت مذکور ہے اس لئے بعض آیات کو تاویل سے وحدت وجود پر منطبق کرنا زبردستی ہے۔ مگر تاہم بعض ایسی آیتیں جو اوپر ذکر نہیں ہوئیں اور جن سے مسئلہ وحدت وجود ثابت ہونیکا دعوی کیا جاتا ہے انکی نسبت غور کرنا باقی ہے چنانچہ وہ ان آیتوں سے اپنے مدعا کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ط (نسا پارہ ۵ ع ۱۱)	جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے بیشک خدا کی اطاعت کی۔
فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال پارہ ۹ ع ۲)	تمنے انکو قتل نہیں کیا بلکہ انکو خدا نے قتل کیا ہے اور جب اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمنے ان پر تیر چلایا ہے تو تمنے نہیں چلایا بلکہ خدا نے چلایا ہے

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (فتح پاره ۲۶ ع ۱)

بیشک جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہین وہ خدا سے بیعت کرتے ہین۔ ان کے ہاتھ پر خدا کا ہاتھ ہے۔

وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (بقره پاره ۱ ع ۱۴)

مشرق اور مغرب خدا ہی کے واسطے ہے۔ تم جس طرف منہ کرو خدا تمھارے سامنے ہوگا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق پاره ۲۶ ع ۲)

بیشک ہمنے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہین جو خیال اسکے دل مین گذرتا ہی اور ہم اس سے شہ رگ سے زیادہ قریب ہین۔

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (حدید پاره ۲۷ ع ۱)

اور وہ تمھارے ساتھ ہے تم کہین بھی ہو۔ اور اللہ تمھارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (مجادلہ پاره ۲۸ ع ۲)

کیا تو نہین دیکھتا کہ خدا آسمان و زمین کی ہر ایک چیز کو جانتا ہے کوئی مشورہ نہین ہوتا جسمین تین شخص ہون اور خدا انکے ساتھ چوتھا نہ ہو۔ یا پانچ شخص ہون اور خدا انکے ساتھ چھٹا نہ ہو یا اس سے کم زیادہ ہون اور وہ انکے ساتھ نہ ہو۔ وہ کہین بھی ہون۔ پھر خدا قیامت کے دن انکو ان کے اعمال سے آگاہ کریگا۔ کیونکہ خدا ہر چیز کا عالم ہے۔

انسانی افعال کا خدائی افعال ہونا

یہان پہلی تین آیتون مین ایک انسان کی اطاعت کو خدا کی اطاعت۔ انسانی فعل کو خدا کا فعل اور انسانی ہاتھ کو خدا کا ہاتھ کہا گیا ہے۔ اور چوتھی آیت مین خدا کا ہر جگہ ہونا اور باقی تین آیتون مین خدا کا سب کے ساتھ ہونا بیان کیا گیا ہے جس سے گمان ہوا ہے کہ خدا اور مخلوقات کی حقیقت ایک ہونے کے سبب ایسی یگانگت اور معیت ظاہر کی گئی ہے۔ مگر اصل مین یہان جن انسانون کے اوصاف و افعال کو خدا کے اوصاف و افعال کہا گیا ہے

وہ وہی لوگ ہین جن کو مقربان الٰہی مانا گیا ہے چنانچہ صرف رسول علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہوا ہے کہ اس سے بیعت کرنا خدا سے بیعت کرنا ہے اور اسکی اطاعت خدا کی اطاعت۔ یا رسول علیہ السلام اور اُن کے رفیقون کی نسبت کہا گیا ہے کہ قتل وغیرہ جو اُن کے ہاتھ سے سرزد ہوا ہے اُس کا فاعل حقیقت مین خدا ہے۔ پس اگر اُس یگانگت کا باعث یہی ہے کہ ان سب مین ذات خداوندی کا ظہور ہے تو وحدت وجود کے مطابق صرف نیک بندے نہین بلکہ ہر چیز خدا کی ایک شان ہے اس لیئے ہر مومن و کافر بلکہ ہر چرند و پرند کا فعل خدا کا فعل ہونا چاہیئے اور اس لیئے مقربان الٰہی کی کچھ خصوصیت نہ رہتی اور رسولؐ کی اطاعت کرنے والون کے لیئے یہ تعریف کا موقع نہ ہوتا کہ وہ خدا کی اطاعت کرتے ہین کیونکہ رسولؐ کو خدا کا نام لینے پر مارنے کے لیے جو لوگ اپنے حکام کی اطاعت کرتے تھے اُن کی اطاعت بھی معاذ اللہ خدا کی اطاعت ہوتی ہے اس لیئے کہ رسولؐ کو مارنے کا حکم دینے والے اور مارنے والے بھی ذات خداوندی ہی کے مظہر ہین پس ضرور ہے کہ یہان جو مقربان خدا کے افعال کو خدا کے افعال کہا گیا ہے تو اسکی وجہ وحدت وجود کا مسلک ظاہر کرنے کے سوا کچھ اور ہے اور وہ وجہ یہی ہے کہ جو شخص حاکم وقت کیطرف سے کوئی حکم سناتا ہے اسکی آواز گو اُسکے مُنہ سے نکلتی ہے لیکن حقیقت مین وہ حاکم وقت کی آواز ہوتی ہے اور جو لوگ ایسے حکم کی اطاعت کرتے ہین اور اس حکم کو بجا لاتے ہین وہ حقیقت مین اس کہنے والے کی اطاعت نہین کرتے بلکہ حاکم کی اطاعت کرتے ہین۔ اسی طرح یہان جو شخص خدا کے احکام سناتا ہے اور اپنی طرف سے کچھ نہین کہتا اُس کے الفاظ بھی حقیقت مین خدا کے الفاظ ہین اور جو لوگ اسکی اطاعت کا حلف اُٹھاتے ہین اور اُس سے بیعت کرتے ہین وہ حقیقت مین خدا کی اطاعت کا حلف اُٹھاتے ہین اور خدا ہی سے بیعت کرتے ہین اور اس وقت گو پیغمبر کا ہاتھ بیعت لے رہا ہے مگر اصل مین خدا کا ہاتھ ہے جس مین وہ لوگ اپنا ہاتھ دیتے ہین کیونکہ رسولؐ محض ایک واسطہ ہے اور اصلی تعلق مخلوق اور خالق کا ہے۔

اور علیٰ ہذا جب رسول اور اُس کے رفقا خدا کا نام لینے پر ستانے والون کے خلاف ہاتھ اٹھاتے تھے تو چونکہ یہ فعل محض حکم خدا سے ظہور پذیر ہوا ہے اور اُن کی

ذاتی غرض اس کشت و خون سے وابستہ نہین ہے اس لیے یہ کہنا بالکل درست ہی کہ یہ عمل انکی طرف سے نہین بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ غرض جو افعال و خواص اسوقت خدا کی طرف منسوب کیے گئے ہین اُن کا ظہور درحقیقت مین خدا کی جانب سے تھا اور انسان ان کے ظہور کے لیے ایک آلہ اور واسطہ سے زیادہ نہ تھا اس لئے بحیثیت آلہ ہونے کے اُس فعل کو انسان کی طرف اور بحیثیت فاعل ہونے کے خدا کی طرف منسوب کرنا بالکل صحیح ہے مگر جس طرح ایسا فعل سرزد ہونے سے گماشتہ حاکم نہین بن جاتا اور تلوار سپاہی نہین بن سکتی اسی طرح انسان ایسے فعل سے خدا نہین ہو سکتا۔

خدا کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا البتہ وحدت وجود کا خیال جب ظاہر ہوتا کہ بالعموم ہر چیز کی ماہیت خدا بتائی جاتی اور ہر چیز کے فعل کو خدا کا فعل کہا جاتا مگر قرآن مین ایسا نہین اور ہمنے دیکھا کہ باقی چار آیتون مین جہان بالعموم تمام انسانون کا ذکر ہے وہان خدا کو ہر جگہ موجود اور سب کے ساتھ کہا گیا ہے نہ سب سے متحد۔ اور ہر جگہ موجود اور سب کے ساتھ ہونے کی صورت ظاہر ہے۔ اول تو وہی جو مذکورہ بالا سورۂ ق کی آیت مین پہلے ہی بیان کی گئی ہے کہ دُنیا خدا کی مخلوق ہے اور اس لیے وہ خدا کے علم سے موجود ہوئی ہے اور اسی کے علم کے ساتھ قایم ہے۔ پس جس طرح پر کسی چیز کا کامل علم ہونے پر عام محاورہ مین کہتے ہین کہ فلان شخص فلان واقعہ کو ایسا جانتا ہے گویا وہان خود موجود ہے یا گویا اُسکی آنکھ کے سامنے ہو رہا ہے اسی طرح ہر ذرہ کا کامل علم ہونے کے سبب کہ سکتے ہین کہ خدا ہر جگہ موجود ہے۔ بلکہ جب انسان کو اپنی ذات اور اس کے تمام تعلقات کا ایسا علم نہین جیسا کہ خدا کو ہے تو کہ سکتے ہین کہ انسان خود اپنی ذات سے ایسا قریب نہین جس قدر خدا اس سے قریب ہے۔ اور دوسرے اگرچہ ذات خداوندی انسان کے فہم سے بالاتر ہے اور اس لیے اُسکے موجود ہونے کی کیفیت بھی ہم سمجھ نہین سکتے مگر اس قدر یقیناً کہ سکتے ہین کہ کسی ایک جگہ موجود ہونا اور دوسری جگہ موجود نہ ہونا اُسی چیز کا خاصہ ہے جو معین عرض و طول رکھتی ہو اور ایک مقام تک جا کر ختم ہو جاتی ہو اور ایسی چیز وہی ہوتی ہے جو جسم رکھتی ہو اور ذات خداوندی جسم اور عوارض جسم سے پاک ہی اس لیے وہ اگر موجود ہے تو کسی مقام تک محدود نہین ہو سکتی اور نہ اپنے وجود کے لیے مقام اور جگہ کی محتاج ہو سکتی ہے پس ذات خداوندی کی نسبت یہی کہ سکتے ہین کہ وہ ہر جگہ

حاضر و ناظر ہے گو ہم نہین جانتے کہ وہ کس طرح موجود ہے ۔

اب اگر کہا جاوے کہ جس جگہ پر مخلوقات کا سلسلہ قائم ہے اسی جگہ خدا کی ذات بھی موجود ہو تو ضرور ہے کہ دونو ایک ہونگی کیونکہ ایک فضا مین دو موجود نہین سما سکتے تو جواب یہ ہے کہ ایک فضا مین دو جسمانی وجود بیشک نہین آسکتے لیکن ایسے دو وجودون کا ایک فضا مین موجود ہونا جن مین سے ایک جسمانی اور دوسرا غیر جسمانی ہو محال نہین ۔ مثلاً مادہ کے اندر جو عرض و طول رکھتا ہے قوت کو موجود مانا جاتا ہے جو جسم نہین رکھتی اور ان کے اس طرح موجود ہونے سے دونو کا ایک ہونا لازم نہین آتا اور قوت تو پھر بھی نہایت لطیف ہے ایتھر حواس سے کم لطیف ہی خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بھی اسی فضا مین موجود رہ سکتا ہے جہان کوئی مادی جسم موجود ہو ۔ پس خدا جو ہر طرح کے لوازم جسمانی سے پاک و برتر ہے کائنات کے ساتھ موجود ہو تو بطریق اولے دونو کا متحد ہونا لازم نہ آئیگا ۔"

باب (۱۰) دہم

خیر و شر اور تقدیر

خیر و شر کے متعلق مختلف رائین ۔ شر مادہ یا روح کیطرف سے ہے ۔ شر خواہش وجود سے پیدا ہوتی ہے ۔ بدی کی اصلیت عدم ہے نیچر کی بعض برائیان اور انکی اصلیت ۔ نیچر کی اور برائیان ۔ بدی مادہ کی ترقی سے درجہ بدرجہ کم ہوتی جاتی ہے ۔ ضد سے ضد کی طرف آنے مین ترقی بتدریج ہوتی ہے ۔ عدم سے وجود مین آنے کی رفتار بھی اسی طرح تدریجی ہے اور ہر حال مین عدم کا اثر یعنی بدی نمایان رہتی ہے ۔ بدی پہلی جون کا پھل ہے یا بدی حقیر ہے ۔ ان خیالات مین سے بعض کو بعض پر ترجیح ہے ۔ تدریجی ترقی کے سوا عقل کوئی اور صورت پیش نہین کرسکتی ۔ ابھی سوال حل نہین ہوا ۔ کیون کا جواب ۔ ایک موقع پر کیون کا جواب دینا ضرور ہوتا ہے ۔ ایک اور موقع پر کیون کا جواب دیا نہین جاسکتا ۔ ایک اور موقع پر خاص حد تک کیون کا جواب ہوسکتا ہے ۔ خیر و شر کی وجہ نہ معلوم ہونے سے وجود باری کا یقین زائل نہین ہوتا ۔ سب کچھ مشیت ربانی سے ہوتا ہے ۔ خدا نے نیک اور بد دو رستے بنائے ہین ۔ اسی مین حکمت ہے ۔ خدا نے ہر کیفیت مین ترقی کی قابلیت

رکھی ہے جس کیفیت کے اسباب موجود ہوں اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ خدا نے سوسائٹی کو توجہ پیدا کرنے کا ایک سبب قرار دیا ہے۔ خدا نے سوسائٹی کو نیک اور بد دونو ترقیوں کا باعث گردانا ہے۔ ہدایت اور ضلالت خدا کی طرف سے ہے۔ خدا کے علم میں سب کچھ ہے۔ خدا نے انسان کو قوت فیصلہ عطا کی ہے۔ انسان نہ مجبور محض ہے نہ مختار کامل انسان کو مختار کامل اور مجبور محض سمجھنا دونو خیال غلط ہیں مگر پہلے خیال میں غلطی بہت ہے اور دوسرے خیال میں نقصان زیادہ ہے۔ جبر و اختیار کی نسبت مزید غور۔ رحم اور غضب۔ خدا کا غصہ۔ رحم کی تعریف۔

الہامی نوشتوں سے مضمون پیدائش کو ثابت کرنا ایک جملہ معترضہ تھا اس سے پہلے جو کچھ مذکور ہوا ہے اگر وہ صحیح ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا ازل سے موجود ہونا اور کائنات کا اسکی قدرت کاملہ سے وجود میں آنا بھی ایک مسئلہ ہے جس تک پہونچنے سے عقل کو تسکین حاصل ہوتی ہو اس لیئے جس مذہب میں یہ تعلیم ہو وہی قابل ترجیح ہونا چاہیئے۔ مگر یہاں پہونچکر سوال ہوتا ہے کہ خدا کی ماہیت کیا ہے اور اسکی مخلوق میں ایسے آثار کیوں ہیں جن کو ہم بُرا خیال کرتے ہیں۔ ان دونو سوالوں کا جواب مذہب کی طرف سے دیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک طرف خدا کو قابل فہم بنانے کے لئے اپنے اپنے وقت کی استعداد کے موافق کنکر پتھر سے لیکر برگزیدہ انسانوں تک کسی نہ کسی کو کسی نہ کسی حد تک خدا ٹھیرایا گیا ہے۔ اور دوسری جانب نیکی اور بدی کی علت دریافت کرنے کے مختلف دعوی کیئے گیئے ہیں مگر مقام مسرت ہے کہ مذاہب کی پہلی کوشش یعنے خدا کو قابل فہم بنانے کی تجویز جو یقیناً انسانی آمیزشوں کا نتیجہ تھی نابود ہوتی جاتی ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ توحید کے ایک دل آویز ترانہ کے بعد جو چند صدی پہلے ایک خاص سمت سے سُنائی دیا تھا زمانہ نے ایک ایسا رُخ بدلا ہے کہ نہ صرف دو تین خدا ماننے والوں میں بلکہ کروڑوں معبودوں کی بھینٹ چڑھانے والوں میں غرض دُنیا کے قریباً تمام بڑے مذہبوں میں توحید کی جانب عام میلان ہو گیا ہے۔ اور اگرچہ ابھی جا بجا پہلی غلط کاریوں کے مختلف آثار باقی ہیں مگر ایسے فرقے بالعموم موجود ہیں جو توحید کا کسی نہ کسی حد تک اعتراف کرتے ہیں اور اس مسئلہ کے متعلق سب متفق نظر آتے ہیں کہ اگرچہ عقل کو خدا کی ماہیت دریافت کرنیکا اشتیاق ہے مگر اس کی کنہ یقیناً عقل کی گرفت سے باہر ہے اور انسان اس کو سمجھنے سے عاجز ہے۔ اور اگرچہ

ایسے لوگ اپنی اپنی الہامی کتابوں سے توحید کا مسئلہ نکال لینے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ضرور ہے کہ ہر ایک الہامی کتاب میں اپنے زمانہ کے موافق کسی نہ کسی پیرایہ میں توحید کی تعلیم ہوگی مگر مجھے یقین ہے کہ ان الفاظ سے توحید کا مطلب سمجھنے کی توفیق جبھی ہوئی ہے کہ کسی نے (فداہ ابی وامی) انکی تفسیر کا غلغلہ صاف اور واضح الفاظ میں بلند کیا۔ اور گذشتہ ابواب میں دیکھا جا چکا ہے کہ تمام مذہبی احتمالوں کا حقیقت توحید سے کس قدر تفاوت ہے اور ابھی ان میں کیا نقص باقی ہیں جن کو دور کرنا چاہیے۔

خیر و شر کے متعلق مختلف رائیں

اب ہم دیکھتے ہیں کہ مذاہب عالم اس دوسری کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں اور دنیا میں نیکی و بدی موجود ہونے کا سبب کہاں تک دریافت ہو سکا ہے۔

شر مادہ یا روح کی طرف سے ہے

اس بارہ میں ایک وہ احتمال ہے جس میں خدا کے ساتھ مادہ کو یا مادہ اور روح دونو کو قدیم مانا گیا ہے اور ایسا احتمال پیدا کرنے والے دنیا کی تمام برائیوں کو مادہ یا روح کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح روح اور مادہ غیر مخلوق اور قدیم ہیں اسی طرح اُن کے خواص اور خواہشیں بھی قدیم ہیں اور اسی لیے ان سے نیک اور بد افعال سرزد ہوتے ہیں اور ان نیک اور بد نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

شر خواہش وجود سے پیدا ہوتی ہے

اور ایک احتمال مہاتما بدھ کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ[۵]

"بدھ مذہب کی تمام شاخوں کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ غم کی پیدائش اور تشخص کی پیدائش بالکل ایک ہے۔ غم حقیقت میں نتیجہ اس کوشش کا ہے جو کوئی فرد اپنے تئیں باقی موجودات سے جداگانہ قایم رکھنے کے لیے کرتا ہے۔ حالانکہ ترکیب و تحلیل کے عام قانون سے انسان اور فرشتے کوئی مستثنے نہیں۔ قوتوں کا وہ مجمع جو کسی موجود کو ترکیب دیتا ہے جلدی یا دیر میں منتشر ہو جائیگا اور اس انتشار میں توقف ڈالنے کی کوشش ہی وہ چیز ہے جس سے تمام قسم کے غم اور ہر طرح کی تکالیف پیدا ہوتی ہیں جو ہی کوئی فرد باقی موجودات میں سے جدا ہوتا ہے (یعنی پیدا ہوتا ہے) مرض زوال اور موت اس پر

[۵] کتاب ریلیجیس سسٹمز آف دی ورلڈ۔ پروفیسر ٹی ڈبلیو رہیس ڈیوڈز کا مضمون دربارۂ مذہب بدھ۔

عمل کرنے لگتی ہین - غرض جہان تشخص ہے وہان ضرور حد ہو گی اور جہان حد ہے وہان جہالت ہو گی اور جہان جہالت ہے وہان غلطی ہو گی اور جہان غلطی ہے وہان غم ہو گا - جونہی کوئی فرد موجود ہونے لگتی ہے بیرونی دُنیا اس پر اُسکے چھہ حواس کے رستہ سے اثر کرنے لگتی ہے اور اس سے حواس کو تحریک ہوتی ہے اور اس تحریک سے محبت یا نفرت کے خیالات موجزن ہوتے ہین اور ان آرزوؤن کو بر لانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے - مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس فرد کے لیئے آرزوؤن کا پورا کرنا ناممکن ہوتا ہے یعنی جس کو چاہتی ہے اس سے مل نہین سکتی اور جس سے نفرت ہو اس سے بچ نہین سکتی اور تغیر قطع و برید اور بالآخر موت سے گریز نہین کر سکتی اور یہ سب کچھ لازمی نتیجہ اس کوشش کا ہے جو اپنی جداگانہ ہستی اور اپنے تشخص کو برقرار رکھنے کے لیئے کی جاتی ہے "

اِس تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ سب تکلیفین اور تمام بُرائیان وجود خارجی کے سبب سے ہین اور ان سے نجات جبھی ہو سکتی ہے کہ وجود کی خواہش کو دور کیا جائے اور اس توجیہ کی نسبت پروفیسر ڈیوڈز لکھتے ہین کہ اُن تمام کوششون مین جو اس موضوع کے لیئے کی گئی ہین اگر یہ سب سے زیادہ مکمل نہین تو سب سے زیادہ چسپان ضرور ہے -

بدی کی اصلیت عدم ہے

اس کے بعد وحدت شہود والون کا خیال ہے جو بدی کی وجہ ایک لطیف طرز ادا سے بیان کرتے ہین چنانچہ وہ کہتے ہین کہ

نیچر کی بعض بُرائیان اور ان کی اصلیت

" بدی موجود ہونے کا سبب تلاش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بدی کو جس کا ہونا معیوب خیال کیا جاتا ہے اور اسکی نیچر کو دیکھا جائے چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک بدی کی نیچر مین داخل ہے کہ وہ کسی چیز کو عدم کی طرف لیجانے کی کوشش کرتی ہے اگر زہر انسان کو مارتا ہے یا ایک انسان دوسرے انسان کو قتل کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی طاقت کے موافق اس کو عدم کی طرف لے جاتا ہے - اور اگر کوئی شخص کسی کی عزت پر حملہ کرتا ہے یا اس کے مال کو غبن کرتا ہے تو اگرچہ بظاہر وہ کسی چیز کو عدم کیطرف نہین لے جاتا مگر ان چیزون کو ان کی مناسب جگہ سے ضرور معدوم کرتا ہے - اور نیز اکثر حالات مین عزت کو دور کرنا یا مال چرانا انسان کو عدم کی

طرف لیجانے کا بھی باعث ہوتا ہے۔ اور اس کے علاوہ جس قدر روحانی یا جسمانی برائیاں انسان میں موجود ہیں اُن سب میں کم و بیش کسی چیز یا کسی حالت کو معدوم کرنا پایا جاتا ہے۔ اگر اپنے جرم کو چھپانے کے لیے مکر و فریب کیا جاتا ہے تب بھی اُس نتیجہ کو معدوم کرنا مقصود ہوتا ہے جس کا عاید ہونا مناسب ہے اور اگر کسی کی طرف سے جھوٹی شہادت دی جاتی ہے تو اس صورت میں بھی اُس شخص کے لئے دوسرے کے حق کو زائل کرنا مقصود ہوتا ہے اور علیٰ ہذا اگر جسم میں کوئی بُرائی یا عیب یا مرض موجود ہے تو وہ بھی کسی ایسے عضو یا ایسے وصف کا معدوم ہونا ہے جو جسم کے لیے ضروری یا کم از کم شان پیدا کرنے کا باعث ہے۔ اور یہی حال ان تمام برائیوں کا ہے جو حیوانات میں پائی جاتی ہیں کہ سب ان کو عدم کی طرف لے جاتی ہیں۔ اور انسان میں تو پھر بھی بعض برائیاں ظاہر میں کسی چیز کو عدم کی طرف لیجاتی ہوئی نظر نہیں آتیں مگر حیوانوں میں اتنا پردہ بھی نہیں اور وہ سب براہ راست دوسرے کو معدوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور مسٹر مل کے یہ الفاظ[1] بالکل درست ہیں کہ "حیوانات کا بہت بڑا حصہ دوسرے حیوانات کو پھاڑنے اور نگلنے پر زندگی بسر کر سکتا ہے" اور یہ بڑا حصہ بھی بڑے حیوانات میں پایا جاتا ہے جو دوسرے حیوانات سے ترقی یافتہ ہیں اور جن میں سے اکثر انسان سے مانوس ہو سکتے ہیں ورنہ چھوٹے درجہ کے حیوانات بقول مسٹر موصوف کے "یا نگلنے والے ہیں یا نگل جانے والے" اور نیز وہ ان ہزار ہا برائیوں کا شکار ہیں جن کے سبب وہ اپنی حفاظت کے اسباب سے محروم ہو جاتے ہیں"

نیچر کی برائیاں

غرض یہ ہیں وہ برائیاں جن کے سبب کی تلاش ہے اور یہ ہے انکی نیچر کہ وہ سب عدم کی طرف لیجانے کی کوشش کرتی ہیں۔ مگر ابھی نیچر کی برائیاں شمار کرنے میں کوتاہی ہوئی ہے کیونکہ حیوانات سے نیچے کے درجوں میں بھی بہت سے عیوب موجود ہیں مثلاً حیوانات کے نیچے نباتات ہیں اب اگر صرف نباتات ہی مدار زندگی ہوتیں تو پیدا کرنے والا صرف چند ابتدائی کیڑوں پتنگوں کو ہی پیدا کر سکتا جو نباتات پر بسر کر سکتے ہیں اور یہ جانوروں کا لاتعداد سلسلہ جن میں ایک کی زندگی بہت کچھ دوسرے جانداروں پر منحصر ہے ہرگز وجود میں نہ آتا اور اگرچہ ظاہر میں بہت سے بڑے حیوانات بھی صرف نباتات پر گذر کرتے ہیں مگر علمی تحقیقات ثابت کرتی ہے کہ تنفس اور بدنی مسامات کے ذریعہ سے بلکہ پانی کے

[1] ایسیسے ص ۵۸ سنہ ۱۸۷۴ء

ہر گھونٹ مین یہ جانور بیشمار جاندار مخلوق کو ہضم کرتے ہین۔ اس لیے صرف نباتات مین جو دولت ہے اسی کو موجود مان کر سوا چند پتنگون کے اور سب جاندار محروم رہتے۔ یہ تو نباتات کا وہ بڑا نقص ہے کہ وہ اپنی نیچر سے تمام جانداروں کو معدوم رکھنا چاہتی ہین اور اس کے علاوہ بہت سے زہریلے مادے بھی ان مین ایسے ہین کہ جاندارون کو بہت کچھ نقصان پہونچاتے ہین اور بعض اوقات انکی ہمیت سے بڑی بڑی تباہیان وجود مین آتی ہین۔"

" اور ان سے اتر کر معدنیات اور گیس وغیرہ عناصر کا درجہ ہے اور اگر صرف انہین پر مدار ہوتا تو کیڑون پتنگون سمیت تمام جاندار مخلوق کا خاتمہ تھا اور صرف معدنیات کی وساطت سے دنیا محض نباتات کا جنگل ہوتا اور جو زندگی کی برکت اب ہے وہ تختہ زمین پر نظر نہ آتی اور جس قدر گیس وغیرہ کے پھٹنے اور معدنیات کے ہمیت کے جوش مارنے سے جاندارون کا اور نباتات کا نقصان ہوتا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔"

" اس سے اُتر کر زمین اور اس سے اُتر کر آفتاب کا درجہ ہے اور ظاہر ہے کہ اگر ہستی کا انحصار صرف انہی پر ہوتا تو مادہ نہایت ہی ابتدائی اور سادہ شکل مین رہتا اور یہ انواع اقسام کی شکلین اور طرح طرح کی زیب و زینت عالم مین نظر نہ آتی اور اس نقص کے علاوہ اُن کے دیگر نقصانون کا یہ عالم ہے کہ آفتاب کا ادنے طوفان اور زمین کا ایک آتش فشان پہاڑ تھوڑی دیر مین وہ بدی ظاہر کرتا ہے جو کوئی انسان یا حیوان ہزار برس مین بھی نہین کر سکتا۔"

" آفتاب سے پرے ہمارا تجربہ چل نہین سکتا۔ لیکن اتنا قیاس ضرور ہو سکتا ہے کہ جو درجات اِس سے پہلے ہون گے اگر صرف انہی پر مدار ہوتا تو مادہ اور بھی سادہ اور ابتدائی شکل مین رہتا اور دنیا مین جو کچھ ہوتا وہ نہ ہونے کے برابر ہوتا۔ اور علیٰ ہذا اُن درجات کے طوفان بھی جو ہونگے وہ آفتاب اور زمین کے طوفانون سے زیادہ تباہی بخش ہونگے۔"

" یہ ہے مجموعہ اُن بُرائیون کا جو نیچر مین موجود ہین اور شمار کرنے والون نے محض انہی بُرائیون کو گنایا ہے جن مین ایک جاندار دوسرے جاندار کو مار دیتا ہے حالانکہ جیسا جاندار کو مارنا اسکی زندگی کا معدوم

کرنا ہے اسی طرح نباتات کو کھانا یا جلانا بھی انکی اپنی ہستی کو معدوم کرنا ہے اور اس لئے دونو برے ہین۔ اور اسی طرح کسے معدوم رکھنا اور ہستی کی نعمت سے بہرہ یاب نہ ہونے دینا بھی اس سے زیادہ برا ہے اور اس سے کسیکو انکار نہین ہوسکتا البتہ بولنے مین اصطلاح کا فرق ہے۔ زندگی معدوم کرنے کے وقت کہا جاتا ہے کہ اس نے برا کیا اور زندگی سے محروم رکھنے کا خیال کرنے پر کہا جاتا ہے کہ اس کا نقص ہے اور دونون حالتون کیلئے مشترک طور پر کہہ سکتے ہین کہ جاندار کو مار کر زندگی بسر کرنا بھی عیب ہی اور جاندارون کو پیدا کرنے کی قابلیت نہ رکھنا بھی عیب ہے۔ غرض نیچر دونو کی ایک سی ہے اور اس لیے اعتراض کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ دنیا اول سے آخر تک برائیون اور عیبون کا مجموعہ ہے۔"

بدی مادہ کی ترقی سے درجہ بدرجہ کم ہوتی جاتی ہے۔

"مگر اس کے ساتھ اتنا اور بھی کہنا چاہئے کہ مادہ کی تمام شکلون کو دیکھتے ہوئے جس قدر ابتدا کی طرف چلے جاؤ برائی اور عیب زیادہ ہوتے جائین گے اور جس قدر انجام کی طرف آؤ بدی کے درجہ مین کمی آتی جائیگی اور نیکی یا فائدہ بڑھتا جائیگا۔ آفتاب اگر اکیلا ہوتا تو مادہ نہایت سادہ شکل مین رہتا اور جاندار اور دیگر مخلوق پیدا نہ ہوتی۔ مادہ کو کسی نہ کسی شکل مین موجود رکھنا اسکا فائدہ ہے اور دیگر اعلیٰ اشکال کو پیدا نہ ہونے دینا نقص۔ مگر زمین پیدا ہونے پر نقص کم ہوگیا اور فائدہ بڑھ گیا کیونکہ اب مادہ کو اور بھی چند پہلے سے مکمل تر شکلون مین آنیکا موقع ملا۔ علیٰہذا جمادات۔ نباتات اور ابتدائی حیوانات کے پیدا ہونے پر نقص کی کمی اور فائدہ کی زیادتی درجہ بدرجہ اور نمایان ہوتی گئی کہ دنیا آبادی کے قریب تر ہوگئی اور پہلا سا لق و دق میدان نہ رہا ان کے بعد بڑے حیوانات کے پیدا ہونے سے نقص مین اور بھی کمی ہوگئی کہ ان مین سے بعض مانوس ہوکر دوسری مخلوق کو خوراک کے علاوہ اور فائدہ بھی پہونچا سکے اور انھی کی وساطت سے مادہ نے آگے ترقی کی اور زیادہ لطیف شکلین وجود مین آئین۔ ان کے بعد انسان پیدا ہوا تو وہ اگر کسی قدر جاندارون کو مارتا ہے تو کچھ جاندارون کی پرورش بھی کرتا ہے۔ اور نیز مانوس حیوان اگر مجبور ہوکر کام دیتے تھے تو یہ اپنی خوشی سے بھی اپنے ہمجنسون اور دیگر مخلوقات

کے کام کرنے لگا۔ اور نیز حیوان براہ راست معدوم کرنے کی کوشش کرتے تھے اور انسان کچھ کوشش براہ راست معدوم کرنے کی کرتا ہے تو بعض کوششوں میں صرف عزت یا مال چھیننے پر ہی قناعت کرتا ہے اور اس طرح پر بالکل معدوم کرنے سے اپنی تئیں کسی قدر دور رکھتا ہے۔ اور پھر اس نے تہذیب میں ترقی کی تو جو برائیاں وحشی انسان کرتے تھے ان میں سے اکثر کو چھوڑتا گیا اور ہمدردی اور فائدہ رسانی میں بڑھتا گیا اور مہذب انسانوں سے بڑھکر وہ انسان ہیں جو تہذیب کے ساتھ ایمان بھی رکھتے ہیں کیونکہ مہذب انسان جبتک ایماندار نہ ہو صرف انہیں برائیوں سے گریز کرتا ہے جو اس زندگی میں نقصان پہونچائیں اور وہی ہمدردی کرتا ہے جو اس دنیا میں مفید ہو لیکن ایماندار انسان لوگوں کو ان برائیوں سے بھی بچاتا ہے جو آئندہ زیست میں اثر کریں اور اس ہمدردی کو بھی اپنا فرض سمجھتا ہے جو اگلے جہان میں فائدہ دے چنانچہ وہ مالی اور جسمانی نقصان ہی بچانے کے علاوہ دوسروں کو گناہ اور کفر کی ترغیب دینے سے بھی گریز کرتا ہے اور جہانتک ممکن ہے انکی اجتماعی ترقی کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر چونکہ سب انسان ہیں اس لیے اختیار یا بے اختیاری سے جانداروں پر بسر کرنے یا نباتات کو کھانے کے نقص سے بالکل پاک کوئی بھی نہیں ہے"

ضد سے ضد کیطرف آنے میں ترقی بتدریج ہوتی ہے۔

"غرض یہ ہے نقشہ اس نقص اور کمال یا بدی اور نیکی کا جو موجودات عالم میں پائی جاتی ہے۔ اب دیکھنا چاہئیے کہ نیست ہی ہست کرنے کی تھیوری پر عقل کے نزدیک دنیا میں نیکی اور بدی کی بھی شکل ہونی چاہئیے یا کچھ اور۔ اور چونکہ عدم اور وجود باہم ضدین ہیں اس لئے معدوم کے موجود ہونے کے واسطے وہی شکل قرین قیاس ہوگی جو دنیا کی اور ضدوں کے انقلاب میں ہوتی ہو۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ لوہے کو جس کا اصلی رنگ سیاہ ہی صیقل کرنے سے ایسا روشن کر سکتے ہیں کہ آئینہ کی طرح اس میں سے چہرہ نظر آئے اور بالکل سفید ہوجاے مگر اسکی شکل یہی ہوتی ہو کہ ایک زنگ آلود لوہے کو جب صیقل کرنے لگیں تو پہلے اس کا زنگ دور ہوتا ہی اور سطح کسیقدر صاف ہوجاتی ہی اس حالت میں اگر نور اس میں پیدا ہوگیا ہے مگر ایسا ناقص کہ سیاہی کچھ بھی دور نہیں ہوئی اور اگر کالا رنگ نور کے مقابل میں برا ہی تو لوہے کی اس حالت میں یہ برائی بہت بڑی حد تک معہ وجود ہی اسکے بعد

اور رگڑا جائے تو سیاہی دور ہونی شروع ہوتی ہے مگر اس عمل کے ہر ایک درجہ میں نور بڑھتا جاتا ہے
لیکن سیاہی بھی کم سے کم تر ہوتی ہوئی ہر وقت موجود رہتی ہے حتیٰ کہ وہ آئینہ جیسا چمک اُٹھتا ہے
اس وقت اگرچہ نور جہاں تک لوہے میں آسکتا تھا آگیا اور اگر اُسے آفتاب کے سامنے رکھا جاوے تو آفتاب
کی جھلک اس میں نظر آجائیگی مگر پھر بھی لوہا لوہا ہی ہے اور وہ آفتاب کے برابر نورانی نہیں ہو گیا
اور نیز جس قدر نور موجود ہے وہ ایسا کمزور ہے کہ آئندہ ذراسی بے احتیاطی سے دور ہو سکتا ہے
اور لوہا سیاہ ہوتا ہوا پھر زنگ آلود حالت کو پہونچ سکتا ہے۔ اس وقت ایک بات اور بھی یاد رکھنی
چاہئے کہ لوہے میں نور کا ایسی آہستگی سے در آنا اور کامل شکل میں پھر بھی موجود نہ ہونا اور بے احتیاطی
سے فوراً دور ہونے لگنا نور آفتاب کے قصور سے نہیں بلکہ لوہا چونکہ اصل میں نور آفتاب کی بالکل
ضد ہے اس لئے اسکی نیچر ہی ایسی ہے کہ نور کو محض اسی شکل سے حاصل کر سکتا ہے اور نور کی فضا اسکی
طرف صرف "دیر آمدن و شتاب رفتن" کے اصول پر ہو سکتی ہے۔"

" اس نظیر کو دیکھنے کے بعد مضمون کی عظمت کے لحاظ سے ایک اور نظیر کا پیش کرنا بھی نامناسب
نہ ہوگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی جاہل علم حاصل کرنے لگتا ہے تو پہلے علم کے بے انتہا ذخیرہ
میں سے بہت تھوڑا سا مہیا کر سکتا ہے اور اسمیں سے بھی کچھ یاد رکھتا ہے اور کچھ بھول جاتا ہے
اس حالت میں اگر جہالت اگر برائی ہے تو وہ علم کے آغاز پر نہایت کثرت سے موجود ہوتی ہے۔ پھر رفتہ
رفتہ علم کا سرمایہ بڑھنا شروع ہوتا ہے اور جہالت کا عیب کم ہوتا جاتا ہے۔ مگر ترقی کے ہر درجہ
میں جہالت کا بقیہ کچھ نہ کچھ موجود رہتا ہے حتیٰ کہ انسان کسی علم یا اسکی کسی شاخ میں ماہر اور صائب الرائے
ہونیکا فخر حاصل کرتا ہے۔ مگر اس وقت بھی یہ عالم ہوتا ہے کہ اگر اس علم کے متعلق اسکی دس رائیں صحیح
ہوتی ہیں تو ایک رائے ضرور غلط ہوتی ہے اور ایسا کمال کسیکو حاصل نہیں ہو سکتا کہ اس کا کوئی قیاس
بھی غلط نہ نکلے۔ بلکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کبھی اس نے کسی مسئلہ میں صحیح رائے قائم کی ہے تو دوسرے
وقت پھر دماغ ایسا چکرایا ہے کہ اسی مسئلہ میں غلط خیال کا حامی بنگیا ہے اور علی ہذا جس قدر
کمال حاصل کرتا ہے اگر اس کی بحث و تکرار نہ رکھے تو وہ کمال رفتہ رفتہ زوال پانے لگتا ہے حتیٰ کہ

عالم ایک وقت میں بالکل کندہ ناتراش ہو سکتا ہے۔ اور یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ نور علم کا نقص نہیں ہے کیونکہ جس مسئلہ میں ہم کسی وجہ سے غلطی دیکھتے ہیں اسی مسئلہ میں وہی نور علم جو کسی اور عالم میں جلوہ گر ہے اس مسئلہ کو نہایت صحت کے ساتھ دریافت کر لیتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نور علم میں بیشک مسائل کی اصلی حقیقت دریافت کرنے کی قابلیت ہے اور یہ جو کچھ نقص نظر آتا ہے وہ اس لیے ہے کہ جہالت کی فطرت ہی علم سے اس قدر تناقض رکھتی ہے کہ وہ جس قدر دور ہو سکتی ہے بتدریج ہوتی ہے اور پھر بھی کسی نہ کسی شکل میں اس کا بقیہ موجود رہتا ہے اور وہی جہالت ہے جو ابتدائی درجات میں پورے طور پر نمایاں ہے اور وہی جہالت ہے جو مہارت کے وقت بھی مختلف شکلوں میں اپنی بقا کو ظاہر کرتی ہے اور علم کی برکت پر پردہ ڈال دیتی ہے۔"

عدم سے وجود میں آنے کی رفتار بھی اسی طرح تدریجی ہے اور ہر حال میں عدم کا اثر یعنی بدی نمایاں رہتی ہے

اس کے علاوہ اور دیگر واقعات عالم میں جس قدر غور کیا جاوے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک ضد کا دوسری ضد کی طرف جانا اسی ترتیب اور اسی نقص کے ساتھ ہوتا ہے پس یہی کیفیت آفتاب وجود کی ظلمت عدم پر عکس ڈالنے کی ہونی چاہئے تھی اور یہی ہوئی کہ اس کی پہلی شعاع سے زنگ عدم دور ہوا اور مادہ کی ابتدائی شکل وجود میں آئی اور اس کے بعد جس جس حد تک عکس پڑتا گیا اسی حد تک عدم کی ظلمتیں یعنے نقص اور عیب دور ہوتے گئے اور وجود کی کامل سے کامل شکلیں بنتی گئیں حتی کہ انسان اور کامل انسان میں آکر اس نابود نے وہ بود حاصل کی کہ آفتاب وجود کی شعاعیں اس کے اندر چمکنے لگیں اور عقل اور معرفت کے نور سے جسمانی اور روحانی جلوے ایسے ظاہر ہوئے کہ بعض حالات میں اس پر خود آفتاب وجود ہونے کا دھوکا ہوا جس طرح مجلا تلوار کو سورج کے سامنے رکھنے سے اس کے اندر آفتاب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض کوتاہ بینوں نے اسی کو خود ذات خدا کا ظہور سمجھ لیا ہے حالانکہ وہ حقیقت میں خود ذات خدا کا ظہور نہیں البتہ ایک طرح سے نور خدا کا مظہر ضرور ہے جس طرح لوہا خود آفتاب کا ظہور نہیں بلکہ اسکا مظہر ہے۔ اور یہ اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ ادھر لوہا پہلے ایسا نورانی نہ تھا اور بعد میں بھی بے احتیاطی سے پھر تاریک ہو جاتا ہے اور اُدھر انسان پہلے ایسا

عارف نہ تھا اور بعد مین ذرا سی لغزش سے پھر کو باطن ہو سکتا ہے ؟

" پس یہان بھی ہم کہ سکتے ہین کہ اس معدوم کی ایسی دھیمی رفتار اور اُس کے اندر نقصون کا اس قدر ہجوم اُس آفتاب وحدت کا نقص نہین بلکہ یہ عدم ہے اس لیے اس کی نیچر ہی نقضی ہے کہ اسی صورت سے ترقی کرے اور اسی لیے ذات خداوندی کو بدی کا منبع قرار دینے کی بجائے ثابت ہوتا ہے کہ وہ محض خیر کا سرچشمہ ہے - چنانچہ اُس نے سب موجودات کو اُس عیب سے بری کیا جو سب سے بڑھکر تھا یعنی عدم - اور بری بھی اس خوبی سے کیا کہ اب چاہے بدی کرنے والے کیسی ہی بدی کرین وہ موجودات کو موجود سے معدوم نہین کرسکتے اور زیادہ سے زیادہ جو اُن کا زور چل سکتا ہے وہ ایک چیز کی محض شکل کو بدل دیتا ہے ؟

" اور محض وجود یا مادہ کی محض سادہ شکل عطا کرنے پر اکتفا نہین کی گئی بلکہ ترقی کا ایسا سلسلہ مقدم کر دیا گیا ہے کہ جس چیز مین جس حد تک اُس بڑی بدی یعنی عدم سے بُعد ہوتا گیا اسی حد تک اس مین سے عدم کا میلان کم ہوتا گیا اور اسی حد تک وجود کی شکل تراشکال پیدا کرنے کی طاقت بڑھتی گئی حتیٰ کہ میلان عدم کم ہونے اور وجود کی طاقت بڑھنے کا سلسلہ کامل انسان مین اس حد تک پہنچ گیا کہ وہ اپنی طاقت کے موافق کسی شخص اور کسی فرد کو نقصان پہونچانیکا روادار نہین اور تمام عالم کو اپنے وجود سے فائدہ پہونچانے کے اور ہر چیز کی اصل حقیقت کو اس کے مناسب حال سمجھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن چونکہ اصلیت عدم ہے اس لیے عیب سے بالکل پاک ہونیکا دعوے نہین کرسکتا - چنانچہ وہ بھی عدم کا بقیہ تھا جس کے سبب نباتات وغیرہ ابتدائی مخلوقات وجود کے بہت سے کمالات سے محروم تھی اور یہ بھی عدم کا بقیہ ہے جس کے سبب انسان جیسی اعلیٰ مخلوق کبھی امراض وغیرہ کی شکل مین اپنے اندر عدم کو ظاہر کرتی ہے اور کبھی شرارت وغیرہ کی شکل مین دوسرون کو معدوم کرنے کی کوشش کرتی ہے جس طرح وہ بھی جہالت کا بقیہ تھا جو علم کے ابتدائی درجہ مین بہت سے مسائل کو مخفی رکھتا تھا اور وہ بھی جہالت کا بقیہ ہے جو ایک عالم مین کبھی کبھی غلط رائے قایم کرنیکا سبب ہوتا ہے - فرق صرف اس قدر ہے کہ عدم کا ظہور نباتات وغیرہ مین ابتدا جہالت کا ظہور

علم کے آغاز میں بے ارادہ ہے اس لئے کہ ابھی ارادہ کی قابلیت ہی پیدا نہیں ہوئی۔ اور جہالت کا ظہور عالم کی غلط رائے میں اور عدم کا ظہور انسانی افعال میں ارادہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس لیے کہ اس وقت ارادہ کی قابلیت بھی موجود ہے۔ مگر جب ماہر کی غلطی کو یقیناً جہالت کا نقص کہہ سکتے ہیں نہ نورِ علم کا قصور۔ تو انسان کی بدی کو بھی عدم کا نقص سمجھنا چاہئیے نہ آفتابِ وجود کا قصور۔" [۱]

بدی پہلی جون کا پھل ہے یا بدی حقیر ہے

غرض جہاں تک میری واقفیت ہے یہ وہ بڑی وجہیں ہیں جو بدی کے موجود ہونے کی نسبت پیش کی جاتی ہیں اور ان کے علاوہ بعض کیطرف سے تناسخ کو بھی بدی کی وجہ قرار دیا گیا ہے اور بعض اس نقص کو یوں ہلکا کرتے ہیں کہ ازل سے ابد تک موجوداتِ عالم کی لا انتہا تشکلیں تجویز کی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے [۲] کہ موجودہ عالم ان شکلوں میں سے ایک مختصر سی شکل ہے اور اس غیر محدود سلسلہ کے لحاظ سے اسکا زمانہ ایک لمحہ سے زیادہ نہیں اس لئے اس حالت میں تکالیف اور عیوب کا ہونا چنداں قابل اعتراض نہیں۔

[۱] یہ مضمون میں نے مختلف علمائے وحدت شہود کے اشارات سے ترتیب دیا ہے اسلئے اسکو اقتباس کی شکل میں لکھا گیا مگر حیرت ہے کہ مسٹر اے جی براؤن نے (کتاب ریلیجس سسٹمز آف دی ورلڈ۔ لکچر دربارہ تصوف) مولانا روم وغیرہ کی شہادت سے بدی کو عدم قرار دیا ہے اور اسکو وحدت وجود کیطرف سے پیش کیا ہے حالانکہ بدی کو عدم کیطرف منسوب کرنا اور پھر اسکو وحدت وجود کی طرف سے پیش کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ وحدت وجود کا مطلب ہی یہ ہے کہ ایک موجود مطلق ان تعینات میں ظاہر ہوتا ہے جیسے پانی موج اور حباب کی شکل میں ظہور کرتا ہے اس لئے جس طرح موج اور حباب کی حقیقت پانی ہے اسی طرح تعینات کی حقیقت وجود مطلق ہے پس اس خیال کے رو سے نیک اور بد دونو طرح کے افعال کی ترکیب ہی ایک ذات مطلق سے جو ان تعینات میں ظہور کرتی ہے اور اس لیے نیکی اور بدی دونو اسی ذات کیطرف منسوب ہو سکتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے وہ یہ کہ انکی نسبت اس ذات کیطرف اسی حالت میں ہے کہ وہ تعینات کو اختیار کئے ہوئے ہے پس بدی کو عدم کیطرف منسوب کرنا وحدت شہود کے مسلک پر ہی چسپاں ہو سکتا ہے جو اشیاء کائنات سے ہستی ہونا مانتے ہیں اور عدم کو کائنات کی ماہیت قرار دیتے ہیں۔

[۲] یہ خیال مینو مسیو لوئی فگئیے کی کتاب ٹی آفٹر ڈیتھ سے اخذ کیا ہے۔

لیکن خواہ تناسخ یا غیر محدود سلسلہ صحیح ہو مگر حقیقت مین ان دونو کو بدی کی وجہ گردانا صحیح نہین کیونکہ تناسخ جیسا کہ مانا جاتا ہے ایک صورت سزا اور انتقام کی ہے اس لیے اگر دنیا والون کی بدی اور عیب انکی پہلی جون کا پھل ہے تو ضرور ہے کہ پہلی جون مین کوئی بدی ان سے سرزد ہوئی ہوگی جس کا ایسا بد نتیجہ پیدا ہوا اور اگر اس کو بھی اور پہلی جون کا پھل سمجھا جائے تو بدی کو اس سے بھی آگے ماننا پڑیگا اور اس طرح خواہ تناسخ کا سلسلہ ماضی کی طرف کتنا ہی دور تک چلا جائے بدی کا وجود پہلے رہیگا اور انتقام پیچھے - اس لیے تناسخ بدی پیدا ہونیکا سبب نہین بن سکتا اور اسی طرح خواہ موجودہ زمانہ کیسا ہی چھوٹا اور حقیر سمجھا جائے تاہم اس کے موجود ہونے سے اور اس کے اندر بدی اور عیب کے وجود سے انکار نہین ہو سکتا - اس لیے خواہ بدی تھوڑے سی عرصہ کے لیے موجود ہوئی مگر اس کا سبب کوئی ضرور ہوگا اور یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ دنیا مین بدی کیون ہے ؟ -

ان خیالات مین سی بعض کو بعض پر ترجیح ہے

پس تناسخ اور غیر محدود سلسلہ کو اس بارہ مین ناکافی سمجھ کر وہی پہلی تینون صورتین غور کے قابل باقی رہتی ہین - ان مین سے مادہ یا مادہ اور روح کی قدامت کا مسئلہ اگر صحیح ہو اور اگر مادہ اور روح کے نیک اور بد خواص بھی قدیم ہون تو بیشک اس وقت بدی کو خدا کی طرف منسوب کرنے کی بلکہ خود خدا کو ماننے کی بھی ضرورت نہین رہتی - کیونکہ جب مادہ اور روح کی صفات قدیم ہوئین اور انہین صفات کے سبب سی نیک و بد افعال صادر ہوتے ہین تو مادہ اور افعال مادہ کے سوا اور کوئی کام باقی نہین رہتا جس کے لیئے خدا کو موجودات کے سٹیج پر آنے کی تکلیف دی جائے مگر دکھا جا چکا ہے کہ نہ صرف مادہ کو قدیم ماننا پیدائش کے مسئلہ کو حل کر سکتا ہے اور نہ مادہ اور خدا یعنی ایک سے زیادہ چیزون کا قدیم ہونا ممکن اور قرین عقل ہے -

مہاتما بدھ کی طرف سی جو وجہ پیش کی گئی ہے اس مین اگرچہ پہلے یہ دعوی کیا گیا ہے کہ کسی فرد کا دنیا مین پیدا ہونا اور غمون مین مبتلا ہونا حقیقت مین ایک ہی - گویا وجود ہی بدی اور غم کا باعث ہے - مگر بعد مین جو اسکی تفصیل کی گئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غم وجود کے سبب سے نہین بلکہ اُس عدم کے سبب سی ہے جو موجود ہونے کے بعد مرض - ضعف - پیری وغیرہ مصائب کی شکل مین ظاہر

ہوتا ہے اور جس کا انجام موت پر ہوتا ہے اور واقع میں اگر غم اور فکر ہوتا ہے تو یہی کہ مبادا طاقت معدوم نہ ہو جاوے۔ مبادا جسم کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے۔ مبادا اسباب زیست یعنی مال و منال معدوم نہ ہو جائے اور مبادا موت نہ آجائے۔ یا یہ کہ افسوس یہ مصیبتیں آگئیں اور وجود کی نعمت جیسی ہونی چاہئے تھی موجود نہیں رہی۔ پس صاف ظاہر ہے کہ پیدائش اور غم ایک نہیں بلکہ پیدائش کی نفی یا نفی کا گمان اور غم ایک ہے اور جس چیز کا غم ہو اُسی کو بدی کہنا چاہئے۔ اس لیے وجود بدی نہیں بلکہ وجود کی نفی یعنی عدم بدی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ دنیا چونکہ عدم سے نکلی ہے اس لیے وجود کی ہر ایک شکل میں عدم کا ظہور رہتا ہے اور اسی لیے وجود کے ہر درجہ میں اس عدم کے سبب سے غم لاحق رہتا ہے۔ پس شاعرانہ استعارہ کے طور پر وجود کے ساتھ عدم کا ظہور اور عدم کے ساتھ غم کا وجود ہونے کے سبب سے وجود کو غم کا باعث کہا جائے تو اور بات ہے ورنہ حقیقت میں غم کو اصلی تعلق عدم سے ہے اور اس لیے مہاتما بدھ کی طرف سے جو وجہ بدی کی قرار دی گئی ہے اس کو کھول کر دیکھنے پر وہی بات ثابت ہوتی ہے جو اہل وحدت شہود نے پیش کی ہے کہ عیب اور بدی کی نیچر عدم ہے اور دنیا کی حقیقت بھی عدم ہے اس لیے دنیا میں بدی پائی جاتی ہے۔ اور واقعات عالم کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک عقل انسانی کام کر سکتی ہے یہی ایک وجہ ہے جو بدی کے مسئلہ کو پورے نیچرل طرز سے حل کرتی ہے۔ چنانچہ اسکے رو سے اگر انسان امراض اور تکالیف میں مبتلا ہوتا ہے تو اسی لیے کہ عدم ہونے کے سبب اس کو کامل وجود حاصل نہیں ہوا۔ اور اگر کسی قوم میں مریض اور اپاہج زیادہ ہوتے ہیں تو اسی لیے کہ وہ قوم دیگر اقوام کی نسبت کمال وجود میں اور بھی کم ہے۔ اور اگر بچے جوانوں کی نسبت زیادہ تباہ ہوتے ہیں تو اس لیے کہ وہ جوانوں کی نسبت نور وجود سے کم منور ہیں۔ اور اگر کوئی انسان دوسرے کو قتل کرتا یا نقصان پہونچاتا ہے تو اسی لیے کہ وجود کی جس قدر تکمیل نوع انسانی میں ہو سکتی ہے وہ ابھی اس حد تک نہیں پہونچا اور اسی طرح انسان سے بلکہ طبقات میں جو نقص اور عیب موجود ہیں تو اسی لیے کہ شاہراہ وجود میں وہ اور بھی پیچھے ہیں غرض جو کچھ نقص ہے وہ اپنی اصلیت یعنی عدم کا ہے اور خدا نے جو ہمکو پیدا کیا تو اس لیے کہ خیر پیدا ہو کر ترقی کرے۔

مسٹر مل تو نیچر کو مطالعہ کرنے سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس سلسلہ کائنات کو نمونہ بنا کر انسان ترقی نہیں کر سکتا مگر وحدت شہود نے جن آنکھوں سے نیچر کو دیکھا ہے اُن کو اس باغ کے ہر پتہ پر لکھا ہوا نظر آتا ہے کہ ہر درجہ ترقی میں اس کے مناسب حال عیب ہیں کمی اور کمال میں زیادتی ہوتی جاتی ہے اس لیئے انسان جو سب سے اعلے درجہ رکھتا ہے اور جو دنیا کی تمام خوبیوں کے ساتھ ارادہ۔ عقل اور نور وجدان سے بھی بہرہ ور ہے اسے سب سے زیادہ عیب کو چھوڑنے اور کمال حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے ؀

تدریجی ترقی کے سوا عقل کوئی اور صورت پیش نہیں کر سکتی

غرض ایک ضد سے دوسری ضد کیطرف آنے کی جو صورتیں وحدت شہود نے پیش کی ہیں اور عدم سے وجود کیطرف آنے میں جو ترقی تدریج تمام نظام کائنات سے ظاہر ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم سے وجود ابدی سے نیکی اسی طرح پیدا ہو سکتی تھی۔ اور اس کے سوا کوئی صورت ہمارے ذہن میں نہیں آسکتی۔ مثلاً اگر فرض کیا جائے کہ یہ آفتاب اور زمین جیسی سادہ اور ناقص شکلیں نہ بنائی جاتیں کیونکہ اپنے طوفانوں سے بہت نقصان پہونچاتی ہیں تو پھر ہمارے خیال میں کوئی صورت نہیں جن سے نباتات اور حیوانات بغیر حرارت اور نور کے اور بغیر کسی جائے قیام کے زندگی بسر کر سکیں۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ یہ نباتات اور حیوانات بھی نہ بنائے جاتے جو آفتاب اور زمین کے بغیر بسر نہیں کر سکتے اور نیز ایک دوسرے کو بہت کچھ نقصان پہونچاتے ہیں بلکہ ایک اعلیٰ روحانی مخلوق پیدا کی جاتی جو تمام جسمانی ضرورتوں سے پاک ہوتی تو پھر ہم سمجھ نہیں سکتے کہ ایسی مخلوق روحانی ترقی کیونکر کر سکتی۔ کیونکہ ترقی کے لیئے ہماری عقل یہی تدبیر کر سکتی ہے کہ اپنی ضرورتوں کو ناجائز طور پر پورا کرنے سے پرہیز کریں اور دیگر مخلوقات کو اُن کی ضرورتوں میں مدد دیں اور جب تمام مخلوق ہی ضرورتوں سے پاک ہو تو نہ اپنے تئیں جائز و ناجائز کے امتحان کا موقع آئیگا اور نہ دوسروں کو مدد دینے کی ضرورت ہوگی۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ یہ بھی نہ ہوتا بلکہ محض ایسی مخلوق پیدا کی جاتی جس کو ترقی کی ضرورت نہ ہوتی یعنی وہ ہر طرح کے کمال سے آراستہ اور سب نقصوں سے پاک اور بری ہوتی تو بالفاظ دیگر یہ کہنا چاہیئے کہ خدا

اپنی جیسی مخلوق پیدا کرتا مگر ہماری عقل اسکو بھی ناممکن سمجھتی ہے کہ خدا بالکل اپنے جیسی مخلوق پیدا کرے کیونکہ جب وہ مخلوق ہے تو قدیم نہین اور اس لیے اُن کمالات سے جو ایک قدیم ذات کا خاصہ ہین ضرور محروم ہے۔ غرض جہان تک عقل کام کر سکتی ہے اُسکا فیصلہ ہے کہ عدم سے وجود کی کامل تکلین اسی طرح بتدریج اور دھیمی رفتار سے پیدا ہو سکتی ہین اور کمال کے انہی مختلف درجون کے سبب مخلوق ترقی کی شاہراہ پر چل سکتی ہے۔ اور یہی ترقی وہ نعمت ہے جس کو تمام دُنیا اور بالخصوص نوع انسانی کی سب سے بڑی آرزو اور انتہائی مقصد کہہ سکتے ہین۔

ابھی سوال حل نہین ہوا | لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تمام باتون کو ماننے کے باوجود اور اہل وحدت شہود اور دیگر مذہبی رہنماؤن کی کوششون کو جو وہ بدی کی وجہ تلاش کرنے مین بجا لاتے ہین قابل شکر گذاری تسلیم کرنے کے بعد اصلی سوال کو دیکھا جاتا ہے تو وہ یہ تھا کہ دنیا مین بدی کیون ہے؟ اور اس سے پہلے مان لیا گیا ہے کہ دُنیا کو خدا نے پیدا کیا ہے اس لیے سوال کی حقیقت یہ ہوئی کہ خدا نے بدی کو کیون ظاہر کیا اور اس کے جواب مین جب بدی کو مادّہ کی صفت قرار دیکر یا اسکی صلبیت عدم ٹھیرا کر اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ اس کے خلاف ہونا ممکن نہ تھا تو گویا یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ خدا بھی اس کے خلاف کر نہین سکتا حالانکہ اسکو ثابت کرنا دشوار ہے۔ کیونکہ بیشک ہم کسی چیز کی فطرت کو بدل نہین سکتے اور اس سبب سے ہم اگر مادہ سے کوئی چیز بنائین تو اوس مین ضرور مادہ کی فطری صفات جلوہ گر ہونگی مگر یہ اسی سبب سے ہے کہ ہماری قدرت محدود ہے اور ہم اپنی ضرورتون کے لیے مجبور ہین کہ جو شکل ممکن ہو اسی پر قناعت کرین اور مادہ کی فطری صفات سے اگر کچھ نقصان بھی پہونچے تو اس پر صبر کرین اور اسکے برخلاف خدا کو غیر محدود اور سب ضرورتون سے پاک مانا جاتا ہے اس لیے اس کے فعل کو اپنے فعل پر قیاس کرنا غلط ہے اور اس سبب سے خواہ مادہ قدیم سے موجود ہو مگر سوال باقی رہتا ہے کہ اگر خدا بدی کو ظاہر کرنا نہ چاہتا تھا تو اس نے کیون ایسی صورت پیدا کی جس سے بدی جو مادہ کی سادہ شکل مین نمایان نہ تھی ظہور مین آئی۔ اور اسی طرح بیشک ہم ایک ضد کو دوسری ضد کی طرف بتدریج آتے دیکھتے ہین اور بیشک ہماری عقل اس کے سوا کوئی صورت خیال مین نہین لا سکتی مگر یہ اسی سبب سے کہ نیچر مین یہ عام قانون

ہے اور ہماری عقل اُس دستور کے سوا جو نیچر میں نظر آئے اور کوئی تدبیر ایجاد نہیں کرسکتی لیکن جب خدا غیر محدود قدرت اور علم رکھتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ خواہ دنیا عدم سے وجود میں آئی ہو اگر وہ بدی کو نابود کرنا چاہتا تھا تو ایسا سلسلہ کیوں جاری کیا جسمیں کسی نہ کسی شکل سے اسکا ظہور رہتا ہے اور ان دونوں احتمالوں میں یہ کہنا کہ خدا اسکے سوا کچھ نہیں کرسکتا تھا اُسکی قوت کو محدود قرار دینا ہے اور بیشک مسٹر مِل کا قول صحیح ہے کہ [1]

"خدا کی طرف محض نیکی کو منسوب کرنے والے مجھے یقین ہے کہ اوسکو قادر مطلق نہیں جانتے اور ہمیشہ اُس کی نیکی کو بچانے کے لیے اسکی طاقت کو نادان بناتے ہیں اور شاید وہ یقین کرتے ہیں کہ خدا اگر چاہتا تو اگر رستہ سے ہر ایک کانٹا دور کر دیتا مگر کسی اور کو کوئی بڑا نقصان پہونچانے کے بغیر یا عام بھلائی کے کسی عظیم الشان مدعا کو فسخ کرنے کے بغیر نہیں ہوسکتا تھا غرض وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ ہر ایک کام کرسکتا ہے مگر سب کام نہیں کرسکتا ......"

غرض دنیا کی پیدایش خواہ قدیم مادہ سے ہو یا عدم سے اگر لامحدود خدا کا تعلق اس کے ساتھ ہو تو کسی نہ کسی طور پر نیکی اور بدی دونوں کا خدا کی طرف سے ہونا ایسا مسئلہ ہے جسکی تردید نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر خدا بہ اُنکی بدی کو نمایاں کرنے پر رضامند نہ ہوتا تو وہ کرسکتا تھا کہ یا دنیا کو کسی اور شکل سے پیدا کرے یا کم از کم اُسکو وجود کی نعمت ہی نہ دے تا برائی کا ظہور نہ ہو اور جب اس لامحدود خدا نے اسے پیدا کیا ہے تو ضرور ہے کہ جو نیکی اور بدی اس پیدائش میں ظاہر ہونے کو ہے وہ اس پر رضامند ہو اور اس لیئے نیکی اور بدی کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ وہ اسی کے پیدا کرنے سے ظاہر ہوئی اور اسی کی جانب سے ہے اور دوسری طرف جیسا کہ اہل وحدت شہود نے ثابت کیا ہے بدی عدم ہے اور جس چیز میں جس قدر عدم کا ظہور ہے اسی قدر بدی کی کثرت ہے اس لیئے یہ بھی صحیح ہے کہ نیکی یعنی وجود خدا کی طرف سے ہے اور بدی یعنی عدم ہماری اپنی حقیقت میں داخل ہے چنانچہ انہی دونوں حیثیتوں کے موافق قرآن میں ہے

وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا

اگر منکرین کو بھلائی پہونچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور کوئی برائی پہونچتی ہے تو کہتے ہیں یہ اے پیغ

[1] ایسے صفحہ نمبر ۲۹۴ سنہ ۱۸۷۴ء

هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ
فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ
حَدِيْثًا ۝ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ
اللّٰهِ ؗ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ
وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
شَهِيْدًا ۝ (نساء پارہ ۵ ع ۱۱)

یہ تمہاری نحوست ہے۔ انہین کہدو کہ بھلائی برائی سب خدا
کی طرف سے ہے مگر ان لوگون کو کیا ہوا کہ یہ بات سمجھنے کے
قریب بھی نہین پھٹکتے (اور حقیقت کو دیکھو تو) جو تمکو بھلائی پہنچتی
ہے یہ خدا کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے یہ تمہاری اپنی
اصلیت کی وجہ سے ہے اور تمکو تو ہمنے (محض) رسول بنا کر بھیجا ہے
(پھر تمہاری نحوست کیسی) اور یہ کافی ہے کہ خدا سب باتون پر حاضر ناظر ہے

”کیون“ کا جواب

اب یہ سوال کہ اس لامحدود خدا نے ایسا کیون کیا اور بدی کے ظہور پر رضامند کیون ہوا اس بارہ مین جہان تک امر واقع کو ظاہر کرنے کا تعلق تھا وہ وحدت شہود نے پورا کر دیا ہے مگر سوال کا جواب جیسے کہنا چاہیئے وہ نہ انکی طرف سے پیش ہوا ہے اور نہ کوئی اور مذہب دے سکا ہے اور مذہب کی جانب سے کیون کا جواب نہ ملنے اور بدی کے ظہور کی غائت معلوم نہ ہونے پر آیا مذہب کو ناقص اور قابل ترک سمجھنا چاہیئے یا یہ کہنا چاہیئے کہ یہ حقیقت انسان کی سمجھ سے باہر ہے اس لئے مذہب نے کوئی ہدایت نہین دی؟ اس غرض کے لیئے دیکھنا چاہیئے کہ بالعموم کیون کا جواب نہ ملنے اور کسی واقعہ کی علت معلوم نہ ہونے پر ہماری عقل کیا مسلک اختیار کیا کرتی ہے۔

واقعات عالم جنکی تحقیق و تلاش کی جاتی ہے تین قسم پر منقسم ہو سکتے ہین۔

(۱) کسی ایسی چیز کے صفات و افعال کی تحقیق کی جاتی ہے جس چیز کی ماہیت بھی ہمارے مشاہدہ اور تجربہ سے باہر ہے اور اسکے وہ صفات اور افعال بھی تجربہ مین نہین آسکتے۔

(۲) ایسی چیز کے صفات و افعال کی تلاش کی جاتی ہے جس چیز کی ماہیت تجربہ سے باہر ہے مگر وہ صفات و افعال تجربہ مین آسکتے ہین۔

(۳) ایسی چیز کی نسبت غور کیا جاتا ہے جس کی ماہیت بھی معلوم ہے اور اس کے افعال و صفات کا بھی تجربہ ہے۔

ایک موقع پر کیون کا جواب دینا ضروری تھا

ان مین سے پہلی قسم کی نسبت قاعدہ یہ ہے کہ پہلے ایک احتمال قایم کیا جاتا

ہے اور پھر اُس کے متعلق دکیون، کے لفظ سے جہان تک ممکن ہو سوال پیش کئے جاتے ہین۔ اب اگر تمام سوالون کا جواب اس احتمال کے مناسب مل جاتا ہے تو احتمال کو حسب حیثیت ظن غالب یا یقین کا درجہ حاصل ہوتا ہے لیکن جب کبھی کسی ایک موقع پر بھی 'کیون' کے جواب مین کوتاہی ہوتی ہے تو اس احتمال کو غلط مان کر اور احتمال قایم کیا جاتا ہے۔ اور پھر اُس کے متعلق 'کیون' کو معیار گردان کر تحقیق و تفتیش شروع کی جاتی ہے۔ غرض ایسے واقعات مین 'کیون' کا جواب نہ ملنے سے ضرور احتمال کو ترک کر دیا جاتا ہے مثلاً آفتاب کی ماہیت تجربہ مین نہین آسکتی اور اُس کے ٹھوس یا سیال یا بخار ہونیکا بھی تجربہ نہین ہوسکتا اس لیئے پہلا احتمال کیا گیا کہ وہ ٹھوس ہے اور پھر اُسکی اُس حرکت کو دیکھا گیا جو اپنے محور پر کرتا ہی تو معلوم ہوا کہ اُس کے عین درمیانی حصہ پر جسکو زمین کے قیاس پر خط معدل النہار کہنا چاہیئے اُس کی حرکت بہ نسبت دوسرے حصّون کے تیز معلوم ہوئی اور سوال پیدا ہوا کہ اس خط کی حرکت تیز کیون ہے اور چونکہ ٹھوس ہونیکی صورت مین تمام کرہ کو یکسان حرکت کرنی چاہیئے تھی اس لیئے اُس کیون کا جواب نہ ملنے پر اس احتمال کو غلط قرار دیا گیا اور آفتاب کو سیال فرض کیا گیا۔ اب سوال ہوا کہ اُسمین سے حرارت ایسی عظیم الشان مقدار پر کیونکر نکلتی ہے اور موجودہ سائنس سے جواب دیا گیا کہ حرارت قوت کی کسی شکل کو خرچ کرنے کے بغیر پیدا نہین ہوسکتی۔ پھر سوال ہوا کہ اگر آفتاب سیال ہے تو اتنی حرارت خرچ ہونے پر اُسکی قوت ختم کیون نہین ہوگئی اور چونکہ اس احتمال کے مطابق اسکا کوئی جواب نہ تھا اس لیے سیال ہونے کے احتمال کو بھی غلط قرار دیا گیا اور بخار کی قسم کا جسم فرض کیا گیا کیونکہ اس صورت مین مذکورۂ بالا 'کیون' کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ حرارت نکلتے رہنے کی وجہ سے وہ نہایت لطیف پھیلے ہوئے بخار کی حالت سے سکڑتا جاتا ہے اور آئندہ کے لیئے اور زیادہ کثیف ہوتا جائیگا اور اس طرح پر حرارت اُسمین سے آئندہ بہت بڑے عرصہ تک صرف ہوسکتی ہے چنانچہ اب تک یہ احتمال علمی دنیا مین ظن غالب کا حکم رکھتا ہے۔ مگر حال کے انکشافات مین ریڈیم ایک ایسی چیز دریافت ہوئی ہے جسکی حرارت بغیر طاقت کو خرچ کرنے کے نکلتی ہے اور اسکی وجہ سے کچھ سوال پیدا ہونے لگے ہین اور عجب نہین کہ کسی سوال پر اس احتمال کو بھی غلط ماننا پڑے اور آفتاب کی کوئی اور صورت تسلیم کیجائے۔

ف ۱ استشہاد ہی مصنفہ پروفیسر ہنیو کومر حصہ سوئم باب دوئم۔

اسی طرح زمین اور آفتاب کا باہمی تعلق جو تجربہ سے بالاتر تھا جب اسکی نسبت تلاش شروع ہوئی تو پہلے زمین کو ساکن اور آفتاب کو اوس کے گرد متحرک مانا گیا اور پھر سوال کیا گیا کہ رات دن کیون پیدا ہوتے ہین اور موسمین کیون بدلتی ہین اور آفتاب کبھی سمت الراس کے قریب اور کبھی دور کیون دکھائی دیتا ہے - ان سوالون کا جواب اس احتمال کے مطابق لگیا اور آفتاب کی یا آسمانون کی دو طرح کی حرکت ماننے سے یہ عقدے حل ہوگئے اس لیئے اس احتمال پر یقین کر لیا گیا اور جب تک کوئی اور 'کیون'، کا سوال پیدا نہوا اس خیال کو امر واقعی مانتے رہے مگر جب اور واقعات معلوم ہوئے تو پھر کیون کی آواز پیدا ہوئی - مثلاً سترھوین صدی مین جب مقام پیزا کے ٹیڑھے مینار سے جو سائنٹفک تجربون کے لئے بنایا گیا تھا ایک بھاری پتھر نیچے کو پھینکا گیا تو جس مقام سے وہ زمین کیطرف آیا تھا ٹھیک اوس کے عمودی خط پر زمین کے اوپر نہ گرا بلکہ کسی قدر مشرق کیجانب سے ہٹ کر گرا جس پر سوال ہوا کہ پتھر عمودی خط پر نہ آیا - اور چونکہ زمین کے ساکن ہونے پر اسکا کوئی جواب نہ تھا اس لیئے اس سوال کے پیدا ہونے پر کم از کم زمین کی محوری حرکت کو ماننا پڑا اور اس پتھر جیسے سوال کو حل کیا گیا کہ کرہ کے اجزا جس قدر اسکے مرکز سے دور ہون اسی قدر ان اجزا کی محوری حرکت تیز ہوتی ہے چنانچہ مینار بھی سطح زمین کی نسبت مرکز سے دور تھا اس لیئے اس کے اوپر رکھا ہوا پتھر سطح زمین کی اجزا سے تیز حرکت کر رہا تھا اور اسی لئے جب وہان سے گرا تو اپنے اصلی عمود پر آیا جو سطح زمین کی اجزا سے کسی قدر آگے یعنی مشرق کی جانب تھا - اور پھر جب معلوم ہوا کہ آفتاب زمین سے بڑا ہے اور نیز جب کشش ثقل کے قانون سے ثابت ہوا کہ چھوٹی چیز بڑی کے گرد حرکت کرتی ہے تو آفتاب کی حرکت کے متعلق کیون کا سوال پیدا ہوا اور اس طرح کے سوالون سے پہلا احتمال بالکل غلط ثابت ہوکر زمین کا آفتاب کے گرد گھومنا یقین کے قریب آگیا -

ایک اور موقع پر کیون کا جواب دیا نہین جا سکتا -

غرض اس سے اور اسی قسم کی ہزارون مثالون سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کوئی چیز اور اسکی کوئی صفت تجربہ کی گرفت سے باہر ہو تو اس کے متعلق کیون کا ہر ایک سوال حل کرنا پڑتا ہے اور نہین تو مفروضہ احتمال غلط ثابت ہوتا ہے مگر دوسری قسم یعنی ایسی چیز جسکی ماہیت تجربہ سے باہر ہے لیکن اسکی صفت مشاہدہ مین آسکتی ہے ایسی صورت مین پہلی صورت کے برعکس کبھی کیون

کا جواب نہین دیا جاسکتا اور صرف اس صفت کے تجربہ پر قناعت کی جاتی ہے مثلاً کشش ثقل ایک ایسی طاقت ہے جسکی ماہیت سمجھ سے باہر ہے ڈاکٹر ایچ آر مل[1] لکھتے ہین کہ

"نیوٹن کا یہ عام قانون قدرت ایسا ثابت ہے کہ شک کی وجہ گنجائش نہین لیکن کوئی نہین سمجھتا کہ وہ ہے کیا چیز"

اس لیئے تجربہ کی رو سے ہم یہ تو یقین کر لیتے ہین کہ دو جسمون کا درمیانی فاصلہ ایک چوتھائی کم ہو جانے پر کشش سولہ گنا زیادہ ہو جاتی ہے مگر اس سوال کا جواب نہین دے سکتے کہ فاصلہ کی کمی سے کشش کیون چوگنی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح مادہ ایسی چیز ہے کہ اسکی ماہیت سے ہم واقف نہین ہین اور مادہ ایک طرف اس کے اقسام یعنی عناصر کی ماہیت بھی دریافت نہین ہوئی اس لیئے تجربہ سے اتنا تو یقین ہے کہ بیسک آکسائڈ اور ایسڈ آکسایڈ کی آمیزش سے مختلف نمک پیدا ہوتے ہین یا ہیڈروجن اور آکسیجن کے اختلاط سے پانی بنتا ہے لیکن یہ سوال ناقابل حل ہے کہ ایسا ہونا کیون ہے۔ اسی طرح شعاع آفتاب کا زمین تک پہونچنا مجہول الکیفیت ہے اسلیئے تجربہ سے اتنا یقین تو ہے کہ شعاع آفتاب ایک سیکنڈ مین ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل قطع کرتی ہے مگر یہ کہ اسکی رفتار اس قدر کیون ہے؟ اس کا کوئی جواب نہین۔

ایک اور موقع پر خاص حد تک کیون کا جواب ہو سکتا ہے

ایسی بے شمار مثالون سے معلوم ہوتا ہے کہ مجہول الماہیت اشیاء کے ان صفات پر جن کا تجربہ ہو یقین کرنا پڑتا ہے مگر ایسا کیون ہے اور اس کے خلاف کوئی اور صورت کیون نہ ہوئی اس عقدہ کو حل نہین کر سکتے رہی تیسری قسم اسمین جہان تک کسی ماہیت کا علم ہے اسی حد تک کیون کا جواب بھی دیا جاسکتا ہے مثلاً ہیرے اور کوئلہ کی ماہیت کسی قدر معلوم ہے اس لیے جب سوال ہو کہ کوئلا ہیرا کیون بن جاتا ہے تو جواب دے سکتے ہین کہ ان دونون کی ماہیت کاربن ہے مع کسیقدر قوت کے۔ اس لئے قوت کو گھٹا بڑھا کر ایک کو دوسرے مین بدل سکتے ہین۔ غرض یہان تک ماہیت معلوم تھی اور یہین تک کیون کا جواب چل سکا۔ آگے نہ کاربن کو جانتے ہین اور نہ کاربن کے ہیرا بننے کی وجہ بتا سکتے ہین۔ اسی طرح روشنی کی

[1] کتاب ریلم آف نیچر باب دوئم۔

ماہیت ایک حد تک معلوم تھی کہ چند رنگون سے مرکب ہے اس لیے جب سوال ہوا کہ چیزون کے رنگ کیون نظر آتے ہین تو کہا گیا کہ جب روشنی کی لہر کسی چیز پر پڑتی ہے تو اُس کے رنگون مین سے کچھ اوس چیز مین جذب ہو جاتے ہین اور کچھ ٹکّر کھا کر واپس آتے ہین پس جو رنگ اس طرح واپس آکر نظر تک پہونچتا ہے وہی اُس چیز کا رنگ سمجھا جاتا ہے یہان بھی کیون کا جواب اسی حد تک آکر ٹھیر گیا جس حد تک روشنی کی ماہیت معلوم تھی اور رنگون سے آگے چونکہ ہمارا علم نہ گیا تھا اِس لیے جواب مین بھی کچھ اور جولانی نہ دکھا سکے اور بعض رنگون کے جذب ہونے اور بعض کے نہ ہونے کی یا سیاہ چیز مین تمام رنگون کے جاذب ہو جانے کی وجہ نہ بتا سکے کیونکہ رنگون کی ماہیت معلوم نہین ۔

خیر و شر کی وجہ نہ معلوم ہونے سے وجود باری کا یقین زائل نہین ہوتا

اس تمام مضمون کو پیش نظر رکھ کر غور کرنا چاہئیے کہ خدا کی ذات اور خدا کی صفات یعنی علم قدرت ارادہ وغیرہ کی ماہیت نامعلوم تھی اور اس قدر تجربہ تھا کہ پیدا کرنے والی طاقت کوئی بھی ہو مخلوق مین نیکی اور بدی دونو موجود ہین اس لیئے جب نامعلوم ذات اور نامعلوم صفات کی نسبت غور کرنا شروع کیا تو احتمال قائم کئے گیئے اور ہر احتمال پر کیون کا سوال پیش کیا گیا اور جواب نہ ملنے پر یکے بعد دیگرے احتمالون کو غلط مانتے ہوئے اس خیال تک پہونچے کہ ایک خدا ہمیشہ سے موجود ہے اور اس نے اس کائنات کو نیست سے ہست کیا ہے اور ہمنے دیکھا کہ اس احتمال پر جس قدر سوال اُن صفات کی نسبت پیدا ہوئے جو تجربہ سے باہر تھین اُنکا جواب اس احتمال کے مطابق ملگیا پس جس طرح آفتاب کی جسمانی حالت اور زمین اور آفتاب کے تعلق وغیرہ کی نسبت مختلف سوالات کا جواب ملجانے پر ایک ایک احتمال کو ترجیح دی گئی ہے اسی طرح خدا کی نسبت اس آخری احتمال پر عقل کو تسکین ملی ۔ مگر جس طرح زمین اور روشنی وغیرہ کے پیمانہ رفتار اور کشش ثقل کی مقدار ترقی وغیرہ ایسی صفات کے متعلق جن کا تجربہ ہو سکتا ہے کیون کا جواب نہین دیا جا سکتا اور وجہ بتائی نہین جا سکتی اسی طرح خدا کے طریق پیدائش کے متعلق جس مین نیکی اور بدی دونو شامل ہین اور روزمرّہ انسان مشاہدہ کرتا ہے کیون کا جواب دیا نہین جا سکتا ۔ اور جیسے

وہان یہی جواب تھا کہ رفتار اور کشش کا یہی قانون دیکھا گیا ہے اِسی طرح یہان جواب ہوگا کہ پیدائش کا طریق یہی نظر آتا ہے اور جیسے وہان جواب نہ ملنے سے زمین وغیرہ کی حرکت اور کشش ثقل کے وجود سے انکار کرنا جہالت ہو اسی طرح یہان بدی کی وجہ نہ معلوم ہونے پر خدا کے وجود سے انکار کرنا نادانی ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس جیسے علوم دنیوی مین ہمارا یہی فرض ہے کہ قوانین قدرت کو دریافت کرین اور ان سے اپنی دنیوی اغراض مین فائدہ اُٹھائین اِسی طرح یہان بھی ہمارا اسی قدر فرض ہے کہ نیکی اور بدی کے ظہور وغیرہ کے متعلق جو صداقتین ہون اُنکا علم حاصل کرین اور اُن سے روحانی اغراض مین مدد لین اور پھر جس طرح وہان پہلے مختلف قوانین قدرت کا علم حاصل کیا جاتا ہے اور پھر اُن سے کام لینے کے عملی طریقے دریافت کئے جاتے ہین اور یون سائنس اور سائنس سے صنعت پیدا ہوتی ہو اسی طرح یہان نیکی اور بدی کے متعلق صداقتون کو سمجھا جاتا ہے اور پھر اُن کے مطابق روحانی ترقیون کے رستے تیار کئے جاتے ہین اور یون عقاید اور عقاید سے اعمال پیدا ہوتے ہین۔ اس لیے اقرار خدا کے بعد مذہب کا سب سے بڑا کام نیکی اور بدی کے متعلق قوانین کی تعلیم دینا ہے[۱] چنانچہ چند اصولی صداقتین جن سے خدا کو موجود ماننا انکار نہین ہوسکتا تفصیل ذیل ہین

سب کچھ مشیت ربانی سے ہوتا ہے

اول خدا غیر محدود ہو اُسکی صفات غیر محدود ہین اس لیئے ضرور ہو کہ اوس نے اس کائنات کے موجودہ قوانین اپنی مرضی سے مقرر کئے ہین کیونکہ اگر مرضی سے نہ ہون تو لازم آتا ہے کہ وہ مجبور ہو اور غیر محدود قدرت نہ رکھتا ہو اور جب قوانین اُس نے اپنی مرضی سے مقرر کئے ہین تو ضرور ہے کہ اگر اوسکی مرضی اسکے خلاف ہوتی تو کوئی اور طرح کے قوانین جاری ہوتے۔ اور اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر وہ چاہتا تو دنیا مین محض وہی چیزین اور وہی اسباب ہوتے جو مخلوق کو فائدہ پہونچائین اور نقصان پہونچانے والی کوئی چیز نہ ہوتی۔ پس تمام انسان بھی فائدہ پہنچانے

۱ قرآن مین اس مسئلہ کے متعلق جسکو تقدیر کہتے ہین اس قدر اہتمام ہو کہ غالبًا اس کے بہت کم صفحے ایسے نکلینگے جن مین اسکے مختلف پہلوؤن مین سے کسی نہ کسی کے متعلق مذکور نہ ہو اور غالبًا قرآن مین بھی ایک مسئلہ ہو جسکو سب سے زیادہ دشوار سمجھا جاتا ہو حالانکہ واقعات عالم کی شہادت اور قوانین قدرت کے مطالعہ سے جس قدر اس مسئلہ کی صحت معلوم ہوتی ہو شاید ہی کسی اور مسئلہ کی ہو۔

والے ہوتے اور مضرت کسی سے ظاہر نہ ہوتی جبکو دوسرے لفظون مین یون کہ سکتے ہین کہ سب نیک اور ہدایت یافتہ ہوتے اور بدی اور بدی کیطرف جانیکا نشان نہ ہوتا۔ غرض لامحدود قدرت مانکر اس نتیجہ تک ضرور پہونچنا پڑتا ہے اور یہی کامل مذہب کی تعلیم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (بقرہ پارہ ۳ ع ۳۳)

اگر خدا چاہتا تو جو لوگ ان کے بعد ہین دلایل کو دیکھنے کے بعد جھگڑا اور لڑائی نہ کرتے۔ لیکن انہون نے اختلاف کیا اور بعض مومن ہو گئے اور بعض کافر اور اگر خدا چاہتا تو وہ دنگا نہ کرتے۔ لیکن خدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

فَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ (انعام پارہ ۷ ع ۱۰)

اگر خدا چاہتا تو اُن سب کو ہدایت پر متفق کر دیتا پس تم نادانی کا خیال نہ کرو۔

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (انعام پارہ ۸ ع ۱۸)

کہدو کہ پوری حجت خدا کے پاس ہے پس اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیتا۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (یونس پارہ ۱۱ ع ۱۰)

اگر تمھارا پروردگار چاہتا تو جو زمین پر ہین سب کے سب ایمان لے آتے۔ پس کیا تم لوگون کو مجبور کروگے کہ وہ ایمان لائین۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (ہود پارہ ۱۲ ع ۱۰)

اگر تیرا پروردگار چاہتا تو لوگون کو ایک امت بنا دیتا اور یہ لوگ ہمیشہ مختلف رہین گے مگر جن پر خدا کی مہربانی ہو۔ اور اُن کو اسی لیے پیدا کیا ہے۔

اَفَلَمْ يَيْاَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ لَّوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا (رعد پارہ ۱۳ ع ۱۴)

پس کیا ایماندار دانستہ نا امید نہین ہوتے اس سے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگون کو ہدایت دیتا۔

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (نحل پارہ ۱۴ ع ۱۳)

اور اگر خدا چاہتا تو تم کو ایک امت بنا دیتا۔

وَلَوْشِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ ھُدٰھَا (سجدہ پارہ ۲۱ ع ۲)	اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دیتے
وَلَوْشَاءَ اللّٰہُ لَجَعَلَھُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ط (شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۱)	اور اگر خدا چاہتا تو اُن کو ایک اُمت بنا دیتا۔

خدا نے نیک اور بد دونوں رستے بنائے ہیں۔

دوئم۔ بجائے اس کے کہ محض ایک رستہ نیک افعال اور نیک نتائج کا پیدا کیا جاتا دُنیا میں دونوں طریق مقرر کئے گئے ہیں چنانچہ نیک رستہ پر چلنے والا نیک نتائج تک پہنچتا ہے اور برائی کو اختیار کرنے والا بد انجام حاصل کرتا ہے ارشاد ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (انعام پارہ ۷ ع ۷)	تعریف اُس خدا کی ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور تاریکی اور روشنی کو بنایا۔
ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ ط (تغابن پارہ ۲۸ ع ۱)	وہ ذات ہے جس نے تمکو پیدا کیا کہ بعض تم میں سے کافر اور بعض مومن۔
اِنَّا ھَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا ط (دہر پارہ ۲۹ ع ۲)	ہم نے اسے رستہ دکھایا ہے پس خواہ وہ شکر گذار بنے یا ناشکر۔
اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ وَلِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِ وَھَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ط (البلد پارہ ۳۰ ع ۱)	کیا ہم نے اُسکو دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو لب نہیں دیئے اور کیا اس کو دو نو رستے نہیں دکھائے۔
وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰھَا فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا ط (والشمس پارہ ۳۰ ع ۱)	قسم ہے روح کی اور اُسکی جس نے اسے بنایا اور اس میں بھلائی اور برائی کا خیال ڈالا۔

اسی میں حکمت ہے

سوئم۔ جس طرح اسکی قدرت غیر محدود ہے اسی طرح اسکی حکمت بھی غیر محدود ہے اور انسان کی عقل نہیں سمجھ سکتی کہ اس طرح کے انتظام میں کیا کچھ حکمت اور بہتری ہے مگر انسان کو اپنی حالت کے موافق اس قدر خیال کرنا ضرور ہے کہ جو فائدہ اس انتظام پر مرتب ہو وہ اور کسی نظام پر

جو انسانی عقل میں آ سکے مرتب نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر دنیا میں بالکل بدی نہ ہوتی تو بدی پر غالب آنے
اور بدخواہشوں کو روک کر نیکی کی جانب رجوع کرنے کی بھی ضرورت نہ ہوتی اور اس لیے ایسی مخلوق
نیکی پر کاربند ہوتی تو محض اسی وجہ سے کہ نیکی کے سوا اس کو کوئی فعل کرنیکا موقع نہ ہوتا اور اس لئے
ایسی مخلوق صلہ و انعام کی مستحق بھی نہ ہوتی۔ اور اسی طرح اگر نیکی اور بدی دونوں ہوتیں مگر بدی کا نتیجہ
بُرا نہ ہوا کرتا تو پھر بھی بدی اور نیکی میں کچھ تفاوت نہ ہوتا اور کمال عدل کے بالکل منافی ہوتا کہ نیک
اور بد کو یکسان انعام دیا جائے۔ پس یہی صورت موزون ہے کہ نیک اور بد دونوں راہ بنائی جائیں
اور ہر ایک پر اس کے مناسب حال نتیجہ مرتب کیا جائے تا ہر شخص اس امتحان میں جس قدر نمبر پائے
اُسی کے موافق اعزاز حاصل کرے اور خدا جس شخص کو جس رتبہ کے لائق دیکھے وہی درجہ عطا کرے
چنانچہ یہی سمجھایا گیا ہے :۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ
(آل عمران پارہ ۴ ع ۱۴)

کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ خدا کے نزدیک نہ ثابت ہوا ہوگا کہ کون تم میں سے کوشش کرنے والا ہے اور کون صبر کرنیوالا ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ
(انعام پارہ ۸ ع ۱۵)

کیا وہ شخص جو مُردہ ہو اور ہمنے اُسے زندہ کیا ہو اور اس کو نور دیا ہو جس سے وہ لوگوں کے بیچ میں راہ نکالے اُس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیرے میں ہو اور اس سے نکل نہ سکتا ہو۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ
(انفال پارہ ۱۰ ع ۱)

(یہ اس لیئے ہوا ہے) تا ہلاک ہو جو ہلاک ہوتا ہے۔ دلیل سے اور زندہ رہے جو زندہ رہتا ہے دلیل سے

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ

کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ صرف آمنا کہنے پر چھوڑ دئے جائینگے کہ ہم ایمان لائے۔ اور ان کو فتنہ میں نہ ڈالا جائیگا

مِن قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِيْنَ ۔ (عنکبوت پارہ ۲۰ ع ۱)

حالانکہ ہمنے فتنہ مین ڈالاہے ان سے پہلے لوگون کو تاخدا کے سامنے ثابت ہوجائے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۗ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۗ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۖ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۔ (ص پارہ ۲۳ ع ۳)

ہمنے آسمان زمین اور انکے درمیانی مخلوق کو بے وجہ پیدا نہین کیا۔ یہ کفار کا گمان ہے۔ پس افسوس ہے کہ وہ عذاب مین ڈالے جائینگے۔ کیاہم ایمان لانیوالون اور نیک عمل کرنیوالون کو ملک مین فساد کرنے والون کے برابر کردین اور کیا پرہیزگارون کو بدکارون کے مساوی سمجھین۔

خدانے ہر کیفیت مین ترقی کی قابلیت رکھی ہے۔

چہارم۔ نیک اور بد یا مفید اور مضر حالات کو موجود پانے کے بعد دیکھا جاتاہے کہ ان دونون کیفیتون مین ترقی کی قابلیت بھی ودیعت ہے اور قاعدہ مقرر کیاگیاہے کہ جس چیز کیطرف توجہ ہو اسکی مہارت نامعلوم طور پر بڑھتی جاتی ہے مثلاً اگر کوئی جاہل علم کی طرف توجہ کرتاہے یا کوئی نادان کوئی ہنر سیکھنے لگتاہے تو پہلے موجودہ حالت کو بدلنا ایک کوہ گران معلوم ہوتاہے مگر توجہ اور شوق پیدا ہونے پر گو ابھی اس کام کو ہاتھ نہ لگایا ہو وہ پہلی سی دشواری اور دقت کم محسوس ہونے لگتی ہے اور جب وہ ابتدائی سبق حاصل کرنے لگتاہے تو اگرچہ اسکو نمایان طور پر محسوس نہین ہوتا مگر دشواری کا پردہ اٹھنا شروع ہوجاتاہے اور فن حاصل کرنے کی قابلیت زیادہ ہونے لگتی ہے اور اس طرح ہر قدم پر وہ اپنے مدعا کے قریب آتا جاتاہے۔ اور ادھر اسی طرح کوئی شخص کسی فن یا کام مین رات دن مشغول رہتاہے اور کسی وقت اس شغل کو نہین چھوڑتا تو معلوم ہوتاہے کہ اسکے لئے اپنی اس عادت سے دست بردار ہونا نہایت ہی دشوار ہے لیکن جب کسی وجہ سے ایک دفعہ اس کام مین سستی کرتاہے اور ایک لحظہ کے لئے غافل ہوجاتاہے تو یہ ایک لحظہ کی غفلت عادت کو چھوڑنے کی دشواری مین تخفیف کردیتی ہے اور اگر اب کسی سخت ضرورت کے سبب اس نے تھوڑی سی غفلت کی تھی تو آیندہ اس سے کم ضرورت پڑنے پر زیادہ دیر تک بیکار رہنے

پر مائل ہوجاتا ہے اور اگر یہی رفتار جاری رہی تو یہ کیفیت ہوجاتی ہے کہ بغیر ورزش بھی کام کو چھوڑنے لگتا ہے حتی کہ ایک وقت پر بالکل ناکارہ اور درماندہ ہوجاتا ہے اور یہ کیفیت صرف انسانون سے مخصوص نہین بلکہ دنیا کی ہر چیز اپنی حالت بدلنے پر اسی طرح اس انقلاب کیلئے پہلے سے زیادہ مستعد ہوتی جاتی ہے جنگلی درخت کو باغبانی کے قاعدون پر یا وحشی جانور کو تربیت کے اصول پہ پرورش پانے کا موقع ملے تو جتنی قوت انقلاب کے پہلے درجون مین صرف کرنی پڑتی ہے آئندہ اُس سے کم قوت مین بادہ انقلاب ظاہر ہونے لگتا ہے اور اُدھر پرورش کے قاعدون مین تساہل کرنے سے بڑے آراستہ درخت اور تربیت یافتہ جانور اپنی صحرائیت اور وحشت کیطرف لوٹتے ہوئے پوری بیڈول اور ناہموار ہوسکتے ہین - اب مذہبی حالت کو دیکھین تو ہمین بھی یہی قانون نظر آتا ہے - ایک رند واو باش کو جو ہر وقت سیہ کاری مین منہمک ہے خدا ترسی کیطرف آنا اور اپنی جسمانی لذتون کو نادیدہ روحانی ترقی کے لیئے چھوڑنا نہایت گران معلوم ہوتا ہے اور اسکی ایسی حالت کو بدلنے کے لیئے ایسی قوت کی ضرورت ہے جو بلا مبالغہ لوہے کو پانی کرنے کی قابلیت رکھتی ہو - مگر جب ایک دفعہ وہ کسی طرح خدا کی طرف تھوڑی سی توجہ بھی کرلیتا ہے تو آیندہ کیلئے اسکے دل کو نرم کرنا ذرا آسان ہوجاتا ہے اور پھر چھوٹی چھوٹی عبرتین اسکے دل کو زیادہ سے زیادہ مرعوب کرنے لگتی ہین حتے کہ ایک وقت پر اُس کا دل اس قدر منور ہوسکتا ہے کہ کسی عبرت و نصیحت کی ضرورت نہ رہے اور نہ صرف یہ کہ اس کا خود گمراہ ہونا محال ہو جائے بلکہ وہ دوسرون کے لیئے بھی روشنی کا مینار بن سکتا ہے - اور اسی طرح زاہد شب زندہ دار اور عابد خدا پرست کو اپنے اذکار و اشغال سے ایک لحظہ غافل ہونا موت سے بدتر معلوم ہوتا ہے لیکن کسی سبب سے ایک دم کیلئے عیش و آرام کیطرف مایل ہونے سے تاریکی سے بچانے والا نور کم ہونے لگتا ہے اور جو جسمانی لذت ایک لحظہ حاصل کی ہے اسکا اشتیاق پہلے سے دوچند ہوجاتا ہے اور اوسنے ترغیب پر اپنے فرائض مین کوتاہی اور مناہی مین انہماک کرنے لگتا ہے اور اگر اسی طرف چلا چلے تو آخر اُس کا دل تاریکی مین شب دیجور اور سختی مین سنگ خارا سے بڑھ جاتا ہے اور اُس وقت وہ دل رکھتا ہے مگر سمجھتا نہین - آنکھ رکھتا ہے مگر دیکھتا نہین اور کان رکھتا ہے مگر سنتا نہین گویا دل پر مہر ہوگئی ہے آنکھ پر پردہ پڑگیا ہے اور کانون مین ڈاٹ لگ گئے

ہین - غرض یہ عام قانون قدرت ہے اور جو دُنیا کا بنانے والا ہے اسی کیطرف سے جاری ہوا ہے چنانچہ انہی صورتون کیطرف اشارہ ہے جہان ارشاد ہے -

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۝ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ وَ عَلٰی سَمۡعِہِمۡ ؕ وَ عَلٰۤی اَبۡصَارِہِمۡ غِشَاوَۃٌ ۫ وَّ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ۝ (بقرہ پارہ ۱ ع ۲)

جو لوگ کافر ہین خواہ تم اُن کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہ لاوینگے - خدا نے (اپنے قانون کے موافق) اُنکے دل پر اور کانون پر مہر کردی ہے اور اُن کی آنکھون پر پردہ ہے اور اُن کے واسطے بڑا عذاب ہے -

فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَہُمُ اللّٰہُ مَرَضًا (بقرہ پارہ ۱ ع ۲)

اُن کے دل مین مرض ہے پس خدا نے (قانون ترقی سے) انکے مرض کو بڑھا دیا -

قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَکُمۡ ۙ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَہۡزِءُوۡنَ اَللّٰہُ یَسۡتَہۡزِئُ بِہِمۡ وَ یَمُدُّہُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ۝ (بقرہ پارہ ۱ ع ۲)

وہ کفار سے کہتے ہین کہ ہم تمہارے ساتھ ہین اور ہم مسلمانون سے ہنسی کرتے ہین مگر خدا انکی ہنسی کا بدلا دیتا ہے اور اس نے قاعدہ باندھا ہے کہ ایک سرکشی کے بعد سرکشی مین بڑھتے جاتے ہین کہ گمراہ ہو

بَلۡ لَّعَنَہُمُ اللّٰہُ بِکُفۡرِہِمۡ فَقَلِیۡلًا مَّا یُؤۡمِنُوۡنَ (بقرہ پارہ ۱ ع ۱۱)

خدا نے انکے کفر کے سبب اُن کو رحمت سے دور کر دیا ہے اب وہ ایسے دور ہو گئے ہین کہ کم ہی ایمان لائین گے -

وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ۝ (بقرہ پارہ ۳ ع ۳۵)

اور اللہ ظلم کرنیوالون کو ہدایت کیون دینے لگا تھا -

وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ (بقرہ پارہ ۳ ع ۳۶)

اور اللہ کفر کرنیوالون کو ہدایت کیون دینے لگا تھا -

فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَ یُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَکَ بِالۡعُرۡوَۃِ الۡوُثۡقٰی (بقرہ پارہ ۳ ع ۳۴)

پس جو شیطان کا کہنا نہ مانے اور خدا پر ایمان لائے اس نے ایک مضبوط رسی کو پکڑ لیا جس کے ذریعے اوپر کو چڑھتا جائیگا

کَیۡفَ یَہۡدِی اللّٰہُ قَوۡمًا کَفَرُوۡا بَعۡدَ اِیۡمَانِہِمۡ

خدا ان لوگون کو کس قاعدے سے ہدایت دے جو خود ہی کفر ہی کی

وَشَهِدُوْا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ط (آل عمران پارہ ۳ ع ۹)

طرف گئے ہین حالانکہ اس سے پہلے وہ ایماندار تھے رسول کو حق جانتے تھے اور نشان دیکھ چکے تھے اور اللہ ایسے ظالمون کو ہدایت کیون دینے لگا۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ - اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ط (آل عمران پارہ ۴ ع ۱۸)

کفار گمان نہ کرین کہ اُن کو گناہ کرنے پر جو مہلت ملتی ہے وہ ان کے لئے بہتر ہے اس مہلت کا تو ہمنے یہ اثر رکھا ہو کہ وہ گناہگاری مین ترقی کرین۔

وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ط (نسأ پارہ ۵ ع ۷)

خدا نے انکو ان کے کفر کے سبب اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے پس وہ کم ہی ایمان لائین گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ط (نساء پارہ ۵ ع ۲۰)

جو لوگ ایمان لائین پھر کافر ہون - پھر ایمان لائین پھر کافر ہون - پھر کفر مین ترقی کرین تو خدا اُن کو نہین بخشتا اور نہ انکو سیدھے رستہ کی ہدایت کرتا ہے

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ط (نساء پارہ ۶ ع ۲۲)

خدا نے ان کے کفر کے سبب دلون پر مہر لگا دی ہے پس اب کم ہی ایمان لائین گے

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ط (مائدہ پارہ ۶ ع ۳)

ان کے وعدہ توڑنے کے سبب سے ہمنے ان کو رحمت سے دور کیا ہے اور ان کے دلون کو سخت کر دیا ہے۔

فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ط (مائدہ پارہ ۶ ع ۳)

جو انکو نصیحت کی گئی ہے اُنہون نے اُسے بھلا دیا پس ہمنے اس کے نتیجہ مین قیامت تک کیلئے اُن مین عداوت اور بغض کی آگ بھڑکا دی۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا

اور اگر ان پر فرشتون کو اتارتے اور مُردے اُن پر باتین کرتے اور ہم ان کے سامنے سب چیزون کو مہیا کر دیتے

مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (انعام پارہ ۸ ع ۱۴)

تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر شاذونادر (یا) لیکن اگر
خدا چاہے تو ویسے بھی سب مومن ہو سکتے ہین۔

فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ
كَذَٰلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ
(اعراف پارہ ۹ ع ۱۳)

پس وہ ایمان نہ لائینگے اس سبب سے کہ انھون نے پہلے
ہی تکذیب کی ہے ہم اسی طرح کفار کے دل پر مہر لگا
دیتے ہین۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ
مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ
كَيْدِي مَتِينٌ ط
(اعراف پارہ ۹ ع ۲۳)

جو لوگ ہمارے نشانون کو جھٹلاتے ہین ہم انکو آہستہ
آہستہ برائی کیطرف کھینچتے ہین اس طرح کہ ان کو معلوم
بھی نہین اور ہم انکو مہلت دیتے ہین بیشک ہمارے
مخفی قانون مضبوط ہین۔

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ وَلَوْ
أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ط
(انفال پارہ ۹ ع ۳)

اور اگر خدا ان مین بھلائی پاتا تو ان کو نیک بات
سُننے کی توفیق دیتا اور اگر ویسے ہی انکو سُننے کی توفیق
دی جاتی تب بھی وہ کچھ توجہ نہ کرتے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ
وَقَلْبِهِ۔ (انفال پارہ ۹ ع ۳)

اور یہ جان لو کہ خدا (کا قانون) انسان مین اور اسکے
دل مین حائل ہو جاتا ہے (کہ برائی کے بعد نیکی کیطرف آنے نہین دیتا)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ
يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا (انفال پارہ ۹ ع ۱۷)

اے ایمان والو اگر تم خدا سے ڈرو گے (پرہیزگاری کروگے)
تو وہ تمکو حق و باطل کی تمیز عنایت کریگا۔

فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ
بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا
يَكْذِبُونَ ط (توبہ پارہ ۱۰ ع ۱۴)

خدا نے ان کے دل مین قیامت تک کے لیے نفاق ڈالدیا
یہ نتیجہ اسکا ہے کہ انھون نے خدا سے وعدہ خلافی کی
اور اسکا کہ انھون نے نار استی پر کمر باندھی۔

كَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ
فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (یونس پارہ ۱۱ ع ۴)

اسی طرح خدا کا کلمہ (اسکا قانون) ان لوگون پر نافذ ہوتا ہے
جو فسق و فجور کرتے ہین کہ ان مین ایمان کا نور نہین رہتا۔

فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِن قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ

(یونس پارہ ۱۱ ع ۸)

پس وہ لوگ ایمان نہ لائینگے اِس لئے کہ پہلے انھون نے تکذیب کی ہم اسی طرح حد سے تجاوز کرنیوالون کے دل پر مُہر کر دیتے ہین۔

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ

(یونس پارہ ۱۱ ع ۱۰)

جن کی نسبت خدا کا کلمہ (قانون) نافذ ہو چکا ہے وہ ایمان نہ لائین گے خواہ اُن کو نشان دکھائے جائین۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۗ (رعد پارہ ۱۳ ع ۲)

خدا کسی قوم کی حالت نہین بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدلین۔

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ۚ (رعد پارہ ۱۳ ع ۵)

بلکہ جو لوگ کافر ہین ان کے مکر و فریب کو ان کی نظرون مین خوبصورت بنا دیا گیا ہے اور وہ راہ راست سے ہٹا دئے گئے ہین۔

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ۚ (ابراہیم پارہ ۱۳ ع ۲)

خدا اُن لوگون کو جو ایمان لائین پکی بات پر قائم رکھتا ہے اس دنیا مین بھی اور آخرت مین بھی۔ اور خدا ظلم کرنیوالون کو اور گمراہ کرتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ ۚ (نحل پارہ ۱۴ ع ۱۳)

جو لوگ خدا کی نشانیون پر ایمان نہین لاتے خدا انکو ہدایت بھی نہین دیتا۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۚ

(نحل پارہ ۱۴ ع ۱۴)

یہ انجام بد اس لئے ہے کہ اُنھون نے دنیوی زیست کو آخرت پر ترجیح دی اور قاعدہ یہ ہے کہ خدا ظلم کرنیوالون کو نتیجہ مین ہدایت نہین دیتا۔ یہ وہ لوگ ہین جن کے دلون پر اور کان اور آنکھ پر خدا نے مہر کر دی ہے اور یہ غافل ہین۔

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ۝ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ

(بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۵)

اور جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور ان لوگوں کے مابین جو قیامت کو نہیں مانتے مخفی پردہ ڈال دیتے ہیں اور ہم ان کے دلوں کو سمجھنے سے روک دیتے ہیں اور ان کے کان میں میل بھر دیتے ہیں۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۚ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِن تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَن يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ۝ (کہف پارہ ۱۵ ع ۸)

اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس کو خدا کے نشان دکھائے گئے مگر اس نے اپنے اعمال کا کچھ خیال نہ رکھا ہم نے ایسے لوگوں کے دلوں کو سمجھنے سے روک دیا ہے اور ان کے کانوں میں میل بھر دی ہے اور اگر تم انکو ہدایت کیطرف بلاؤ گے تو وہ کبھی ہدایت نہ پائیں گے۔

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ

(مریم پارہ ۱۶ ع ۸)

اور خدا ہدایت یافتہ لوگوں میں ہدایت کو ترقی دیتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ۝ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ۝ (مریم پارہ ۱۶ ع ۷)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم بھیجتے ہیں شیطانوں کو کفار پر کہ وہ انکو بہکاتے ہیں پس تم ان کے لئے جلدی نہ کرو ہم ان کے اعمال کو گن رہے ہیں۔

كَذَٰلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۝ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ (شعراء پارہ ۱۹ ع ۱۱)

ہم اسیطرح بے ایمانی کو مجرموں کے دلوں میں داخل کئے جاتے ہیں وہ ایمان نہ لاوینگے حتی کہ دردناک عذاب کو دیکھیں

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ ۝ (نمل پارہ ۱۹ ع ۱)

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم ان کے اعمال کو انکی نظروں میں خوبصورت بنا دیتے ہیں وہ گمراہ ہو کے چلتے ہیں۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (عنکبوت پارہ ۲۱ ع ۷)

اور جو لوگ ہماری طرف آنیکی کوشش کرتے ہیں ہم انکو اپنے رستے دکھاتے ہیں اور بیشک خدا نکوکاروں کے ساتھ ہے۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوأَىٰ أَن كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ

(روم پارہ ۲۱ ع ۱)

پھر بدی کرنیوالوں کا انجام یہ ہوا کہ انہوں نے خدا کے نشانوں کی تکذیب کی اور اس سے استہزا کرنے لگے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ

(زمر پارہ ۲۳ ع ۱)

خدا اس شخص کو ہدایت کیطرف نہیں لاتا جو جھوٹا اور ناشکرا ہو۔

حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَن يَبْعَثَ اللَّهُ مِن بَعْدِهِ رَسُولًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۖ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ وَعِندَ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ

(مومن پارہ ۲۴ ع ۴)

حتیٰ کہ جب یوسف فوت ہوئے تو تم نے کہا کہ خدا ان کے بعد کوئی پیغمبر نہ بھیجے گا۔ خدا اسی طرح مسرف اور شکی مزاج والوں کو جو بغیر کسی دلیل کے خدا کے نشانوں سے مخالفت کرتے ہیں گمراہ کرتا ہے یہ خدا کے نزدیک اور ایمانداروں کے نزدیک نہایت ناخوشنودی کا باعث ہے۔ خدا اسیطرح بڑھتے بڑھتے متکبر اور سرکش لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے

قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ۖ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى

(حم سجدہ پارہ ۲۴ ع ۵)

کہدو کہ یہ قرآن ایمانداروں کے لیے ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں میں گرانی ہے اور قرآن ان کے لئے نابینائی کا سامان ہے۔

وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا

(شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۳)

جو نیک عمل کرتا ہے ہم اسکی نیکی کو ترقی دیتے ہیں۔

وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ

(زخرف پارہ ۲۵ ع ۴)

اور جو شخص مہربان خدا کے ذکر سے غفلت کرتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں جو اسکے ہمراہ رہتا ہے۔

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ

کیا تم دیکھتے ہو اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو خدا بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے کے خدا نے اسے گمراہ کیا ہے

وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ط

(جاثیہ پارہ ٢٥ ع ١٣)

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰىهُمْ ط (محمد پارہ ٢٦ ع ٢)

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۔ (محمد پارہ ٢٦ ع ٣)

فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ط

(صف پارہ ٢٨ ع ١)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ط (منافقون پارہ ٢٨ ع ١)

وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ (تغابن پارہ ٢٨ ع ١)

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۔۔۔۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ط

(طلاق پارہ ٢٨ ع ١)

اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے۔ پس خدا کے سوا اسے کون ہدایت دے کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے۔

اور جو ہدایت کیطرف آتے ہیں خدا ان کی ہدایت کو زیادہ کرتا ہے اور انکو تقوی کی توفیق بخشتا ہے۔

کیا تمکو امید ہے کہ تم با اختیار ہو تو ملک میں فساد پھیلاؤ گے اور قرابت داروں سے بدسلوکی کرو گے یہی لوگ ہیں جن کو خدا نے رحمت سے دور کر دیا ہے پس انکو بہرہ کر دیا ہے اور انکی آنکھوں کو نابینا بنا دیا ہے

پس جب وہ گمراہ ہوئے تو خدا نے اُن کے دلوں کو اور بھی گمراہ کر دیا اور (وجہ یہی ہے) کہ لوگ فسق و فجور کریں اور خدا اس پر ہدایت مرتب کرے ایسا نہیں ہو سکتا۔

یہ بدانجام اس لیے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے اس لئے انکے دلوں پر مہر کر دی گئی پس اب کچھ نہیں سمجھتے

جو شخص خدا پر ایمان لائے خدا اس کے دل میں نور ہدایت بھر دیتا ہے

جو شخص خدا سے ڈرے خدا اس کے لیے رستگاری کا رستہ بناتا ہے اور اسکو ایسی روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو ۔۔۔۔ اور جو شخص خدا سے ڈرتا ہے خدا اُسکے کام آسان کرتا ہے

جس کیفیت کے اسباب موجود ہوں اس کے خلاف نہیں ہو سکتا

پنجم جس طرح معلول کیلئے علت کا ہونا ضرور ہے اسی طرح علت موجود ہونے پر اُس کے معلول کا موجود ہونا بھی ضرور ہے اور ممکن نہیں کہ

علت معہ اپنے تمام شرائط اور لوازم کے پائی جائے اور اس پر اس کا نتیجہ مرتب نہ ہو۔ اس لیئے اگر کسی فعل کیطرف توجہ کرنیوالی تحریک مکمل طور پر موجود ہو تو ممکن نہین کہ توجہ پائی نہ جائے اور اگر توجہ جیسی چاہئیے موجود ہو اور توجہ کو روکنے والا کوئی سبب موجود نہ ہو تو ممکن نہین کہ وہ کام شروع نہ ہو اور پھر کام شروع ہونے پر ممکن نہین کہ اسکی واقفیت پیدا نہ ہو۔ اور اسی طرح یہ سلسلہ اگر اپنی تمام شرطون کے ساتھ جاری رہے تو ممکن نہین کہ وہ فعل انجام کو نہ پہونچے اور اگر وہ فعل ہدایت ہے تو ممکن نہین کہ اسکا نتیجہ ہدایت ہو۔ اور دنیا مین کوئی طاقت نہین جو علت و معلول کے اس سلسلہ کو توڑ سکے پس اس اصول کو گذشتہ اصول کے ساتھ ملا کر اور سلسلہ علیت کو علۃ العلل تک لیجا کر دیکھا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ جو شخص خدا کے مقرر کردہ قوانین اور اس کے جاری کیئے ہوئے سلسلہ مین ہدایت کیطرف گیا ہے ممکن نہین کہ کوئی اسکو گمراہ کرے اور جو انہی خدائی قوانین اور سلسلہ کے اندر ضلالت مین ڈوب رہا ہے ممکن نہین کہ کوئی طاقت اسی راہ راست پر لائے۔ غرض خدا کی طرف سے جاری کی ہوئی ہدایت اور ضلالت اٹل ہے۔ اس اصول کو علمی زبان مین یون کہہ سکتے ہین کہ نیچر نے جو اسباب پیدا کئے ہون انکے خلاف نہین ہو سکتا اور مذہب نیچر کو خدا کا پیدا کردہ سمجھ کر اور خدا کی طرف کا خیال ولانے کو ضروری جانکر یون کہتا ہے کہ خدا نے جو اسباب مہیا کئے ہون ان کے خلاف نہین ہو سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ
(آل عمران پارہ ۴ ع ۸)

اگر خدا تم کو مدد دے تو تم پر کوئی غالب نہین آسکتا اور اگر تم کو ناکام کرے تو اس کے بعد اور کون مدد دے سکتا ہے۔

وَمَنْ يَلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا
(نساء پارہ ۵ ع ۱۲)

جس پر خدا لعنت کرے تم اس کا مددگار کسیکو نہ پاؤگے۔

أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللّٰهُ وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا
(مائدہ پارہ ۵ ع ۱۰)

کیا تم ہدایت دینا چاہتے ہو اس کو جسے خدا نے گمراہ کیا ہے اور جس کو خدا گمراہ کرے تم اس کا مددگار کوئی نہ دیکھوگے۔

وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا (مائدہ پارہ ۶ ع ۱۱)

جس کو خدا فتنہ میں ڈالنا چاہے تو تم خدا کے مقابلہ میں اس کے لئے کسی امر کا اختیار نہیں رکھتے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ (اعراف پارہ ۹ ع ۲۳)

جسکو خدا گمراہ کرے اسکا کوئی ہادی نہیں

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ (یونس پارہ ۱۱ ع ۱۱)

اگر خدا تم کو کچھ زحمت پہونچائے تو اسکے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ بھلائی چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ (ہود پارہ ۱۲ ع ۳)

اگر میں تم کو نصیحت کرنا چاہوں تو میری نصیحت کچھ مفید نہ ہوگی اگر خدا تمکو گمراہ کرنا چاہتا ہو۔

وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ (رعد پارہ ۱۳ ع ۲)

جب خدا کسی قوم کو کچھ زحمت پہونچانا چاہے تو اسکی مزاحمت نہیں ہوسکتی۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (رعد پارہ ۱۳ ع ۵)

جسکو خدا گمراہ کرے اسکو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۱۱)

جس کو خدا ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسکو وہ گمراہ کرے اس کے لیے تم کوئی رفیق سوا خدا کے نہ پاؤ گے۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا (کہف پارہ ۱۵ ع ۲)

جس کو خدا ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کے لئے تم کوئی دوست ہدایت دینے والا نہ پاؤ گے۔

وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ (حج پارہ ۱۷ ع ۲)

جسکو خدا ذلت دے اوسکو کوئی عزت دینے والا نہیں

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (نور پارہ ۱۸ ع ۵)

جس کے لئے خدا نے نور نہ ودیعت کیا ہو اس کے لئے کوئی نور نہیں۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ	تم مُردون جیسے غافلون کو اپنی بات نہین سُنا سکتے اور بہرونکو جب وہ پیٹھ پھیر کر جارہے ہون لپکار کی آواز نہین سُنا سکتے۔
(نمل پارہ ۲۰ ع ۶)	
فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (روم پارہ ۲۱ ع ۴)	جس کو خدا نے گمراہ کیا ہے اوسکو کون ہدایت دے ایسے لوگون کے لیے کوئی مددگار نہین۔
وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ	تم اندھون کو انکی گمراہی سے نکال نہین سکتے۔
(روم پارہ ۲۱ ع ۵)	
مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (فاطر پارہ ۲۲ ع ۱)	جو رحمت کا دروازہ خدا نے لوگون کے لئے کھولا ہو اُسے کوئی بند نہین کرسکتا اور جو بند کردیا ہوا سے کوئی کھول نہین سکتا اور خدا غالب باحکمت ہے۔
اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۭ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ (زمر پارہ ۲۳ ع ۲)	کیا جس پر عذاب کا خط کھینچ دیا گیا ہو اسکو کوئی چھڑا سکتا ہے کیا تم اُسکو رہائی دے سکتے ہو جو آگ مین داخل ہوچکے۔
وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۔۔۔۔	جسکو خدا گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہین۔
وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ	۔۔۔۔ اور جس کو وہ ہدایت دے اسکے لیے کوئی گمراہ کرنیوالا نہین
(زمر پارہ ۲۴ ع ۴)	
وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ	اور جس کو خدا گمراہ کرے اس کا کوئی دوست سوا خدا کے نہین ہوسکتا۔
(شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۵)	

خدا نے سائیکی کو توجہ پیدا کرنیکا ایک سبب قرار دیا ہے

ششم۔ یہ دیکھنے کے بعد کہ توجہ پیدا ہونے پر ترقی کا رستہ کھل جاتا ہے یہ بھی یقیناً ثابت ہے کہ توجہ سے پہلے ایسی حالات کا ہونا ضرور ہے جن سے رغبت یا نفرت پیدا ہو اور رغبت یا نفرت سے توجہ کی حرکت شروع ہو۔ مثلاً انسان کو خوراک تلاش کرنے کیطرف توجہ اسی لیے ہوتی ہے کہ اعضائے اندرونی ضرورت پیش آنے پر تکلیف اور بے چینی ظاہر

کرتے ہین اور باہر اس تکلیف کو دور کرنے کا سامان مہیا نظر آتا ہے - اسی طرح کسی فن کیطرف توجہ اسی لیئے ہوتی ہے کہ اس فن کے فائدے گرد وپیش نظر کرنے پر محسوس ہوتے ہین اور اسکو حاصل کرنے سے اپنی بعض ضرورتین مہیا نہین ہوسکتین - غرض ہر ایک کام مین توجہ پیدا ہونیکا باعث اندرونی اور بیرونی حالات ہوتے ہین اور اگر یہ نہ ہون تو توجہ کا پیدا ہونا بھی ممکن نہین - اور منجملہ ان حالات کے انسان کے لئے کسی ایسی سوسائٹی کا ہونا جسمین کسی خاص کام یا فن کا چرچا ہو اس کام کیطرف متوجہ ہونے کا بہت بڑا سبب ہے اور مذہب کو دیکھا جائے تو اسکی طرف توجہ کرنے کے لیئے علاوہ فطری کشش کے بڑا باعث اکثر گرد وپیش کے خیالات اور سوسائٹی کا اثر ہوا کرتا ہے اس لیئے جیسی قدرت کیطرف سے مختلف فنون اور کاروبار کے لئے تحریک دینے والے اسباب کے علاوہ ترغیب وغیرہ والی سوسائٹیون کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے اسی طرح پر مذہبی ترقی کے لیئے عبرت انگیز واقعات عالم کے علاوہ مذہبی رہنماؤن کو پیدا کرنے اور ان کی وساطت سے مذہبی سوسائٹیان بنانے کا دستور قائم کیا گیا ہے اور چونکہ یہ سب قوانین قدرت ہین اسلیئے صاحب قدرت کیطرف منسوب ہین -

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا ط (آل عمران پارہ ۴ ع ۱۷)

خدا نے مومنین پر احسان کیا ہے کہ ان مین پیغمبر بھیجے -

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ط (نحل پارہ ۱۴ ع ۵)

ہمنے ہر قوم مین پیغمبر بھیجے ہین اس ہدایت کیلئے کہ خدا کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو -

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ط (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۲)

ہم عذاب نہین کیا کرتے جبتک رسول نہ بھیجین

وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ط (شعراء پارہ ۱۹ ع ۱۱)

اور نہین ہلاک کیا ہمنے کوئی گاؤن مگر اس وقت جبکہ اسمین نصیحت کیلئے ڈرانیوالے آچکے اور ہم ظالم نہین ہین -

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ

اور تیرا پروردگار بستیون کو ہلاک نہین کرتا مگر اسوقت تک

فِيْ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۔ (قصص پارہ ۲۰ ع ۶)

اُن کے صدر مقام مین کوئی رسول بھیج چکا ہو جو اُنکو ہمارے نشان سُنائے اور ہم بستیون کو نہین تباہ کرتے جبتک کہ وہ ظلم نہ کرین ۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۔ (زمر پارہ ۲۳ ع ۳)

خدا نے سب سے اچھی باتین یعنی ایک مربوط اور دہرائے جانے کے لائق کتاب اُتاری ہے جس سے اُن لوگون کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہین جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہین

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۔ (زمر پارہ ۲۴ ع ۴)

ہمنے تم پر سچی کتاب اُتاری ہے پس جو ہدایت پائے اُس کا اپنا فایدہ ہے اور جو گمراہ ہو اس کا اپنا ہی نقصان ہے ۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۔ (طور پارہ ۲۷ ع ۱)

اور جو لوگ ایمان لائین اور ان کی ذریت ایمان مین اُنکی پیروی کرے تو ہم اُنکی ذریت کو بھی ثواب مین اُن کے شریک کرتے ہین اور باینہمہ اُنکے اپنے اجر مین سے کچھ کم نہین کرتے ۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۔ (تکویر پارہ ۳۰ ع ۱)

یہ قرآن محض نصیحت ہے تمام جہان والون کیلئے یعنی اس شخص کے لئے جو راہ راست پر چلنا چاہے ۔

خدا نے سوسایٹی کو نیک اور بد دونو ترقیون کا باعث گردانا ہے

ہفتم جس طرح اندرونی اور بیرونی حالات علم و ہنر اور مذہب کی طرف توجہ کرنے کا سبب ہین اسی طرح یہی حالات گردوپیش کسی نیک کام سے توجہ کو پھیرنے اور بدی کیطرف راغب کرنیکا بھی باعث ہوتے ہین بلکہ اکثر اوقات ایک ہی واقعہ کی ظاہری لذت اور راحت بدی کی ترغیب دیتی ہے اور اسکے بد انجام کو دیکھنا بدی سے روکنے کا باعث ہوتا ہے اور اسی طرح اگر ایک وقت کسی ایک یا چند اشخاص کی کوشش اور اثر سے کوئی نیکی رواج پا جاتی ہے اور آیندہ نسلون کے لئے اسکی طرف توجہ کرنے کا باعث ہوتی ہے اور اس طرح نیک

سوسائٹی بن جاتی ہے تو کبھی کسی ایک یا چند اشخاص کی ترغیب و تحریص سے یا صرف نمونہ پیش کرنے سے کوئی بدی ظہور پکڑتی ہے اور پھیلتی ہوئی قوم میں سرایت کر جاتی ہے اور آئندہ نسلیں اس سے متاثر ہوکر تباہ ہوتی ہیں۔ غرض یہ بھی قانون قدرت ہے کہ ایک کی نیکی بہت کو فائدہ پہونچاتی ہے تو ایک کا گناہ ہزاروں کو تباہ کرتا ہے اور جس صاحب قدرت نے ایسے قانون جاری کئے ہیں ان کو اسکی طرف منسوب کرنے کے سوا چارہ نہیں اور چونکہ سچے مذہب کی یہ شان ہونی چاہئے کہ سچے واقعات پر پردہ نہ ڈالے اسلئے جہان رسولون کو بھیجنے کا اور انکی وجہ سے نیکی کو پھیلانے کا تذکرہ ہے اسکے ساتھ اس قانون کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے کہ جس قوم پر تباہی آنی ہوتی ہے اسکے عیش پسند افراد بدی اور گناہ میں منہمک ہوجاتے ہیں اور انکی دیکھا دیکھی تمام قوم تباہی کے بھنور میں گر جاتی ہے اور چونکہ یہ قانون قدرت ہے اس لئے اسکو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ارشاد ہوا ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝ وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۝

(بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۲)

ہم عذاب نہیں بھیجتے جبتک پیغمبرون کو نہ بھیج لیں اور جب ہم کسی گاؤن کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے دولتمندون کو حکم دیتے ہیں کہ وہ فسق و فجور کریں پس وہ عذاب کے مستحق ہوجاتے ہیں اور ہم انکو تباہ کر دیتے ہیں۔

اور اسی طرح جب بنی اسرائیل نے سامری کے بہکانے سے گوسالہ پرستی شروع کر دی اور اس ایک شخص کی برائی سے قوم پر تباہی آئی ہے تو حضرت موسے کی زبان سے دعا کے موقع پر کہا گیا ہے۔

فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ ۖ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا ۖ إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ

(اعراف پارہ ۹ ع ۱۹)

جب ان کو عذاب نے لیا تو موسیٰ نے کہا اے میرے پروردگار اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی تباہ کر دیتا۔ اب کیا تو ہمکو تباہ کریگا اس فعل کے سبب جو ہمارے جہلا نے کیا یہ سب تیری طرف سے ایک آزمائش ہے

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً (انفال پارہ ۹ ع ۱۹)

اور اس فتنہ سے ڈرو جو تم میں سے صرف ظلم کرنیوالوں کو ہی نہ پہونچیگا (بلکہ انکی پیروی کرنیوالے بھی مبتلا ہونگے)

ہدایت وضلالت خدا کی طرف سے ہے۔

ہشتم نیکی اور بدی کا وجود اور ان میں سے ہر ایک کی جانب توجہ کر دینے اسکا ترقی پذیر ہونا اور ترقی کی رفتار جاری رہنے پر ایسے نقطہ تک پہونچ جانا کہ اسکا بدلنا محال ہو جائے اور نیز توجہ پیدا ہونے کے لیے مختلف اندرونی اور بیرونی تحریکوں کا موجود ہونا ایسے واقعات ہیں جن کا انکار دنیا کو نظر بصیرت سے دیکھنے پر ممکن نہیں۔ اور اگر دنیا کو خدا نے پیدا کیا ہے تو اسکی طرف منسوب کر دینے مضر نہیں۔ اور یہ ایک طرف جب دنیا کو خدا نے پیدا کیا ہے تو جس پہلو سے دیکھا جائے نیکی اور بدی یا ہدایت اور ضلالت اسکی طرف سو ماننی پڑتی ہے مثلاً اگر وہ دنیا کو پیدا نہ کرتا تو ہدایت اور ضلالت کا وجود بھی نہ ہوتا اور اگر پیدا کرتا مگر انسان کو جسم سے پاک اور محض روحانی شکل میں رہنے دیتا تب بھی چونکہ یہاں کے تمام نتائج جسمانیت سے پیدا ہوتے ہیں اس لیئے وہ روحیں نہ ترقی کرسکتیں اور نہ تنزل۔ اور اگر جسم دیا جاتا مگر حیوانوں کی طرح اسکی دماغی حرکت اور قوت ارادہ کو نیچر کی نہایت سادہ ضروریات تک محدود رکھا جاتا تب بھی جس طرح ایک شیر اور دوسرے شیر میں اور ایک گھوڑے اور دوسرے گھوڑے میں ہدایت اور گمراہی کے لحاظ سے کوئی تفاوت نہیں اسیطرح ایک انسان اور دوسرے انسان میں کچھ تفاوت نہ ہوتا۔ اور اگر یہ سب کچھ دیا تھا تو اشیا کی گردش میں یہ لذت نہ رکھی جاتی جس سے بدی پیدا ہوتی ہے۔ یا ان کے برا افعال پر بد نتائج مرتب نہ ہوتے جن سے عبرت پکڑ کر نیکی ترقی کرتی ہے مگر یہ صورت بھی نہیں۔ اب خواہ یہ دنیا کئی قدیم اشیا سے مرکب ہو اور خواہ ایک ہی ہستی اپنے تئیں ان مظہروں میں جلوہ دے رہی ہو اور خواہ کسی قادر و قوی خدا نے اس سلسلہ کو پیدا کیا ہو ہر طرح پیچھے کیطرف جاتے ہوئے اس ہستی پر ٹھیرنا پڑتا ہے جس نے اس مشین کو سکون سے حرکت دی ہے پس اگر وہ بے شعور ہستی ہے تو کہیں گے کہ یہ سب کچھ اسکا قانون ہے اور اگر شعور کی صفت سے بھی متصف ہے تو کہنا ہو گا کہ ایسا نظام اس کا قانون ہی ہے اور ارادہ بھی ہے۔ اور جب مانا جائے کہ اوس نے اس سلسلہ کو اپنے ارادہ سے جاری کیا ہے تو تسلیم کرنا ہوگا

کہ تمام آئندہ نتائج جو اس سلسلہ کیلئے لازمی ہیں اُسکے ارادہ سے ظاہر ہوئے ہیں در حقیقت جس نتیجہ یا اس کے ارادہ سے انکار کیا جائے اسی جگہ اسکو بے اختیار اور مجبور ماننا پڑیگا اور جب یہ حال ہے تو کہنا ہوگا کہ وہی ہے جس نے اپنے ارادہ سے نیکی اور بدی کو ظاہر کیا اور وہی ہے جس نے اپنے ارادہ سے انسان کو پیدا کیا اور وہی ہے جس نے اپنے ارادہ سے انسان کو جسم اور جسمانی خواہشوں سے اور ارادہ اور عقل وغیرہ سے بہرہ ور کیا اور پھر وہی ہے جس نے اپنے ارادہ سے توجہ پیدا ہونے توجہ کرنے کو آئندہ ترقی کا باعث قرار دیا اور وہی ہے جس نے اپنے ارادہ سے توجہ پیدا ہونے کے لیے واقعات گرد و پیش کو سبب قرار دیا اور دنیا کی لذتوں کو کشش کے لائق اور بد نتائج کو عبرت انگیز بنایا۔ قصہ مختصر وہی ہے جس نے بعض کو ہدایت دینے کے لیئے اپنے ارادہ سے وہ سامان پیدا کیا جسکی طرف توجہ کرنے سے اُنکا دل نیکی کی ہوا کھانے کے لیے کنول کی طرح کھل جائے اور بعض کو گمراہ کرنے کے لیئے اپنے ارادہ سے وہ دشواریاں پیدا کیں جن میں مبتلا ہونے سے نیکی کیطرف آنا ایسا دشوار ہو جیسے سانپ کے سوراخ میں ہاتھ دینا۔ غرض وہی ہے جس نے جس کو چاہا ہدایت دی اور جسکو چاہا گمراہ کیا۔ پس واقعات عالم کو دیکھ کر اور اُنکی پیدائش ایک علیم و قدیر خدا کی طرف منسوب کر کے ہی صداقت ہے جس پر یقین کرنا پڑتا ہے اور یہی ہے جسکی کامل مذہب نے علی الاعلان منادی کی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۶)	اور اللہ جسے چاہتا ہے راہ راست کی ہدایت کرتا ہے۔
وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (بقرہ پارہ ۲ ع ۳۲)	اور اللہ اپنا ملک دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ صاحب وسعت اور صاحب علم ہے۔
يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۔ (بقرہ پا ۳ ع ۳۷)	وہ جسے چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت دی جائے اُسے بہت بڑی بھلائی دی گئی۔
قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ	تم کہو کہ یا اللہ اور اے ملک کے مالک تو جسے چاہتا

مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ
وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ
بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ (آل عمران پارہ ۳ ع ۱۱)

ملک دیتاہے اور جس سے چاہتاہے ملک چھین لیتا
ہے اور جسے چاہتاہے عزت دیتاہے اور جسے چاہتا
ہے ذلت دیتاہے بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے
اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ
(آل عمران پارہ ۳ ع ۱۲)

خدا جسے چاہتاہے بے حساب روزی دیتاہے

قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ
يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ
(آل عمران پارہ ۳ ع ۸)

تم کہو کہ فضل خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتاہے
دیتاہے اور اللہ صاحب وسعت اور صاحب علم ہے وہ جسے
چاہتاہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتاہے اور اللہ
بڑے فضل کا مالک ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ
يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ
(آل عمران پارہ ۴ ع ۱۳)

اور جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب کچھ خدا ہی کا
ہے وہ جسے چاہتاہے بخشتاہے اور جسے چاہتاہے
عذاب دیتاہے۔

قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ (آل عمران پارہ ۴ ع ۱۶)

تم کہدو کہ حکم سب خدا ہی کا ہے۔

فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ
لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ
صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا (انعام پارہ ۸ ع ۱۵)

پس جسکو خدا ہدایت دینی چاہتاہے اس کے دل کو اسلام
کیلئے کھول دیتاہے اور جسے گمراہ کرنا چاہتاہے اس کے
دل کو تنگ اور بند کر دیتاہے

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهٰذَا
وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ
(اعراف پارہ ۸ ع ۵)

اور انہوں نے کہا خدا کی تعریف ہے جس نے ہمکو ایمان کے
لیے ہدایت دی اور اگر خدا ہمکو ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت
نہ پا سکتے۔

قُلْ إِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي

تم کہدو کہ خدا جسے چاہتاہے گمراہ کرتاہے اور جسکو

اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ (رعد پارہ ۱۳ ع ۱۱)

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ (رعد پارہ ۱۳ ع ۱۲)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ط

(ابراہیم پارہ ۱۳ ع ۱)

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۶)

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ط (عنکبوت پارہ ۲۰ ع ۲)

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ط

(فاطر پارہ ۲۲ ع ۲)

اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ط (فاطر پارہ ۲۲ ع ۳)

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ط (شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۲)

وَاِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

طرف رجوع کرے اُسے ہدایت دیتا ہے۔

خدا جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے قایم رکھتا ہے

اور ہمنے تمام پیغمبر انکی اپنی قوم کی زبان میں بھیجے ہیں تا اُن کی سامنے بیان کر سکیں اور پھر خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ غالب باحکمت ہے۔

تمہارا پروردگار تمکو خوب جانتا ہے پس اگر وہ چاہے تمپر رحمت کرے یا چاہے تمکو عذاب دے۔

وہ عذاب دیتا ہے جسے چاہے اور رحم کرتا ہے جس پر چاہے۔ اور تم اسی کیطرف لوٹائے جاؤ گے

کیا وہ شخص جس کی نظروں میں اُسکے بداعمال کو زینت دیگئی ہے اور وہ انکو اچھا جانتا ہے (اسکے برابر خوب نیک و بد میں تمیز کرسکتا ہے؟) مگر بات یہ ہے کہ خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے پس تم ان کیلئے حسرت میں ہلکان نہو۔ خدا انکے اعمال سے واقف ہے

خدا جسے چاہتا ہے نیک بات سنا دیتا ہے اور تم قبر کے مُردوں جیسے غافلوں کو نہیں سنا سکتے۔

جس چیز کی طرف تم بلاتے ہو مشرکین کیلئے وہ بہت ناگوار ہے اللہ اپنی طرف بلاتا ہے جسے چاہتا ہے اور جو اسکی طرف رجوع کرے اُسے ہدایت دیتا ہے۔

اور بیشک فضل خدا کے ہاتھ میں ہے وہ دیتا ہے

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (حدید پارہ ۲۷ ع ۴) — جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ پارہ ۲۸ ع ۱) — یہ خدا کا فضل ہے وہ دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (مدثر پارہ ۲۹ ع ۱) — اسی طرح (یعنی منکرین ملائکہ کیطرح) خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور خدا کے لشکروں کو اسکے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى (لیل پارہ ۳۰ ع ۱) — بیشک ہماری طرف سے ہے ہدایت۔ اور ہمارے ہی اختیار میں ہے آخرت اور دنیا

خدا کے علم میں سب کچھ ہے

نہم۔ ایک کلاک بنانے والا اُسکے پرزوں کو جوڑکر پیشین گوئی کرسکتا ہے کہ سوئیاں فلان وقت پر فلان جگہ ہونگی اور فلان وقت پر اس قدر آواز نکلیگی اور اگر وہ اس کام کا پورا ماہر ہو تو ایسی پیشین گوئی درست نکلتی ہے۔ اسی طرح ایک کسان جو کاشتکاری کے کام میں ہوشیار ہو اپنی زمین میں دانہ ڈال کر بتا سکتا ہے کہ فلان وقت تک روئیدگی پیدا ہوگی اور فلان وقت پھل لائیگی اور جو روئیدگی کے اسباب اُسکے خیال میں ہیں اگر وہ مہیا رہیں تو اس کا تخمینہ غلط نہیں ہوتا۔ علی ہٰذا علم نباتات کا ماہر ایک طویل العمر درخت کی نسبت اور طبقات الارض کا ماہر ایک پہاڑی چٹان کی نسبت۔ تاریخ دان کسی سلطنت اور قوم کی نسبت۔ ہیئت دان کسوف وخسوف اور دمدار سیاروں اور شہابوں کی نسبت اِسلئے کہ وہ ان تمام امور کے سلسلہ اسباب و نتائج کو جانتا ہے آئندہ کے لیے بہت بڑے عرصہ تک کے حالات بیان کرسکتا ہے اور اگر اس کا علم صحیح ہو تو واقعات آئندہ میں غلطی نہیں نکلتی۔ پس جس ہستی نے اس تمام سلسلہ کائنات کو اپنے علم اور ارادہ سے شروع کیا ہے اور خود اُس کے ضوابط اور قوانین مقرر کئے ہیں ضرور ہے کہ کلاک بنانے والے اور کسوف وخسوف کا حساب لگانیوالے کی طرح اسکو بھی کائنات کی رفتار کا ہر ایک درجہ اور موجودات کا ہر ایک ذرہ بخوبی معلوم ہے اور جو چیز پیدا ہونے کو اور جو واقعہ پیش آنے کو ہے سب اسکی لوح علم پر

منقوش ہے اور جب گھڑی ساز اور ہیئت دان کی پیشین گوئی من وعن صحیح ہوسکتی ہے حالانکہ انہوں نے ان چیزوں کو پیدا نہیں کیا بلکہ آفرینش قدرت کے چند قوانین کا بیرونی علم حاصل کیا ہے تو جس مالک الملک نے تمام سلسلہ کو نیست سے ہست کیا ہے اسکے علم کے خلاف ہونا کیونکر ممکن ہے پس یہی تعلیم مذہب کی طرف سے ہونی چاہئے اور ایسا ہی فرمایا گیا ہے

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ (بقرہ پارہ ۲ ع ۳۰)

اور جان لو کہ خدا جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے پس اس سے ڈرو

قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ط (توبہ پارہ ۱۰ ع ۷)

تم کہو کہ ہمکو وہی ملیگا جو ہمارے رب نے لکھ دیا ہے وہ ہمارا مالک ہے اور اللہ پر بھروسہ کرنیوالوں کو بھروسہ کرنا چاہیئے۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ط (یونس پارہ ۱۱ ع ۱۱)

اور تم جس حالت میں ہو اور قرآن میں سے جس معاملہ کی نسبت پڑھ رہے ہو اور جو کچھ عمل کر رہے ہو ہم اس سے آگاہ ہوتے ہیں جب تم وہ عمل کر رہے ہو اور تمہارے پروردگار سے کوئی ذرہ زمین کا اور نہ آسمان کا مخفی نہیں اور نہ اس سے کوئی چھوٹی یا بڑی چیز ہے جو روشن کتاب میں نہ ہو

وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (ہود پارہ ۱۲ ع ۱)

اور وہ ان کے ٹھیرنے کی جگہ اور چھوڑنے کی جگہ جانتا ہے سب کچھ روشن کتاب میں موجود ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ (نجم پارہ ۲۷ ع ۲)

تمہارا پروردگار جانتا ہے جو اسکے رستہ سے گمراہ ہوا اور جس نے ہدایت پائی

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا

جو مصیبت زمین پر آتی ہے یا تمہارے اوپر آتی ہے وہ سب دنیا کو پیدا کرنے سے پہلے روشن کتاب میں درج ہے

إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (حدید پارہ ۲۷ ع ۲) — اور ایسا کام خدا کے لیے آسان ہے۔

مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (تغابن پارہ ۲۸ ع ۲) — جو مصیبت آتی ہے وہ خدا ہی کے حکم سے آتی ہے اور جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے خدا اسکے دل کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

خدا نے انسان کو قوت فیصلہ عطا کی ہے

دہم۔ جو اسباب انسان کو ہدایت یا گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں یعنی اُسکے اندر خواہشوں کا موجود ہونا اور باہر ایسے سامان کا مہیا ہونا جس کے اثر اور نتیجوں سے وہ نیک اور بد رستہ اختیار کرنے میں کامیاب ہوتا ہے ان امور کو دیکھنے کے بعد جب اس نوع کے اور خاصے دیکھے جاتے ہیں تو انسان اور دیگر تمام مخلوقات میں ایک بیّن فرق نظر آتا ہے۔ پتھر بالکل مجبوری کی حالت میں حوادث کے اثر برداشت کرتا ہے۔ نباتات اور حیوانات اپنے اپنے درجہ کے موافق کچھ کچھ حرکتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں مگر ان کے تمام افعال ایک خاص دائرہ میں محدود ہیں اور ایک نوع کے تمام افراد اپنے افعال میں متفق نظر آتے ہیں اگر شیر درندہ ہے تو ایک دو نہیں بلکہ تمام اسی صفت سے متصف ہیں اور گائے مسکینی اور فائدہ رسانی کی صفت رکھتی ہے تو یہ بھی سبھی میں پائی جاتی ہے مگر ان سب کے برخلاف انسان کی افراد اپنے افعال میں ایک دوسرے سے ہزاروں طرح کے اختلاف رکھتی ہیں اسلیے شیر کی درندگی اور گائے کی مسکینی کو انکی فطرت کا تقاضا کہہ سکتے ہیں مگر انسان کے مختلف افعال کو اسکی فطرت کی جانب منسوب نہیں کر سکتے بلکہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ سب اُسکی قوت فیصلہ سے صادر ہوتے ہیں یا یوں کہا جائے کہ دیگر تمام مخلوقات کے افعال انکی فطرت میں داخل ہیں اور انسان کی فطرت میں بجائے افعال کے قوت فیصلہ کو داخل کیا گیا ہے جس کو کام میں لاکر وہ جداگانہ راستے انتخاب کرتا ہے بیشک انسان سوسائٹی اور صحبت کا اثر قبول کرتا ہے اور ترغیب و تحریص سے آمادہ ہو جاتا ہے اور ایک دفعہ توجہ کرنے پر عادت کی زنجیر اسکو زیادہ سے زیادہ جکڑتی چلی جاتی ہے مگر اسمیں بھی شک نہیں کہ وہ جس کام کو شروع کرتا ہے اس میں پہلے اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہے اور ایک رستہ کو دوسرے پر ترجیح دیکر اختیار کرتا ہے پس یہی قوت فیصلہ اور انتخاب کی عادت جو اسکی فطرت میں داخل ہے خدا کی وہ امانت ہے جو آسمان و زمین

کے کسی اور مخلوق کو نہین دیگئی اور صرف انسان کے حصہ مین آئی ہے اور یہی وہ قوت فیصلہ ہے جس کے سبب سے وہ اپنے افعال کا فاعل سمجھا جاتا ہے اور جس سے اس کے افعال کے نیک و بد نتایج خود اسکی طرف منسوب ہوتے ہین جبکہ دیگر مخلوقات کے افعال انکی فطرت کی طرف سے سمجھے جاتے ہین

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط (احزاب پ ۲۲ ع ۹) — ہمنے امانت کو آسمان زمین اور پہاڑون کے آگے پیش کیا مگر انہون نے اسکو اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈرے مگر انسان نے اسکو اٹھا لیا

انسان نہ مجبور محض ہے اور نہ مختار کامل

پس اگرچہ ہدایت و ضلالت خدا کی طرف سے ہے کیونکہ اس نے ہدایت و ضلالت کیطرف جانیوالی قوت کو پیدا کیا اور ہدایت و ضلالت کیطرف لیجانے کے سامان مہیا کیا اور انسان کو عادت اور سایٹی کی زنجیرون مین جکڑا مگر چونکہ اس سامان کے ساتھ یہ قوت فیصلہ بھی موجود ہے اور انسان کی ذات مین دونو طرف جانے کی صلاحیت رکھی گئی ہے اسلئے اسکو پتھر یا حیوانات کی طرح مجبور ماننا بھی ناانصافی ہوگی اور جو حکم اسکو نیکی کی طرف جانے کے لیے دیا جاتا ہے اسکو تکلیف مالا یطاق کہنا بھی غلط ہوگا۔ اور دوسری طرف انسان کو کامل با اختیار قرار دینا اور ہر امر مین پورا آقا قرار دینا بھی ان تمام قوانین قدرت سے چشم پوشی کرنا ہے جو اسے چارون طرف سے محیط ہین۔ غرض جبر و اختیار کے بین بین حالت ہی وہ صداقت ہے جو واقعات عالم کی شہادت اور فطری مذہب کی تعلیم سے قابل یقین ثابت ہوتی ہے چنانچہ واقعات گردوپیش کی وجہ سے اور اس لیئے کہ دنیا کے تمام سلسلہ کو خدا کی مخلوق تسلیم کیا گیا ہے ہدایت و ضلالت کو خدا کی طرف سے مانا جاتا ہے اور چونکہ انسان مین قوت فیصلہ اور انتخاب کی عادت مرکوز ہے جو کام یہ اپنے ارادہ اور کوشش سے کرے اس کے نتایج کو خود اسکی ذات کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور جو لوگ ہدایت و ضلالت کو خدا کی طرف منسوب کرنے کے حیلہ سے اپنے تئین نیک افعال کی تکلیف سے معاف رکھنا چاہتے ہین اور کہتے ہین کہ اگر خدا چاہتا تو ہمکو نیک رستہ پر ڈال دیتا یا اگر خدا ہدایت دیتا تو ہم پارسا بن جاتے چونکہ وہ اس وقت اپنی اندرونی قوت فیصلہ کو نظر انداز کر دیتے ہین اور باوجود سب سے بالاتر ہونے کے اپنے تئین پتھر جیسا مجبور سمجھتے ہین اس لیے ان کے خیال کو محض گمان اور قول

بے بنیاد کہا گیا ہے اور بتا یا گیا ہے کہ بیشک اگر خدا چاہتا تو سب کے لیئے ایک معین رستہ بنا دیتا اور سب کو ہدایت پر رکھتا مگر اُس نے دو رستے بنا کر اور انسان کو عقل دیکر اپنی محبت پوری کر دی ہے چنانچہ ارشاد ہے

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ

(انعام پارہ ۸ ع ۱۸)

جو لوگ شرک کرتے ہیں کہیں گے کہ اگر خدا چاہتا تو ہم اور ہماری آبا و اجداد شرک نہ کرتے اور اپنی طرف سے بعض اشیاء کو حرام نہ ٹھہراتے ان سے پہلے گذرنیوالوں نے بھی بدی کرنیکے لیئے ایسے ہی بہانے ڈھونڈے تھے حتے کہ انھوں نے عذاب کا مزہ چکھ لیا تم انکو کہو کہ (برائی کو بھلا کہنے کیلئے) تمہارے پاس کوئی دلیل بھی ہے جو ہمارے سامنے پیش کر سکو تم صرف گمان کے پیچھے پڑتے تھے اور محض الٹکل کی باتیں کہتے ہو۔ کہدو کہ خدا کی محبت کامل ہے (اس نے ہدایت و ضلالت دونو رستے بنائے) اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے سکتا تھا

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (نحل پ۱۴ ع ۵)

مشرکین کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو ہم اور ہمارے بزرگ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے اور نہ اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ ایسا ہی پہلے لوگوں نے بھی کیا تھا مگر بھلائی برائی سمجھانے کے سوا پیغمبروں کا اور کیا فرض ہے

وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ أَن تَقُولَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتَىٰ عَلَىٰ مَا فَرَّطتُ فِي جَنبِ اللَّهِ وَإِن كُنتُ لَمِنَ السَّاخِرِينَ

خدا کی طرف توجہ کرو اور اسکو مانو اس سے پیشتر کہ تم پر عذاب آوے اس وقت تمکو کوئی مدد نہ دیگا۔ اور جو اچھی باتیں خدا کی طرف سے تم پر اتاری گئی ہیں انکی پیروی کرو اس سے پیشتر کہ ناگہاں تم پر عذاب آئے اور تمکو خبر بھی نہ ہو اور ایسا موقع نہ آنے دو کہ کوئی شخص کہے کہ افسوس میں نے خدا کے حقوق میں بہت کوتاہی کی اور میں اسکو ہنسی سمجھتا

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ۝ (زمر پارہ ۲۴ ع ۶)

رہا یا کہے کہ افسوس اگر خدا مجھکو ہدایت دیتا تو مین بھی پارسا ہوتا۔

اور نیز چونکہ انسان کی فطرت مین ایک طرف بدی کی قابلیت ہے تو دوسری طرف نیک کام کرنے کی قابلیت بھی اسکی فطرت ہی مین ودیعت ہے اس لئے نیک اعمال کا حکم دینے کے موقع پر کہا گیا ہے کہ خدا ایسے حکم نہین دیتا جو انسان کی طاقت سے باہر ہون اور اسکی فطرت مین انکی قابلیت نہ ہو چنانچہ فرمایا ہے

لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (بقرہ پارہ ۳ ع ۲۰)

خدا تکلیف نہین دیتا انسان کو مگر اسکی وسعت کے موافق جو کچھ وہ کمائے اس کا فائدہ بھی اسی کو ملیگا اور نقصان بھی اسی کو

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَیْنَا كِتٰبٌ یَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝ (مومنون پارہ ۱۸ ع ۴)

ہم کسی بشر کو تکلیف نہین دیتے اسکی وسعت سے زیادہ۔ اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو حق کہتی ہے اور ان پر ظلم نہ ہوگا

اور اس وجہ سے کہ انسان کی فطرت مین انتخاب و پسند کی قابلیت ودیعت ہے اس کے سامنے نیک و بد نتائج پیش کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ اب چاہو بدی کی طرف جاؤ اور چاہو نیکی اختیار کرو۔ مگر جو کچھ کروگے اسکا نتیجہ ضرور ملیگا اور خدا نیکی سے خوشنود ہوگا اور بدی سے ناراض۔ چنانچہ ارشاد ہے

قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ (کہف پارہ ۱۵ ع ۱۶)

کہدو یہ حق ہے تمہارے پروردگار کیطرف سے پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۱)

اگر نیک اعمال بجالاؤگے تو اپنے لیے اور اگر بدکاری کروگے تو اپنے لیئے

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ وَلَا یَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (زمر پارہ ۲۳ ع ۱)

اگر تم کفر کرو تو خدا کو تمھاری کچھ پروا نہین اور وہ کفر کو پسند نہین کرتا اور اگر شکر کرو تو تمھارے اس فعل کو پسند کریگا اور کوئی اٹھانیوالا دوسرے کا بوجھ نہین اٹھاتا

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا	جو بھلائی کرتا ہے تو اپنے لیئے اور جو برائی کرتا ہے تو اسکو
وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (حم سجدہ پارہ ۲۴ ع ۶)	ضرر ہے اور تیرا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں
اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى	یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے خدا کی طرف کا رستہ
رَبِّهٖ سَبِيْلًا (مزمل پارہ ۲۹ ع ۱)	اختیار کرے۔

مگر چونکہ انسان میں نیکی کرنیکا ارادہ پیدا ہوتا ہے تو اسی لیے کہ ایسے ارادہ کے لیئے سامان خدا نے اپنے ارادہ سے پیدا کر چھوڑا ہے اسلیئے اکثر موقعوں پر جہان فرمایا گیا ہے کہ "چاہو تو ادھر آؤ" وہان ساتھ ہی مین مین حالت کو ظاہر کرنے کیلیئے فرمادیا گیا ہے کہ ایسا ارادہ بھی خدا ہی کے ارادہ کا نتیجہ ہے چنانچہ ارشاد ہے

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ط وَمَا	ہان یہ نصیحت ہے پس جو چاہے نصیحت لے اور نہین
يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ط (مدثر پارہ ۲۹ ع ۲)	نصیحت لیتے مگر جبھی کہ خدا چاہے۔
اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ	بیشک یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے خدا کی طرف کا رستہ
سَبِيْلًا وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ط	اختیار کرے اور تم نہین چاہتے مگر جبکہ خدا چاہے بیشک
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (دہر پارہ ۲۹ ع ۲)	خدا باعلم وبا حکمت ہے۔
اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ	یہ صرف نصیحت ہی تمام اہل عالم کے لیئے یعنے اس کے لئے
اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ط وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ	جو تم مین سے راہ راست پر آنا چاہے اور تم نہین چاہتے
اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ط (کورت پارہ ۳۰ ع ۱)	مگر جبکہ خدا چاہے جو تمام عوالم کا پروردگار ہے۔

انسان کو مختار کامل اور مجبور محض سمجھنا دونون خیال غلط ہین مگر پہلے خیال مین غلطی بہت ہی اور دوسرے خیال مین نقصان زیادہ ہے

انسان کے جبر و اختیار کا مسئلہ ہمیشہ سے اہل مذہب اور اہل عقل کے نزدیک معرکۃ الآرا رہا ہے اور مختلف زمانون مین مختلف اقوام اور افراد نے اس بارہ مین بہت مختلف رائین قائم کی ہین مگر ہمنے دیکھا کہ جو درمیانی درجہ اسلام نے اختیار کیا ہے حالات گرد وپیش اور انسان کی اندرونی ساخت کو دیکھتے ہوئے یہی قرین عقل ہے اور اس کے خلاف جو لوگ انسان کو مختار کامل مانتے ہین وہ صحبت عادت موت اور حوادث وغیرہ کے قوانین کو جو انسان کے خیالات اور حالات پر بہت بڑا اثر رکھتے ہین نظر انداز کر دیتے ہین

اور دوسری طرف جو لوگ اسے پتھر جیسا مجبور سمجھتے ہیں وہ انسان کی اندرونی قوت سے جو اسکے لیے مایۂ ناز اور باعث شرافت ہے انکار کرتے ہیں۔ یہ دو نو طرح کی غلطیاں اگرچہ فی نفسہ بہت بڑی ہیں لیکن باہمدگر ان میں بھی کچھ تفاوت ہے۔

خود اپنی حالت کا غلط اندازہ کرنا اگرچہ عجیب معلوم ہوتا ہے مگر دیکھا جاتا ہے کہ ایسی غلطی انسان سے اکثر سرزد ہوتی ہے یعنی کسی کام کی یا کسی رتبہ کی قابلیت نہیں ہوتی مگر وہ خود رائی سے اپنے تئیں قابل سمجھتا ہے اور اس حالت سے محروم رہنے کا الزام دوسروں پر رکھتا ہے اور ان سے ناراض ہوتا ہے اور اسی طرح اکثر کسی کام کو بجا لانے کے قابل ہوتا ہے اور صرف آرام طلبی یا کسالت سے اس کام کی محنت برداشت نہیں کرتا مگر سمجھتا یہ ہے کہ مجھ میں اس کام کی استطاعت ہی نہیں۔ اور جس طرح اپنی استطاعت کی نسبت ایسا دھوکا ہوتا ہے اکثر دوسروں کی قابلیت یا ناقابلیت کی نسبت بھی دھوکا ہو جاتا ہے اور ایسے واقعات عموماً دیکھنے میں آتے ہیں۔ پس اسی طرح کا دھوکا مجبور محض سمجھنے والوں کو بھی پیش آیا ہے کہ وہ اپنی اندرونی قوت فیصلہ اور غور و تدبر کی قدر و قیمت نہیں پہچانتے اور حالانکہ وہ اپنے روزمرّہ کے کاروبار میں اس قوت کی وساطت سے بہت سی بیرونی مزاحمتوں پر غالب آکر اپنے لیے مفید رستے نکال لیتے ہیں اور جب کوشش کرنے پر آتے ہیں تو سوسائٹی اور عادت کی زنجیروں کو بڑی حد تک توڑ دیتے ہیں مگر بالعموم اس قوت کو کام میں نہیں لاتے اور نہ لانے سے سمجھ لیتے ہیں کہ لا نہیں سکتے۔ غرض یہ دھوکا اگرچہ بڑا دھوکا ہے مگر انسان کو اکثر پیش آتا ہے۔

اور اسکے برخلاف گردوپیش کے حالات کو نہ دیکھنا اور ان کے نتائج کو خیال میں نہ لانا اگرچہ کم عجیب معلوم ہوتا ہے مگر عموماً عقل انسانی باہر کی چیزوں کو دیکھنے کی زیادہ مشاق ہے چنانچہ جس قدر ترقی بیرونی اشیا کے علم میں ہوئی ہے انسان کے قوائے نفسانی اور دماغی افعال و حرکات کی تحقیق میں نہیں ہو سکی۔ اس لیے کسی زمانے میں ایک خاص خیال کا کسی قوم میں عام ہونا یا کسی تحریک کا دلکش پیرائے میں شائع ہونا یا بچپن سے کسی خاص شکل میں تربیت پانا یا عادت ہو جانے کے سبب کسی کام کو چھوڑنے کی دشواری یا کسی کام کی تکمیل کا موقع ملنے سے پہلے موت یا کسی حادثہ کا پیش آنا۔ یہ اور ایسے

ہی یا ان سے بھی مخفی اسباب جو انسانی خیالات پر بہت بڑا اثر کرتے ہین ان سب کو بالکل نظر
انداز کرنا اور با وجود ان کے انسان کو مختار کامل اور آزاد تسلیم کرنا ایسی غلطی ہے جو بالعموم عقلی رفتار کو
دیکھتے ہوئے ناقابل معافی ہے اسلئے مجبور محض سمجھنے کی غلطی کو مختار کامل سمجھنے
کی غلطی سے کمتر کہنا چاہیئے۔

اس کے بعد جب ان دونون طرح کی غلطیون کا عملی نتیجہ دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان
کو مختار کامل سمجھنے والے جہان تک انسان کی اپنی کوشش کا تعلق ہے پورے کامیاب اور ہوشیار رہتے
ہین اور جو موقع ان کے فائدے اور بہبود کا ہو اسے جانے نہین دیتے مگر بالائی طاقتون کے زیر اثر
ہونے کے سبب جو توجہ ان قوانین کے موجد اور علۃ العلل کیطرف ہونی چاہیئے اس سے بالکل بیگانہ رہتے
ہین یعنی مذہبی روح اور انسان کا سب سے پاک اور شریف جذبہ ان مین پیدا نہین ہونے پاتا۔ حالانکہ یہ کوشش
علاوہ ان روحانی فوائد کے جن کا تعلق انسان کی آیندہ زندگی سے ہے اس دنیا مین بھی بہت
بڑی حد تک حسن اخلاق اور نیک سلوک کی موید ہے اور نیز جیسا کہ عمل کرنیوالے جانتے ہین اپنی کوشش
کو خرچ کرنے کے بعد خدا کی طرف متوجہ ہونا اور اسکی مدد کا امیدوار رہنا جسکو توکل کہتے ہین محض کوشش
کی نسبت بہت کچھ مفید اور نیز بہدف ہوتا ہے دوسری طرف اپنے تئین مجبور محض سمجھنے سے اگرچہ
خدا کی طرف توجہ ہو سکتی ہے مگر عملی دنیا مین اس خیال سے ان تمام قباحتون کا پیدا ہونا لازمی ہے
جو کوشش کو ترک کرنیکا نتیجہ ہین۔ غرض نتیجہ کے رو سے آزادی اور اختیار کے حامی مذہب سے
ناآشنا اور دنیوی کاروبار مین خود غرض اور بیدرد ہو جاتے ہین تو مجبور محض سمجھنے والے دینی اور
دنیوی دونو دائرون مین جو کچھ عمل پر موقوف ہے اس سے محروم اور درماندہ رہ جاتے ہین اور انکے
برخلاف خدا کی طرف توجہ کرنے سے روحانیت کو ترقی دیتے ہین اور دنیوی کاروبار مین اپنی اور
دیگر بنی نوع کی اغراض کو باحسن وجہ پورا کرنے مین پوری کامیابی انہین لوگون کو حاصل ہو سکتی ہے
جو جبر و اختیار کے بیچ مین رستہ اختیار کر کے دریا کی طرح آسمان سے پانی لین اور زمین کو سیراب کرین
یعنی خدا پر توکل بھی رکھین اور صرف توکل پر نہ رہین۔ بلکہ جہان تک اپنی کوشش کا دسیرہ ہے اسمین

پوری قوت سے کام بھی کرین ؛

جبر و اختیار کی نسبت مزید غور

آزادی کی ہوا کھانے والے چونکہ آسمان و زمین کی تمام طاقتوں سے آنکھین بند کیئے ہوئے ہین اسلیے انکی خدمت مین کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہین البتہ جو لوگ مجبوری کا رونا روتے ہین وہ اگرچہ زبان سے اپنے تئین بتھر کہتے ہین مگر حقیقت مین گرد و پیش واقعات کو دیکھنے کے عادی ہین بلکہ اسی تحقیق مین زیادہ منہمک ہونے کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنے آپ سے غافل ہوگئے ہین اِسلئے انکی اس غور و تامل کی عادت کو دیکھ کر اِن سے کچھ اور بھی عرض کرنے کی جرات ہوتی ہے یعنی کہ واقعات گرد و پیش سے انسان کو مجبور مانکر بھی اس خیال کو یہان تک جولان کرنا کہ کوشش کو بیہودہ مانا جاوے اور مذہبی احکام کے اس بڑے حصہ کو جو کوشش کی تاکید پر مشتمل ہے غلط اور خلاف واقعہ کہا جائے خود واقعات کی شہادت سے غلط ہے۔ کیونکہ اگرچہ انسان اور انسانی افعال اور انسانی افعال کے اسباب خود انسان کے پیدا کردہ نہین بلکہ اس زنجیر کی کڑیان ہیکے بعد دیگرے زمین و آسمان کی پیدایش بلکہ اِس سے بھی پرے تک چلی جاتی ہین مگر اُن علتون کی شکل یکے بعد دیگرے بدلتی آئی ہے اور ہر ایک شکل پر جداگانہ حکم مترتب ہین مثلاً بخار کے بادل کا انجماد پاتے جمنے کرہ کی شکل مین ظاہر ہونا اور اس کرّہ سے چند ٹکڑون کا جدا ہو کر مرکز کے گرد چکر کھانے لگنا (اگر صحیح ہے تو یہ) ایسے اسباب و نتائج کا مجموعہ ہے جن مین مجبوری اپنی کامل شکل مین جلوہ گر تھی۔ مگر اسکے بعد جب زمین سے نباتات کا ظہور ہوا اور انکے رگ و ریشہ نے زمین کی تہ اور فضا کی بلندی مین سے اپنی غذا کو چوسنا شروع کیا تو اس فعل مین جو آئندہ سلسلہ ترقی کیلیئے علت تھا مجبوریت کا ظہور کسیقدر کم اور ارادہ سے مشابہ حرکت کچھ کچھ نمایان ہونے لگی۔ آگے چل کر حیوانات پیدا ہوے تو اگرچہ اپنی بقاء ذات اور بقاء نوع کے افعال مین وہ بھی مجبور تھے مگر ان کے کاروبار مین مجبوریت اور بھی پوشیدہ ہوگئی اور ارادی حرکت پہلی کی نسبت نمایان تر ہونے لگی اسکے بعد انسان کا ظہور ہوا تو اگرچہ اسکی بھی تمام کوششین گرد و پیش کے حالات سے وابستہ تھین اور اس وجہ سے اسے مجبور کہنا بڑی حد تک درست ہوگا مگر اُسکی فطرت مین مجبوریت کو ایسا پوشیدہ کر دیا گیا ہے کہ اکثر عقلا کو اس پر مختار کامل ہونیکا دھوکا ہوا اور در واقع مین یہ ایسی عجیب مخلوق

ہے کہ ایک طرف اپنی فطرت کے رو سے حالات گردوپیش کی تقلید پر مجبور ہے تو دوسری طرف فطرت ہی کے تقاضے سے وہ جس کام کو شروع کرتا ہے اسمین اپنی حسب استعداد غور و فکر کرنے پر اور اُس غور و فکر سے کسی ایک تجویز کو نیک اور مناسب قرار دینے پر اور اختیار کی شکل مین اسکے موافق کوشش کرنے پر بھی مجبور ہے غرض مجبوری سلسلہ کائنات مین مخفی ہوتی ہوئی انسان مین ایسی شکل سے جلوہ گر ہوئی ہے کہ وہی اُسکا ارادہ اور مرضی بنگئی ہے۔ اور جو کوشش نباتات مین کمتر اور حیوانات مین بیش از بیش ظاہر ہوتی آئی ہے انسان مین ایسی نمایان ہوئی ہے کہ اگرچہ وہ بہت سے گذشتہ اسباب کا نتیجہ ہے مگر انسان کے تمام افعال کے لیئے وہی علت قرار پائی ہے پس خواہ ہم مجبوری کے خیال سے کیسا ہی پیچ و تاب کھائین مگر اِس مجبوری نے جو ارادی کوشش کی تحریک پیدا کر دی ہے اُسی مجبوری کا اثر ہے کہ اس کوشش کو بھی چھوڑ نہین سکتے۔ بلکہ جس طرح نباتات کا فرض ہے کہ اپنے رگ و ریشہ کی حرکت سے غذا کو جذب کرین اور کر رہی ہین اور جس طرح حیوانات کا فرض ہے کہ اپنی مختلف ارادی حرکتون سے اپنی ضروریات بہم پہنچائین۔ اور پہنچا رہے ہین اسی طرح انسان کا فرض ہے کہ بے اختیار پیدا شدہ تحریک سے کام لے اور بے اختیار پیدا شدہ عقل سے غور و فکر کرے اور بے اختیار پیدا شدہ غور و فکر سے ایک تجویز کو اختیار کرے اور اس مجبوری سے جو اب اختیار بنگئی ہے یا اس اختیار سے جو پہلے مجبوری تھا کام لیکر اُس کام کے نتیجہ پر پہونچے۔ اور جس طرح نباتات یا حیوانات اگر اپنی ارادہ نما حرکت کو کام مین نہ لائین تو یقیناً اپنی زیست سے محروم ہو جائینگے اسی طرح انسان جسمین سلسلہ علیت نے اِن سے زیادہ اختیار اور ارادہ کو ظاہر کیا ہے اگر کوشش کو ترک کرے تو ضرور اُسکے ثمرون سے محروم رہیگا۔ اور جس طرح ٹرین کی ایک گاڑی کو کاٹ دینے سے پیچھے کی گاڑیاں ساکن ہو جاتی ہین اسی طرح کوشش کو چھوڑنے سے جو سلسلہ علیت کی ایک کڑی ہے آگے کے تمام نتائج جو اس پر منحصر ہین پیدا نہ ہو سکین گے۔ غرض نہ کوشش فضول ہے اس لیے کہ آیندہ واقعات کا تمام مدار اِسی پر ہے اور نہ فضول کہہ کر ہم اسکو چھوڑ سکتے ہین اسلئے کہ یہ پہلے واقعات کا لازمی نتیجہ ہے۔

رہا یہ سوال کہ اگر سلسلہ علیت کے سبب انسان کو مجبور مانا جائے تو اسکے اعمال پر سزا کیون مترتب ہوتی ہے؟ حقیقت مین وہی پہلا سوال ہے کہ دنیا مین نیکی اور بدی کیون ہے اور سلسلہ علیت کیون جاری کیا

گیا ہے۔ اور معلوم ہو چکا ہے کہ عقل انسانی اس راز کو سمجھنے کے قابل نہین اور وہ صرف یہی دیکھ سکتی ہے کہ ایسا ہونا ضرور ہے۔ نباتات گو مجبور ہین مگر مضر گیسون کو جذب کرنے سے اور ناموافق اجزاے زمین کو چوسنے سے ضرور نقصان اٹھاتی ہین۔ حیوانات گو مجبور ہین مگر پانی سے خشکی پر آکر یا خشکی سے پانی ہین کود کر ضرور تکلیف پاتے ہین۔ اسی طرح انسان گو مجبور ہو مگر غور و فکر کو کام مین نہ لانے سے اور کوشش کو ترک کرنے سے ضرور خمیازہ بھگتیگا۔ اور جب یہ کیفیت برای العین دیکھی جاتی ہے اور کوئی شخص اپنے کاروبار مین اس بہانے سے کوشش کو ترک بھی نہین کرتا تو صرف مذہب کے بارہ مین غور و فکر اور کوشش کو فضول سمجھنا اور اس سے دست بردار ہونا یا مجبوری کے بہانہ سے غلط عقاید پر روحانی تاریکی اور جہالت کا نتیجہ مرتب ہونے سے انکار کرنا کیونکر بد نتائج سے محفوظ رکھ سکیگا۔

رحم اور غضب | نیکی اور بدی کا وجود جس سے انسانی جبر و اختیار کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے مختلف پہلوون سے عقلاے عالم کے زیر غور رہا ہے بعض نے بدی کو یہان تک اہتمام دیا ہے کہ اُس کے موجود ہونے کے سبب پیدا کرنیوالے کو تمام صفات حسنہ سے محروم کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ مسٹر مل لکھتے ہین کہ ✝

"لوگ جتنی طاقت نیچر کی خوبیان تلاش کرنے مین صرف کرتے ہین اگر اس سے دسوان حصہ برائیان تلاش کرنے مین صرف کرین تو ان کو معلوم ہو جائے کہ نیچر کا تمام مدار اذیت رسانی اور تباہی پر ہے پس اگر یہ انتظام کسی شیطان کا کیا ہوا نہین تو کسی غیر محدود اور فیاض ہستی کا بھی نہین معلوم ہوتا"

اور بعض جو خدا کے قائل ہین انھون نے دُنیا مین بدی کا وجود پاکر اسکو خدا کی طرف منسوب کرنے مین تامل کیا ہے اور اس لیے اُن مین سے بعض کا خیال ہے کہ واقعات عالم یا دلائل عقلی سے خدا کو ثابت نہین کیا جا سکتا پروفیسر ولیم جیمس لکھتے ہین ‡

"وہ بڑے بڑے مفروضے جن مین نظام کائنات سے خدا کو ثابت کیا جاتا تھا اور جو ایک صدی پہلے قطعی اور یقینی سمجھے جاتے تھے آج وہ سب الیسے حقیر ہو گئے ہین کہ کتب خانون مین انکی بجاے خاک بھر دی جاے تو بہتر ہے اس تغیر خیال کی وجہ صرف یہی ہے کہ موجودہ نسل نے ایسے خدا کو ماننا چھوڑ دیا ہے جسکو وہ دلائل ثابت کرتی تھین

✝ ایسیے ملا صفحہ ۲۸ ۱۸۷۴ء ‡ ورائٹیز آف ریلیجیس اکسپیرئنس لیکچر ۱۸

آج ہمارا اعتقاد ہے کہ خدا کیسا ہی ہو مگر وہ خدا نہیں جس نے اس دنیا کو اپنا جلال ظاہر کرنے کے لیئے پیدا کیا ہو"

ان میں سے پہلے فریق نے دنیا کے حالات کو جیسے کچھ انکی سمجھ میں آئے ہیں نیچر کے موجد کی طرف منسوب کیا ہے مگر اسکو خدا نہیں مانا اور دوسرے فریق نے کسی کو خدا مانا ہے مگر مناظر قدرت کو اسکی طرف منسوب نہیں کیا حالانکہ دنیا کو دیکھکر کہ وہی ایک ذریعہ عقلی تسکین کے لیے موزون ہے یہ دونو خیال دل مین جگہ نہین لے سکتے دنیا مین اگر برائی ہے تو اسکے ساتھ بھلائی بھی ضرور ہے اور اگر اسکو کسی صاحب ارادہ ہستی نے پیدا کیا ہے تو یہان کے جلال ظاہر کرنیوالے حالات اسکے سوا اور کس نے پیدا کر دیئے اور جب وہی ایک خالق ہے تو جمال کے ساتھ جلال کو اسکی طرف منسوب کرنے کے سوا اور کیا چارہ ہے پس اگر کوئی مذہب نیچرل کہلانیکا مستحق ہے تو وہی جسمین خدا کا کلام خدا کے فعل سے جو ہمارے پیش نظر ہے مختلف نہو اور خدا کا فعل جو ہمارے پیش نظر ہے وہ یہی ہے کہ اس نے مختلف انواع و اجناس کو پیدا کیا ہے غذا کے لیئے آفتاب و ماہتاب۔ بخار اور ہوا مٹی اور پانی غرض تمام اجرام علوی و سفلی کو مصروف کار کیا ہے اور جس طرح بازار مین تمام صناع اور سوداگر خود بخود ان اشیا کو مہیا کرتے ہین جو نوع انسانی کو مطلوب ہین اسی طرح زمین و آسمان کی تمام موجودات خود بخود ان افعال و حرکات مین ہر وقت منہمک ہین جو جاندار اور غیر جاندار مخلوق کی بقا و تولید کے منتج ہون اور اسی طرح ہر چیز کی ساخت مین ان تمام مراتب کا لحاظ رکھا گیا ہے جو اس کو اسکے اپنے کمال تک پہنچائین اور آفات گردو پیش سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہون۔ اور پھر ہر چیز کے حسب حال قوتین اور جسمانی و روحانی ترقی کی اندرونی تحریکین اور بیرونی عبرتین اور ترغیبین غرض ہر طرح کا سامان ایسی کثرت سے پیدا کیا گیا ہے کہ علم ہیئت سے لیکر طب اور سائیکالوجی تک تمام علوم اس سامان کی مبسوط فہرست ہی اور پھر بھی بہت کچھ ہے جو درج نہین ہو سکا۔

یہ تو جمال کا ذکر تھا اب دوسری طرف جلال کو دیکھا جائے تو کہین آتش فشان پہاڑ اپنے لاوے کو نکال کر دور دور تک روئیدگی اور جانداری کے نشانات کو تباہ کرتا ہوا گلزار پر بہار اور عالیشان آبادیون کو ایک دم مین ویران اور خاک کا تودہ بنا دیتا ہے اور اس وقت شریر مادے کی دنیا کی

آوازین۔ درختون اور مکانون سے بلند ہوتے ہوئے شعلے انسانون اور حیوانون کی چیخ پکار۔ بچون کا ماؤن سے اور عورتون کا مردون سے جدا ہو کر رونا ان سب سے وہ سمان پیدا ہوتا ہے جس سے زیادہ مصیبت کا خیال بھی نہین ہوسکتا۔ کہین دریا کا طوفان یکایک امن و عیش مین بسر کرنے والی مخلوق کو تباہ کرتا ہوا اسی طرح کا خوفناک منظر پیش کرتا ہے کہین آتش زدگی۔ کہین زلزلہ کہین وبا۔ کہین قحط نہایت جوش اور تیزی سے مخلوقات کو تباہ کرتا ہوا نظر آتا ہے اور کہین انسان اور حیوان کی اپنی اندرونی قوتین جوش مین قتل و غارت کا میدان گرم کرتی ہین۔ اور خون کی ندیان بہاوتی ہین۔ یہ تمام مناظر اس جبار و قہار کے قہر و غضب کا نمونہ ہین۔

مگر پھر دیکھا جاسے تو تباہی کیسی بڑی ہو تمام موجودہ مخلوقات کو تباہ نہین کرتی چھت گرتی ہے گاڑی الٹتی ہے یا ریل ٹکراتی ہے یہ چیزین ٹوٹ جاتی ہین چور چور ہو جاتی ہین مگر جاندار بہت زخمی ہوتے ہین اور کم مرتے ہین۔ قحط زلزلہ اور وبا مین جانداروں کا نقصان ہوتا ہے مگر پھر بھی بہت سے بچ رہتے ہین۔ طوفان اور آتش فشانی مین جانداروں کا بہت نقصان ہوتا ہے مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ بچ جاتے ہین اور کچھ مدت کے بعد دیکھا جاتا ہے تو وہی تباہی اور بربادی کا منظر پھر بہار اور رونق کی لہرین مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ غرض نسل کو منقطع اور کسی نوع کو بالکل نابود کرنے کا ارادہ شاذ و نادر ہی ثابت ہوتا ہے۔ اگرچہ طبقات الارض کے ماہرون نے بہت سے متحجرہ اجسام نکال کر ثابت کیا ہے کہ بعض جانداروں کی نوع صفحہ ہستی سے بالکل نابود کر دی گئی ہے مگر بیشمار زندہ انواع کے مقابلہ مین انکی تعداد ہیچ کے برابر ہے۔

یہ کیفیت تو ان مناظر کی ہے جو عموماً ذی ارادہ مخلوق کے اختیار سے باہر ہین مگر جو کیفیتین ذی ارادہ مخلوق خود اپنے افعال سے پیدا کرتی ہے ان مین بھی یہی کیفیت دیکھی جاتی ہے حفظ صحت کے قاعدون پر عمل کرنے سے جسمانی حالت مین اور اخلاقی اور مذہبی جذبون کو کام مین لانے سے جسمانی اور روحانی دونون حالتون مین کمال اور ترقی کا رستہ کھل جاتا ہے تو ان قواعد کو توڑنے سے نقص اور تنزل کی مصیبت زیادہ سے زیادہ ہوتی جاتی ہے اور جس طرح کسی بچے کو علم و ہنر کی طرف راغب پاکر اس کے

کے مہربان باپ کیطرف سے ہر طرح کا علم و ہنر حاصل کرنیکا سامان مہیا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اسی طرح نیکی کی جانب متوجہ ہونے پر نیچر کی طرف سے بہت سی صورتین نیکی کو بجا لانے کی اور بہت سی تدبیرین نیکی کو شائع کرنے کی خود بخود سوجھنے لگتی ہین - اس وقت وہ شخص قدرت کے ہر منظر مین کچھ نہ کچھ نصیحت اور عبرت کا سامان مہیا پاتا ہے حالانکہ نیکی سے بے پروا بڑے بڑے دل ہلا دینے والے حالات کو دیکھکر اپنے دل پر کوئی اثر نہین پاتے - اور دوسری طرف جس طرح لڑکے کی بے ادبی اور بدقماشی سے ناراض ہوکر ایک جابر سرپرست اسکی راحت اور مسرت کے سامان کو کم کرتا جاتا ہے حتی کہ ایک وقت پر اس سے سروکار نہ رکھنے کا اشتہار دیتا ہے اسی طرح بدی کی طرف متوجہ ہونے سے قدرت اس کے دل سے نور اور روحانیت کو معدوم کرنے لگتی ہے اور بد عادت کی زنجیرین جکڑتے ہوئے اسکو اس حالت تک پہونچا دیتی ہے کہ جن واقعات سے نیک دل لوگ کانپ اٹھتے ہین انکو دیکھتے ہین بلکہ اُن کو بجا لانے مین اسکو حظ حاصل ہوتا ہے اور نیز اس کو اپنے بد جذبون کو پورا کرنے کے ایسے طریقے سوجھنے لگتے ہین جو پارسا لوگون کے خیال مین بھی نہین آسکتے

مگر نیکی اور بدی مین ترقی کی قابلیت ہونیکے باوجود جب انکی ابتدائی کوششون کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تفاوت ضرور ہے نیکی کرنے پر انسان کو ایک مسرت حاصل ہوتی ہے اور وہ دلی آواز جس کو کانشنس یا ضمیر کہتے ہین نیکی پر خواہ وہ اسکی عادت کے کیسے ہی خلاف ہو شاباش کہتی ہے مگر بدی کے ابتدائی مرحلون مین اسکے برخلاف وہی دلی آواز بجای شاباش کہنے کے ضرور ملامت کرتی ہے اور اس طرح پر جو اثر ترقی کا نیکی کے ابتدائی مرحلون مین پیدا ہوتا ہے بدی کے ابتدائی مرحلون مین اس قدر اثر نہین ہوتا اور جہالت اور تاریکی جو آنی چاہئے کسیقدر دیر مین پیدا ہوتی ہے اور یہ تفاوت جس طرح افراد کی نیکی اور بدی مین دیکھا جاتا ہے اقوام کی نیکی اور بدی مین بھی موجود ہے - کسی ترقی یافتہ اور نیک قوم مین جب ایک یا چند اشخاص بدچلن پیدا ہو جاتے ہین تو اگرچہ انکی بدی مین قابلیت ہے کہ ترقی پاکر تمام مین سرایت کر جائے مگر جبتک وہ چند اشخاص مین محدود ہے ان کے دل ضرور اس حالت پر ملامت کرتے ہین اور

جو زور ترقی کا بعد مین پیدا ہوتا ہے اسکی نسبت اُس وقت کمتر ہوتا ہے۔ اور برخلاف اس کے جب کسی غیر مہذب قوم مین پاک اور نیک لوگ پیدا ہوتے ہین تو اُن کے دل با وجود تنہا ہونے کے اور با وجود مزاحمتون کے اُنکو آفرین کہتے ہین اور اس سبلئے نیک خیال نسبت بدی کے زیادہ زور سے عمل کرتا ہے۔

غرض ان تمام حالات کو دیکھنے کے بعد تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ دنیا مین راحت و آرام اور بقا و افزائش کے سامان اور نیکی کیطرف توجہ پیدا ہونے پر اسکے سامان کو سرانجام کا مہیا اور آسان ہوتے جانا دنیا کے موجد کی عنایت پر دلالت کرتا ہے تو دوسری طرف دنیا مین رنج اور تکلیف اور تباہی اور بربادی کے نمونے اور بدی پیدا ہونے پر اسکی زنجیرون کا سخت سے سخت تر ہوتے جانا اس کے غضب کی صفت ظاہر کرتا ہے اور پھر دونون کا موازنہ یعنی بڑی بڑی تباہیون کے وقت بقاء نوع کا اہتمام رہنا اور اُدھر نیکی پر مسرت اور بدی پر ملامت کا مرتب ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اُسکے رحم کی صفت غضب کی صفت پر غالب ہے۔ چنانچہ نیچر کی انہی صفات کو اسلام خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ط (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۴)

اور خدا سے ڈرو اور جان رکھو کہ خدا سخت عذاب دینے والا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ط (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۵)

بعض لوگ اپنے تئین خدا کی رضامندی تلاش کرنے پر لگا دیتے ہین اور اللہ ایسے بندون پر مہربان ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ط (مائدہ پارہ ۷ ع ۱۳)

جان لو کہ خدا سخت عذاب دینے والا ہے اور یہ کہ خدا بخشنے والا مہربان ہے

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ

وہی ذات ہے جس نے تمکو زمین پر اپنا جانشین بنایا ہے اور تم مین سے بعض کو بعض پر ترجیح دی ہے

لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (انعام پارہ ۸ ع ۲۰)	تاکہ تمکو ان نعمتوں کے بارہ میں جو تمکو دی ہیں آزمائے بیشک تمھارا خدا سزا بھی جلدی دیتاہے اور بخشنیوالا اور مہربان بھی ہے۔
إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (اعراف پارہ ۹ ع ۲۱)	بیشک تمھارا پروردگار عذاب بھی جلدی دیتاہے اور وہ بخشنے والا اور مہربان بھی ہے
وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ (رعد پارہ ۱۳ ع ۱)	اور بیشک تیرا رب لوگوں پر بخشش کرنیوالا ہے جبکہ وہ اپنے اوپر ظلم کریں اور بیشک تیرے پروردگار کا عذاب سخت ہی
نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ (حجر پارہ ۱۴ ع ۴)	میرے بندوں کو آگاہ کردو کہ میں بخشنے والا مہربان ہوں اور میرا عذاب دردناک عذاب ہے
غَافِرِ الذَّنبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ (مومن پارہ ۲۴ ع ۱)	گناہ کو بخشنے والا توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب دینے والا اور صاحب قوت۔
إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ (حم سجدہ پارہ ۲۴ ع ۵)	بیشک تیرا پروردگار مغفرت کا مالک ہے اور سخت عذاب والا ہے۔
إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ (بروج پارہ ۳۰ ع ۱)	تیرے پروردگار کی گرفت سخت ہے۔ وہ ابتداءً پیدا کرتاہے اور پھر زندہ کرتاہے اور وہ بخشندہ اور مہربان ہے صاحب عرش اور بزرگ ہو اور جس چیز کا ارادہ کرے اسے پورا کرنیوالا ہے

اور صفت رحم کا صفت غضب پر غالب ہونے کا یوں ذکر ہے

فَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ (انعام پارہ ۸ ع ۸)	اگر وہ تیری تکذیب کریں تو کہدے کہ تمھارا پروردگار وسیع رحمت رکھتاہے اور اسکا عذاب مجرموں سے ٹل نہیں سکتا۔

عَذَابِیۡۤ اُصِیۡبُ بِہٖ مَنۡ اَشَآءُ ۚ وَ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ ؕ فَسَاَکۡتُبُہَا لِلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ بِاٰیٰتِنَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۚ (اعراف پارہ ۹ ع ۱۹)	مین عذاب دیتا ہون جسے چاہتا ہون اور میری رحمت ہر شے پر عام ہے پس مین رحمت مقرر کرتا ہون ان لوگون کے لیے جو تقوی کرتے ہین اور زکوۃ دیتے ہین اور جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہین
رَبَّنَا وَسِعۡتَ کُلَّ شَیۡءٍ رَّحۡمَۃً وَّ عِلۡمًا (مومن پارہ ۲۴ ع ۱)	اے ہمارے پروردگار تیرا علم اور تیری رحمت ہر شے پر وسیع ہے۔
مَاۤ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَ یَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ ؕ (حم عسق پارہ ۲۵ ع ۴)	جو مصیبت تمکو پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی کسب سے پہنچتی ہے اور وہ بہت سی باتون کو معاف کردیتا ہے ۔

خدا کا غصہ مسٹر فریڈرک پیکاٹ اعتراض کرتے ہین کہ مسلمانون کا خدا غصہ وغیرہ نفسانی خواہشون سے متصف ہے اور بیشک آجکل جو اعتراضون کا طوفان اسلام پر آرہا ہے ان مین یہ اعتراض سب سے زیادہ جلی حرفون مین لکھا جاتا ہے لیکن اسلام کا خدا کی صفات کو بیان کرنا اہلام والون کے اپنے دل کا اختراع سہی اگر ایسے لوگ بتائین کہ آتش فشانی اور زلزلہ وغیرہ کی ہیبتناک تباہیان یا بدی کیطرف ادنی توجہ سے آیندہ اُس درخت کا مسلسل پھیلتے پھولتے پھلتے جانا اور ذہن کا نت نئی ایذا رسانی اور خرابی کی تدبیرین ایجاد کرنے کے قابل ہوتے جانا جو نیچر کے ہر ورق پر لکھا ہوا سب کو نظر آتا ہے اگر نیچر کے بنانیوالے کی ایجاد نہین تو ان غضبناک منظرون کا خالق اور کس کو مانا جاوے بیشک جن لوگون نے دنیا کی صرف خوبیون کو دیکھا اور اسی کے راگ گائے انھون نے اچھا کیا مگر جس کو صرف دن کی روشنی کا علم ہے اور رات کی تاریکی سے آشنائی نہین اُسے سویا ہوا اور رات کو غفلت مین گذارنے والا کہنے کے سوا اور کیا چارہ ہے کیا ایسے شخص کو زمانہ کے حالات کا عارف کامل کہسکتے ہین اور کیا اُسکا علم اُس خدا کیطرف سے مانا جاسکتا ہے جس نے رات اور دن دونون کو پیدا کیا ہے

رحم کی تعریف حقیقت یہ ہے کہ رحم کی تعریف مین غلطی کی گئی ہے اور اس کا مفہوم ایسا عام

کر لیا گیا ہے کہ اذیت اور تکلیف کو اس سے متناقض سمجھا جاتا ہے اور پھر خدا کو ایسا رحیم مانکر جب دنیا کی تکالیف کو دیکھا جاتا ہے تو اُن کو ایسے رحیم کی جانب منسوب کرنے مین تامل ہوتا ہے حالانکہ اگر رحیم اسی کو کہا جائے جو کسی طرح کی تکلیف دہی اور ایذارسانی کو گوارا نہ کرے تو پھر جس فعل پر کوئی برا نتیجہ مترتب ہو اور جس جرم پر سزا کا ہونا لازمی ہو چونکہ یہ سب کچھ اذیت اور تکلیف ہے اسلیئے ایسے رحیم کا فرض ہوگا کہ ان نتائج کو مترتب ہونے سے روکے اور اگر کوئی شخص ایسا رحیم ہو تو ضرور ہے کہ وہ عادل نہ ہو اور مجرمون کو سزا نہ دے اور اُسکی مہربانی کے بھروسہ پر بدکار روہ غضب ڈھائین کہ نیکبختون اور مظلومون کے لیئے وہی رحم جسکو کامل رحم کہا جاتا ہے بڑے سے بڑے ظلم سے بھی بدتر ہو - اور جب اس کامل رحم کا ایسا بد نتیجہ لازمی ہے تو ضرور ہے کہ رحم کی یہ تعریف صحیح نہ ہوگی بلکہ اُسکا مفہوم ایسا ہونا چاہیئے جو عدل سے منافات نہ رکھے - مگر اب چونکہ خود نیچر کے رحم اور عدل کا فیصلہ کرنا ہے اس لئے خود نیچر کے افعال کو نظیر مین پیش نہین کرسکتے اور نیچر کے سوا کوئی سرمایہ موجود نہین - پھر کیا کیا جائے ؟ مگر نہین اس وقت فیصلہ کرنیوالا حاکم عقل ہے اسلیئے دیکھنا چاہیئے کہ خود عقل کا طرز عمل اس بارہ مین کیا ہی ؟ -

کسی امتحان کے بہت سے پرچے ممتحن کے سامنے رکھے ہین اور وہ جواب کو سوال سے منطبق کرکے نمبر دیتا ہے - اب اگر کسی غلط جواب پر وہ پورے نمبر دے تو بیشک اُس امیدوار کا بھلا ہو جائیگا - مگر آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شخص ان لوگون کے برابر ہو جائیگا جنھون نے صحیح جواب لکھا ہے بلکہ اس کے نمبرون کی میزان بعض ایسے طلبا سے بڑھ جائیگی جنھون نے قریباً درست لکھا ہے اور مناسب نمبر پائے ہین - یہ سب پاس ہو گئے اچھا ہوا - مگر جو اثر پاس ہونے پر مترتب ہوتا ہے اور جو وظائف یا کاروبار کے لئے انتخاب زیادہ نمبرون پر منحصر ہے ہمین بعض صحیح جواب دینے والے ناکام رہین گے اور غلط لکھنے والا جس پر رحم کیا گیا ہے وہ منصب لیجائیگا جو اَورون کا حق تھا بلکہ بعض ایسے کاروبار مین جو سچی قابلیت پر منحصر ہین غلط لکھنے والا اپنے پورے نمبرون کے سبب ہاتھ ڈالنے پر خود بھی ایسی ناکامی اٹھائیگا کہ ناواجب طور پر پاس ہونے کی خوشی خاک مین ملجائیگی - غرض ممتحن کا وہ فعل جو رحم کی شکل مین ظاہر ہوا تھا ثابت ہوگا کہ صحیح جواب لکھنے والون پر اور خود غلط لکھنے والے پر بھی ظلم تھا ہے

اچھا یون نہ سہی - یہ کیا جائے کہ غلط جواب دینے والے کو پورے نمبر اور صحیح جواب لکھنے والیکو اس سے
دگنے دیدیئے جائین اور جس نسبت سے ایک کے ساتھ رعایت کی گئی ہے اس نسبت سے سب طلبا کے
نمبر بڑھا دیئے جائین اور دو کی جگہ چار دیئے جائین تو چار کی جگہ آٹھ اور اسی طرح آخر تک چلے جائین
تو کیا اثر ہوگا ؟ کہ رعایت رعایت نہ رہیگی بلکہ کل نمبر سو سمجھنے کی بجائے دو سو قرار پائینگے اور پاس ہونے
کیلئے فیصدی مقدار دیکھنے پر غلط لکھنے والا وہی بیک بینی و دو گوش رہجائیگا یعنی ناکام - اچھا
تو کیا ایسے شخص کیلئے رحم کی کوئی گنجائش نہین ؟ ہے اور وہ یہ کہ اسکے غلط جواب کو نہایت
دقت نظر سے دیکھا جائے اور غلطی کیسی ہی بڑی ہو اسمین غور سے تلاش کیا جائے کہ کوئی ذرا ظہور
صحت کسی جگہ موجود ہے یا نہین اور پھر جہان ذرا بھی صحت کا نشان ملے اسکے مناسب حال
کوئی نمبر یا نمبر کی کوئی کسر دیدی جاسے - پس یہ غور و تامل کی تکلیف جو ممتحن برداشت کریگا وہ رحم
ہے جو عدل سے ہرگز منافات نہین رکھتا - بلکہ ایک ہی فعل ہے جو اس لحاظ سے کہ اورون پر
ظلم نہ ہو جائے عدل ہو اور اس خیال سے کہ مجرم اپنے جرم کی سزا ضرور پائے غضب ہو اور اس وجہ
سے کہ مجرم اپنے جرم سے زیادہ سزا نہ پائے رحم ہے اور یہی وہ عمل ہے جو ہم نیچر کے ہر کام مین محسوس
کرتے ہین - پلیگ کے ایام مین جس شخص نے فاسد مادہ کا بہت بڑا حصہ لیا ہے ایسا مبتلا ہوتا ہو
کہ علاج کی مہلت نہین دیتا اور فوراً مرجاتا ہے - دوسرا اس سے کمتر حصہ لیتا ہے وہ چار دن اور
دنیا کی ہوا کھا لیتا ہے کوئی اس سے کم ہوتا ہے چند روز تڑپ کر اٹھ بیٹھتا ہے - کوئی معمولی سا اثر قبول
کرنیوالا اعضا شکنی وغیرہ کو چلتے پھرتے برداشت کرکے تندرست ہوجاتا ہے - بعض اس سے بھی کم متاثر ہوتے ہین
بالکل اور کوئی اثر محسوس نہین کرتے اسی طرح آگ لگتی ہے جو چیز بیچ مین آجاتی ہے خاک سیاہ ہو جاتی ہے
ذرا دور رہنے والی کا بالائی حصہ جل جاتا ہے - اس سے پرے سیاہ داغ ہی پڑ جاتا ہے - کسی کو جلن
کسی کو حرارت کسی کو روشنی کا حصہ ملتا ہے اور بہت دور والون کو خبر بھی نہین ہوتی

غرض نیچر ہر فعل کا نتیجہ ایسا جچا تلا دیتی ہے کہ مسبب سبب کی مقدار سے رتی بھر کم زیادہ
نہین ہونے پاتا - پس یہی اسکا عدل ہو اور یہی اسکا رحم ہے اور یہی جواب ہے ڈاکٹر سپنسر کے اس

اعتراض کا کہ۔ †

"غیر محدود عدل کامل سزا کیون کر دے سکتا ہے جبکہ غیر محدود رحم گناہ کو معاف کر دیتا ہے"

یعنی یہ کہ گناہ کو معاف کر دینا نہ رحم ہے۔ نہ غیر محدود ہے۔ بلکہ ظلم ہے اور رحم یہ ہے‡ کہ سزا گناہ کی مقدار سے ذرہ بھر زیادہ نہ ہو۔ غرض جو طرز عمل عقل بتاتی ہے اور جو فعل خود نیچر کا نظر آتا ہے اسی کی تعلیم قرآن بھی دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ

(آل عمران پارہ ۴ ع ۲۰)

خدا نے ان کی دعا قبول کی کہ مین تم مین سے کسی کارکن کا کام ضائع نہین جانے دونگا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۖ وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ ۝

(انبیاء پارہ ۱۷ ع ۴)

اور ہم قیامت کے دن انصاف کا ترازو رکھین گے پس کسی شخص پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور اگر کوئی عمل رائی کے دانہ برابر بھی ہو تو ہم اسے نکال لائین گے اور ہم حساب کے لیے کافی ہین۔

فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝

(زلزال پارہ ۳۰ ع ۱)

پس جو ذرہ برابر بھلائی کریگا۔ اسکا اجر پائیگا اور جو ذرہ برابر بدی کریگا اسکی سزا پائیگا۔

† کتاب فرسٹ پرنسپلز باب سوئم صفحہ ۲۱ سنہ ۱۸۸۱ع۔

‡ گناہ کیونکر معاف ہو سکتا ہے اسکی صورت باب آئندہ مین ملاحظہ ہو

باب یازدہم

توبہ۔ استغفار۔ دعا۔ شفاعت وغیرہ

حرکت بازگشت۔ گناہ اور ثواب کی حقیقت اور توبہ کی وجہ۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ ایمان اور گناہ کفر اور نیکی کا اجتماع۔ اصولی اور معاون اسباب۔ عذاب و ثواب کے اصلی اور معاون اسباب۔ ایمان اور نیکی۔ استغفار۔ آرزوے رحمت۔ محبت صلحاء۔ دعا۔ شفاعت۔ ترغیب کا فائدہ معیت کا فائدہ۔ محبت کا فائدہ۔ دعا کا فائدہ۔ کبھی شفاعت کے خیال سے غرور پیدا ہوتا ہے۔ کبھی شفاعت سے کوشش کا میلان ہوتا ہے۔

حرکت بازگشت | نیکی اور بدی کے متعلق اگرچہ بہت کچھ طول ہوگیا ہے مگر ابھی اندکے بیش نگفتیم ہنوز از بسیار، کا مضمون ہے۔ نیکی اور بدی دُنیا کا مجموعہ ہے اور دُنیا کے قوانین اس کثرت سے اور باہمدگر ایسے پیوستہ اور پیچیدہ ہیں کہ ایک قانون کے عمل میں جو تفاوت دوسرے قوانین کے اختلاط سے پیدا ہوجاتا ہے اسکو سمجھنے میں اکثر غلطی ہوجاتی ہے مثلاً ہمنے دیکھا کہ نیچر ہر ایک فعل کا بدلا اسکے تناسب کے لحاظ سے ضرور دیتی ہے اور یہ بھی دیکھا گیا کہ ہر ایک فعل کو ایک دفعہ کرنے سے دوسری بار اسکو بجالانا آسان ہوجاتا ہے اور اس طرح وہ وصف ترقی کرتا جاتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی قانون قدرت ہے کہ ایک طرف کو ترقی کرنے کے اثناء میں کسی وجہ سے حرکت بازگشت شروع ہوتی ہے اور جو وصف پیدا ہوا تھا اُس کی جگہ اُسکی ضد ظہور کرنے لگتی ہے مثلاً آفتاب کی حرارت اور مناسب آب و ہوا سے درخت پھلنے پھولنے لگتا ہے۔ پھر زمین اور فضا میں کوئی انقلاب پیدا ہوتا ہے درخت کی ترقی رک جاتی ہے مرجھا کر خشکی اور بوسیدگی کی جانب ترقی کرنے لگتا ہے۔ کبھی خشکی اور افسردگی میں ترقی کرتا ہوا کسی سبب سے پھر تر و تازہ ہوجاتا ہے۔ علیٰ ہذا انسان کسی علم و ہنر میں ترقی کرتا ہوا ایسے اسباب میں مبتلا ہوتا ہے کہ علم و ہنر کو چھوڑ کر جہالت کیطرف جاتا ہوا نظر آتا ہے یا جان میں ترقی کرنیوالا

کسی ترغیب سے متاثر ہو کر تہذیب و دانش کی طرف عود کرتا ہے۔ ان حالات میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسکی پہلے افعال بے اثر رہے نہیں بلکہ جو خوبی یا برائی پہلی رفتار میں پیدا ہوئی تھی اسکی وجہ سے دوسری رفتار پر ضرور اثر پڑا اور ایسی چیز یا ایسے شخص کی ترقی اُن کے برابر نہ ہوگی جو پہلے سے ہمیشہ تک ایک رستے پر چلے ہیں مگر تاہم نتیجہ بالکل بدل جائیگا اور اس انقلاب سے نور کی جگہہ ظلمت یا ظلمت کی جگہ نور ضرور پیدا ہوگا اور نیز کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ رفتار کو بدلنے والا اثر بڑی قوت سے ظاہر ہوا ہے اور اُس نے پہلے اثر کو بالکل نابود کر دیا ہے چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ درخت مرجھا گئے ہیں اور کھیتی سوکھ چلی ہے اور لوگ ناامید ہو گئے ہیں مگر قدرت کی کوئی ایسی ہوا چلی ہے کہ یاس امید سے بدل گئی اور درختوں نے چند روز میں وہی نشو و نما پائی جو معمولی حالت کی پوری فصل میں پا سکتے تھے۔ یا پورے نشو و نما کے بعد کسی سخت حادثے نے ایسا جلا دیا کہ گویا پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔ اور اسی طرح انسان کی وحشت اور تہذیب کا انقلاب بھی کبھی اِس زور سے ہوتا ہے کہ آدمی برسوں کا کام دنوں میں کر لیتا ہے اور دوسرا اثر قوی ہونے کے سبب پہلے اثر کو نابود کر دیتا ہے۔ غرض یہ انقلاب کا قانون اور قوی کے ضعیف پر غالب آنیکا قانون بھی نیچر میں ہر جگہ نمایاں ہے چنانچہ یہی صورت نیکی بدی میں بھی نظر آتی ہے اور بدکار تائب اور نیکوکار مرتد ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں اور دوسرا اثر بہت قوی ہو تو نیکی صورت میں ترقی معمولی حالت سے زیادہ بھی ہو جاتی ہے۔ قرآن میں بدی کی نسبت ارشاد ہے۔

حَتّٰیٓ اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّیَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَآ اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ؕ

(یونس پارہ ۱۱ ع ۳)

حتی کہ جب زمین آراستہ ہو جاتی ہے اور اپنی زینت پر آ جاتی ہے اور اس کے مالک گمان کرتے ہیں کہ اب اس کے مفاد پر ہمارا قبضہ ہے تو ہمارا حکم رات کو یا دن کو پہنچتا ہے پس ہم اس کو سوکھا تنکا بنا دیتے ہیں گویا کبھی تھی ہی نہیں۔ ہم غور کرنیوالوں کے لیئے ان نشانات کی تفصیل کرتے ہیں

وَاُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ عَلٰی

(دنیا رہو نیکے بعد) اسکے پھلوں پر بلا آتی ہے پس مالک ملتا تھا

مَا اَنْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوشِهَا
وَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّي اَحَدًا
(کہف پارہ ۱۵ ع ۵)

اور جو خرچ کیا ہے اسے یاد کرتا ہے اور وہ سر کے بل
گری ہوئی ہوتی ہے اور کہتا ہے کہ کاش میں
اپنے خدا سے شرک نہ کرتا اور اپنی کوشش کو قطعی سمجھتا

وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ
فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (بقرہ پارہ ۲ ع ۱۶)

جو شخص خدا کی دی ہوئی نعمت کو بدلے تو خدا سخت
عذاب دینے والا ہے

وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ
كَافِرٌ فَاُولٰئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ (بقرہ پارہ ۲ ع ۱۱)

جو اپنے مذہب سے پھرے اور کفر کی حالت میں مرجائے
تو اسکے اعمال باطل ہو گئے

اِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ اِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا
كُفْرًا لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَاُولٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ
(آل عمران پارہ ۳ ع ۹)

جو لوگ ایمان کے بعد کفر کریں اور پھر کفر میں ترقی
کریں انکی توبہ قبول نہ ہوگی اور وہ گمراہ ہیں۔

اور نیکی کی نسبت فرمایا ہے۔

فَانْظُرْ اِلٰى آثَارِ رَحْمَةِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِي
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِي الْمَوْتٰى
وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (روم پارہ ۲۱ ع ۵)

خدا کے رحمت کے نشانات کو دیکھو کہ وہ زمین کو کیونکر
مردہ ہونے کے بعد زندہ کر دیتا ہے یہی مردوں کو
زندہ کرنیوالا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا
قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ
(شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۳)

وہی ذات ہے جو بارش برساتی ہے اس حال میں کہ
لوگ ناامید ہو چکے ہوتے ہیں اور اپنی رحمت کو
پھیلاتی ہے اور وہ مالک قابل حمد ہے

اِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوا
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (آل عمران پارہ ۳ ع ۹)

مگر جو لوگ اسکے بعد توبہ کریں اور نیکوکار ہو جائیں تو اللہ
بخشنے والا اور مہربان ہے۔

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ
يَتُوبُ عَلَيْهِ (مائدہ پارہ ۶ ع ۶)

جو شخص اپنے اوپر ظلم کرنے کے بعد توبہ کرے اور اپنی حالت
درست کرے تو خدا بخشنے والا ہے اور مہربان ہے۔

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (اعراف پارہ ۹ ع ۱۹)	اور جو لوگ بدعملی کرتے ہین پھر اسکے بعد توبہ کرتے ہین اور ایمان لاتے ہین تو خدا بخشنے والا ہے اور مہربان ہے ۔
قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۔ (انفال پارہ ۹ ع ۱۸)	تم کفار سے کہدو کہ اگر وہ باز رہین گے تو ان کے گذشتہ اعمال معاف کیے جائینگے اور پھر کفر کی طرف عود کرینگے تو جو پہلون کے ساتھ ہوا ہے وہی ہوگا
وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا (فرقان پارہ ۱۹ ع ۶)	جو توبہ کرے اور نیک عمل بجالائے وہ خدا کیطرف آتا ہے ۔
اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (نمل پارہ ۱۹ ع ۱)	مگر جو ظلم کرے پھر اپنی بدی کو نکوکاری سے بدل دے تو مین بخشنے والا ہون مہربان ہون
فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ (قصص پارہ ۲۰ ع ۹)	لیکن جو توبہ کرے ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو امید ہے کہ وہ رستگارون مین ہوگا
وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ (شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۳)	اور وہی ہے جو اپنے بندون کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہ معاف کرتا ہے اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو

گناہ اور ثواب کی حقیقت اور توبہ کی وجہ

بعض لوگون کا خیال ہے کہ توبہ سے گناہ معاف نہین ہو سکتے مگر اول تو ایسی رائے رکھنے والے نیچر سے بالکل آنکھین بند کیے ہوئے ہین اور جو انقلاب بھلائی اور برائی کی جانب نہایت کثرت سے ہو رہے ہین اور جن سے نتائج مین مشرق مغرب کا فرق پڑجاتا ہے انکی طرف توجہ نہین کرتے اور دوسرے کسی فعل کے گناہ یا ثواب ہونے اور آیندہ زندگی مین بدیا نیک نتیجہ دینے کی حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کو اپنے ہم جنس اور ہم مثل کیطرف میلان ہوتا ہے اور ناجنس سے گریز۔ اہل علم قدرتی طور پر اہل علم کی طرف اور جاہل قدرتی طور پر جاہل کیطرف میلان رکھتا ہے اور جو ہم مذاق نہون ان سے نفرت کرتا ہے اور یہ قاعدہ نہ صرف انسان مین ہے بلکہ حیوانات اور نباتات اور ان سے بڑھکر

دنیا کی ہر ایک چیز کو اپنے مماثل کی صحبت سے قوت اور ترقی حاصل ہوتی ہے اور غیر جنس کے اختلاط سے ضعف اور تنزل - اس مماثلت کے قانون کو تسلیم کرنے کے بعد دیکھا جاتا ہے کہ مثلاً ناحق قتل کرنیوالا مقتول کو اُن فائدون سے محروم کرتا ہے جو راستی کے رو سے اُسکا حق تھا اور نہ خود وہ مفاد حاصل کرتا ہے جو راستی کے رو سے اُس کا حق نہین - غرض وہ اس فعل سے اپنے دل مین راستی اور صداقت سے نفرت اور بُعد پیدا کرتا ہے اور اسی بُعد اور نفرت کے سبب خدا سے جو نامحدود صداقت اور حق ہے دور ہوتا ہے اور اسکے برخلاف جو شخص کسی قاتل کے حملے کو دفع کرنے کی غرض سے حرکت کرتا ہے اور اس مدافعت مین قتل کے سوا چارہ نہین دیکھتا وہ نہ خود ایسا مفاد حاصل کرتا ہے اور نہ دوسرے کو ایسے مفاد سے محروم کرتا ہے جس کا راستی کے رو سے استحقاق نہ ہو اس لیے اس کے اس فعل نے اسے صداقت سے اور سرچشمہ صداقت یعنی خدا سے دور نہین کیا بلکہ اس خیال سے کہ جایز مفاد کو بحال رکھنے کی کوشش ہر چیز کی فطرت مین داخل اور انسان کا خاص حق ہے ایسی کوشش صداقت اور حقانیت سے کسی قدر قریب کرنیوالی ہے - اور اس سے بڑھ کر جو شخص قاتل کو سزا دیتا ہے تو اگرچہ اسکے اس فعل سے مقتول کو کوئی فائدہ حاصل نہین ہوتا مگر پھر بھی اس فعل کو جو فرض واجب سمجھا جاتا ہے تو اسلئے کہ وہ مقتول کے سوا باقی تمام دُنیا کے امن و اسائش کو بحال رکھنے کے لئے جو راستی کے رو سے اُن کا حق ہے تدبیر کرتا ہے اسلئے اس صورت مین اس کا فعل محض صداقت کی محبت پر مبنی ہے اور اس لئے وہ اس فعل سے صداقت اور سرچشمہ صداقت سے بہت بڑا قرب حاصل کرتا ہے پس یہی صداقت سے دور ہونا گناہ ہے اور خدا سے دور ہونا اس کا عذاب - اور صداقت سے محبت کرنا کار ثواب ہے اور خدا کا قرب اسکی جزا -

غرض ہر فعل سے جس قسم کا وصف پیدا ہوتا ہے انسان مین آیندہ اُسی وصف کی طرف میلان رکھنے کی قابلیت ہو جاتی ہے اور اسکے خلاف وصف سے بُعد - اب فرض کرو کہ کوئی قاتل اپنے فعل سے نادم اور پشیمان ہوتا ہے اور آیندہ کے لیے سچے دل سے اُس فعل سے محترز رہنے کا عہد کرتا ہے اور فرض کرو کہ اس عہد کو تا دم آخر پورا بھی کرتا ہے تو اب اس کا کیا اثر ہوگا ایک تو یہی کہ اس کے ہاتھ سے دیگر

مخلوقات امن مین رہیگی - یہ تو دنیوی مفاد ہوا - باقی رہی صداقت کی محبت جو اُخروی نتیجہ ہے سو وہ بھی اِس عہد سے اور عہد کو تا دم مرگ پورا کرنے سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے - اب رہا وہ تاریک داغ جو اُسکے دل پر قتل کرنے کے وقت صداقت کی نفرت سی پیدا ہوا تھا مگر جو ندامت اور پشیمانی کا سوہان اُسکے دل کو چھیل رہا ہے اور جو صداقت کی محبت اور اس کے حاصل کرنے کی تمنا اسکو بے چین کئے دیتی ہے اس عمل سے نفرت کے سیاہ داغ کو دور کرنیکا وہی اثر ظاہر ہوگا جو ایک زنگ آلود لوہے کو صیقل کرنے سے ہوتا ہے یعنی اگر قتل کرنے کے وقت صداقت سے ایک درجہ نفرت تھی تو اس کی جگہ پشیمانی محبت کو چار درجے بڑھاویگی - غرض قتل کرنے کو جس قدر دل کی سختی سے تعلق ہے پشیمانی اور توبہ اس کا پورا تدارک ہے -

حقوق اللہ اور حقوق العباد مگر اس مثال مین ایک کوتاہی ضرور ہے وہ یہ کہ گناہ کو گناہ کرنے والے اور اس شخص سے جسکا گناہ کیا ہو غرض دونو سے تعلق ہو اور جس کا گناہ کیا ہے اسکو تعلق سے گناہ دو قسم مین منقسم ہوتا ہے ایک وہ جسکا تعلق کسی انسان سے نہین بلکہ محض ذات خداوندی سے ہے مثلاً خدا کا انکار کرنا یا عبادت نہ کرنا اور اسکو حق اللہ کہتے ہین اور دوسری قسم مین وہ گناہ ہین جن کو ذات خداوندی سے بھی تعلق ہے اور اس کے علاوہ دیگر مخلوقات سے بھی مثلاً چوری کرنا یا کسی جاندار کو ناحق ستانا - انکو حقوق العباد کہتے ہین - پس جو گناہ حقوق العباد کی قسم سے ہین ان مین صداقت سے نفرت بھی ہوتی ہے جس سے انسان خدا سے دور ہوتا ہے اور کسی مخلوق کو اذیت بھی پہونچتی ہے اسلئے توبہ اور پشیمانی سے صداقت کی نفرت کا اثر تو بیشک دور ہو سکتا ہے مگر جو اذیت کسی مخلوق کو پہونچ چکی اُس کا تدارک نہین ہو سکتا - اسلئے ایسے افعال مین توبہ مفید تو بہت کچھ ہے مگر پورے طور پر گناہ کی معافی اُس شخص کے معاف کر دینے پر منحصر ہے جسکو اذیت پہنچی ہے - اور معاف کرنے کی دو ہی صورتین ہین - یا تو بدلا لے لیا جائے اور دل کا غبار نکال کر کینہ دور کر دیا جائے یا عالی ہمتی سے بغیر بدلا لیئے معاف کر دیا جائے اسلئے قرآن مین حقوق العباد کے لئے یہی دو تدارک بتائے گئے ہین اور چونکہ بدلا لینے سے دل کو خود ہی سکون ہو جاتا ہے اور بالکل معاف کر دینا مشکل ہوتا ہے اس لئے معاف

کرنیکو بڑے اجر کا باعث قرار دیا گیا ہے اور بدلا لینے کو صرف جائز کہا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۞ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۭ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ

(شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۱۱)

بدی کا بدلا اسی جیسی بدی ہے لیکن جو معاف کر دے اور نیکی کرے اسکا بدلا خدا دیگا۔ وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو ظلم برداشت کرنیکے بعد انتقام کرے ایسے لوگوں پر کوئی اعتراض نہیں۔ الزام ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں بے وجہ بغاوت پھیلاتے ہیں اُن کے لئے دردناک عذاب ہے مگر جو صبر کرے اور معاف کرے تو یہ عالی ہمتی کا کام ہے

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۞

(نحل پارہ ۱۴ ع ۱۶)

اگر تم بدلا دو تو بالکل اسیقدر ہونا چاہیے جس قدر تکلیف پہنچی ہے اور اگر صبر کرو تو یہ فعل صبر کرنیوالوں کے لیئے بہتر ہے۔

اور ان کے برخلاف حقوق اللہ میں چونکہ کسی مخلوق سے تعلق نہیں اور اس فعل سے صرف کرنے والے کے دل کو صداقت سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور قلب تاریک ہو کر جلوۂ ربانی کے قابل نہیں رہتا اس لئے ایسے گناہوں میں پشیمانی اور اضطراب پورا فائدہ دیتا ہے اور توبہ سے گناہ بالکل معاف ہو جاتا ہے۔

ایمان اور گناہ۔ کفر اور نیکی کا اجتماع

یہاں تک ایک ہی طرح کے فعل اور اسکی ترقی کا یا توبہ اور ارتداد کی وجہ سے اس کے تنزل کا ذکر تھا۔ اب اگر انسان کے تمام افعال کو دیکھا جائے جن میں بعض بُرے ہیں اور بعض اچھے تو ان کا نتیجہ معلوم کرنیکے لیئے بھی نیچر ہی سے سبق لیا جا سکتا ہے۔ اور نیچر میں ہم دیکھتے ہیں کہ نباتات اُگتی ہیں۔ موسموں میں مختلف اُتار چڑھاو ہوتے ہیں کوئی حالت اُن پر بُرا اثر کرتی ہے اور کوئی بھلا۔ اور انجام پر کبھی کھیتی بالکل تباہ ہو جاتی ہے کبھی پورا فائدہ دیتی ہے اور کبھی محاصل ہوتا ہے مگر ناقص۔ اسیطرح حیوانات پرورش پاتے ہیں مختلف اسباب سے اچھے

اور پیسے اثر برداشت کرتے ہین اور نباتات کیطرح تینون طرح کے انجام پر پہونچتے ہین -

اصولی اسباب اور معاون اسباب اب ان چیزون کے مختلف انجامون کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اسباب مین سے بعض اصولی اسباب ہین جن کے بغیر نیک یا بد اثر پیدا ہو نہین سکتا اور بعض ان اصولی اسباب کو مدد دیکر ترقی کو زیادہ کرنے والے ہین گو ان کے بغیر بھی کوئی حالت قائم رہ سکتی ہو مثلاً غذا روشنی اور ہوا نباتات اور حیوانات کی پرورش کے اصولی اسباب ہین اور باغبانی اور پرورش کے عالمانہ اصول ان کے مددگار ہین - اور اسی طرح زہریلی غذا سخت حرارت یا رطوبت وغیرہ بربادی کے اصولی اسباب ہین اور اصول پرورش کی کوتاہی وغیرہ بربادی کیلئے معاون اسباب ہین - اور اگرچہ ان سب اسباب کا اثر انواع پر اور انواع کی ہر ایک فرد پر ایک دوسرے سے بہت مختلف اور پیچیدہ ہوتا ہے مگر عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جبتک زیست کے اصولی اسباب موجود ہین تباہی کے معاون اسباب زیست کو ناقص ضرور کر دیتے ہین مگر بالکل برباد نہین کر سکتے اور اس لئے اس حالت مین زیست کی ترقی شروع رہتی ہے اور کچھ نہ کچھ ثمرہ پیدا ہو جاتا ہے - اور اسی طرح اگر تباہی کے اصولی اسباب موجود ہین تو زیست کے مددگارون کی کوشش اپنی طاقت کے موافق تباہی مین تاخیر ضرور پیدا کر دیتی ہے مگر انجام بیشک عدم پر ہوتا ہے - اور اسی طرح اگر پہلے زیست کے اصولی اسباب موجود ہون اور بعد مین بربادی کے اصولی اسباب پیدا ہو جائین یا اسکے برعکس پہلے بربادی کے اصولی اسباب موجود ہون اور بعد مین زیست کا اصولی سامان مہیا ہو جائے تو اس حال مین بھی قوی ضعیف پر غالب آکر نتائج مین انقلاب پیدا کر دیتا ہے - مثلاً اگر درخت روشنی اور ہوا مین لگایا گیا ہے اور کچھ نہ کچھ خوراک بھی بہم پہنچائی جاتی ہے تو چونکہ یہ زیست کے اصولی اسباب ہین اسلئے اگر ان کے ساتھ باغبانی قاعدون کا بھی لحاظ رکھا جائے جو زیست کے معاون اسباب ہین تو اسحالت مین درخت پوری ترقی کریگا اور اگر تربیت مین کوتاہی کی گئی ہے تو اس وقت تباہی کے معاون اسباب موجود ہونے کے سبب درخت کی ترقی کامل نہ ہوگی مگر تاہم اسکی نشو و نما جاری رہیگی اور کسی حد تک بار ور ضرور ہوگا اور اگر بعد مین زہریلی غذا یا سخت حرارت پہونچ گئی ہے تو اس وقت چونکہ تباہی

کے اصولی اسباب پیدا ہو گئے ہین اس لئے درخت سوکھ کر فنا ہو جائیگا۔

عذاب وثواب کے اصولی اور معاون اسباب

اب مختلف نیک اور بد اعمال کو دیکھا جاسے تو جو قاعدہ نباتات اور حیوانات کے پرورش یا بربادی کے مختلف اسباب مین ثابت ہوتا ہی یہان بھی ضرور ہے کہ وہی قاعدہ جاری ہوگا اور ضرور ہے کہ نیک اور بد نتیجہ یعنے عذاب وثواب کے لیے بعض اصولی اسباب ہون اور بعض اُن کے معاون۔ اور چونکہ ثواب صداقت اور سرچشمہ صداقت سے قریب ہونے کو اور عذاب اس سے بعید ہونے کو کہتے ہین اس لیے ثواب کا اصولی سبب صداقت اور سرچشمہ صداقت کی محبت ہی اور عذاب کا اصولی سبب صداقت اور سرچشمہ صداقت کی نفرت۔ اور چونکہ قتل سرقہ وغیرہ عیوب سے صداقت کی نفرت ثابت ہوتی ہے اور ہمدردی اور ایثار وغیرہ سے صداقت کی محبت اسلئے یہ افعال اصولی اسباب کے معاون ہین اور یہی وجہ ہے کہ مذہب کی بنیاد عقیدہ پر رکھی گئی ہے اور عمل کو جذبۂ مذہبی کا مددگار اور ترقی کو بڑھانے والا مانا جاتا ہے۔

اب اگر کوئی شخص خدا کو مانتا ہے اور اپنی عبودیت اور اسکی خدائی کا پختہ اعتقاد رکھتا ہی تو ظاہر ہے کہ وہ سب سے بڑی صداقت سے محبت رکھتا ہے اور قانون مماثلت کے رُو سے ثواب کے اصولی سبب سے بہرہ یاب ہی اسلئے اگر نقص بشریت سے وہ بعض گناہون کا ارتکاب کرتا ہی بلکہ بعض بڑے بڑے گناہون کا بھی ارتکاب کرتا ہے مگر انکو گناہ سمجھتا ہے اور اپنے قصور کا اعتراف کرتا ہی تو اگرچہ ان گناہون کے سبب انکے اپنے اپنے درجہ کے موافق خدا سے بُعد ہوگا مگر اصولی سبب موجود ہونیکے سبب اسکی طرف ترقی جاری رہیگی خواہ کیسی ہی دھیمی رفتار سے ہو۔ اور یہ بدی کے معاون اسباب اگرچہ اپنے زور کے موافق اثر دکھائینگے مگر آخر مین نیکی کا اصولی سبب غالب آئیگا اور انجام نجات اور وصال پر ہوگا۔ اور اسی طرح اگر کوئی شخص خدا سے انکار کرتا ہے یا خدا کو مانتا ہے مگر اس طرح کہ کسی پتھر کو خدا سمجھ لیا ہے یا کسی اور غلط اعتقاد سے کسی ناقص خدا کو مان رہا ہے تو پہلی صورت مین مکمل صداقت سے بالکل نفرت ہی اور دوسری صورتون مین جس سے محبت کرتا ہے وہ صداقت نہین اس لیے

اس وقت بدی کا اصولی سبب یعنی صداقت سے نفرت اور بدی کی محبت اسمین موجود ہے۔اب اگر وہ ایثار اور ہمدردی وغیرہ اعلیٰ اخلاق سے متصف ہے جن سے صداقت کی محبت ظاہر ہوتی ہے تب بھی بیشک یہ نیکی کے معاون اسباب اسکی اس رفتار مین جو خدا سے دور ہونیکی طرف ہے بہت کچھ رکاوٹ پیدا کرینگے اور ایسا شخص ان لوگون کے برابر بدہ ہوگا جو انکار خدا کے ساتھ بدکار بھی ہین مگر پھر بھی نفرت اور بُعد کا اصولی سبب موجود ہونے کے سبب قانون مماثلت کے رو سے اسکی رفتار جاری دوری ہی کی جانب ہیگی اور رکاوٹین مغلوب ہوتی جائینگی۔

غرض میزان عدالت مین اصولی اسباب کا اپنے خلاف معاون اسباب سے ممتاز ہونا اور اپنی ترقی مین ان کو بتدریج نابود کرتے ہوئے اپنے مماثل کیطرف بڑھنا نیچر کے ہر فعل سے ثابت ہوتا ہے اور اسکے خلاف ممکن نہین کہ اصولی سبب جو وصف رکھتا ہے اسی کے مماثل کی طرف حرکت نہ کرے اور صداقت کی صورت مین غلطی کی طرف اور غلطی کی صورت مین صداقت کی طرف آئے اور اُس چیز کو ماننے والا جو حقیقت مین خدا نہین خدا کی جانب ترقی کرے یا سچے خدا کو ماننے والے کی رفتار اُسکے خلاف ہو۔چنانچہ یہی اسلام کا حکم اور قرآن کا ارشاد ہے۔

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ (آل عمران پ۴ ع۲۰)

جنھون نے ہجرت کی اور اپنے گھرون سے نکالے گئے اور مجھے ماننے کے جرم پر ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے ہم انکے ان افعال کو انکی گر برائیون کا کفارہ بتائین گے اور انکو جنت مین داخل کرینگے جس کے نیچے نہرین جاری ہین۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا (نساء پ۵ ع۲)

جن باتون سے تم کو روکا جاتا ہے اگر تم ان مین سے بڑی برائیون سے پرہیز کرو تو ہم تمھارے چھوٹے قصور معاف کر دینگے اور تمکو معزز جگہ داخل کرینگے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ

اس دن کا وزن حق ہے پس جس کا پلہ بھاری ہوگا ایسے لوگ رستگار ہین اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا انھون نے

فَأُولٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُم بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ۝ (اعراف پارہ ۸ ع ۱)

اپنے تئین خسارہ مین ڈالا اسلئے کہ وہ ہماری نشانات سے ظالمانہ سلوک کرتے تھے۔

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (اعراف پارہ ۹ ع ۱۷)

جن لوگون نے ہمارے نشانات کو جھٹلایا اور آخرت کا انکار کیا اُن کے اعمال ضائع ہوئے۔ جو عمل وہ کرتے ہین کیا اُن کے خلاف بدلا دیا جاوے۔

وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَن يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (توبہ پارہ ۱۱ ع ۱۳)

اور بعض وہ لوگ ہین جنہون نے کچھ عمل نیک اور کچھ بد دونو کو ملا دیا ہے اور اپنے گناہون کا اعتراف کرتے ہین امید ہے کہ خدا اُنکے گناہ معاف کر دیگا خدا بخشنے والا ہے مہربان ہے۔

مَن كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ لَا يُبْخَسُونَ ۝ أُولٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (ہود پارہ ۱۲ ع ۲)

جو شخص صرف دنیوی زیست اور اسی کی زینت چاہتا ہے ہم ویسے لوگون کے اعمال کا بدلا دنیا مین ہی دیدیتے ہین اور ان کے بدلے مین کمی نہین کی جاتی مگر ان کیلئے سوا دوزخ کے اور کچھ نہین اور جو کچھ انہون نے دنیا مین کیا ضائع ہوا اور انکے اعمال باطل ہو گئے۔

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (ہود پارہ ۱۲ ع ۱۰)

دن کے دونون حصون مین اور رات کے کچھ حصے مین نماز پڑھا کرو کیونکہ نیکیان برائیون کو دور کرتی ہین۔

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝ لَهُم مَّا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ۚ ذٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا ۝ (زمر پارہ ۲۴ ع ۱۸)

جو پیغمبر راستی کو لایا اور جس شخص نے اسکی تصدیق کی یہی لوگ متقی ہین ان کے لیئے ان کے خدا کے پاس سے جو وہ چاہین۔ یہ نیکبختون کا بدلا تاکہ خدا ان کو وہ برائیان معاف کرے جو انہون نے کی ہین۔

لِیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَیُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ (فتح پارہ ۲۶ ع ۱)

تا مومن مردوں اور عورتوں کو جنت میں داخل کرے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں اور ان کے بد اعمال کو معاف کرے۔

وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ (تغابن پارہ ۲۸ ع ۱)

جو خدا کو مانے اور نیک عمل کرے اس کے بد اعمال اُسے معاف کر دیے جائینگے۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ (قارعہ پارہ ۳۰ ع ۱)

جس کا پلہ بھاری ہے وہ اچھی حالت میں رہیگا اور جس کا پلہ ہلکا ہے اسکا ٹھکانا دوزخ ہے ۔۔

ایمان اور نیکی اصولی اور معاون اسباب کو دیکھنے سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک قسم کا اصولی سبب اپنے خلاف معاون اسباب کو مغلوب کر دیتا ہے وہاں یہ بھی نظر آتا ہے کہ ایک قسم کا اصولی سبب موجود ہونے پر اسی قسم کے معاون خواہ کیسے ہی کمزور ہوں بہت بڑا اثر کرتے ہیں۔ بارانی زراعت سخت امساک اور حرارت کے زمانے میں جبتک اسکی جڑیں مضبوط ہیں بارش کا ایک چھینٹا پڑ جانے سے بعض اوقات یہی لہلہاتی ہے کہ گو نہری زمین کے برابر نہ ہو مگر امید سے بڑھ کر اور معمول سے بہت زیادہ مفاد دیتی ہے۔ علیٰ ہٰذا نادار اور بھوکے جاندار کو جبتک رشتۂ حیات استوار ہے سوکھی غذا اور روکھا ٹکڑا مل جانے سے ایسی قوت حاصل ہوتی ہے کہ گو شاہی الوان نعمت کے برابر نہ ہو مگر پھر بھی یقینی موت یقینی حیات سے بدل جاتی ہے۔ اور سبب یہی ہے کہ اصولی سبب موجود تھا اس لیے تھوڑی سی امداد نے بہت سا فائدہ پہنچایا۔ اسی طرح کوئی عبودیت کا سچا اقرار کرنے والا اور خدا کو خدا ماننے والا سیاہ کاری اور بد اطواری سے کیسا ہی ہلاکت کے قریب ہو لیکن جب تک یہ اقرار دل میں راسخ ہے خدا کی محبت کا تھوڑا سا ظہور بھی اسکی ترقی کے لیے بہت کچھ مفید ہوگا مثلاً

استغفار ۱۔ کوئی شخص افعال بد میں مبتلا ہے۔ انکو چھوڑنا چاہتا ہے مگر عادت سے لاچار ہے کبھی سب یا چند گناہوں کو ترک کرنیکا عہد بھی کر لیتا ہے لیکن بعد میں کوئی فوری لذت یا فائدہ

پیش آکر ایسا مجبور کرتا ہے کہ پھر عہد کو توڑ کر اُسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس حالت مین پیچ و تاب کھاتا ہے اور کوشش مین ناکام ہوکر سمجھتا ہے کہ افسوس مین ہلاک ہوا۔ اور اگر خدا کی رحمت نہو تو ان سیہ کاریون کے سبب میرا کوئی ٹھکانا نہین۔ یہ خیال اُسکی روح کو خدا کی طرف کھینچتا ہے اور وہ اُس غریق کیطرح جو سمندر کی بے انتہا لہرون مین پڑا ہوا دور سے جہاز کو دیکھ کر ہاتھ پاؤن مارنے لگتا ہے۔ رحمت اور مغفرت کا خیال آنے پر دعا کے ہاتھ اُس بے نیاز کے آگے اُٹھاتا ہے اور نہایت بیقراری اور عاجزی سے اُسکے فضل و کرم کو شفیع بناتا ہے اور کہتا ہے کہ یا الہی کوئی چیز نہین جس کے سبب نجات کی آرزو کرون۔ گنہ گار ہون نافرمان ہون مگر تیرا بندہ ہون اور تیری رحمت کے سوا کوئی پناہ نہین رکھتا۔ غرض اِس قسم کے خیالات آنے پر اگرچہ وہ توبہ نہین کرتا کیونکہ جانتا ہے آج توبہ کرون گا اور کل توڑ دون گا مگر پھر بھی بُرائی کے بُرا ہونے کا یقین دل مین راسخ ہوتا ہے اور اس بُرائی کے سبب اپنے تئین بُرا سمجھنے سے ندامت اور پشیمانی ہوتی ہے اور یہ ندامت اُس گندگی کو دور کرتی ہے جو گناہ کے ارتکاب سے دل کو لاحق ہوئی تھی۔ اور اس طرح پر وہ صداقت کے قریب آتا ہوا جب خیال کرتا ہے کہ خدا کی رحمت کے سوا اور کوئی ٹھکانہ نہین اور بے اختیار ہو کر دعا کرتا ہے تو اس خیال اور اس فعل سے اسکی محبت اور شوق مین اور بھی ترقی ہوتی ہے۔ غرض قلب کی یہ حالت اگرچہ پارسائی اور تقوے کے برابر نہین مگر اس سے کمتر اور اگرچہ توبہ کے برابر نہین مگر توبہ سے دوسرے درجہ پر گناہگاری کے داغ کو دور کرنے اور نجات کی منزل قریب کرنے مین بہت کچھ مفید ہوتی ہے۔

آرزوی رحمت اور اگر کوئی شخص اپنی مغفرت کیلئے دعا بھی نہ کرتا ہو لیکن دل مین گناہ کی ندامت محسوس کرتا ہو اور جانتا ہو کہ مین ایسا بد ہون کہ خدا کی رحمت کے سوا ہرگز بخشش کا امیدوار نہین سکتا تو اسکے اس خیال سے بھی چونکہ دل مین وہ سختی نہین رہتی جو سیہ مست اور ناپشیمان کے دل مین ہوتی ہے اور نیز خدا کی رحمت کے خیال سے محبت کا عنصر قوت پاتا ہے اس لیے ایسا شخص بھی دیگر بدکارون کی نسبت بہت فائدے مین ہے اور اسکے گناہ معاف ہونے کا احتمال قوی ہے۔

مگر یہ سب کچھ اسی لیے مفید ہوگا کہ محبت کا اصول اور اقرار خدا کا عنصر موجود ہے اور اگر کسی

مین یہ عنصر موجود نہ ہو تو چونکہ یہ اسباب محض معاون ہین اسلئے چندان مفید نہ ہونگے اور اگر کوئی شخص خدا کو نہین مانتا تو اس کا بدی پر پشیمان ہونا بُعد کی تیز رفتاری مین سستی ضرور پیدا کر دیگا مگر بُعد کو قرب سے نہ بدلیگا۔ چنانچہ اسی لئے گناہون کے سبب جس قدر بُعد خدا کی ذات سے ہوتا ہے اسکا اثر دور کرنے کیلئے اسلام نے دعا اور پشیمانی وغیرہ نیکی کے معاون اسباب کو بڑی حد تک مفید قرار دیا ہے مگر ساتھ ہی اقرار خدا کے عنصر کو ضروری ٹھرایا ہے۔ اور جہان خدا کی رحمت سے گناہ معاف ہونے کا ذکر ہے وہان خدا کی طرف جھکنے اور عبودیت کا اقرار کرنیکا حکم دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جہان خدا کے اقرار مین کوتاہی ہو وہان ان اسباب سے کوئی نتیجہ نہین نکلتا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ط وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ط اُولٰٓئِكَ جَزَاۤؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ

(آل عمران پارہ ۴ ع ۱۴)

ایسے لوگ جو کسی فحش امر کے مرتکب ہون یا اپنے اوپر ظلم کرین خدا کو یاد کرین اور اپنے گناہون کی معافی مانگین اور حقیقت یہ ہے کہ خدا کے سوا معاف کرنے والا اور کون ہے اور وہ اپنے افعال پر دانستہ اصرار نہ کرین تو ایسے لوگون کا بدلہ خدا کی طرف سے بخشش ہے اور بہشت ہے جس کے نیچے نہرین جاری ہون اور وہ اسمین ہمیشہ رہین اور ایسا عمل کرنے والون کا یہ بدلہ بہت اچھا ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْۤءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ط

(نساء پارہ ۵ ع ۱۶)

اور جو شخص بدی کرے یا اپنے اوپر ظلم کرے پھر خدا سے مغفرت مانگے تو وہ خدا کو بخشندہ و مہربان پائیگا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ

بیشک خدا شرک کو نہین بخشتا اور اسکے سوا جس کو چاہے بخش دیتا ہے اور جو شخص خدا سے شرک کرے

بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا (نساء پ۵ ع۱۸)

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ وَاَنِیْبُوْۤا اِلٰی رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ (زمر پارہ ۲۴ ع۶)

قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ؕ (مومن پارہ ۲۴ ع۵)

وہ بہت بڑی گمراہی میں ہے

کہدو اے میرے بندو جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو خدا سب گناہ معاف کردیگا وہ بخشندہ و مہربان ہے اور جھکو خدا کی طرف اور اُسکے آگے سر جھکاؤ پیشتر اس سے کہ تمپر عذاب آئے اور کوئی تمہاری مدد نہ کرسکے۔

انہوں نے کہا کہ دعا کرو مگر کفار کی دعا رائیگان جانے کے سوا کوئی اثر نہیں رکھتی

محبت صلحا

۴۔ یا مثلاً کوئی گنہ گار نیک اور پارسا لوگوں سے محبت کرتا ہے اور اپنے تئین ان سے کمتر اور ذلیل سمجھتا ہے تو چونکہ اس محبت کا سبب یہی ہے کہ وہ لوگ نیک اعمال کے پابند ہین اور خدا کے مقرب ہین اور اپنے تئین ذلیل سمجھنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ اُن جیسے نیک اعمال بجا نہیں لاتا اور خدا کا قرب حاصل نہین کرتا اسلئے حقیقت مین وہ خدا ہی کی محبت ہے جو اسے خداشناسون کیطرف کھینچتی ہے اور ندامت اور پشیمانی ہی ہے جو اسکو اپنے تئین ان سے حقیر سمجھنے پر مجبور کرتی ہے۔ پس اگرچہ وہ گنہگار ہے اور قرب ربانی اور نور معرفت سے بہرہ ور نہین مگر اسکی پشیمانی اندرونی تاریکی کو دور کرنے مین ضرور مدد دیگی اور خداشناسون کی محبت اسکی روح کو خدا کی طرف کچھ نہ کچھ ضرور بڑھائیگی۔ چنانچہ یہی بزرگان دین کی عظمت اور محبت کا احساس ہے جس کو شفاعت کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور مانا جاتا ہے کہ ان لوگون کی وساطت سے گنہ گارون کے گناہ معاف ہون گے۔ مگر چونکہ یہ بھی اسباب معاون مین سے ہے اسلئے پہلے خدا کا اقرار اور ایمان کا عنصر موجود ہونا ضرور ہے اور جو شخص اس نعمت سے بہرہ ور نہین اسکو نیکیون کی محبت دوری کی رفتار کو نور است کردینے سے زیادہ مفید نہ ہوگی۔ بلکہ اگر کوئی شخص صرف اہل اللہ سے محبت رکھتا ہو مگر کوئی نیک عمل بجا نہ لاتا ہو تو ماننا پڑتا ہے کہ اسکی دل مین

خدا کی محبت جس سے اہل اللہ کی محبت کا ظہور ہوا بہت ہی کم ہے ورنہ کچھ نہ کچھ نیکی بھی ظہور پذیر ہوتی اسلئے اس صورت مین یہ معاون سبب نہایت ہی کمزور واقع ہوا ہے اور اسلئے اس کا اثر ہوگا مگر بہت کم۔ اور معتد بہ فایدہ اسی صورت مین ہوگا جب اصولی سبب یعنی ایمان کے ساتھ ایسی محبت کے علاوہ کچھ نیک افعال اور بھی ہون۔ چنانچہ اسی لیے قرآن مین جہان شفاعت کا ذکر کیا ہے وہان ایک تو یہ فرمایا گیا ہے کہ حقیقت مین شفیع خدا کے سوا اور کوئی نہین جس سے جہان تک مین سمجھ سکتا ہون اس نکتہ کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بزرگون کی محبت جو گناہ کو دور کرنے کے لیئے مفید ہے تو اسی لئے کہ اسکی تہ مین خدا کی محبت مرکوز ہوتی ہے پس فی الواقع گناہ کو دور کرنیکا ذریعہ خدا کی محبت ہے اور اس لیئے گنہ گارون کا شفیع اس وقت بھی اُسی کو کہنا چاہیئے۔ اور دوسرے فرمایا گیا ہے کہ شفاعت اُنہی لوگون کی ہوگی جن سے خدا راضی ہو اور جو اُس کے احکام کے ایک حد تک پابند ہین۔ اور جو یہ وصف نہ رکھتے ہون اُن کے لیئے کوئی شفیع نہین۔ چنانچہ امر اول کی نسبت ارشاد ہے ؛

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيعٌ (انعام پارہ ۷ ع ۸)	اُن کے لیے خدا کے سوا کوئی دوست اور شفیع نہین۔
مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيعٍ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ (سجدہ پارہ ۲۱ ع ۱)	تمہارے لیے اس کے سوا کوئی دوست اور شفیع نہین کیا تم خیال نہین کرتے
قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا (زمرہ پارہ ۲۴ ع ۵)	کہدو کہ شفاعت سب خدا کے لئے ہے۔

اور امر ثانی کی نسبت فرمایا ہے۔

مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهٖ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ (یونس پارہ ۱۱ ع ۱)	کوئی شفیع نہ ہوگا مگر اسکے اذن کے بعد یہی خدا تمہارا پروردگار پس تم اسی کی عبادت کرو
لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (مریم پارہ ۱۶ ع ۶)	وہ شفاعت کا اختیار نہین رکھتے مگر وہ شخص جس کے لیے خدا کا وعدہ ہے۔

یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا ط (طٰہٰ پارہ ۱۶ ع ۶)	اس دن شفاعت مفید نہ ہوگی مگر جس کے لئے خدا نے اجازت دی اور جس کی بات کو پسند کیا
وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ط (انبیاء پارہ ۱۷ ع ۲)	وہ نیک بندے شفاعت نہ کرینگے مگر اسی شخص کی جس سے خدا راضی ہے اور وہ نیک بندے خدا کے خوف سے ڈرتے ہین
وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ط (سبا پارہ ۲۲ ع ۳)	اور نہین مفید ہوگی شفاعت مگر اس شخص کیلئے جس کی نسبت خدا نے اجازت دی
مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ (مومن پارہ ۲۴ ع ۲)	ظالمون کے لئے کوئی ہمدرد اور لائق قبولیت شفیع نہین ہے۔
وَلَا یَمْلِکُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ط (زخرف پارہ ۲۵ ع ۷)	خدا کے سوا جن لوگون سے یہ التجا کرتے ہین وہ شفاعت کا اختیار نہین رکھتے مگر اس شخص کے لیئے جس نے حق کو قبول کیا ہے اور وہ سب یہ جانتے ہین
قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ وَکُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ وَکُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ حَتّٰۤی اَتٰىنَا الْیَقِیْنُ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ ط (مدثر پارہ ۲۹ ع ۲)	انھون نے کہا کہ ہم نمازی نہین تھے ہم غربا کو کھانا نہین دیتے تھے اور ہم انکار کرنیوالون کے ساتھ شریک ہوجاتے تھے اور ہم روز جزا کو غلط سمجھتے تھے حتے کہ ہمکو موت آگئی۔ پس ایسے لوگون کیلئے شفاعت کرنیوالون کی شفاعت مفید نہوگی۔

دعا فی زمانہ مذہب کی نسبت غور و فکر کرنیوالون مین سے بعض دعا اور شفاعت کے اثر سے انکار کرتے ہین اور سبب یہ ہے کہ احکام مذہبی کو سمجھنے مین کوتاہی ہوئی ہے پہلے سمجھنے والون نے خدا کو دنیوی بادشاہون کے نمونہ کا ایک بادشاہ فرض کیا تھا جو بعض اعمال سے خوش ہوتا ہے اور بجالانے والون کو اسی طرح انعام اور عطیے بخشتا ہے جیسے دنیوی بادشاہ تعریف اور دل لگی سے خوش ہوتے ہین۔ اور

شاعرون یا نقالون کو خلعت و جاگیر بخشتے ہین اور جو بعض اعمال سے ناراض ہوتا ہے اور ایسے مجرمون کو اسی طرح عذاب اور تکلیف مین مبتلا کرتا ہے جیسے دنیوی بادشاہ بے ادبی اور گستاخی پر قید یا پھانسی کی سزا دیتے ہین۔ اور اسی طرح دعا اور شفاعت کا یہ مطلب سمجھا گیا تھا کہ جس طرح بادشاہ بعض اوقات کسی کی اپنی منت خوشامد سے یا کسی مصاحب کی سفارش سے ایسا انعام دیدیتے ہین جس کا وہ مستحق نہین ہوتا اسی طرح خدا بھی دعا مانگنے سے اور بزرگون کی سفارش سے بندون کی آرزوئین پوری کر دیتا ہے۔

چونکہ ایسا اعتقاد قرین عقل نہ تھا اس لیے بعض ان باتون کو سن کر ایسے گھبرائے کہ حقیقت معلوم کرنے کی تکلیف گوارا کرنے کے بغیر مذہب سے روگردان ہو گئے اور بعض نے حقیقت کا پتہ لگایا اور سمجھے کہ جزا و سزا خلعت و جاگیر کیطرح اعمال سے جداگانہ کوئی چیز نہین بلکہ خود اعمال کی دوسری شکل اور انکا ایک لازمی نتیجہ ہے اور وہ یون کہ عملون کی جس شکل کو نیک سمجھا جاتا ہے ان سے کرنے والے کے دل مین نرمی اور صفائی اور جس شکل کو بد سمجھا جاتا ہے اسکا ارتکاب کرنیوالون کے دلمین سختی اور کدورت پیدا ہوتی ہے۔ اور پھر جس طرح آئینہ صاف ہونے کی وجہ سے نور آفتاب سے چمک اٹھتا ہے اور لوہا مکدر ہونے کے سبب کسی طرح کی شعاع کو ظاہر ہونے نہین دیتا اور جس طرح آئینہ اور لوہے کے مابین صفائی کے مختلف درجون کے مطابق آفتاب کی شعاعین مختلف رنگون مین ظاہر ہوتی ہین اسی طرح کامل اتقا اور پارسائی سے دل ایسا صاف ہوتا ہے کہ نور ربانی اس پر پورے طور سے منعکس ہوتا ہے اور بالکل سیہ کار اور بد باطن کا دل ایسا مکدر ہو جاتا ہے کہ اس پر نور ربانی کا کوئی نشان ظاہر نہین ہوتا اور ان دونو حدون کے مابین پارسائی اور سیہ کاری کے مختلف درجون مین نور ربانی کے مختلف ظہور ہوتے ہین اب جو نیک اور بد اثر نور کے منعکس ہونے اور نہ ہونے یا کم اور زیادہ ہونے پر مرتب ہوتا ہے وہی اعمال کی سزا اور جزا ہے۔

غرض سزا اور جزا کی جو حقیقت سمجھی گئی ہے وہ بیشک معقول اور قابل تسکین ہے

لیکن کوتاہی یہ ہوئی کہ اِس خیال کو اور آگے نہ بڑھایا گیا اور نہ دیکھا کہ دعا اور شفاعت کا مسئلہ اس اصول کے مطابق کہاں تک حل ہوسکتا ہے حالانکہ اس اصول کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ دنیا مین فاعلی اثر ذات خداوندی کیطرف سے ہی اور دوسری چیزون کو جس قدر تعلق اثر پیدا کرنے سے ہے وہ محض انفعالی ہے یعنی اشیاء اپنے اندر کسی اثر کی قابلیت پیدا کرتی ہین اور جس قدر قابلیت پیدا کرتی ہین مبدأ فیاض کیطرف سے اسی قدر اثر کا فیضان ہوتا ہے اور یہ قاعدہ نیک و بد افعال اور نور ربانی کے انعکاس تک ہی محدود نہین بلکہ جیسا کہ ذکر ہوچکا ہے مسئلہ پیدائش کے مطابق دُنیا کی ہر چیز کا فاعل اور خالق وہی قادر و مختار ہے اور جو کچھ پیدا ہوتا ہے اسی کی قوت علم کے فاعلی اثر سے ہوتا ہے مگر اُس نے یہ قاعدہ مقرر کردیا ہے کہ بعض چیزین بعض چیزون کے بعد وجود مین آتی ہین اور ان مین سے جب کسی خاص چیز یا حالت کے بعد دوسری خاص چیز یا حالت ضرور پیدا ہوتی ہے تو پہلی کو علت اور دوسری کو معلول کہا جاتا ہے ورنہ حقیقت مین علت کا پیدا ہونا اُس قابلیت انفعال کا پیدا ہونا ہے جس کے بعد مبدأ فیاض کا فاعلانہ اثر معلول کو پیدا کرتا ہے۔

اب اس علت و معلول یا انفعال و فاعلیت کے اثر کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ علت و معلول کے بعض سلسلے انسانی دخل و تدبیر کے بغیر خودبخود اثر کرتے ہین اور بعض مین دخل و تدبیر کا بھی اثر ہوتا ہے اور یہ دونو قدرت ہی کے قانون ہین چنانچہ یہ بھی قانون قدرت ہے کہ زمین مین تخم ڈالنے کے بعد آفتاب کی حرارت وغیرہ اسباب سے ایک خاص مدت مین درخت پیدا ہوتا ہے اور یہ بھی قانون قدرت ہے کہ مصنوعی طور پر حرارت پیدا کرنے سے درخت وقت سے پہلے پھلنے پھولنے لگتا ہے یہ بھی قانون قدرت ہے کہ انڈا جانور کے پرون کے نیچے ایک مقررہ میعاد مین بچہ نکالتا ہے اور یہ بھی قانون قدرت ہے کہ انسانی دخل و تصرف سے کسی طرح زیادہ حرارت پیدا ہونے پر میعاد سے پہلے جانور پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ بھی قانون قدرت ہے کہ کسی چیز کو آگ مین ڈالو تو جلے اور یہ بھی قانون قدرت ہے کہ آتشی شیشہ کو آفتاب اور کسی چیز کے مابین حائل کرکے اس چیز کو جلادو

جائے۔ ان سب صورتون مین جو حرارت سرچشمۂ حرارت یعنی آفتاب کیطرف سے عمل کر رہی تھی اس مین کوئی بخل نہین لیکن پھر بھی نتیجہ مین تقدم و تاخر ہو گیا ہے تو اسلئے کہ ایک صورت مین قابلیت محض فطری طور پر پیدا ہوئی تھی اور دوسری صورت مین مصنوعی طریقے سے بھی کچھ مدد دیگئی۔

اب انسانی ضرورتون کے اور دعا کے تعلق کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کسی ضرورت کو محسوس کرتا ہے اور اسکا سرانجام چاہتا ہے۔ اس کے اسباب اور علل کیطرف نظر کرتا ہے۔ بعض اوقات ان اسباب کو اپنے احاطۂ قدرت سے باہر پاتا ہے اور اگر کبھی اسکی قدرت مین ہوتے بھی ہین تو ان کو مہیا کرنا ایسا دشوار ہوتا ہے کہ ہاتھ ڈالتے ہوئے ڈرتا ہے اور کبھی خیال کرتا ہے کہ تدبیر کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا مشکل ہو جائیگا اور یہ سب باتین نہ ہون اور کام نہایت آسان ہو تب بھی ایسے ناگہانی حادثون کا احتمال باقی رہتا ہے جن کے پیش آنے پر سامنے رکھی ہوئی چیز کو ہاتھ سے اٹھا لینا بھی مشکل ہو جاتا ہے غرض اپنے گرد و پیش مزاحمتون کی یہ کثرت اور اپنی قوت اور استقلال کی یہ ناپائداری اور اُدھر اپنی ضرورت کا احساس دیکھ کر گھبراتا ہے اور جب اپنے تئین نہایت لاچار پاتا ہے تو نہایت بیقراری سے اس مسبب الاسباب کیطرف رجوع کرتا ہے اور دل و جان کو اُس کے خیال مین لگا کر اور اُسکو اپنا حاجت روا اور تمام گرد و پیش کا حاکم جان کر اور اپنی درماندگی اور اُسکی قدرت کاملہ کا تصور کر کے اُس سے دعا مانگتا ہے تو اس وقت شیشۂ دل کے نور ربانی سے مقابل ہونیکے سبب اسمین مبدأ فیاض کے فیضان کی قابلیت اسی طرح پیدا ہو جاتی ہے جس طرح آتشی شیشہ کو حائل کرنے سے یا مصنوعی طور پر پودے یا انڈے کو حرارت پہنچانے سے۔ چنانچہ جو قلق و اضطراب پہلے اپنی درماندگی اور گرد و پیش کی مزاحمتون کے خیال سے دلکو گھیرے ہوئے تھا وہ خدا کو اپنا مددگار و ناصر سمجھنے سے دور ہو جاتا ہے اور اس طرح پر جو کام اُسکے خود کرنے کا ہے اسکو اور زیادہ اطمینان اور قوت سے پورا کرتا ہے اور جو اسباب اُسکی جسمانی قوت سے باہر ہین اُن پر روح اور نور ربانی کا تقابل اثر کرتا ہے اور خدا کا فاعلی اثر جو پہلے صرف بیرونی تدبیرون کی وساطت سے عمل کرتا تھا اب ایک اور شفاف واسطہ پیدا ہونے پر اور زیادہ عمل کرنے لگتا ہے۔ غرض وہ بھی

قانون قدرت تھا کہ ظاہری اسباب کے مہیا ہونے پر خدا انسانی ضرورتوں کو پورا کرے اور یہ بھی قانون قدرت ہے کہ ظاہری اسباب کے ساتھ روحانی واسطہ پیدا ہونے پر ضرورتیں زیادہ عمدگی سے سرانجام پائیں۔ اوران دونوں صورتوں میں مبدأ فیاض کیطرف سے کوئی بخل نہیں اور نتیجہ میں جو تفاوت ہوا ہے وہ قابلیت کی کمی زیادتی کے سبب سے ہے۔

اب اگر اعتراض ہو کہ اکثر دعا کی جاتی ہے اور مطلب حاصل نہیں ہوتا تو جواب یہ ہے کہ اکثر دوا کی جاتی ہے اور صحت نہیں ہوتی تو وجہ یہ کہ دنیا میں بے انتہا قوانین قدرت اپنی قوت اور ضعف کے ساتھ عمل کر رہے ہیں۔ دوا کا اثر بھی ایک قانون ہے جو صحت پیدا کرتا ہے اور دیگر واقعات گرد و پیش بھی قانون ہیں جو صحت کے خلاف اثر کر رہے ہیں۔ اور جس وقت ہم کہتے ہیں کہ دوا نے اثر نہیں کیا اس وقت حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس نے اثر ضرور کیا اور اگر وہ نہ ہوتی تو مرض کی صورت کچھ اور ہوتی۔ مگر اس کا اثر نمایاں نہیں ہوا اسلئے کہ دیگر مخالف اسباب اس کثرت سے تھے کہ دوا کے اثر کے بعد بھی انکی بہت سی مقدار موجود رہی یا بعض اوقات دوا اُن شروط اور لوازم کے ساتھ نہیں دی جاتی جو اثر کے لیے ضرور ہیں اور اس لیے اس وقت کچھ فایدہ محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح جس وقت دعا کا اثر نہیں ہوا اس وقت بھی خدا ہی کے مقرر کیے ہوئے بہت سے قوانین خلاف اثر کر رہے تھے اور اس لیے نور ربانی کی جس قدر لہر روح کو مقابل کرنے سے اس طرف آئی تھی اس نے اثر کیا مگر اسکے بعد بھی وہ لہریں جو پہلے دوسری سمت میں اثر پیدا کر چکی تھیں انکی قوت کی بڑی مقدار موجود رہی اور اس نے دعا کے اثر کو نمایاں نہ ہونے دیا۔ یا بعض اوقات اُس خضوع و خشوع میں کوتاہی ہو جاتی ہے جو دل کو خدا کی طرف متوجہ کرنے کے وقت ضروری ہے اور اس لیے دعا کچھ فائدہ نہیں بخشتی۔

یہ تو دعا کا تعلق تمام ضروریات کے ساتھ تھا اور اسمیں خدا کی طرف متوجہ ہونے سے ان تمام گرد و پیش کے حالات پر اثر پڑتا ہے جو ہماری اپنی قدرت سے باہر ہیں۔ کیونکہ اگر ان چیزوں پر ہمارا قابو نہیں تو جس ذات کا تصور اس وقت دل میں قائم ہے وہ تمام اشیا پر متصرف ہے۔ پس ایسی دعا کا فائدہ یہی ہی

صورت مین ہو سکتا ہے کہ نیکی کا اصول یعنی ایمان ہمارے دل مین راسخ ہو ورنہ جو شخص خدا کا قائل نہین وہ اسکی طرف توجہ بھی نہین کر سکتا اور جس نے ایسی چیز کو خدا مان لیا ہے جو واقع مین خدا نہین وہ اگرچہ اپنے مانے ہوئے خدا کی طرف توجہ کریگا مگر وہ خدا تمام عالم پر متصرف نہین اسلئے ایسی توجہ کا نتیجہ کچھ نہ ہوگا۔ رہی وہ دعا جو ہم خاص اپنے گناہون کی معافی کے لیے کرتے ہین اوٗ اسمین جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا علاوہ اس نور کے جو ہم اپنے شیشہ دل کو ذات ربانی سے مقابل کر کے حاصل کرتے ہین دل مین گناہون پر ندامت اور پشیمانی بھی ہوتی ہے اسلئے یہ حاجت دعا سے بطریق اولے پوری ہوگی اور بدی کی سختی دور ہو کر خدا کی محبت ترقی کریگی۔

غرض دعا کا مسئلہ اسی اصول پر حل ہوتا ہے جس پر جزا و سزا کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے اس لیئے دونو مسئلہ صحیح اور قابل تسکین ہین اور اسی لیے اسلام کا حکم ہے کہ خدا سے دعا مانگو اور نہایت عاجزی سے مانگو وہ تمھاری تکلیف دور کریگا اور اگر اسکے سوا کسی اور سے مانگو گے تو کچھ اثر نہ ہوگا۔ ارشاد ہے

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ؕ (بقرہ پارہ ۲ ع ۳)

اور جب میری نسبت میرے بندے پوچھین تو کہدو کہ مین قریب ہون اور جو کوئی مجھے پکارے مین اسکی دعا قبول کرتا ہون پس چاہئے کہ وہ مجھے مانین اور مجھ پر ایمان لائین تا وہ فلاح پائین +

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (اعراف پارہ ۸ ع ۱۴)

اپنے رب کو عاجزی سے اور پوشیدہ پکارو۔ وہ حد سے بڑھنے والون کو پسند نہین کرتا +

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ؕ (اعراف پارہ ۹ ع ۱۳)

خدا کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تم جیسے بندے ہین پس اگر تم سچے ہو تو ان کو پکارو اور وہ تمہاری دعا قبول کرین +

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

کہدو کہ خدا کے سوا جن کو تم خدا سمجھتے ہو انکو پکارو

فلا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلا ط (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۶)

وہ تمہاری تکلیف کو دور کرنیکا یا اسمین تخفیف کرنے کا اختیار نہین رکھتے ۔

امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ءالہ مع اللہ قلیلا ما تذکرون (نمل پارہ ۲۰ ع ۵)

بیقرار جب پکارتا ہے تو اسکی دعا کون قبول کرتا ہے اور اسکی تکلیف کو کون دور کرتا ہے کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم بہت کم غور کرتے ہو

فادعوا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون ط (مومن پارہ ۲۴ ع ۸)

خالص خدا پر ایمان لاکر اس سے دعا کرو۔ خواہ کفار ناگوار سمجھین

وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین ط (مومن پارہ ۲۴ ع ۶)

اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھ سے دعا کرو مین قبول کرونگا۔ مگر جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہین وہ ذلیل ہوکر جہنم مین جائینگے ۔

ھو الحی لا الہ الا ھو فادعوہ مخلصین لہ الدین ط الحمد للہ رب العالمین ط (مومن پارہ ۲۴ ع ۷)

وہ زندہ ہے اور معبود اسکے سوا کوئی نہین تم خالص اس پر ایمان لاکر دعا کرو۔ اب سب قسم کی تعریف خدا کے لیئے ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

شفاعت اب شفاعت کے مسئلہ کو دیکھا جائے تو اس کی مفروضہ شکل یعنی یہ کہ نیک بندے خدا سے کہکر گنہ گارون کے گناہ بخشوا لینگے بالکل انھی معنون مین جوان لفظون سے عام مین سمجھے جاتے ہین یعنی یہ کہ گنہ گار کی طرف سے کوئی کوشش نہ ہو اور محض سفارش سے اکو نیکون کا درجہ ملجائے قابل تسکین نہین کیونکہ اس صورت مین بدی کا جو اس نے کی ہے کوئی بدلا نہین ملتا اور نیکی جو اس نے کی نہین اسکا عوض دیدیا جاتا ہے جسکی کوئی وجہ نہین اور چونکہ یہ واقعہ عالم آخرت سے متعلق ہے جہان کا عینی تجربہ ہمکو حاصل نہین اسلیئے جیسا کہ پہلے گذشتہ باب مین غور کیا گیا ہے ایسے واقعات مین کیون کا جواب ملنے اور وجہ معلوم

ہونے کے بغیر تسکین نہین ہوتی اور اسی لیے ایسا مسئلہ اصل مذہب کیطرف سے پیش بہی نہین ہوا۔ بلکہ اسکے خلاف جو لوگ اپنے مختلف معبودون کو اپنا شفیع ٹھیراتے تھے ان کے خیال کی تردید کیگئی ہے اور کہدیا گیا ہے کہ قیامت کو ہرگز سعی و سفارش کام نہ دیگی اور بے وجہ کوئی انعام نہ ملیگا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ط
(بقرہ پارہ ۱ ع ۱۵)

ایسے دن سے ڈرو جس مین کوئی شخص دوسرے شخص کے عوض مین پکڑا جانا پسند نہ کریگا اور جس دن کوئی تاوان نہ لیا جائیگا اور کوئی شفاعت مفید نہ ہوگی اور انکی مدد نہ کی جائیگی

مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ
(بقرہ پارہ ۳ ع ۳۴)

نیک بنو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس مین نہ ثواب کی خرید فروخت ہوگی نہ دوستی اور شفاعت کام دیگی ؛

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ط
(بقرہ پارہ ۳ ع ۱۰)

انسان کو مفید یا مضر وہی ہے جو وہ خود کسب کرے

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ط (آل عمران پارہ ۴ ع ۱۴)

کیا تم سمجھتے ہو کہ بہشت مین چلے جاؤ گے حالانکہ خدا کو معلوم نہ ہوا ہوگا کہ تم مین سے کس نے کوشش کی ہے اور کون صابر ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ط (انعام پارہ ۸ ع ۶) (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۲) (زمر پارہ ۲۳ ع ۱) (فاطر پارہ ۲۲ ع ۲)

کوئی اٹھانیوالا دوسرے کا بوجھ نہین اٹھاتا۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ط (انفال پارہ ۱۰ ع ۵)

تا جو ہلاک ہو وہ بھی کسی وجہ سے ہلاک ہو اور جو رستگار ہو وہ بھی کسیوجہ سے رستگار ہو

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ

وہ خدا کے سوا عبادت کرتے ہین ایسے معبودون کی

وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّٰهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ (یونس پارہ ۱۱ ع ۲)	جو نہ نقصان دی سکتے ہین اور نہ فایدہ - اور وہ کہتے ہین کہ یہ خدا کے پاس ہماری شفاعت کرینگے کیا تم خدا کو سکھاتے ہو ایسی بات جس کا زمین آسمان مین کہین وجود نہین
اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ (مومن پارہ ۲۴ ع ۲)	آج ہر شخص کو اُسکے اعمال کا بدلہ دیا جائیگا اور آج ظلم نہ ہوگا -
كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (مدثر پارہ ۲۹ ع ۲)	ہر شخص پابند ہے اسی چیز کا جو اس نے کسب کی -

ترغیب کا فائدہ مگر کیا نیکبختون سے اور انکی نیکی سے دوسرون کو کچھ بھی فائدہ نہین پہنچتا؟ نہین یہ کہنا بھی مشکل ہے کسی قوم مین بعض افراد مہذب اور نیک خیال ہین اور باقی سب وحشی اور ناہنجار - تو اگر وحشی لوگ اہل تہذیب کی ترغیب یا انکی مثال سے متنبہ ہوکر اپنے اطوار کو بدل لین تو ضرور اسی نتیجہ مین حصہ دار ہوجائینگے جو اہل تہذیب کے افعال پر مرتب ہے - مگر ان کو اپنی حالت بدلنے کی توفیق کیون ہوئی؟ اس لئے کہ دوسرون کی ترغیب اور انکا نمونہ موجود تھا پس یہ بہت بڑا فائدہ ہے جو نیکبختون کے وجود سے دوسرون کو پہنچا - یہ ضرور ہے کہ پہنچا اسی لیے کہ بدکارون نے انکی ترغیب اور نمونے کی طرف توجہ کی اسلئے یہ فائدہ ایسا نہین جسمین بدکارون کے اپنے عمل کو کچھ بھی دخل نہ ہو ۔

معیت کا فائدہ اسی طرح کسی ملک مین بعض لوگ حفظ صحت کے قواعد کی مطلق پروا نہین کرتے اور نہایت غلیظ زندگی بسر کرتے ہین مگر ان کے ساتھ ہی بعض لوگ اپنی تنبین اور اپنے مکانون کو اور کوچون کو نہایت صاف شستہ رکھتے ہین - اب اگر میلا رہنے والے ان کو دیکھ کر اپنی حالت نہ بدلین مگر ایسے وحشی بھی نہ ہون کہ صاف رہنے والون کے دشمن ہوجائین اور ان کو اپنی طرح گندا رہنے پر مجبور کرین تو اس صورت مین اگر ان مین وبا سرایت کریگی تو اس مین

وہ شدت نہ ہوگی جو تمام آبادی کے گندا ہونے کی صورت میں ہوتی۔ غرض اس وقت بھی میلا رہنے والوں کو اپنے مہذب ہم وطنوں کے وجود سے فائدہ پہنچا مگر بالکل بے وجہ یہاں بھی نہیں۔ اسلئے کہ اگرچہ انہوں نے اپنی طرف سے کوئی عمل نہیں کیا مگر اتنا تو کیا کہ اپنی گندہ حالت کو ترقی دینے کی کوشش نہیں کی اور دوسروں کی صفائی میں حارج نہیں ہوئی اس لیئے جس قدر ان کے اس فعل کا اثر ہو سکتا تھا اسی قدر فائدہ بھی حاصل ہو گیا۔ اور اگر وہ ذرا اپنے فعل میں ترقی کرتے اور اپنی غلاظت کو بھی کم کرنے لگتے تو اس سے زیادہ فائدہ اٹھاتے۔ اب نیکی اور بدی کو دیکھا جائے تو وہاں بھی یہی قاعدہ جاری ہے کہ نیکوں کی ترغیب اور نمونے سے جو نیک بنجاتے ہیں وہ ویسے ہی فائدے بھی حاصل کرتے ہیں اور جو انکی تقلید نہیں کرتے لیکن ان کے نیک افعال میں مزاحم بھی نہیں ہوتے انکی سوسائٹی کی سیہ کاری اور سنگدلی میں وہ ترقی نہیں ہوتی جو تمام آبادی کے بدکار ہونے کی صورت میں ہوتی اور اسلئے جو کچھ اس کا نتیجہ ہوگا وہ بھی شدت میں آخرالذکر کے نتیجہ سے کمتر رہیگا۔ چنانچہ انددونوں صورتوں کی نسبت قرآن میں ارشاد ہے

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (انفال پارہ ۹ رع ۱۸)

خدا ان کو عذاب نہیں دیگا تم جبتک انکے درمیان موجود ہو اور خدا ان کو عذاب نہیں دیگا جبکہ وہ بخشش مانگیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ط (طور پارہ ۲۷ رع ۱)

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کے پیروں نے ایمان میں انکا اتباع کیا تو ہم انکے پیرودں کو ان کے ساتھ ملا دینگے اور انکے عمل میں سے کچھ کم نہ کرینگے ہر شخص پابند ہے اس عمل کا جو اس نے کسب کیا۔

محبت کا فائدہ

اب ایک اور قوم فرض کی جائے جو نیکوں اور بدکاروں پر شامل ہے اور بدکار نیکوکاروں کی تقلید نہیں کرتے مگر ان کی نیکی کو اچھا سمجھتے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں اس وقت اگر نیکوکاروں کی نیکی جسمانی قسم کی ہے مثلاً صفائی اور قواعد صحت کی پابندی تو اس صورت

ہین بیشک اِن سی محبت کرنیوالون کو عینک انکی تقلید سے خود کوئی علمی ترقی نہ کرین کچھ
فائدہ نہ ہوگا لیکن اگر وہ نیکی روحانی قسم کی ہے تو چونکہ اس کا تعلق محض دل سے ہے اور ایسی
نیکی کو نیکی اسی سبب سے کہتے ہین کہ اس سے دل مین صفائی اور نرمی پیدا ہوتی ہے اور خدا
کی محبت ترقی کرتی ہے اسواسطے ایسے نیکوکارون سے محبت رکھنا اور انکی نیکی کو قابل تحسین
سمجھنا خواہ اسکی تقلید نہ ہو خود ایک قلبی عمل ہے جس مین نیک سے محبت ہے جس سے نیکی کی
محبت ثابت ہوتی ہے اور نیکی کی محبت ہے جس سے خدا کی محبت ثابت ہوتی ہے اور خدا
کی محبت اس کے وصال کا زینہ ہے اسلئے ایسے لوگون کو نیکون کے وجود سے بہت
بڑا فائدہ پہنچا اور جس طرح ایک آئینہ کو دھوپ مین رکھنے سے دیکھنے والیکو آئینہ دکھائی نہین
دیتا بلکہ خود آفتاب جلوہ گر نظر آتا ہے اور پھر اس آئینہ سے اور چیزون تک جو سایہ مین ہون
آفتاب کی روشنی پہنچتی ہے اسی طرح یہان جو لوگ ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہین اور افعال حسنہ
سے اپنے دل کو آئینہ سان صاف رکھتے ہین جلوہ ربانی سے کامل طور پر بہرہ یاب ہوتے ہین اور
پھر جو لوگ اعمال بد کیطرف متوجہ ہونے کے سبب گویا آفتاب وحدت سے براہ راست مقابل نہین
ہین اگر اپنے دل مین نیکون کی محبت رکھتے ہین تو نور ربانی نیکون کی وساطت سے منعکس ہو کر انکو
منور کرسکتا ہے لیکن آئینہ کی وساطت سے جو نور منعکس ہوتا ہے وہ اگر کسی سیاہ چیز پر پڑے تو اسکی
کوئی شعاع نمایان نہین ہوتی اور دوسری قسم کی چیزون پر انکی اپنی صفائی اور تاریکی کی نسبت
سے نور کا جلوہ مختلف ہوتا ہے اور اگر وہ چیز بھی آئینہ ہو تو نور آفتاب پہلے آئینہ کی وساطت سے
اُس آئینہ مین بھی پوری قوت سے نظر آتا ہے اسی طرح نیکون کی محبت سے جو خدا کا نور گنہگارون پر
جلوہ کریگا اسکا جلوہ بھی انکی اپنی صفائی اور کدورت کی نسبت سے مختلف ہوگا اور اگر کسیکا دل
بالکل سیاہ ہی تو اسکو اس نور سے کچھ فایدہ نہ پہنچیگا۔ غرض یہ بھی ایک فائدہ ہے جو صلحا کے
وجود سے گنہگارون کو پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ وہ نور ایمان سے منور ہون۔ اور اس کی نسبت قرآن
مین ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ؕ (مائدہ پارہ ۶ ع ۸)

اور جو شخص خدا سے اسکے رسول سے اور اہل ایمان سے محبت رکھے (وہ خدا کے گروہ مین شامل ہے) اور خدا کا گروہ غلبہ پانیوالا ہے۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ؕ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ؕ (مائدہ پارہ ۷ ع ۱۱)

اور ہم کیون نہ ایمان لائین خدا پر اور اس ہدایت پر جو ہمارے پاس آئی ہے حالانکہ ہم آرزو رکھتے ہین کہ خدا ہمکو نیکوکار قوم کے ساتھ شامل کرے پس خدا نے ان کے اس قول پر انکو بدلا دیا اور بہشت مین داخل کیا جسمین نہرین جاری ہین اور نیکوکارون کا اجر یہی ہوتا ہے

غرض نیکوکارون کی وجہ سے بدون کو فائدہ پہنچنے کی تین شکلین ایسی ہین جن سے واقعات عالم کو دیکھنے پر انکار نہین ہو سکتا۔ اور اگرچہ ان سب صورتون مین خود گنہ گارون کیطرف سے کسی نہ کسی شکل مین کوئی عمل ہوتا ہے مگر اس مین بھی شک نہین کہ جو مفاد ان صورتون مین حاصل ہوا ہے اس مین نیکوکار ایک ذریعہ اور واسطہ ضرور ہین اور جو نور ان کے واسطہ سے گنہ گار تک پہنچا ہے اسکا فیضان حقیقت مین خدا کی طرف سے ہے پس اس صورت مین لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى کا قاعدہ اور انسان کا اجر اسکے اپنے عمل پر منحصر ہونا بھی صحیح ہے کیونکہ گنہ گار نے تقلید یا محبت وغیرہ کچھ نہ کچھ عمل کیا ہے اور لَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى کا استثنا اور شفاعت کو مانکر اسکو خدا کی رضامندی پر منحصر رکھنا بھی صحیح ہے اسلئے کہ گنہ گار کے اس عمل سے رضامند ہوکر خدا نے نیکون کی نیکی کا اثر اس تک پہنچانے کا قانون جاری کیا ہے اور لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا سے اصلی سرچشمہ فیضان کا پتہ دینا بھی درست ہے اسلئے کہ فیض جو کچھ پہنچا ہے وہ حقیقت مین خدا کی طرف سے ہے۔ اسلئے شفاعت سے قطعًا انکار کرنا اور صلحا کے وجود کو بدکارون کے حق مین بالکل بیسود سمجھنا نیچر کی شہادت سے چشم پوشی کرنا ہے۔

دعا کا فائدہ

مگر ابھی اس بارہ مین کچھ اور بھی کہا جا سکتا ہے۔ نیچر کے بے انتہا قوانین جدا جدا اور

ایکدوسرے کیساتھ ملکر عمل کر رہے ہین اور مختلف شکلون سے اثر مین اختلاف ہوجاتا ہے سٹیم انجن کا گاڑیون کو کھینچنا ایک قانون کا عمل ہے مگر جب ٹرین کسی پہاڑی نشیب مین آ رہی ہو تو اس قانون کے ساتھ کشش ثقل کا قانون اور مل جاتا ہے اور اثر زیادہ ہوجاتا ہے اسی طرح نکوکارون کی ترغیب یا انکی محبت سے جو فائدہ گنہ گارون کو پہونچتا ہے اگر اسکے ساتھ نکوکارون کی دعا بھی شامل ہو تو دعا کا قانون پہلے تو انین کے ساتھ ملکر اثر کو اور دوبالا کر دیگا کیونکہ دعا مین انسان کو خدا کی طرف ایسی ہی براہ راست توجہ ہوتی ہے جیسی آئینہ کو قرص آفتاب سے متوازی رکھنے پر اور پھر مذہبی تعلیم مین تاکید ہے کہ انسان کی کوشش صرف اپنی ذات تک محدود نہین ہونی چاہیئے بلکہ اعمال کے دائرہ مین جس قدر سعی اپنی حالت کو درست کرنے کیلئے کرتا ہے اسی قدر دوسرون کو راہ راست دکھانے اور ان کی حالت درست کرنے کے لئے ہونی چاہیئے اور خدا کی طرف توجہ کرنے کے وقت جہان اپنی مغفرت اور نجات کی التجا کرتا ہے وہان اپنے گنہ گار بھائیون کو بھی فراموش نہ کرے اور ان کے لئے بھی اسی خشوع وخضوع سے بارگاہ ربانی مین ملتجی ہو اور ہم دیکھتے ہین کہ اعمال کے دائرہ مین نکوکار کی کوشش رائیگان نہین جاتی اور ان کی ترغیب وتحریص سے اکثر بندگان خدا کو فائدہ پہونچتا ہے تو پھر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ اُسکا خدا کی طرف توجہ کرنیکا وقت جو سب سے زیادہ پاکیزہ وقت ہے دوسرون کے حق مین بالکل رائیگان جائیگا اور جب اُس نے اپنے آئینہ دل مین نور ربانی کو منعکس کرنے کے وقت اپنے عاجز بھائیون کی یاد سے اس نور کو انکی طرف مائل کیا ہے اس وقت اسکی شعاعین قانون قدرت کو توڑتی ہوئی فضا مین ضائع ہوجائینگی اور گنہ گار کی حالت پر کچھ اثر نہ کرینگی نہین بلکہ قیاس یہ چاہتا ہے کہ جس وقت انسان کسی اپنی ضرورت کے لئے خود دعا کرتا ہے اُس وقت اسکی ایک توجہ خدا کی طرف ہے تو دوسری اپنے مطلب کی طرف ہے اس لیے اس وقت وہ ایسا آئینہ ہے جو قرص آفتاب کے متوازی رکھا نہین گیا بلکہ اُسکا ایک پہلو آفتاب کی جانب ہے اور دوسرا پہلو کسی اور چیز کی طرف جسکی وجہ سے ضرور ہے کہ آفتاب کی شعاعین پوری قوت سے عمل نہ کرین۔ لیکن جب کوئی نیک بندہ کسی اور شخص کیلئے بغیر اپنی ذاتی غرض کے دعا کرتا ہے اس وقت اُسکی توجہ جیسی دوسری چیز کیطرف ہے

وہ محض نیکی اور فائدہ رسانی ہے اسلئے اس وقت آئینۂ قلب ایک پہلو سے خدا کی جانب ہے تو دوسرے پہلو سے ایسی روشنی کی جانب جو خود بھی نور ربانی کو جذب کرنے کی قابلیت رکھتی ہے اور اس لیئے اس وقت اُن شعاعون کا اثر زیادہ قوی ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ جناب رسالتمآب نے (صلی اللہ علیہ وسلم) مسئلہ دعا کی تفسیر مین فرمایا ہے کہ ایسی زبان سے دعا مانگو جس نے گناہ نہ کیا ہو۔ حاضرین نے عرض کی کہ ایسی زبان کس کے پاس ہے آپ نے فرمایا کہ اگر تمنے گناہ کیا ہے تو اپنی زبان سے۔ غیر کی زبان سے تمنے کوئی گناہ نہین کیا اسلئے جو دعا دوسرا شخص کسی کے لئے کریگا وہ اس کے حق مین بیگناہ زبان سے ہوگی (صدق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) بیشک غیر کی دعا غرض نفسانی سے پاک و حسبۃً للہ ہوگی اسلئے اسکی قبولیت مین کوئی شبہ نہین ۔

کبھی شفاعت کے خیال سے غرور پیدا ہوتا ہے۔

البتہ شفاعت کی اس صورت مین یہ اعتراض قوی معلوم ہوگا کہ انسان کی اپنی سعی کے بغیر اسکو فائدہ پہنچا اور بیشک غیر کی دعا سے جو فائدہ پہنچنے کی امید ہے اسمین انسان کا اپنا فعل نظر نہین آتا۔ مگر آہ! قلبی حرکتین اور اُن کے اُتار چڑھاؤ ہوتے ہی ایسے مخفی ہین کہ بعض اوقات خود اپنے تئین معلوم نہین ہوتا کہ میرا دل کیا عمل کررہا ہے۔ اور یہ صرف قدرت ربانی ہی کا خاصہ ہے کہ وہ مخلوقات کے ہر ذرہ کی حرکت سے واقف ہے اور کسی حرکت کو رائگاں نہین جانے دیتی۔ چنانچہ اس وقت بھی جہان نکوکارون کو اوقات خاص مین اپنے گنہ گار بھائیون کو یاد رکھنے کا حکم ہے وہان گنہ گارون کو بھی علم ہے کہ ہماری بہبود کے لئے ایسا حکم دیا گیا ہے۔ اچھا تو اس وقت اُن کے قلب کی کیا کیفیت ہوتی ہے بعض تو سمجھتے ہین کہ ہمکو بزرگون سے توسّل ہے اور انکی برکت ہمارے لئے کافی ہے چنانچہ اس خیال سے تکبر اور غرور ان کے دل کو گھیر لیتا ہے۔ عاجزی اور عبودیت کا خیال جو خدا کی محبت پیدا کرنے اور بڑھانے کا ذریعہ ہے دل سے مفقود ہوجاتا ہے اور وہ نہایت دلیری سے فسق و فجور مین منہمک ہوجاتے ہین اسلئے ایسے لوگ اُس برکت اور دعائے مغفرت کے مستحق نہین رہتے بلکہ وہ اس سیاہ تختہ کی مانند ہوتے ہین جو آئینہ کی سامنے رکھا ہے اور آفتاب کی شعاعین آئینہ مین سے

گذر کر وہان کچھ روشنی پیدا نہین کرتین۔ بلکہ سیاہ کاری کے ساتھ یہ غرور اور خودستائی ملکر عذاب المضاعف ہوجاتا ہے گویا سیاہ تختہ کو بجائے روشن کرنے کے حرارت نے اور جلا دیا چنانچہ اسلام نے قلب کی ایسی حرکت اور اس کے بدنتیجہ سے زور کے ساتھ آگاہ کیا ہے اور یہود و نصاریٰ جو پیغمبرون کی شفاعت اور کفارہ کے خیال سے اپنے تئین بالکل ناجی یا عذاب کے کم مستحق سمجھتے تھے انکے خیال کی تغلیط کی ہے اور بتایا ہے کہ کوشش کو گناہون مین صرف کرکے شفاعت وکفارہ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اور اسی طرح جناب رسالت مآب کے اہل بیت کو آگاہ کیا گیا ہے کہ نبی کا توسل حاصل کرنے کے بعد اگر گناہون مین انہماک ہوگا تو عذاب دوگنا دیا جائیگا۔ ارشاد ہے۔

وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (بقرہ پارہ ۱ ع ۹)

وہ کہتے ہین کہ ہمکو صرف چند روز کیلئے عذاب ہوگا۔ کہدو کہ کیا تمنے خدا سے عہد لیا ہے یا خدا کی نسبت ایسے بات کہتے ہو جو جانتے نہین۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ (آل عمران پارہ ۳ ع ۱۱)

یہ اسلئے کہ وہ کہتے ہین ہمکو صرف چند روز عذاب ہوگا اور ان کے اس افترا نے انہین مغرور کر دیا ہے

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُم (مائدہ پارہ ۶ ع ۳)

اور یہود و نصاریٰ کہتے ہین کہ ہم خدا کی اولاد اور اسکے عزیز ہین۔ کہدو کہ پھر تمھارے گناہون کی سزا کیون ملتی ہے

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ (احزاب)

اے نبی کی عورتو! تم مین جو بڑے گناہ کریگی اُسے عذاب دُگنا دیا جائیگا۔

کبھی شفاعت سے کوشش کا میلان ہوتا ہے۔

غرض یہان ہمنے دیکھا کہ قلب کی حرکت اصول محبت کے خلاف تھی۔ اسلئے اس وقت بزرگون کے توسل کو بھی بے سود کہا گیا ہے اور اگر انسانی قلب شفاعت کے خیال سے ہمیشہ یہی حرکت کیا کرتا تو بیشک شفاعت کا اثر ظاہر نہ ہونے کے

سبب سے بیرو مانا جاتا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کا ایسا ہی خیال نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض اس خیال سے کہ ہمارے بزرگ ہماری نجات اور رستگاری کے آرزومند ہیں اپنی سیہ کاری اور بداطواری سے شرمندہ ہوتے ہیں اور جہاں تک انکے اپنے امکان میں ہوتا ہے اپنے تئیں بزرگوں کی دعا کا مستحق بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب کبھی کسی وجہ سے بدی اور گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں یا عادت وغیرہ سے عاجز ہو کر کوئی چارہ کار نہیں دیکھتے تو خدا کی رحمت کے ملتجی ہوتے ہیں اور اُس نور کی آرزو کرتے ہیں جو قلوب مصفی کی وساطت سے زمین و آسمان کو روشن کر رہا ہے اسلئے انکی عاجزی رحمت کی تمنا اور بزرگوں کی محبت یہ سب کچھ بلکہ انکے دل کو خدا کی طرف متوجہ ہونے میں مدد دیتا ہی اور یہی وہ وقت ہی جبکہ بزرگوں کی دعا انکے دلی خیالات کے ساتھ ملکر گناہوں کے بوجھ کو ہلکا کرتے ہیں اور بھی مفید ہوتی ہے۔ چنانچہ اس وقت اگر ایک ثواب اِن کے نیک اعمال نیک کوشش اور محبت کا ملتا ہے تو دوسرا ثواب بزرگوں کی دعا سے حاصل ہوتا ہی۔ غرض اسوقت انکا اپنا دل بھی کسی قدر صاف ہوتا ہے اور اسی سبب سے نور آفتاب آئینہ کی وساطت سے انکو منور کر سکتا ہی۔ اور اب اگرچہ یہ فائدہ پہنچا بزرگوں کی دعا سے مگر انسان کی اپنی حرکت کا اسمین بھی دخل ہے اسلئے شفاعت کی اس قسم پر بھی وہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ انسان کے اپنے فعل کو دخل نہیں۔ اور جب پہلی قسم کی حرکت پر شفاعت وغیرہ کے اثر سے مایوس کر دیا گیا تھا اگر اس دوسری قسم کی حرکت پر اُسکے فائدے کی امید نہ لائی جاتی۔ چنانچہ اہی سے ائے اہل بیت نبوت کو جہاں بدی پر دلیر ہونے کے وقت دوگنے عذاب کی دھمکی دیگئی تھی وہاں ساتھ ہی فرما دیا گیا ہے کہ اگر تم خدا اور رسول کی اطاعت اور اعمال صالحہ کی کوشش کروگی تو ثواب بھی اوروں سے دوگنا پاؤگی۔ ارشاد ہے

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا۔ (احزاب ۲۲ پارہ ع ۱۸)۔	اور جو تم میں سے خدا و رسول کی اطاعت کرے اور نیک عمل بجا لائے ہم اوسکو دوگنا اجر دینگے اور اس کے لئے عمدہ روزی تیار کرینگے۔

غرض دعا اور بزرگوں کی دعا یعنی شفاعت دونوں ایک حد تک مفید ہیں اور وہ حد وہی ہے

جبکہ انسان کا اپنا دل بھی ادہر کو بڑھنے کی کوشش کرتا ہو اور جب ادھر سے ایسی کوشش مطلق نہ ہو بلکہ رفتار اسکے خلاف ہو تو دعا بھی کچھ مفید نہ ہوگی اسی لیے اسلام مین ایماندارون کے لیے دعا کرنے کا بھی حکم ہے اور جہان یہ نور موجود نہیں وہان کے لیے فرما دیا گیا ہے کہ لاکہ دعا کرو کچھ نہ ہوگا چنانچہ ارشاد ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ط

(آل عمران پارہ ۴ ع ۷)

یہ خدا کی رحمت ہے کہ تم اپنے ہمراہیون کیلئے نرم ہوگئے ہو اور اگر تم بدخلق اور سخت دل ہوتے تو وہ تمہارے پاس سے منتشر ہو جاتے پس انکی لغزشون سے درگزر کرو اور انکی معافی کیلئے دعا کرو اور ان سے مشورہ لیا کرو۔ اور جب کسی کام کا پختہ ارادہ کرلو تو خدا پر بھروسہ کرو وہ بھروسہ کرنیوالون کو پسند کرتا ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (توبہ پارہ ۱۰ ع ۱۰)

انکے لیے معافی مانگو یا نہ مانگو۔ اگر ان کے لیئے ستر دفعہ دعا مانگو گے جب بھی خدا انکو ہرگز معاف نہ کریگا کیونکہ وہ خدا اور رسول پر ایمان نہین رکھتے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ط (ابراہیم پارہ ۱۳ ع ۱۸)

اے ہمارے پروردگار قیامت کے دن مجھ کو بخش دے میرے والدین کو بخشدے اور مسلمانون کو بخشدے

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (محمد پارہ ۲۶ ع ۲)

اور جان لو کہ لائق عبادت صرف خدا ہے اور اپنے گناہون کے لیئے اور مسلمان مردون اور عورتون کے لئے خدا سے معافی مانگو

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ

اور جو لوگ ان سے پیچھے آتے ہین کہتے ہین اے پروردگار ہمکو بخش اور ہمارے بھائیون کو

سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ؕ (حشر پارہ ۲۸ ع ۱)

بخش جو ایمان میں ہم سے پیشتر ہیں اور ہمارے دل میں ایمانداروں کیطرف سے کینہ نہ رہنے دے۔ اے پروردگار تو رؤف و رحیم ہے

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَیْتَهُمْ یَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ (منافقون پارہ ۲۸ ع ۱)

اور جب انکو کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لئے معافی مانگینگے تو سر پھیرتے ہیں اور تکبر سے روگردان ہوتے ہیں پس خواہ تم اُن کے لئے معافی مانگو یا نہ مانگو خدا انہیں ہرگز نہ بخشیگا۔ کیونکہ فسق کا نتیجہ ہدایت خدا کا قانون نہیں۔

باب دوازدہم

جزاء و سزا کا دوام

ترقی دائمی قانون ہے۔ اپٹمزم اور پیسیمزم۔ تناسخ کی صورت میں بھی یہاں کا اثر بدل نہیں سکتا۔ عالم برزخ۔ روحانی صفات۔ غور و تفکر روح کی صفت نہیں۔ بدھ اور مسیح کی مثال۔ کمال تک پہنچنے کی سبیل۔ خدا کی قدرت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

ترقی دائمی قانون ہے

دنیا میں نیکی اور بدی کا وجود اور انکی نیک و بد نتائج اور نیک و بد نتائج کی ترقی دیکھنے کے بعد اور یہ دیکھنے کے بعد کہ جس قسم کی ترقی کے اصولی اسباب موجود ہوں وہ اپنے خلاف قسم کے معاون اسباب پر بتدریج غالب آجاتی ہے اور انجام وہی حالت پر ہوتا ہے جس کے اصولی اسباب موجود ہیں یہ سوال ہوتا ہے کہ آیا ان اصولی اسباب کے نتائج بھی ہمیشہ رہیں گے یا کسی حد پر جا کر ختم ہو جائینگے؟ یہ سوال نہایت پیچیدہ اور مشکل ہے اور اس کا فیصلہ کرنے کے لئے نیکی اور بدی کرنیوالوں کے زمانہ قیام

کو دیکھنا چاہیئے اور چونکہ نیکی اور بدی کا روحانی اثر خدا کا قُرب یا اس سے دور ہونا ہے اِسلیئے ذات خداوندی کا بھی اس سوال سے تعلق ہے - اور دنیا مین بظاہر ہر چیز ایک وقت پر پیدا ہوتی ہے کچھ عرصہ بڑھتی پھولتی ہے اور ایک وقت پر فنا ہو جاتی ہے اور نہ صرف افراد کی ایسی حالت نظر آتی ہے بلکہ انواع اور نیز تمام دنیا کو بھی علمی نظر سفر طے کرتی ہوئی اور اپنی حالت کو بدلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اسلیئے معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ ایک وقت پر پیدا ہوا ہے اور ایک وقت پر فنا ہو جائیگا پس اگر واقع مین یہی کیفیت ہو تو جب نیکی اور بدی کرنیوالے ہی نہ رہین گے تو ان کے افعال اور افعال کے نتائج کیا رہین گے - مگر نہین - جو کیفیت علمی نظر نے دیکھی ہے وہ یہ ہے کہ کوئی چیز فنا نہین ہوتی بلکہ اجزا منتفرق ہو کر کسی نہ کسی شکل مین موجود رہتے ہین اور اُدھر نیکی اور بدی کے نتائج کی دوسری حد یعنی خدا جس کو مذہبی جذبہ موجود مانتا ہے اور عقل بھی اُسکو ماننے کے سوا چارہ نہین دیکھتی وہ بھی اگر موجود ہے تو ہمیشہ سے اور ہمیشہ کیلیئے ہوگا - کیونکہ اُس کا زمانے کے لحاظ سے صفات کے لحاظ سے ذات کے لحاظ سے غرض کسی طرح بھی محدود ہونا خدا کا خدا نہ رہنا ہی اچھا تو اب چونکہ وہ ہر طرح سے غیر محدود ہے اسلیئے اُس کا قرب حاصل ہونے کے کسی درجہ پر ہم نہین کہہ سکتے کہ قریب ہونے والا اس سے بالکل چسپیدہ ہو گیا اور آیندہ کوئی درجہ قرب کا باقی نہین اور اسی طرح اس سے دور ہونے کی بھی حدبندی نہین ہو سکتی - غرض خدا اگر موجود ہے تو یقین ہے کہ اسکے لحاظ سے قرب اور بُعد کی کوئی حد نہین - رہا نیکی اور بدی کرنیوالون کا اپنا وجود سو اگر مرنے کے بعد بھی یہ موجود رہتے ہین تو پھر جو لوگ قرب خدا کے اصولی اسباب سے بہرہ ور ہین اور اس طرف ترقی کر رہے ہین وہ ابدالاباد تک ترقی کرتے جائینگے اور انکا سفر کسی نقطہ پر ختم نہوگا اور اُدھر جو لوگ خدا سے دور ہونے کے اصولی اسباب رکھتے ہین اُن کے تنزل کی بھی کوئی حد نہ ہوگی اور ہمیشہ تک دور سے دور تر ہوتے جائینگے اور یون نیکی کا نتیجہ نیک اور بدی کا نتیجہ بد یعنی دنیا کے دونو عنصر اپنی رفتار مین غیر محدود ہونگے - غرض اگر دنیا مین یہ دونو چیزین موجود ہین اور اگر یہان ترقی کا قانون جاری ہے اور اگر ترقی کے معنی ایک درجہ سے دوسرے درجہ مین

قوت کا زیادہ ہو جاتا ہے تو پھر دنیا کے لئے نیک یا بد کوئی سا ایک نتیجہ مانا نہیں جا سکتا اور کہنا پڑتا ہے کہ ان دونو چیزون کے اپنے اپنے دو ہی طرح کے نتیجے بھی ہین - اور جو شخص ان مین سے ایک رستہ پر چل پڑا ہے اس کا ہمیشہ ادھر ہی کو جانا قرین قیاس ہے اور اسکے خلاف نیچر ہرگز شہادت نہین دیتی کہ ان مین سے ایک رستہ پر چلتے چلتے دفعۃً گاڑی رک جائیگی اور جو نتیجہ اوس پر مترتب ہوتا ہے اسکی بجائے خود بخود دوسری قسم کا نتیجہ مترتب ہو کر سبکا انجام ایک جیسا ہو جائیگا -

اپٹی مزم اور پیسیمزم -

مگر ہمارا حال یہ ہے کہ دل مین مذہبی جذبہ پیدا ہونے کے بعد نیچر کو مطالعہ کرنے کی تکلیف کم گوارا کی جاتی ہے اور اگر اس وقت دل مین دنیا کی کسی مصیبت کا خیال ہے تو زیادہ غور و فکر کرنے کے بغیر مصیبت ہی کو دنیا کا حاصل سمجھ کر سبکا انجام بد فرض کر لیا جاتا ہے اور اگر خوش قسمتی سے اسوقت کوئی خوشگوار منظر پیش نظر ہے تب بھی یک طرفہ کارروائی سے سب باتون کا انجام نیک سمجھ لیا جاتا ہے اور اس طرح پر عقلائے عالم کے اس مسئلہ مین دو فرقے ہو گئے ہین جن کو اپٹی مسٹ اور پیسیمسٹ کہتے ہین یعنی ایک سمجھتا ہے کہ سب کا انجام نیک ہے اور دوسرا خیال کرتا ہے کہ سب چیزین بد نتیجہ پر پہنچین گی - انمین سے دوسرا خیال نہایت ناگوار ہے اور عموماً ایسے لوگون کیطرف سے پیش ہوتا ہے جو اپنے تئین مذہب سے بیگانہ سمجھتے ہین - اور پہلا خیال عموماً مذہب کی شکل مین پیش کیا جاتا ہے اور بیشک دل مین تمنا ہی کہ نیک اور بد اور گنہگار اور پارسا سب آئندہ دائمی راحت اور مسرت مین بسر کرین - مگر آہ - ای بسا آرزو کہ خاک شدہ - نیچر کا قانون ہماری تمناؤن کے ماتحت نہین - کون نہین چاہتا کہ دنیا مین غربت و فلاکت کا نشان نہ ہو - کون نہین چاہتا کہ مرض اور تکلیفین نابود ہو جائین اور کون نہین چاہتا کہ عزیزون کی جدائی اور موت کا دلخراش منظر دکھائی نہ دے مگر کیا ہماری ایسی کوئی بھی تمنا بر آتی ہے اور کیا ہماری تہذیب و ترقی نے ان مصیبتون مین سے کسی ایک کو بھی نابود کیا ہے اور یہ اسی لیئے کہ نیچر کی مشین ہماری آرزو کے خلاف چل رہی ہے پس اسی طرح آئندہ کی عام راحت و مسرت کی آرزو بھی اگر منشائے قدرت کے خلاف ہو تو ہماری طاقت نہین کہ اسکو روک سکین - اسلئے اگرچہ دعا ہے کہ یہ آرزو بر آئے

اور قدرت آئندہ ہمارے کہنے پر چلے مگر افسوس کہ جو کچھ ہوتا نظر آتا ہے اس سے نتیجہ اس کے خلاف نکلتا ہے یعنی ہم دیکھتے ہین کہ جو شخص بدی کرتا ہے تو بدعادت ضرور پیدا ہوتی ہے اور اگر اس سے باز نہ آے تو دوسری بدی کرنے پر عادت اور زیادہ ہو جاتی ہے اور اس طرح کرتے کرتے اس زندگی مین ہم دیکھتے ہین کہ عادت کے زور کی کچھ حد نہین رہتی اور یہ صرف خیالی جولان نہین بلکہ دنیا مین ایسے نمونے بیشمار موجود ہین اور اصولی بدی انکار خدا کو مانا جاے یا بداخلاقی کو دونو طرح کے کامل نمونے ہر زمانے مین نظر آتے ہین پس جو شخص اسی حالت مین مرا ہے۔ اگر وہ فنا نہین ہوا تو اسکی آیندہ حالت کیا ہوگی ؟ اور کیا ایسا شخص آخرت مین نیک نتیجہ حاصل کریگا اور کیا قدرت کا قانون ٹوٹ جائیگا اور بدی سے بجاے بدی کو ترقی ہونے کے الٹی نیکی پیدا ہو جائیگی ؟ اور ادھر جو شخص نیکی کرتا ہے تو اس فعل کے جاری رہنے پر اسکی مثالین بھی بکثرت موجود ہین یہی شکل پیدا ہوتی ہے اور ایسے شخص کا انجام بد ہونا قانون قدرت کے خلاف نظر آتا ہے اس لئے اپنی ہزمد اور پلیسے من مرو دو خیال غلط ثابت ہوتے ہین +

تناسخ کی صورت مین بھی یہان کا اثر بدل نہین سکتا

مگر اس وقت بعض لوگ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کا سہارا لیتے ہین اور خیال کرتے ہین کہ ایسے شخصون کو آئندہ پھر دنیا مین بھیجا جائیگا اور دوبارہ نیکی اور بدی کا موقع دیا جائیگا۔ مگر پھر بھی کیا ہوا۔ اگر کوئی دوسری زندگی ہے تو وہ اسی زندگی کا نتیجہ ہوگی کیونکہ اگر اسکو پہلی زندگی کا نتیجہ نہ مانا جاے بلکہ کہا جائے کہ روح کو پہلے خیالات سے بالکل پاک و صاف کرکے دوبارہ نئے سر سے جد وجہد کرنیکے لئے بھیجا جاتا ہے تو لازم آئیگا کہ یہان کی نیکی اور بدی دونو کا نتیجہ ہیچ ہے اور جس کام کو یہان نہایت مضبوطی کے ساتھ جاری رکھنے اور ترقی دینے کا قاعدہ جاری کیا گیا ہے مرنے پر اس کام کو بالکل نابود کر دیا جاتا ہے اور نیک و بد دونو کو پھر تازہ دم وہی بے نتیجہ کھیل کھیلنے پر مجبور کیا جاتا ہے پس اس وجہ سے جب دوسری زندگی کو پہلی زندگی کا نتیجہ ماننے کے سوا چارہ نہین تو نتیجہ کی جو رفتار

یہان ہے وہی دوسری زندگی مین ماننی پڑیگی اور جب یہان بدی کا نتیجہ بدی ہے تو دوسری زندگی مین وہ بدشخص اور بھی بدتر ہوکر پیدا ہوگا اور خواہ اس طرح کی کروڑ زندگیان مانی جائین جب بھی جو درخت ہوگا اسی کا پھل آئیگا۔ غرض پہلی زندگی کو بدی مین گذارنے کے بعد دوسری زندگی مین نیک اور پارسا بنجانا وہی قانون قدرت کا ٹوٹ جانا ہے یعنی ناممکن

عالم برزخ مگر ابھی اس مسئلہ کا ایک پہلو اور قابل غور ہے کیونکہ تناسخ کو مان کر مرنے کے بعد کچھ عرصہ روح کا جسم سے خالی رہنا مانا جاتا ہے چنانچہ بعض نے اس درمیانی حصہ کو جس کو عالم برزخ کہنا چاہیئے اپنی آرزو برلانے کا موقع تصور کیا ہے جیسا کہ مسنز اینی بسنٹ فرماتی ہین کہ[۵۱]

"عالم برزخ مین روح اپنی خواہشون اور غلطیون پر غور کرتی ہے اور ان کے نفع و نقصان کو دیکھکر تجربہ حاصل کرتی ہے اور اس طرح بہت سی جونون کے تجربون سے کانشنس پیدا ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ نیکی بڑھتی جاتی ہے"

روحانی صفات یہ دعوی بہت دل خوش کن ہے کاش ایسا ہی ہوتا ہو مگر دیکھنا یہ ہے کہ عقل سے کے پاس اس دعوی کا ثبوت کہان تک موجود ہے اور مرنے کے بعد جو روح مین غور و فکر کی طاقت مانی جاتی ہے وہ کہان تک قرین قیاس ہے۔ یہان جو ہمنے انسان کو دیکھا تو بیشک اس مین غور و فکر کی طاقت موجود پائی۔ پس شاید یہ روح ہی کی صفت ہو اور جسم چھوڑنے کے بعد بھی بحال رہتی ہو اور شاید کیا مدت تک عقلاے زمانہ عقل کو روح کی ہی صفت مانتے رہے ہین لیکن روح تو وہ چیز ہے جس پر جوانی اور بڑھاپا نہین آتا اور ہمیشہ یکسان رہتی ہے اس لئے جو صفت خاص اسکی ہوگی وہ بھی ہمیشہ یکسان رہنی چاہیئے حالانکہ غور و فکر کی طاقت کا یکسان رہنا ایک طرف اسکو ہم پیدا ہوتے جوان و پیر ہوتے اور مرتے دیکھتے ہین مان کے پیٹ مین یہ طاقت ہوتی ہی نہین بچہ مین بڑھنے لگتی ہے۔ جوان مین مکمل ہوتی ہے۔ بڑھاپا آتے ہی اس پر بھی آفت آنے لگتی ہے حتی کہ بعض اوقات انسان زندہ ہوتا ہے یعنی روح اسمین موجود ہوتی ہے مگر عقل و شعور کے لحاظ سے ایک بت معلوم ہوتا ہے اور نہ صرف بڑھاپے مین بلکہ بعض

[۵۱] خلاصہ از رسالہ کرما مصنفہ مسنز اینی بسینٹ

جسمانی آفتوں سے خود جوانی میں یہ صفت نابود ہو جاتی ہے۔

وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ۖ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ (حج پارہ ۱۷ ع ۸)

اور ہم رحموں میں ٹھیرائے رہتے ہیں جب تک چاہتے ہیں پھر ہم تمکو بچپن کی حالت میں پیدا کرتے ہیں پھر عمر دیتے ہیں تا تم اپنی قوت تک پہنچو اور تم میں سے بعض کو موت آجاتی ہے اور بعض نہایت ذلیل عمر تک پہنچتے ہیں کہ عقل و شعور کے بعد بالکل معلوم ہو جاتے ہیں۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ (روم پارہ ۲۱ ع ۶)

خدا وہ ہے جس نے تمکو کمزوری سے پیدا کیا پھر کمزوری کے بعد قوت دی پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ علیم و قادر ہے۔

غرض جب جسمانی قوت و ضعف کے ساتھ عقل بھی قوی یا کمزور رہ جاتی ہے بلکہ بعض اوقات وہ نابود بھی ہو جاتی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ صفت جسم کی ہے نہ روح کی[۵۱] اور اسکے برخلاف خواہش ایسا وصف ہے جو بچپن سے لیکر بڑھاپے تک بلکہ مرتے دم تک یکساں قوت کیساتھ موجود رہتا ہے اور خواہ جسم کی کچھ بھی حالت ہو اور خواہ خواہش کی شکلیں بدلتی رہیں مگر زندگی میں ایسا وقت کبھی نہیں آتا کہ کسی قسم کی خواہش موجود نہ ہو اس لئے اگر روح کی صفت کوئی مانی جاسکتی ہے تو وہ خواہش ہے اور اسی لئے ڈاکٹر ڈائسن نے روح کا ثبوت خواہش کے وجود سے دیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:[۵۲]

---

۵۱ امام غزالی رح ثبوت روح کے عقلی دلائل کو پرکھنے کے وقت جو ثبوت عقل کے وجود سے دیا جاتا ہے اوسکو اسی وجہ سے ضعیف کہتے ہیں کہ عقل زوال پذیر ہے اس لئے یقین نہیں ہوسکتا کہ وہ روح کی صفت ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب تہافۃ الفلاسفہ بحث ثبوت روح۔

۵۲ کتاب ایلمنٹس آف میٹا فزکس حصہ دوم باب پنجم۔

"ہم ہندی یونانی اور موجودہ فلسفہ میں یہ ایک عام غلطی دیکھتے ہیں کہ وہ صرح کوئی عقل ہستی مانتے ہیں حالانکہ اسکے برخلاف روحانی زندگی کے تمام واقعات بے خطا ثبوت دیتے ہیں کہ انسان کا مرکز دل میں تلاش کرنا چاہئیے نہ دماغ میں اور خواہش میں تلاش کرنا چاہیئے نہ علم میں - اور بالخصوص واقعات ذیل اس دعوی کے شاہد ہیں

۱- ذہن تمام جسمانی آلات کی طرح بچپن میں بڑھنے لگتا ہے اور انہی کے ساتھ بڑھاپے میں گھٹتا جاتا ہے -

۲- ذہن کچھ عرصہ کے لئے نیند میں اپنی ہستی کو چھوڑ دیتا ہے حالانکہ خواہش یعنے بے شعور خواہش دل کی طرح تھکنا نہیں جانتی -

۳- تمام جسمانی آلات کی طرح ذہن بھی خواہش کا ایک آلہ ہے اور ہمیشہ فرمان بردار خادم کے طور پر کام کرتا ہے اور ہر حال میں بالادست حاکم خواہش رہتی ہے - یہ ایک ایسی صداقت جو شاید استدلالی طور پر ایسی ثابت نہ ہو مگر عملی دنیا میں ہر جگہ نمایاں ہے -

۴- حیوانی درجات کو دیکھو تو ان میں ذہن کم سے کمتر ہوتا جاتا ہے حالانکہ خواہش جیسا کہ ہم ثابت کرینگے ہر جگہ حتیٰ کہ چھوٹے سے چھوٹے حیوان میں بھی اسی زور سے موجود ہے[۱]

۵- جب انسان کی قدر و قیمت یعنی اخلاقی اوصاف کا سوال ہو تو دماغی صحت اور غلطی کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اس اثر کے لئے جو قبر سے پرے تک پھیلا ہوا مانا جاتا ہے انسان کے فعل کو اور صرف فعل کو اس حیثیت سے دیکھا جاتا ہے کہ وہ اسکی صفت خواہش کا ظہور ہے[۲]"

[۱] ڈاکٹر موصوف اس دلیل سے اور نیز آگے خواہش کو جمادات تک لیجا کر وحدت وجود کا مسئلہ ثابت کرنا چاہتے ہیں مگر اس سے جو کچھ ثابت ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ تمام کائنات کی اصلیت ایک ہے مگر یہ کہ خدا اور کائنات حقیقت بھی میں ایک ہیں اور کوئی اور ہستی اس کائنات سے ممتاز اور اسکو پیدا کرنیوالی نہیں یہ دعوی اس دلیل سے ثابت نہیں ہو سکتا -

[۲] اس موقعہ پر باب ۱۳ کتاب ہذا عنوان "اخلاقی افعال پر بھی یہی قانون جاری ہے" کا حاشیہ ملاحظہ ہو -

یہان تک روحانی صفات کی نسبت عام واقعات سے استدلال کیا جا سکتا تھا اب
ان واقعات کو دیکھا جائے جو اکثر اوقات امراض وغیرہ کے سبب سے یا مصنوعی طور مسمرزم
کے عمل مین جسم اور جسمانی طاقتون کے معطل ہونے پر پیش آتے ہین تو اس وقت اگرچہ روح
جسم سے جدا نہین ہوتی اور نہ اسکا تصرف بالکل منقطع ہوتا ہے بلکہ وہ اس وقت بھی جسم سے
بہت سے کام لیتی نظر آتی ہے مگر چونکہ دماغی طاقتون کو بڑی حد تک معطل کر دیا جاتا ہے اس
لئے دیکھا جاتا ہے کہ روح سے غور و فکر کرنے کی قوت بہت کچھ مفقود ہو جاتی ہے۔ گو اس وقت
غیب بینی اور جسم پر تصرف کرنے کی یاد اور ایسی ہی بہت سی طاقتین موجود ہوتی ہین چنانچہ
مسٹر ہڈسن ایسے واقعات کی بنا پر یقین کرتے ہین[۱] کہ انسان کی روح مین جزئیات کو دیکھکر
ان سے کوئی کلی نتیجہ اخذ کرنے کی قوت نہین ہے البتہ کوئی کلیہ قاعدہ معلوم ہونے پر
یا خیال دلوائے جانے پر اسکو جزئیات پر منطبق کر سکتی ہے مثلاً اگر مسمرزم کی حالت مین معمول
کو یقین دلوایا جائے کہ وہ کتا ہے تو اسکی روح مین یہ قوت نہین ہوتی کہ اپنے کتا ہونے کی
نسبت غور کرے اور اپنے حالات کو دیکھکر نتیجہ نکالے کہ مین ان حالات و اوصاف کے
باوجود کتا نہین ہو سکتا بلکہ اسکے برخلاف چونکہ کتا ہونیکا خیال دلوایا گیا ہے وہ اپنی حالت
پر اس کو منطبق کرنے کی کوشش کریگا کتے کی طرح بھونکنے اور چار ہاتھ پاؤن سے چلنے لگیگا
اور اگر اس کو کہا جائے کہ تو تپ مین مبتلا ہے تو وہ اپنی حالت پر غور کرکے اس سے انکار
نہین کریگا بلکہ فوراً یقین کرلیگا اور اس یقین کا ایسا اثر ہوگا کہ واقع مین جسم گرم ہو جائیگا نبض
تیز ہو جائیگی اور پھر تندرستی کا خیال دلوانے پر فی الفور عب لامتین دور ہو جائین گی

غور و فکر روح کی صفت نہین

غرض زندگی کی عام حالت سے ثابت ہوتا ہے کہ غور و فکر کی قوت
انسان کی جسمانی صفت ہے اور اسکی روحانی صفت اگر ہو سکتی ہے تو وہ صرف خواہش ہے
اور مسمرزم کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر روح مین کچھ قوت ہی بھی تو وہ کلیات کو جزئیات
پر منطبق کرنے کی ہے اور استدلال کا دوسرا عمل یعنے جزئیات سے کوئی کلی نتیجہ نکالنا اسکے

امکانیں نہیں اور نیز یہ کہ وہ قوت خیالیہ سے متاثر ہونے کی بہت بڑی قابلیت رکھتی ہے اور مسمرزم کی حالت میں چونکہ روح کا تعلق جسم سے بالکل منقطع نہیں ہوا اس لیے اِس وقت کلیات کو جزئیات پر منطبق کرنے کی قابلیت جو اس میں پائی جاتی ہے اسکی نسبت بھی یقین نہیں ہوسکتا کہ وہ اُسکی خاص اپنی صفت ہے بلکہ گمان ہوتا ہے کہ غالبًا یہ بھی کسیقدر جسمانی تعلق کے قائم رہنے کے سبب سے ہے۔ ورنہ اس کو روح کی اپنی صفت جب کہہ سکتے کہ روح اور جسم کا تعلق بالکل منقطع ہونیکے بعد ایسا تجربہ ہوسکتا۔

غرض ان حالات کو دیکھتے ہوئے کیونکر احتمال ہوتا ہے کہ عالم برزخ میں جبکہ روح کو جسم سے کوئی تعلق نہیں وہ اپنے گذشتہ حالات پر غور کرتی ہوگی اور یہ نتیجہ نکال سکتی ہوگی کہ آئندہ زندگی میں ایسے حالات سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ خواہش کی صفت روح میں دائمی ہے جس خواہش میں اس نے اپنی تمام جسمانی عمر گذاری ہے اسی خواہش میں مبتلا رہتی ہوگی اور نیز چونکہ وہ قوت خیال سے بہت متاثر ہوتی ہے اس لئے جس خیال نے تمام عمر اس پر قبضہ رکھا ہے وہی اس وقت بھی اس پر متصرف رہتا ہوگا۔ پس مسز اینی بیسنٹ اور ان کے ہمخیالوں کا عالم برزخ کی امید پر جینا محض خیال خام ہے اور نیچر کی شہادت اس کے خلاف ہے اور خود مسز اینی بیسنٹ کے کلام میں اِس بارہ میں بہت تذبذب پایا جاتا ہے چنانچہ وہ اسی تحریر میں ایک اَور موقعہ پر لکھتی ہیں کہ

"برے خیالات میں گرفتار رہنے والا جب مرتا ہے تو اپنے خیالات کی وجہ سے بھر زمینی زندگی حاصل کرتا ہے اور نہ صرف زمین پر آتا ہے بلکہ ان خیالات کو اور بھی سختی کے ساتھ بجا لاتا ہے کیونکہ حالت برزخ میں وہ خیالات گو مخفی رہتے ہیں مگر پختہ ہوتے رہتے ہیں۔ اور زمین پر آکر پہلے سے زیادہ زور ظاہر کرتے ہیں" (ایک اَور موقع پر لکھتی ہیں) دیواچنگ یعنی عالم برزخ ایک ایسی حالت ہے جو زمینی زندگی کے تجربوں سے بالکل متناسب ہوتی ہے اور اس عالم کا کمال ان خیالات کی مقدار اور نوعیت پر منحصر ہے جو حیات ارضی میں حاصل کئے جاتے ہیں۔ اور

یہی خیالات وہاں جاکر روح کی طاقت اور اسکی ذات کا ایک حصہ ہوجاتے ہیں ''

پس خواہ روح کو جسم چھوڑنے کے بعد کچھ عرصہ علیحدہ رہنا پڑے اور خواہ وہ دوبارہ سہ بارہ دنیا میں آمد ورفت رکھے جو وصف اور عادت اس نے اس زندگی میں کسب کی ہے ترقی اسی کی ہوگی اور وہ وصف اگر بدی ہے تو کبھی آئندہ اس سے نیکی پیدا ہوجانے کیلئے کوئی دلیل موجود نہیں اور اس لیئے اگر ہماری موجودہ زندگی ہماری گذشتہ زندگیوں کا نتیجہ مانا جائے جیسا کہ اہل تناسخ کا خیال ہے تب بھی یہ بار بار جکر ہماری گذشتہ آموختہ کو دہرانے کے سوا کسی مصرف کا نہیں اور ہماری حالت درست کرنے کے لیئے مفید نہیں ہوسکتا۔

بدھ اور مسیح کی مثال — یوں کہنے کو سوامی دیکانندجی کہتے ہیں کہ بدھ اور مسیح جیسے مہاتماؤں کی نیکی نے دنیا کے بڑے حصہ سے پرستش کروائی ہے لاکھا جونوں کے تجربوں سے ایسے بنے ہونگے۔ گویا یہ تناسخ کا فائدہ ہے اور اسی طرح سب نیک بنجائینگے لیکن اگر یہ فائدہ تناسخ کا سمجھا جائے تو جن انسانوں کی ترغیب وتحریص یا مثال سے تمام شراب خواری اور قمار بازی وغیرہ بدرسمیں رائج ہوگئی ہیں ان کا ایسا عالمگیر اثر اور کشش اور قوت بھی لاکھا جونوں کے تجربہ سے پیدا ہوئی ہوگی۔ اس لیئے اگر تناسخ کو مان کر مسیح اور بدھ کا معبود خلائق ہونا اس تھیوری پر منطبق ہوتا ہے تو شراب اور قمار کے موجدوں کی معجزنما کامیابی بھی تناسخ ہی کے باعث ماننی پڑیگی اور اسلیئے تناسخ کی وجہ سے انسانوں کا یکساں نیک نتیجہ پر پہونچنے کا خیال صحیح ثابت نہیں ہوسکتا۔ اور دوسرے اگر مسیح و بدھ جیسی قوی طبیعت تناسخ کے سبب سے ہوئی ہے تو چونکہ تناسخ سبھی ارواح کے لئے مانا جاتا ہے اس لئے چاہئے تھا کہ ایک مسیح اور بدھ ہی ایسے نہ ہوتے بلکہ سبھی اس طرح ترقی کرتے جاتے اور جونوں کی جس قدر تعداد میں مسیح اور بدھ ایسے بن گئے ہیں اسی قدر تعداد میں اور لوگ بھی اسی قوت اور اثر کے مالک بن جاتے۔ اور نیز اگرچہ مسیح اور بدھ میں بہت بڑی قوت مانی جاسکتی ہے کیونکہ دنیا کے

بڑے حصہ نے ان کے آگے سجدہ کیا ہے لیکن پھر بھی ابھی اور ترقی کی گنجائش ہے اور دنیا میں ایسی ہی بڑی تعداد ان کو نہ ماننے والوں کی بھی موجود ہے اور ادھر مسیح اور بدھ کے بعد زمانہ بھی بہت بڑا گذر چکا ہے اس لئے اگر اس وقت تک کی آمد و رفت نے مسیح اور بدھ بنائے تھے تو ان کے بعد اس وقت تک کی آمد و رفت سے جو تجربہ زیادہ ہوا ہوگا اس سے لازم تھا کہ اب کے لوگ مسیح اور بدھ سے بھی زیادہ اثر اور قوت پیدا کر لیتے اور اگر ان سے بعض لوگوں کو انکار بھی ہے تو اس وقت کے رشی اور مہارشی تمام جہان سے سجدا لیتے حالانکہ واقعات اسکے خلاف ہیں اور ایسی قوت کے لوگ بہت کم اور خال خال ہی نظر آتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح اور بدھ بننے کا راز تناسخ کے چکر میں نہیں بلکہ اُن کی طبیعتیں ہی فطرۃً ایسی قوی واقع ہوئی تھیں جس سے ہر زمانے میں فوجوں کی فوجیں ان کے نام پر قربان ہوتی رہیں۔ اور جب اس امر کو ماننے سے چارہ نہیں کہ انسانی طبیعتیں باہم مختلف ہیں اور بعض روحیں فطرۃً قوی ہوتی ہیں تو بعض نیک یا بد اشخاص کے عالمگیر اثر اور انکی تعلیم کی اشاعت کا باعث اُنکی فطری قوت ہوگی نہ تناسخ کا چکر۔

کمال تک پہنچنے کی سبیل اور پھر اور زیادہ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ایسی قوی طبیعتوں والے گو اپنی عجیب تعلیم اور دلکش ایجاد کے لحاظ سے بہت بڑے امتیاز کے مستحق ہیں لیکن یہ امتیاز سب کا سب انہی کی ذات سے مخصوص نہیں بلکہ عام نوع انسانی کے مختلف الانواع ترقیاں اس انتہا تک پہنچانے میں بہت بڑی معاون ہوئی ہیں اور جس طرح ہم مختلف علوم و فنون کی ترقی میں کہہ سکتے ہیں کہ اُنکی اعلیٰ دریافتیں اور باریک موشگافیاں دفعۃً اس شخص کے دماغ میں پیدا نہیں ہوئیں جسکو کسی فن کا موجد یا امام کہا جاتا ہے بلکہ نہایت قدیم زمانے سے نہایت سادہ شکل میں ایسے فنون کی بنیاد پڑکر بڑھتی ہوئی اس حالت کو پہنچ چکی تھی جس کے بعد کسی قوی الذہن اور عقیل شخص کو اسمیں ایجاد و اختراع کرنے کا موقع ملا۔ مثلاً علم حساب کے عمدہ اور سہل قاعدے بنانے والے گو موجد فن ہیں مگر یہ ایسی ایجاد نہیں جس کا پہلے وجود ہی نہ ہو بلکہ کسی نے

سچ کہا ہے کہ ابتدائے آفرینش انسانی مین جب کسی شخص نے جنگل کے دس سیب توڑکر اپنے دونو بچون مین برابر بانٹنے کیلئے ایک اِدھر اور ایک اُدھر رکھتے ہوے پانچ پانچ کی دو ڈھیر یان بنادی ہونگی وہ علم حساب کا پہلا موجد ہے۔ اس کے بعد کسی نے پانچ اور دس کا نام مقرر کو دیا ہوگا جسے اس سلسلہ کا دوسرا امام کہنا چاہیئے۔ اس کے بعد کسی نے یہ گُر مقرر کر دیا ہوگا کہ دس چیزون کو پانچ پانچ کی دو ڈھیریون مین رکھا جائے تو دونو برابر ہوتے ہین اور پھر اس قسم کے گُرون کو وسیع کرتے ہوئے شمار و اعداد کا علم اس حد تک پہونچ گیا ہوگا جس کے بعد کسی ذہین کیلئے اس علم کو بطور ایک فن کے مرتب کرنا اور پہلے قاعدون کو آسان بنانا یا نئے قاعدے ایجاد کرنا سہل ہوا۔ اب اس شخص کی نسبت یہ کہنے کی ضرورت نہین کہ اس نے بہت ہی جونون مین پھرنے کے سبب ایسا فن ایجاد کیا بلکہ ضرور کہنا چاہیئے کہ اس نے اپنے سے پہلے انسانون کے علم اور ان کے تجربون سے جن کا علم اسے اسی موجودہ زندگی مین ہوا اپنی قوت طبع سے وہ سبق سیکھا جس کا نتیجہ فن حساب کی ترتیب ہی۔ اسی طرح ابتدائے آفرینش سے اپنا غم غلط کرنے کے لیے دل بہلانے کی چیزین اور شغل تلاش کرتے کرتے اور بہت سی ابتدائی اور آسان اصولون کو دریافت کرتے کرتے ایسا وقت آیا تھا جبکہ کسی ذہین کو شراب اور قمار جیسی مسرت اور دلفریبی کی اعلے تدبیرین سوجھین اور اسی طرح روحانی عالم کی سیر کرنے والے جن کو پیغمبر یا رشی کہتے ہین انکے معرفت کے تجربون کی حقیقت خواہ کچھ ہو اسمین شک نہین کہ اس آگ کی چنگاری بھی ابتدا ہی سے دلون کو گرما رہی تھی اور قدیم ہی سے پاک اور مقدس ارواح کو اپنی اپنی استعداد کے موافق نور ازل کی شعاعین روشنی بخش رہی تھین چنانچہ جس طرح دنیا کے اور علوم و فنون بتدریج ترقی کرتے ہوئے اس حد تک پہنچے ہین کہ ان کے روشن اور واضح قوانین مرتب ہوکر عامہ خلائق کی تسلیم کے قابل ہوئے اسی طرح معرفت کے تجربے اور وصال ربانی کے قاعدے بھی قلوب مصفا پر وقتاً فوقتاً القا ہوتے ہوئے یہ وقت آیا کہ بعض انسانون کی اس قسم کی تعلیم نے دنیا کے بڑے

حصہ کو اپنا گرویدہ بنایا۔ اسلئیے یہ بہت سی جونون مین پھرنے کا نتیجہ نہین بلکہ مذہبی روح کے عام طبائع انسانی مین سرایت کرنیکا اور وقت وقت کے انبیا اور حاملان مذہب کی آوازون کے فضا مین گونجنے کا اور اس طرح پر تمام علوم عرفانی کے ایک شخص کی گرفت مین آجانیکا باعث ہے جس سے بڑے بڑے صاف دل لوگون کو پہلے تجربون پر اپنا اذ کرنے اور اُن کی غلطیون کو نکال لینے کا موقع ملا۔ غرض معرفت کی ترقی اور دیگر علوم کی ترقی مین بجز اسکے کوئی تفاوت نہین کہ جیسا پہلے ذکر ہوچکا ہے دیگر علوم مین انسان اپنے سے کمتر ہستیون کا تجربہ کرتا ہے اور اس لیے فاعلانہ حیثیت رکھتا ہے اور معرفت مین ایک بالاتر ہستی کا تجربہ ہے جسمین فاعلی حرکت اس ہستی کی جانب سے ہے اور انسان کی حیثیت صرف انفعالی ہے اور اس انفعالی قابلیت کی ترقی سے شعاعون کی فاعلانہ حرکت تیز ہوتی رہتی ہے۔

خدا کی قدرت سے بھی انکار نہین ہوسکتا

حاصل یہ کہ اس سرمایہ کو دیکھ کر جو ہماری عقل کے پاس دنیا مین موجود ہے کسی طرح ثابت نہین ہوتا کہ دنیا کے بڑے بڑے پاکباز تناسخ کی وجہ سے ایسے پاکباز ہوئے ہین اور اسلئیے تناسخ پاکبازی کو بڑھانے والا اور بدی کو نابود کرنیوالا ہے اور اس لیے اِس چکر کی وجہ سے نیک اور بد دونو انجام مین نیک نتیجہ حاصل کرینگے ہان اس مین شک نہین کہ خدا ہے اور وہ رحیم و کریم بھی ہے اور بیشک خدا نور ہے اور وہ نور اگر اپنی مرضی سے خود شعاعین ڈالنے لگے تو سیہ سے سیہ قلب کو منور کرسکتا ہے پس اگر اسکی قدرت کا یہی اقتضا ہو کہ عابد خدا پرست اور رند سیہ مست دونو آخر مین دائمی راحت و مسرت حاصل کرین تو چشم ما روشن۔ ہم گنہ گارون کے لئے اس سے بڑھکر کوئی مژدہ نہین اور ہم مانتے ہین کہ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ (خدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور حکم دیتا ہے جو اسکے ارادہ مین ہو) لیکن دُنیا مین جو سلسلہ جاری کیا گیا ہے اسکی شہادت یہی ہے کہ بے سبب کوئی نتیجہ پیدا نہین ہوتا اور دینا سب کچھ وہی ہے مگر اُسی کو اور اُسی قدر جسمین جس قدر قابلیت

ہو۔اس لئے شہادت کو دیکھتے ہوے پیپیہ مست ہونا اور سب کا انجام بُرا سمجھنا جس کا نتیجہ یہ ہو کہ ہم نیکی سے بسبب اُسکے بیسود ہونیکے بیزار ہوجائین یا اپنی مست ہونا اور سب باتون کو نتیجِ خیر سمجھنا جس کا نتیجہ ہو کہ ہم بدی سے بسبب اس کے مضر نہ ہونے کے پرہیز نہ کرین دونو اصول غلط ہین۔ضرور بد کا انجام ہمیشہ بد ہے اور نیک کا انجام ہمیشہ نیک اور اس لئے جب تک ہم مین عقل و شعور ہے بدی اور نیکی مین امتیاز کرنے اور بدی کو چھوڑنے اور نیکی اختیار کرنے کے سوا کوئی اور سلامتی کا رستہ نہین آگے جو خدا کو منظور ہے وہ ہوگا۔غرض یہی وہ نتیجہ ہے جسکو عقل تسلیم کرسکتی ہے اور یہی تسلیم ہونی چاہئے اس مذہب کی جانب سے جو عقلا کو اپنی طرف بُلاے اور اپنی خوبی کے لیے عقل کو معیار کرد اننے کا دعوے کرے۔چنانچہ ارشاد ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ؕ

(ف پارہ ۴ ع ۲)

یہ خدا کی مقرر کردہ حدین ہین اور جو شخص خدا اور رسول کی اطاعت کرے اسے وہ جنت مین داخل کریگا جس کے نیچے نہرین جاری ہین وہ اُنہین ہمیشہ رہین گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو شخص خدا و رسول کی نافرمانی کرے اور اُسکی حدون کو توڑے اُسے آگ مین داخل کریگا جس مین وہ ہمیشہ رہیگا اور اسکو ذلت بخش عذاب ہوگا۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّشَهِیْقٌ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ (سو پارہ ۱۲ ع ۹)

لیکن جو بدبخت ہین وہ آگ مین رہینگے جو جوش و خروش کرتی ہے اسمین ہمیشہ رہین گے جبتک آسمان و زمین ہو مگر جو خدا اپنا چاہے۔تیرا رب جو چاہے کرسکتا ہے اور جو نیکبخت ہین وہ جنت مین ہمیشہ رہینگے جبتک آسمان و زمین ہے مگر جو تمہارا پروردگار چاہے یہ عطیہ غیر منقطع ہے

باب سیزدہم

قیامت

جو ازلی نہین وہ ابدی بھی نہین اسکی تحقیق۔ ہر انقلاب پر ترقی ہوتی آئی ہے۔ منجمد ہو جانے پر ترقی کی سبیل۔ ٹیکلون کی عمر نور کی قوت وضعف پر منحصر ہے۔ تشخص قایم رہنے کی وجہ اور روح کا وجود۔ تمام دنیوی اجسام بعینہ زندہ نہین ہونگے۔ حیوانات جزا و سزا نہ پائینگے۔ ترقی کا اثر راحت و تکلیف پر۔ ترقی کرنیوالون نے دوسرون کو کیا فائدہ پہنچایا۔ تدابیر صحت کا فائدہ۔ اصلاح حکومت کا فائدہ۔ سہولت نقل و حرکت کا فائدہ وسائل نامہ و پیام کا فائدہ۔ راحت و مسرت کی آرزو برآنے کا بھی کوئی موقع ہونا چاہیئے۔ راحت و غم مکمل کیونکر ہوگا۔ آئندہ ترقی کے وسائل۔ فورس اور انرجی کے مختلف مظاہر۔ سائنس کے مسلمات سے استدلالی رفتار مذہب تک جاسکتی ہے۔ ترقی کے مختلف درجات مین فورس اور انرجی کی شکل بدلتی جاتی ہے آئندہ انقلاب مین ترقی اور بھی اعلے ہونی چاہیئے۔ آئندہ ترقی معرفت مین ہوگی۔ آئندہ ترقی کے لئے جو سامان ہونا چاہیئے وہ اسی عالم مین تہیا کر دیا گیا ہے۔ آئندہ ترقی غیر محدود ہوگی۔ روح صرف جسم مین رہکر ترقی کر سکتی ہے۔ ارواح کیلئے مادہ کی کمی نہین۔ آئندہ ترقی مین اجسام کی حالت۔ حشر کے متعلق اسلامی تعلیم آبجہانی تربیت سے اینجہانی خصائل بدل نہین سکتے۔

جو ازلی نہین وہ ابدی بھی نہین اسکی تحقیق۔

دنیا کے نیک اور بد نتایج کو ہمیشہ کے لئے جاری رہنے کے قابل مانکر سوال ہوتا ہے کہ آیا دنیا کی حالت کو دیکھکر کوئی احتمال ہوسکتا ہے کہ یہان کے عمل کرنیوالے ہمیشہ تک قائم رہین گے اور اپنی جزا و سزا بھگتینگے۔ یا جیسا کہ عام طور پر مٹیریلسٹ یعنی مادہ پرستون کا خیال ہے۔ یہ تمام انتظام ایک دن فنا ہو جانے والا ہے اور یہان کے اشخاص موت کے ساتھ اپنی ہستی کو کھو بیٹھتے ہین

ہستی خدا کے بارہ مین جو احتمالات قائم کئے گئے تھے ان سے ہم اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ

ایک ازلی اور ابدی ہستی نے اس عالم کو اپنی قوت علم سے نیست سے ہست کیا ہے مطلب یہ کہ یہ عالم قدیم اور ازلی نہین ہے پس اسکی نسبت ایک عام قانون قدرت مانا جاتا ہے کہ جب قدیم اور ازلی نہین تو دائمی اور ابدی بھی نہ ہوگا - اس اصول کو مانکر تو کہنا پڑتا ہے کہ نیست سے ہست ہونیوالے ایک دن ضرور تباہ ہو جائینگے اور اس لیے انکی نیکی اور بدی اور اسکا انجام بھی چند روزہ کھیل سے زیادہ وقعت نہین رکھتا - اور بیشک یہ قاعدہ صحیح ہے کہ جو ازلی نہین وہ ابدی بھی نہین ہوسکتا لیکن اسکا مطلب سمجھنے مین کسی قدر تساہل ہوتا ہے - جو چیز ازلی نہین اور چونکہ معدوم تھی اسلئے وہ اپنے وجود مین ضرور غیر کی محتاج ہے جو اسے نعمت وجود سے بہرہ ور کرے اور جب اسکا وجود عارضی ہے اور اسکی اپنی ذات وجود اور عدم دونو کو برداشت کرسکتی ہے تو اس کا وجود جس طرح حاصل کسی اور کی وجہ سے ہوا ہے اسی طرح قائم بھی کسی اور ہی کی وجہ سے رہ سکیگا - اسلئے یہ کہنا درست ہے کہ جس طرح خود وہ چیز ازل سے موجود ہونے کے قابل نہ تھی اسی طرح وہ خود اپنی ذات سے ابد تک موجود رہنے کے بھی قابل نہین - لیکن یہ کہ جس دوسری ہستی نے اسے موجود کیا ہے وہ بھی اسکو جب تک چاہے موجود رکھنے کے قابل نہین ہے یہ اُس دوسری ہستی یعنے پیدا کرنیوالے کی قوت اور ارادہ پر منحصر ہے -

اگر کسی کمزور ہستی نے اپنی قوت متخیلہ سے کوئی وجود پیدا کیا ہے تو ضرور ہے کہ وہ محدود عرصہ تک اس خیال کو قائم رکھ سکیگی اور اس لئے اسکی مخلوق ضرور ایک عرصے مین فنا اور نابود ہو جائیگی - چنانچہ جن خیالات کو انسان وجود کا جامہ پہناتا ہے دیکھا جاتا ہے کہ وہ اُس کی قوت اور ضعف کے موافق ایک دو لمحہ سے لیکر سال دو سال دس سال تک قائم رہتے ہین اور آخر کار نابود ہو جاتے ہین - کیونکہ انسان اگر چاہے جب بھی اپنے خیال کو ایک طرف تھوڑی ہی دیر کے لئے لگا سکتا ہے لیکن جس ہستی کو دنیا کا خالق مانا جاتا ہے اور دنیا کو جسکی قوت علم یا خیال کی محسوس تصویر مانا گیا ہے اسکی قوت وقدرت کے آگے انسانی قوت خیالیہ کی کوئی ہستی ہی نہین اسکی قدرت اس کا علم اور تمام صفات غیر محدود ہین اس لیئے اگر اُس نے اپنی قوت علم سے

دنیا کو پیدا کیا ہے اور اگر وہ اسکو کچھ عرصہ تک قائم رکھنا چاہتا ہے تو اسکی غیر محدودیت کے آگے کچھ مشکل نہین - وہ انسان کی طرح اپنے علم کی ایک صورت قائم رکھنے سے تھک نہین سکتا اور چونکہ وہ خود ابدی ہے اس لیے اگر ابد تک وہ اس صورت کو قائم رکھنا چاہے تو اسکی ذات سے کچھ بعید نہین - ہان اگر وہ خود فنا کرنا چاہے تو پھر اس ہستی مین بسبب حادث ہونے کے یہ طاقت نہین کہ اسکی مشیت کا مقابلہ کرے اور اسکی مرضی کے خلاف قائم رہ سکے - غرض "جو ازلی نہین وہ ابدی بھی نہین" اس قاعدہ کا یہ مطلب ہوا کہ ایسی چیز اپنی ذاتی قوت سے ازل مین موجود نہین ہو سکتی اور اپنی ذاتی قوت سے ابد تک قائم نہین رہ سکتی یعنی وہ اپنے وجود کے لئے بالکل غیر کی محتاج ہے لیکن ایسی چیز کسی دوسری ہستی کے اثر سے بھی ابد تک نہین رہ سکتی - یہ کہنا غلط ہے بلکہ اگر دوسری ہستی ابدی ہے اور اگر اسکی قدرت غیر محدود ہے تو ایسی چیز اس ہستی کی مدد سے جبتک وہ ہستی چاہے قائم رہ سکتی ہے -

ہر انقلاب پر ترقی ہوتی آئی ہے -

مگر اس سے کیا ثابت ہوا یہی کہ یہان رہنے والون کا ہمیشہ تک رہنا ممکن ہے - اور ممکن ہونے سے چونکہ لازم نہین آتا کہ رہین گے بھی ضرور اس لئے عالم آخرت کا احتمال قائم کرنیکے لیئے ابھی اور سامان کی ضرورت ہے اور دیکھنا چاہیئے کہ آیا دنیا مین کوئی نشان آئندہ ہستی کا بھی پایا جاتا ہے یا نہین - یہ دیکھنے کیلئے دنیا کی ابتدا اور اسکی ترقی کی رفتار کو دیکھنا چاہیئے جس کا آجتک تجربہ ہوا ہے - اسمین کچھ شک نہین کہ دنیا سب کی سب ہزارون طرح کے انقلاب اور تغیرات کا ہدف ہے اور دیکھنے والے سمندرون پہاڑون اور خود زمین آفتاب اور دیگر سیارون کو بھی انقلاب برداشت کرتے ہوئے اور ہر لحظہ ایک حالت سے دوسری حالت مین جاتے ہوئے دیکھتے ہین چنانچہ اس قسم کے تجربون سے اور عالمانہ اصول کے موافق استدلالون سے دنیا کی پیدائش کے متعلق آجتک جو خیال سب سے زیادہ قرین قیاس اور صحیح مانا جاتا ہے وہ نیبیولس تھیوری یعنے بخار کے بادل سے شروع ہونیکا مسئلہ ہے جس کے رو سے دنیا لطافت سے

کثافت کیطرف آتے ہوئے ایک دن جم کر برف کا تودہ بن جائیگی اور اُس دن سائنس کے نزدیک گویا دنیا اور دنیا کے کاروبار اور ان کے نتائج سب کا خاتمہ ہے مگر جس وقت یہ زمین و آسمان کا مادہ بخار کی شکل مین ایسا پھیلا ہوا تھا کہ آج کے دن کا ایک گرین کا ذرہ اُس وقت ھیم ھالٹز کے خیال کے مطابق کئی ملین کعب میلون مین پھیلا ہوا خیال کیا جاتا ہے اُس وقت اگر کوئی سائنس دان موجود ہوتا اور اپنے علم سے قیاس لگاتا کہ ایک دن پھیلا ہوا بخار سمٹ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائینگے یعنی آفتاب اور سیارے بنجائینگے تو وہ بخار کی اس حالت کو جس کو ہمیشہ سے دیکھنے کا عادی تھا دنیا کی اصلی حالت سمجھنا اور اسکے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کو دنیا کا خاتمہ خیال کرتا حالانکہ بعد کے تجربون سے ثابت ہوا کہ وہ حالت محض ابتدائی تھی اور ٹکڑے ٹکڑے ہونا ہی عالم کی ترقی کا زینہ ہے۔ اسی طرح جس وقت زمین گیس کی حالت سے سیال شکل مین تبدیل ہونی شروع ہوئی ہوگی اس وقت کوئی ذوی عقل انسان موجود ہوتا تو وہ بھی ضرور خیال کرتا کہ قیامت آگئی اور لطافت جو پہلے سے موجود تھی پانی بناکر بہادی گئی۔ مگر حقیقت مین وہ بھی ترقی کا ایک درجہ تھا۔ اور اسی طرح سیال سے منجمد ہونے کے وقت کوئی ہوتا تو روانگی کے بعد سکون کو بیکار ہوجانا سمجھتا اور علی ہذا نباتات اور حیوانات کے پیدا ہونے پر اگر کوئی غور کرنیوالا ہوتا تو مادہ کے فاسد ہو جانے اور اُس مین پھوڑے پھنسیان نکلنے اور کیڑے چل جانیکا خیال کرتا۔ غرض ہر ایک بڑے انقلاب کے وقت جو ہوتا آیا ہے حالت موجودہ کے بدل جانے کی وجہ سے خیال کرنے والا دنیا کا خاتمہ سمجھ سکتا تھا مگر اب ہم سمجھتے ہین کہ سب سے عمدہ حالت ہی وہ ہے جو اب پیدا ہوئی ہے اور دنیا کو پیدا کرنے سے غرض ہی یہ تھی کہ یہ دستر خوان آراستہ کرنے کے بعد حضرت انسان کی دعوت کی جائے۔ اچھا تو اگر کوئی غور کرنے والے اس وقت غور کرتے وہ ہر ایک انقلاب کو خاتمہ سمجھ لینے مین معذور بھی ہوتے کیونکہ وہ ایک ہی حالت کا خیال کرتے اور اسمین تغیر ہوتا دیکھتے۔ مگر ہم جو اتنے انقلابون کے بعد اور ہر ایک انقلاب

پر حیرت انگیز ترقی دیکھنے کے بعد منجمد ہو جانے کو خاتمہ سمجھتے ہین تو کیا ہم بھی مجبور ہین؟ بیشک ہم سمجھہ نہین سکتے کہ منجمد ہو جانے پر یہ عالم کس طرح ترقی کریگا لیکن جس نے گیس کو سیال یا منجمد ہوتے دیکھا ہوگا وہ بھی اُس وقت نہ سمجھ سکا ہوگا کہ اب کیا ہوگا۔ اور ہمنے جوان حالتون کا خیال کرنے پر سمجھا ہے کہ یہ ترقی تھی تو اسلئے کہ ہمکو بعد کے حالات دیکھنے کا موقع ملا پس اب بھی برف بنجانے پر جو ترقی ہونے والی ہے اسکو وہی شخص سمجھہ سکیگا جو اس حالت کو دیکھیگا لیکن پھر بھی نہایت ظلم ہوگا اگر ہم اتنے انقلابون کا علم رکھنے اور ان کے اندر ترقی کا رستہ صاف ہوتے دیکھنے کے بعد اتنا بھی نہ سمجھین کہ جس طرح ان وقتون مین پہلی حالت کے بعد دوسری حالت اور بھی بڑھ چڑھ کر آب وتاب دکھاتی رہی ہے اور معلوم ہوتا رہا ہے کہ پہلے جو کچھہ تھا محض تمہید تھی اور پیدائش کی حقیقت اب ظاہر ہوئی ہر اسی طرح اس حالت کے بعد دوسری حالت بھی کچھ ایسی ہی ہوگی جس کے سامنے یہ سب آبادی اور رونق ایک کھیل سے زیادہ وقعت نہ رکھے گی اور ثابت ہوگا کہ حقیقی زندگی ابھی حاصل ہوئی ہے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ط لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ط (عنکبوت پارہ ۲۱ ع ۷)	یہ دنیا کی زندگی لہو ولعب سے زیادہ نہین اور بیشک اگلی دنیا وہی حقیقی زندگی ہے۔ کاش لوگ یہ سمجھ جائین

اسمین شک نہین کہ نیبیولس تھیوری عالمانہ دماغ کا استدلال ہے اور تجربہ کی بات نہین لیکن اگر یہ مسئلہ غلط ہو اور دنیا کی پیدائش اور اسکی آیندہ حالت کسی اور شکل پر ہو تب بھی اس مین شبہ نہین کہ دنیا ہمیشہ سے ایک حالت پر قائم نہین اور ہزارون طرح کے انقلاب برداشت کر رہی ہے اور برداشت کرتی جائیگی۔ اس لیے انقلاب کی شکل خواہ کچھ ہو۔ ہمارا اس وقت کا استدلال صرف اس بات پر منحصر ہے کہ پہلے انقلابون سے جب خاتمہ نہ ہوا بلکہ ترقی ہوتی گئی تو آئندہ انقلابون سے کام کیون بند ہو جائیگا۔ اور اس وقت تک چونکہ انقلابون کی یہی شکل مانی گئی ہے اس لیے استدلال کو الفاظ مین لانے کے لیئے حال کی

سلسلہ شکلوں کا ہی ذکر کرنا پڑتا ہے۔

منجمد ہو جانے پر ترقی کی سبیل

مگر کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس وقت تک جس قدر انقلابوں کا تجربہ ہوا ہے ان میں حرارت اور روشنی کسی نہ کسی سرچشمہ سے نکلتی رہی ہے اور اسی سبب سے دنیا میں ترقی ہوتی آئی ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ اگر ادھر سے حرارت وغیرہ کا آنا بند ہو جائے تو ترقی بھی یک لخت بند ہو جائیگی۔ اور سائنس جس وقت پر اس نظام کا بگڑ جانا مانتی ہے وہ وہی وقت ہے کہ تمام فضا منجمد ہو جائیگی اور حرارت اور روشنی کا کوئی سرچشمہ موجود نہ رہیگا اس لیے اس وقت ترقی کا کوئی اور ظہور ماننا بے وجہ ہے مگر اس اعتراض کا وزن دیکھنے کے لیے ہمیں پھر اسی سلسلہ کو دیکھنا چاہیے جس میں پہلے غور کیا ہے۔ چنانچہ ایک وقت تھا کہ زمین بخار کے بادل سے الگ ہو کر گیس کی شکل میں گھوم رہی تھی۔ اس وقت حرارت خود اسکے اندر موجود تھی اور اسکے ذرات کو باہر کی طرف دھکیل رہی تھی اور پھر رفتہ رفتہ وہ حرارت گم ہو گئی یا کم ہو گئی اور اس کا اثر جاتا رہا۔ مگر اس حرارت کے زائل ہونے اور زمین کے منجمد ہو جانے پر ترقی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی بلکہ جو حرارت اور روشنی وغیرہ آفتاب سے نکل رہی تھی اب آئندہ اسکی وساطت سے ترقی کی ایسی اعلےٰ شکلیں نمایاں ہوئیں کہ زمین کی اندرونی حرارت سے ممکن نہ تھیں۔ اب فرض کرو کہ ایک دن یہ ہمارا آفتاب بھی سرد ہو جائیگا اور زمین کیطرح اسمیں بھی حرارت کا وجود نہ رہیگا۔ لیکن اگر اس آفتاب سے پرے کوئی آفتاب ہو جس کے گرد یہ آفتاب اسی طرح حرکت کرتا ہو جس طرح اس آفتاب کے گرد زمین تو ضرور ہے کہ جس طرح زمین کے سرد ہو جانے پر آفتاب کی حرارت نے اس کو اور بھی ترقی دی تھی اسی طرح اس آفتاب کے سرد ہو جانے پر دوسرے آفتاب کی شعاع اس نظام کو اب سے زیادہ آباد کریگی اور اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک کرہ یا ایک نظام شمسی کے منجمد ہو جانے سے اگر اس سے اوپر کوئی اور آفتاب موجود ہو تو ترقی رک نہیں سکتی۔ اس مشروط نتیجہ کو مان کر جسمیں کوئی شک نہیں اس کے ساتھ اس نتیجہ کو ملاؤ جو تمام عالم پر نظر کرنے

سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ازل سے ابد تک رہنے والا آفتاب وحدت ہی جس نے اس عالم کو پیدا کیا ہے اور جس کے نور نے ناموجود کو موجود اور نامحسوس کو محسوس بنایا ہے تو ان دونو مقدمات کو ملانے سے ثابت ہوگا کہ خواہ یہی ایک آفتاب ہو اور خواہ اس کے اوپر اور آفتابون کا ایک سلسلہ ہو ان سب کے منجمد ہوجانے پر اگر اصلی سرچشمہ یعنی آفتاب وحدت موجود ہے اور اگر وہ اپنی قدرت مین لازوال ہے تو اسکی شعاعون سے اس منجمد فضا پر وہی اثر ہوگا جو زمین کے منجمد ہوجانے پر آفتاب کی شعاعون سے ہوا۔ اور جس طرح اس آفتاب وحدت کے وہ آثار ہماری نظر سے مخفی ہین جو بخار کے بادل سے پہلے ہوئے ہونگے حالانکہ مادہ کے انقلابی حالت کو دیکھتے ہوئے ہم یقین کرتے ہین کہ پہلے بھی ہزارون انقلاب ہوئے ہونگے اسی طرح اس آفتاب کا وہ اثر بھی ہمکو محسوس نہین ہوسکتا جو انجماد کے بعد ظاہر ہوگا مگر اسی مادہ کی انقلابی حالت سے اس کا بھی یقین کرنا پڑتا ہے۔

غرض ان انقلابون کو دیکھ کر جسوقت ہم سمجھتے ہین کہ تمام مادی نظام تباہ ہوجائیگا اور تمام آفتاب اور سیارے منجمد اور بے نور ہو کر زمین و آسمان اور اُن کی درمیانی موجودات کی حالت دگرگون ہوجائیگی وہی وقت ہے جسکو **نفخ اول** کہتے ہین اور پھر جب اس کے بعد یہ خراب آباد براہ راست نور ربانی کا جلوہ گاہ بنیگا اور کسی اور طرح کی ترقی مین مصروف ہوگا اس زمانے کو **نفخ ثانی** کہتے ہین اور بالاجمال ان دونو انقلابون کا نام **قیامت** ہے

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (ابراہیم پارہ ۱۳ ع ۷)	جس دن یہ زمین بدل کر اور زمین ہوجائیگی اور آسمان بھی بدل جائینگے اور سب چیزین براہ راست خدا کے سامنے ہونگی
وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْأَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى	ان لوگون نے جیسا چاہئے خدا کو پہچانا نہین حالانکہ قیامت کے دن زمین سب اسکے قبضہ مین ہوگی اور آسمان لپٹے ہوئے اُسکے ہاتھ مین ہین وہ ذات پاک اور بلند

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

(زمر پارہ ۲۴ ع ۷)

ہے لوگون کے شرک سے - اور نرسنگھا پھونکا جائیگا پس جو آسمان و زمین پر ہین مر جائینگے باستثناء ان کے جن کو خدا چاہے - پھر دوبارہ پھونکا جائیگا تو وہ سب کھڑے ہو جائین گے

اور حیران تکینگے اور زمین خدا کے نور سے روشن ہوگی اور کتاب رکھی جائیگی اور انبیا اور گواہون کو لایا جائیگا اور لوگون مین حق فیصلہ کیا جائیگا اور ان پر ظلم نہ ہوگا

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ۝

(قیامہ پارہ ۲۹ ع ۱۷)

جب کہ نظر چندھیا جائیگی اور چاند بے نور ہو جائیگا اور سورج اور چاند جمع کردئے جائینگے - اس دن انسان کہیگا کہ اب ٹھکانا کہان ہے - بیشک کوئی ٹھکانا نہ ہوگا - اور اس دن صرف ذات خداوندی پر قیام کا مدار ہوگا -

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝

(مرسلات پارہ ۲۹ ع ۱)

پس جبکہ ستارے بے نور ہو جائینگے اور فضا خالی ہو جائیگی اور پہاڑ نابود ہو جائینگے اور جبکہ پیغمبرون کو جمع کیا جائیگا انکو کیسے بڑے دن مین شہادت دینی ہوگی - فیصلہ کے دن مین

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝ ...... عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝

(تکویر پارہ ۳۰ ع ۱)

جب کہ آفتاب بے نور کردیا جائیگا اور جبکہ ستارے گرا دئے جائینگے اور جبکہ پہاڑ نابود کردئے جائینگے ...... اسوقت جان لیگا ہر شخص جو اس نے پیش کیا ہے

شکلون کی عمر نور کی قوت و ضعف پر منحصر ہے

تسلیم کرنیکے بعد کہ آئندہ انقلاب مین یہ مخلوق نئی شکل مین

پیدا ہوگی اور ترقی کرگی معین طور پر معلوم نہیں ہوسکتا کہ اس وقت مخلوق کے وجود مین آنے یا قائم رہنے کا قانون کیا ہوگا البتہ یہ ضرور دیکھا جاتا ہے کہ یہان مادہ کی مقدار اور جس قدر حرارت اور نور مادہ کو عطا کیا گیا ہے وہ سب کچھ محدود ہے اور مادہ اگرچہ اپنی حالت پر قائم ہے مگر حرارت اور نور وغیرہ کا ذخیرہ صرف ہوتا جاتا ہے چنانچہ جس قدر ذخیرہ زمین مین ودیعت تہا وہ قریبًا صرف ہوچکا ہے اور اب جو کچھ آفتاب سے مل رہا ہے اسکی مقدار بھی خواہ کیسی ہی عظیم الشان ہو مگر بے پایان نہین اور ایک دن ختم ہونے کو ہے اور پھر اسکے صرف ہونے کی بھی یہ شکل ہے کہ ایک خاص سمت سے خاص مقدار مین حرارت موصول ہوتی ہے اور جس چیز پر اس کا اثر پہنچتا ہے اسکی ایک طرف کو ایک خاص حد تک گرماتا ہے اور دوسری طرف تک پہنچتے پہنچتے اور بھی کمزور ہوجاتا ہے اور اگرچہ سیارون کو دوری حرکت دینے سے ہر طرف حرارت پہنچانے کا انتظام کیا گیا ہے مگر دائمی اثر اس صورت مین بھی پیدا نہین ہوا اور اسی لئے سال کے مختلف موسمون مین اور رات دن کے مختلف حصون مین حرارت اور نور کا اثر مختلف ہوتا ہے اور جو مخلوق اس اثر سے پیدا ہوتی ہے وہ ایک مختصر عرصہ سے زیادہ قائم نہین رہ سکتی چنانچہ نباتات کا اکثر حصہ موسم کی ایک خاص حالت مین پیدا ہوتا ہے اور جب تک وہ حالت قائم رہتی ہے بڑھتا پھولتا ہے اور اس حالت کے ختم ہوجانے پر نابود ہوجاتا ہے اس سے زیادہ مکمل شکل کے درخت اگرچہ بہت عرصہ تک قائم رہتے ہین لیکن چونکہ محدود حرارت نے ہر چیز کے اندر محدود قوت پیدا کی ہے اسلئیان درختون کے گرد و پیش کی فضا اور خوراک اور اسکی اندرونی اجزا کی قوت سب محدود ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو مادہ ان درختون مین صرف کیا گیا ہے اگرچہ وہ قائم رہتا ہے اور کبھی فنا نہین ہوتا مگر اسی محدود حرارت اور محدود قوت کے سبب درختون کی یہ شکل ہمیشہ کے لئے قائم نہین رہ سکتی - اور یہی کیفیت حیوانات اور انسان کی ہے کہ مادہ کی یہ شکلین بھی ایک محدود عرصہ مین فنا ہوجاتی ہین کیونکہ جو قوت ان کے اندر اور باہر کام کر رہی ہے وہ محدود ہے -

مگراس قوت کے محدود ہونیکا سبب کیا ہے؟ اگرچہ کیا معلوم ہوگا لیکن دیکھنا چاہئے
کہ یہاں کچھہ اثر آفتاب کے نور سے ظاہر ہوتے ہین اور کچھ ماہتاب کے نور سے۔ اور دیکھا
جاتا ہے کہ ماہتاب کے نور سے جو اثر ظاہر ہوتے ہین انکا زمانہ بہت ہی مختصر ہوتا ہے۔ مدوجزر
ہو تو پھل پھول کی پیداوار ہو تو اور جسم کے اندر خون کا جوش اور بعض امراض کا چاندنی
اور اندھیری راتون مین اُتار چڑھاؤ ہو تو غرض جس قدر اثر چاند کی گردش سے پیدا ہوتے ہین
چند روز مین بدل جاتے ہین اور اس کے برخلاف آفتاب کے اثر سے زمین پر جس قدر تغیرات
ہوتے ہین ان مین سے بعض تو بہت عرصہ تک قائم رہتے ہین اور بعض مثلاً موسمون کا تغیر
اور زراعت کی پیداوار بھی کم از کم مہینون کی عمر پاتے ہین اور اسکی وجہ اگر ہے تو یہی ماہتاب
مین جو اثر ہے وہ اسکی اپنی ذات سے پیدا نہین ہوتا بلکہ آفتاب ہی کا نور ہے جو ماہتاب کی
وساطت سے عمل کرتا ہے اور یہی ایک واسطہ حائل ہوجانے کا سبب ہے کہ وہ اثر کمزور ہوگیا ہے
اور اسکے خلاف آفتاب کا اثر خود اسکی ذات کیطرف منسوب ہے اور بیواسطہ ہونیکے سبب نسبتہً دیرپا
ہوتا ہے اب اگر یہ آفتاب بھی اپنی ذات سے منور نہ ہو بلکہ اسکے پیچھے کوئی اور سرچشمہ ہو جس سے
اسکو نور پہنچ رہا ہے تو ضرور ماننا پڑیگا کہ آفتاب کے اثر کی محدودیت بھی اسی سبب سے ہے کہ
اسکا نور خود اسکی ذات سے پیدا نہین ہوتا اور واسطہ حائل ہونے کے سبب اس کے اثر سے جو
مخلوق پیدا ہوتی ہے وہ ایک خاص عرصہ مین فنا ہوجاتی ہے اور نیز یہ بھی ماننا پڑیگا کہ اگر آفتاب
کے سرد ہوجانے پر اس سے اوپر کے آفتاب کا نور بے واسطہ آنے لگے تو اسکی مخلوق اب سے
زیادہ دیرپا ہو اور یہی نتیجہ اس وجہ سے بھی پیدا ہوتا ہے کہ زمین جب گیس یا سیال تھی اور
حرارت خود اس کے اندر موجود تھی تو اسکی اجزا انہایت سرعت سے شکلین بدلتی رہتی تھین جیسا کہ
اب بھی پانی اور بخار کے ذرات مین فوری تغیرات دیکھے جاتے ہین لیکن جب اسکے منجمد ہونے
پر آفتاب کی طرف سے حرارت آنے لگی تو شکلین بھی نسبتہً پائدار ہونے لگین اب جو یہ آفتاب بھی
منجمد ہوجائیگا تو دوسرے آفتاب کے اثر سے اسوقت کی شکلین ضرور اور پائدار ہونی چاہئین

اور اسکے ساتھ جب یہ مانا جائے کہ ایک آفتاب وحدت موجود ہے جو اپنی ذات سے منور ہے اور اسی کا نور ہے جو واسطہ در واسطہ تمام عالم کو منور کر رہا ہے اور نیز وہ نور غیر محدود ہے اور نیز غیر مادی ہونے کے سبب اس کے فیضان کے لئے کسی خاص سمت اور خاص وقت کی بھی ضرورت نہیں تو ضرور یہ نتیجہ نکلے گا کہ جب تمام درمیانی وسائل ختم ہو جائیں گے اور اس نور کی شعاعیں براہ راست اور ہر طرف سے عالم کو منور کرینگی تو خواہ اس عالم کے پیدا ہونے کی کوئی شکل ہو اور اسکے قیام کے واسطے کسی قسم کے قوانین جاری ہوں یہ ضرور ہوگا کہ اس وقت جو چیز پیدا ہوگی اسکی عمر محدود نہ ہوگی بلکہ جبتک اس نور کی شعاعیں کام کریں یعنی ابدالآباد تک وہ مخلوقات بھی قائم و دائم رہینگی۔

تشخص قائم رہنے کی وجہ اور روح کا وجود۔

ابھی تک اتنا ظاہر ہوا ہے کہ اس عالم کے تودۂ برف یا کسی اور شکل میں جا پڑنے اور آبادی کے تباہ ہو جانے پر خاص نور وحدت کے اثر سے پیدائش کا سلسلہ جاری ہونے کو ہے لیکن اب سوال یہ ہے کہ جب یہاں کی مخلوق تباہ ہو گئی اور اسکی اجزا مادہ کے دیگر اجزا سے مل گئیں تو یہاں کی مخلوق کا تشخص بھی قائم نہ رہا۔ اسلئے خواہ اسی مادہ سے اور اعلےٰ شکلیں پیدا کی جائیں لیکن وہ مخلوق پیدا نہ ہوگی جس نے اس دنیا کو آباد کیا تھا۔ بلکہ وہ اور مخلوق ہوگی۔ اور اس لیے ابھی تک ثابت نہیں ہوا کہ یہاں کی مخلوق دوبارہ زندہ ہوکر جزا و سزا برداشت کریگی۔ اور بیشک اگر محض جسمانیات کو دیکھا جائے تو ایک چیز کے ٹوٹ جانے پر اسکا تشخص بھی فنا ہو جاتا ہے۔ اور پھر خواہ انھی اجزا سے اور شکل بنائی جائے وہ پہلی چیز پیدا نہیں ہوتی چہ جائیکہ تمام عالم درہم و برہم ہو جائے اور پھر دوبارہ پیدائش کا سلسلہ جاری ہو تو جس طرح یہاں ہوتا ہے وہاں بھی مادہ کی بعض اجزاء زمین اور فضا میں صرف ہونگی بعض اجزا دیگر سامان پیدا کرینگی اور بعض سے کچھ اعلیٰ شکلیں پیدا ہونگی اسلئے اسوقت بعینہٖ یہاں کی اعلےٰ شکلوں کی اجزا کا وہاں کی اعلیٰ شکلوں میں صرف ہونا بھی دشوار ہے اور اس لیے محض جسمانیت کے لحاظ سے اس عالم میں یہاں کے تشخصات کا

قائم رہنا ممکن معلوم نہین ہوتا اور اگر دُنیا محض جسمانیات کا ہی مجموعہ ہو تو کچھ شک نہین کہ اس صورت مین یہان کے اعمال اور انکی جزا و سزا سب کچھ اسی زندگی کے ساتھ ختم ہو جائیگا اور آئندہ خواہ کچھ ہوتا رہے یہان والون کو اس سے تعلق نہ ہوگا۔ لیکن یہی ایک عجیب بات ہے کہ سائنس دنیا مین جسم و جسمانیات کے علاوہ اور کسی چیز کو پہچانتی نہین اور اس کے برخلاف مذہب مین اگرچہ بیشمار اختلاف موجود ہین اور بہت سے مذاہب کسی نہ کسی امر مین سائنس سے اتفاق رکھتے ہین اور جن مسائل کو اسکے مطابق نہین پاتے اُن پر اصرار کرنا مناسب نہین سمجھتے مگر یہی ایک مسئلہ ہے جس پر باوجود سائنس کی شہادت کے نہ ہونے کے تمام مذاہب کو اصرار ہے اور وہ سب جسمانیت کے علاوہ یہان کے جاندارون مین ایک اور غیر جسمانی جوہر لطیف یعنے روح کو موجود مانتے ہین اور موت کے بعد اِس کے قائم رہنے پر یقین رکھتے ہین۔ اور اگر اختلاف ہے تو اس قدر کہ بعض مذاہب ارواح کو جسم کی پیدائش سے پہلے موجود مانتے ہین یا قدیم جانتے ہین اور بعض کہتے ہین کہ ارواح کا پہلے سے موجود ہونا ممکن نہین بلکہ وہ اسی وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ جاندار کا نطفہ زندگی حاصل کرنیکے لئے تیار ہوتا ہے۔ غرض روح کا وجود سائنس اور مذہب کا قدیمی اختلاف ہے اور ثبوت دیکھا جائے تو جس کو ثبوت کہنا چاہیئے کسی طرف بھی نہین۔ رہے قرائن اور نشانات سو انکی یہ صورت ہے کہ روح کے نہ موجود ہونے کا کوئی قرینہ بھی موجود نہین۔ مسٹر جان سٹوارٹ مل لکھتے ہین[1]۔

> سائنس مین دوام روح کے خلاف کوئی ثبوت نہین۔ صرف ایک سلبی شہادت ہے یعنے یہ کہ دوام روح کے لئے کوئی ثبوت نہین ملا لیکن یہ سلبی شہادت بھی ایسی مضبوط نہین۔ مثلاً جادوگری کے بارہ مین یہ واقعہ کہ اُسکے موجود ہونیکا قطعی ثبوت موجود نہین " ایسا ہی نتیجہ خیز ہے جیسے اسکے نا موجود ہونے کا کوئی ایجابی ثبوت نتیجہ خیز ہوتا۔ کیونکہ اگر جادو موجود ہوتا تو اسی زمین پر ہوتا اور اگر زمین پہ ہوتا تو یقیناً اس کے وجود کی شہادت بہی ملسکتی لیکن موت کے بعد روح کے قائم رہنے یا نہ رہنے کے بارہ مین یہی استدلال پیش نہین ہوسکتا کیونکہ جس طرح

[1] ایسیسے ۲۰۳

کی شہادت جادو کے وجود کو غلط ثابت کرتی ہے اسی طرز سے اس قدر تو ثابت ہو سکتا ہے
کہ روح موت کے بعد نہ اس کرہ پر رہتی ہے اور نہ نظر آتی ہے اور نہ انسانوں کے کاروبار میں
دخل دیتی ہے لیکن اس امر کا یقیناً کوئی ثبوت نہیں کہ وہ کسی اور عالم میں بھی موجود نہیں
ہے۔ اگر کوئی مبہم سا خیال ہو سکتا ہے تو یہ کہ وہ اس کرہ سے ہمیشہ کیلئے چلی جاتی ہے"

باقی رہا اس کے موجود ہونے کا یا بعد از موت قائم رہنے کا قرینہ سو وہ بیشک موجود ہے اور وہ یہ کہ جو صفات جسم اور جسمانی ساخت سے پیدا ہوں ان کے لئے ضرور ہے کہ جسمانی ساخت کی قوت سے قوی ہوں اور اس کے کمزور ہونے پر کمزور ہو جائیں اور اس طرح فکر و خیال اور دیگر دماغی اور اعصابی قوتیں ثابت ہوتا ہے کہ جسم سے تعلق رکھتی ہیں اور اس لئے جسم کی قوت وضعف سے ان میں تغیر ہو جاتا ہے لیکن انسان میں جسمانی وسائل کے بغیر اشیاء کو دیکھنے خیالات کو معلوم کرنے اپنے خیالات کو ظاہر کرنے اور وزنی چیزوں کو حرکت دینے کی یا چند اور قوتیں ایسی ثابت ہوتی ہیں جن کا ظہور جسمانی قوت وضعف کے مناسب حال نہیں ہوتا بلکہ وہ عموماً ایسے وقت میں ظہور کرتی ہیں جبکہ جسمانی تعلقات بیماری سے یا مصنوعی طور پر بیہوش کرنے سے کم ہو جائیں اور اکثر ایسی قوتوں کا ظہور موت کے وقت ہوتا ہے جبکہ جسمانی ساخت قریب بزوال ہوتی ہے چنانچہ پروفیسر ولیم جیمس اپنے رسالہ ہیومن امارٹیلٹی اور مسٹر مایرس اپنی مبسوط کتاب ہیومین پرسنلٹی میں انہی مناظرہ کے بنا پر وجود روح اور دوام روح کو اغلب ثابت کرتے ہیں۔

اور یہ دیکھنے کے بعد کہ عدم روح کیلئے کوئی قرینہ بھی موجود نہیں اور دوام روح کے لئے اگرچہ منطقی ثبوت نہ ہو مگر غالب گمان پیدا کرنیوالے قرائن موجود ہیں اور تمام مذاہب اسکے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔ مذہبی تحقیق کے متعلق اس انسانی فرض کا بھی خیال کر لینا چاہیئے جو پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مذہب کے اصولی دعوی تجربہ کی گرفت سے باہر ہیں اور اس لئے ان کی نسبت یہ امید ہی نہ رکھنی چاہیئے کہ وہ سب کے سب منطقی حسی دلائل سے پورے طور پر ثابت

ہوسکین گے بلکہ اُن کے بارہ مین دیکھنے والیکو یہی دیکھنا چاہیئے کہ تمام مذاہب کے اختلافی مسائل مین کونسا عقیدہ قرین قیاس اور ممکن الوقوع ہے اور کس عقیدہ کو عقل یقیناً ناممکن کہتی ہے چنانچہ اس نظر سے دیکھنے پر چونکہ روح کے وجود کے لیے قرائن موجود ہین اور مذاہب کا اسبارہ ہین اختلاف بھی نہین اس لیے دیگر اخلاقی مسائل کی تحقیق کے وقت عقل کو روح کی نسبت گمان غالب پیدا ہونا کافی ہے اور اس لیے ہم کہ سکتے ہین کہ اگر انسان مین روح نہین ہے تو بیشک حشر و نشر اور جزا و سزا کا بھی خرخشہ نہین۔ اور اس صورت مین برائی کرنے والا اگر یہان کے ملکی اور تمدنی قوانین کی زد مین نہ آئے تو شوق سے لطف اٹھالئے آئندہ کوئی پوچھنے والا نہین لیکن اگر بدقسمتی سے ہمارے اندر کوئی چیز مرنیکے بعد قائم رہنے والی موجود ہو اور قرائن کہتے ہین کہ ہے تو پھر چاہے ہمارے یہ جسمانی اجزا مادہ کے دیگر اجزا کے ساتھ مل جائین ہمین برائی کے بد اثر سے بچانے والا کوئی نہین کیونکہ جب مادہ موجود ہے اور آئندہ انقلاب مین اور ترقی کریگا تو روح بھی موجود ہے اور وہان اور اعلی شکل مین جلوہ گر ہوگی اور اس لیے مادہ کی جو اعلی شکلین وہان پیدا ہون گی وہی روح کا مسکن قرار پائینگی اور اس طرح خواہ مادی اجزا وہی ہون یا کوئی اور ہمارا تشخص برقرار رہیگا اور جس قسم کی ترقی کا استحقاق لیکر گئے ہین اُسکے نتائج برداشت کرنے پڑینگے اور جس قدرت نے یہان ابتداً مادہ اور روح کو پیدا کیا ہو اور باہم ملایا ہے وہ آئندہ جبکہ مادہ اور روح دونو موجود ہون گے اور اپنی اپنی قابلیت کے لحاظ سے بعض روحین بعض شکلون کے ساتھ پیوستہ ہونے کی صلاحیت رکھین گی اس قدرت کو پہلے تشخصات قائم رکھنے اور بھی آسان ہونگے

چنانچہ ارشاد ہے:۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۱۱)	کیا وہ نہین دیکھتے کہ خدا جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے ویسی ہی مخلوق پیدا کرنے پر قادر نہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ؕ (طٰہٰ پارہ ۱۶ ع ۱۳)	ہمنے تمکو زمین سے پیدا کیا اور اسی کی طرف واپس لے جاتے ہین اور دوبارہ اُسی مین سے نکالینگے۔
كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ؕ (انبیا پارہ ۱۷ ع ۷)	جس طرح ہمنے پہلی پیدا کیا دوبارہ بھی پیدا کرینگے یہ ہمارا وعدہ ہے اور ہم ایسا کرنیوالے ہین
وَهُوَ الَّذِىْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ (روم پارہ ۲۱ ع ۳)	وہی پہلے پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ کام اسکو اور بھی آسان ہے۔
اَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ؕ (یس پارہ ۲۳ ع ۵)	کیا جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ویسی ہی مخلوق پیدا کرنے پر قادر نہین۔ ہان وہ پیدا کرنیوالا ہے اور علم والا ہے
اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِىْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ (ق پارہ ۲۶ ع ۱)	کیا ہم پہلے پیدا کرکے تھک گئے ہین۔ مگر یہ لوگ دوبارہ پیدا کرنے کی نسبت شکوک مین گرفتار ہین۔
يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ؕ (ق پارہ ۲۶ ع ۳)	جس دن زمین پھٹ جائیگی اور یہ لوگ جلدی جلدی پیدا ہو جاوینگے ایسا حشر ہماری لیے آسان ہے۔
نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِىْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ؕ (واقعہ پارہ ۲۷ ع ۲)	ہم نے تم مین موت کا سلسلہ جاری کیا ہی اور ہم اس سے عاجز نہین ہین کہ تم کو تم جیسی شکلون مین بدلین اور تمکو ایسے عالم مین پیدا کرین جسکو تم نہین جانتے۔

تمام دنیوی اجسام بعینہٖ زندہ نہین ہونگے

بعض اہل علم کیطرف سے مذہبی شکل مین یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ انسان مین روح نہین اور یہی اجزاے مادی قیامت کو دوبارہ زندہ ہونگی اس خیال پر جو اعتراض ہوتا ہے کہ اجزا پراگندہ ہونے کے بعد متمیز نہین رہتین اور دیگر اجزا کے ساتھ مل جاتی ہین۔ واقع مین کوئی وقیع اعتراض نہین۔ کیونکہ اگرچہ ظاہر مین پراگندہ ہونے کے

بعد اجزا مین کوئی تمیز نہین رہتی مگر واقعہ مین وہ اجزا مادہ کے دیگر اجزا سے متمیز ہین۔ ہم بیان بعض نباتات یا معدنیات کے اجزا کو جلا دیتے ہین اور کشتہ کر لیتے ہین اور اس حالت مین ایک چیز کی اجزا دوسری چیز کی اجزا سے متمیز نہین ہوتین لیکن پھر بھی ہر چیز کی اجزا مین وہ تاثیر ہوتی ہے جو دوسری چیز کی اجزا مین نہین ہوتی اور یہ اسلئے ہوتا ہے کہ وہ اجزا کچھ عرصہ خاص نباتات یا خاص دھات کی شکل مین رہ چکی ہین۔ اسی طرح جو اجزا خاص مدت تک کسی انسان کے جسم مین رہ چکی ہین اور اچھے اور برے رنج و راحت اور مسرت و غم کے اثر برداشت کر چکی ہین وہ بھی واقع مین عام اجزا اور دیگر انسانون کی اجزا سے متمیز ہین اور وہ خدا جس نے ان اجزا کو پیدا کیا ہے اور خاص خاص اجزا کو خاص خاص حالات مین رکھا ہے اس کو یہ اجزا فراموش نہین ہو سکتین اور اگر ہم خدا کو مانتے ہین تو اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ پھر انہی اجزا کو اسی شکل مین پیدا کرنا اسکی قدرت مین ہے اور اگر اسکی مشیت ہوگی تو انسان بعینہ اپنی انہی اجزا کے ساتھ پیدا ہو سکین گے چنانچہ فرمایا ہے

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ لَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَہٗ ؕ
بَلٰی قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ ؕ
(قیامہ پارہ ۲۹ ع ۱)

کیا انسان سمجھتا ہے کہ ہم اسکی ہڈیون کو جمع نہ کر سکینگے؟ ہان ہم قادر ہین کہ اسکی انگلیون کے پور تک بنا دین۔

مگر باوجود اس کے ہم جو آئندہ جہان مین جزا و سزا کو بعینہ دنیوی اجزا کے زندہ ہونے پر منحصر نہین سمجھتے اور جیسا کہ گذشتہ آیات قرآنی اور اس طرح کے اور بہت سے مقامات پر ارشاد ہوا ہے کہ ہم ان کی مانند اجسام پیدا کرینگے اسی کو قرین عقل سمجھتے ہین تو اس لئے کہ یہان جیسا کہ امام غزالیؒ فرماتے ہین اکثر اجزا کا ایک سے زیادہ انسانون مین داخل ہونا ممکن ہے کیونکہ اول تو مرنیکے بعد عموماً جسمانی اجزا یہین کے کاروبار مین صرف ہوتے رہتے ہین اور آئندہ آنے والے انسان یہین کی اجزا سے خوراک لیتے ہین اور دوسرے ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کو کھا جاتا ہے اور اس وقت چاہے خوراک اسکی اجزائے اصلیہ مین شمار نہ ہو مگر اس خوراک سے علاوہ اور کامون

کے نطفہ بھی تیار رہوگا اور اس نطفہ سے کوئی اور انسان بنیگا تو اب اس انسان مین وہی اجزا ہین جو خوراک بننے والے انسان مین تھین اور ان اجزا کو آئندہ جہان مین انسانی شکل دیجاوے تو ایک انسان بنیگا حالانکہ یہان ان سے یکی بعد دیگرے دو انسان پیدا ہوئے تھے اور اگر جزا و سزا کیلئے انہی اجزا کا وجود ضرور رہو تو لازم آئیگا کہ ایک نے حشر و نشر کو برداشت کیا اور دوسرا نہ بھلائی مین پکڑا گیا نہ برائی مین۔ اس لئے حقیقت مین تشخص اسی طرح پر قایم رہ سکتا ہے کہ کوئی چیز یہان سے وہان تک برابر موجود رہے خواہ جسمانی اجزا اسکی مشیت کے موافق بعض مین وہی رہین اور بعض مین اور۔ آخر یہان بھی تو انسان کے جسم مین بہم خوراک کی شکل مین بہت سے اجزا آتے ہین اور بہت سے خارج ہوتے رہتے ہین حتےٰ کہ بوڑھے جسم کے کسی جزو کو بھی نہین کہ سکتے کہ یہ بچپن سے ابتک قائم ہے مگر اس تغیر سے انسان کے تشخص مین فرق نہین آتا اور باوجود اجزا بدل جانے کے بڑھاپے مین وہی انسان تکلیف اٹھاتا ہے جس نے بچپن مین بے اعتدالی کی تھی اور وہی سزا پاتا ہے جس نے قصور کیا تھا۔

حیوانات جزا و سزا نہ پائینگے یہ ثابت ہوا کہ اگر روح موجود ہے تو جس طرح یہان ادنیٰ شکلون مین پیدا ہوتی ہے وہان بھی اعلےٰ تر شکلون مین جلوہ گر ہوگی اور یہان سی جو قابلیت لیکر گئی ہے آہین ترقی کریگی۔ مگر اب یہ دیکھنا ہے کہ روح حیوان مین بھی پائی جاتی ہے اور جو قرائن روح کو ثابت کرتے ہین وہ اگرچہ اس قوت سے حیوان مین موجود نہین مگر تاہم کچھ نہ کچھ ہین اس لئے ہونا چاہئے کہ یہ روح بھی وہان اپنے مناسب حال شکلون مین ظہور کرے اور انسان کیطرح حیوانات بھی پیدا ہون اور وہ بھی جزا و سزا برداشت کرین اور نہ صرف یہی بلکہ جو چیزین محض مادہ سے بنتی ہین مثلاً نباتات ضرور ہے کہ مادہ کی کچھ اجزا اس قسم کی ترقی یافتہ شکلین بھی اختیار کرین بیشک یہ سب کچھ ہوگا اور مادہ کی کوئی قابلیت ضائع نہ جائیگی لیکن جزا و سزا کے مسئلہ مین ابھی غور کرنا باقی ہے۔

یہان جو مادہ سابقہ انقلابون مین گیس سے سیال اور سیال سے منجمد ہوا تھا وہ جب آئندہ انقلاب مین نبات اور حیوان بنا تو اگرچہ اس نے ترقی کی مگر اسی قدر کہ بے نظام سے با نظام اور بے جان سے جاندار ہوگیا اور اس سے زیادہ ترقی کی کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی۔ اگرچہ ہمکو نہایت قدیم زمانے کا علم نہین اور اگرچہ جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے شاید درخت اور حیوان کی ایک نوع بہت سا زمانہ گذرنے کے بعد اپنی صورت شکل اور حالات و خصائل مین ترقی کرکے دوسری نوع بنگئی ہوگی اور یہ بھی ایک انقلاب ہوگا جو انکی حالت مین واقع ہوا۔ لیکن ایک ہی نوع ہو اور کچھ عرصے مین اپنے حالات مین ترقی کر جائے درختون اور حیوانون مین اس کا کوئی ثبوت نہین اور ان سب کے برخلاف انسان ایسی مخلوق ہے کہ باوجود ایک ہی نوع انسانی مین شمار ہونیکے افراد اور نیز اقوام چند سال بھی ایک حالت پر قائم نہین رہتے اور ان کی رفتار خواہ بہتری کی جانب ہو یا بدتری کیطرف ان کے افراد سالون کی ایک دہائی مین اور قومین ایک سیکڑہ مین ایسی بدل جاتی ہین کہ اکثر دیکھنے والون کو حیرت ہوتی ہے۔ اور اسکی وجہ یہی ہے کہ درخت اور حیوان کے تمام افعال انکی طبیعت کے اقتضا سے سرزد ہوتے ہین اور انتخاب اور فیصلہ کی طاقت کو اسمین کوئی دخل نہین۔ درخت اگر اپنے ریشون اور مسامون کے ذریعہ سے غذا کو جذب کرتا ہے تو اقتضائے طبیعت سے اور حیوان اگر خوراک مہیا کرنے اور نسل بڑہانے کے لئے حرکت کرتا ہے تو اپنی فطرت کے حکم سے۔ اور اگر شیر دیگر حیوانون کو مار کر خوراک بہم پہنچاتا ہے یا ہرن گھاس کی سبز پتیون کو توڑتا ہے تو یہ سب بے اختیاری کی حرکتین ہین اور ہمیشہ ایک حالت پر رہتی ہین۔ مگر ان کے برخلاف انسان خواہ اپنے تقاضائے طبیعت سے کیسا ہی لاچار اور بے اختیار مانا جاوے مگر اسکے اندر جو انتخاب اور فیصلہ کی طاقت رکھی گئی ہے اس سے بھی انکار نہین ہو سکتا۔ چنانچہ یہ جو کچھ کرتا ہے سوچ سمجھ کر اور ایک فعل کو دوسرے پر ترجیح دیکر کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کوئی سے دو انسانون کے افعال بھی باہم یکسان نہین ہوتے اور جب وہ ایک دفعہ کسی ایک تصور کو قائم کرلیتا ہے اور اسکے رو سے

ایک فعل کو دوسرے پر ترجیح دیکر اختیار کرتا ہے تو اس کے اس تصور اور عمل کا اثر آئندہ تصور اور عمل پر پڑتا ہے اور دو دفعہ ایک ہی تصور قائم کرنے اور یکسان عمل کرنے کے بعد تیسری دفعہ جب اپنے انتخاب اور فیصلہ کی مشق کرتا ہے تو پہلا تصور اور عمل اور بھی زور سے اثر کرتا ہوا نظر آتا ہے اور یون اسکے تنزل اور ترقی کی بنیاد پڑتی ہے۔ اور پھر اس کے یہ تصورات اور اعمال ہی ہوتے ہین جن سے اسکی نیک یا بد حالت پیدا ہوتی ہے اور تصورات اور اعمال کی ترقی سے اس حالت مین بھی ترقی ہوتی رہتی ہے اور یہی سزا و جزا ہے جس کا سلسلہ اسی جہان سے شروع ہو جاتا ہے

اچھا تو جب آئندہ پیدایش مین یہ سب موجود ہونگے تو چونکہ نباتات اور حیوانات مین کم از کم شخصی ترقی کا کوئی نشان نہین اسلئے کہنا چاہیے کہ جیسے یہان والون نے اسی قدر ترقی کی ہے کہ سیال سے منجمد اور منجمد سے نباتات یا حیوان بنگئے اسی طرح وہان کی پیدایش بھی کوئی ترقی کی صورت ہوگی مگر جس طرح یہان کی ترقی یافتہ حالت یکسان رہی ہے وہانکی ترقی یافتہ حالت بھی یکسان رہیگی اور اسلئے کہا نہین جا سکتا کہ وہان پیدا ہونا ان کے اعمال کی سزا و جزا ہے لیکن انسان جس طرح یہان پیدایش کی ترقی کے بعد اپنے تصورات و اعمال سے اپنی حالت مین بھی ترقی کرتا ہے اسی طرح وہان بھی ترقی یافتہ شکل مین پیدا ہونے کے بعد وہان کی حالت مین ترقی کریگا اور اس لئے اسکی پیدایش پر جزا و سزا کا سلسلہ جو یہان سے شروع ہو گیا ہے وہان بھی جاری رہیگا۔ غرض یہ کہ خواہ حیوانات مین بھی روح ہو مگر ترقی کی قابلیت انکی روح اور انسان کی روح مین امتیاز پیدا کرتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ دونون کی حقیقت یکسان نہین اور اس لیے حیوانات جزا و سزا کی گرفت سے باہر ہین۔

ترقی کا اثر راحت و تکلیف پر

انسانی جزا و سزا کے متعلق ابھی بہت سا غور کرنا باقی ہے از انجملہ ایک یہ کہ اگرچہ انسان نے اس دنیا مین ایسی ترقی کر لی ہے کہ افریقہ کے وحشی اور یورپ کے مہذب مین وہی فرق ہے جو انسان اور حیوان مین ہونا چاہیے اور اگر اس طریق معاشرت کو

دیکھا جائے جو آجکل مہیا ہو گیا ہے تو حیرت ہوتی ہے ۔ لوازم صحت کا اہتمام ۔ دماغی اور جسمانی قوت کی ترقی ۔ صعوبات نقل و حرکت کی کمی ۔ وسائل نامہ و پیام کی آسانی ۔ انتظام حکومت کی اصلاح ضعیفون اور زیر دستون کی مساوات ۔ اپاہجون اور نادارون کی دستگیری ۔ سامان تفریح کی تیاری غرض تمام وہ اسباب جو نوع انسانی کی راحت و مسرت کو بڑھانے اور تکلیف و رنج کو کم کرنے کے لیئے ہین انکو دریافت و ایجاد کرنے اور اشاعت دینے مین وہ عرق ریزی اور دماغ سوزی کی گئی ہے اور اس خوبی سے سب امور کو معراج کمال تک پہنچایا گیا ہے کہ ہم جیسون کے نقطۂ خیال سے ترقی کرنے والون کی تمام حرکات اعجاز و خرق عادات سے کم نہین ہین ۔ لیکن اگر اس تمام دردسر کے نتیجہ کو دیکھا جاوے اور غور کیا جائے کہ اس کوشش سے جو انسان کا مدعا اور مدنظر تھا آیا وہ بھی حاصل ہو سکا ہے یا نہین تو افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ واقعات کی شہادت آرزو کے خلاف ہے ۔ راحت و مسرت کی جستجو ہے مگر آہ ! بڑی سے بڑی ترقی کرنیوالون کو بھی اسکا نشان نہین ملا اور رنج و تکلیف سے نفرت ہے مگر لاکھ جتن کئے اسی سے مخلصی نہ ہوئی اور آخر مین میزان دیکھی تو رنج و راحت کے متعلق وحشی اور مہذب مین کوئی بڑا تفاوت نظر نہ آیا ۔ ترقی کرنیوالون نے سمجھا تھا کہ صنعت و حرفت اور عقل و شعور مین ترقی کرنے سے اور مال و دولت یا سامان عیش جمع کرنے سے بیفکری اور اطمینان نصیب ہوگا ۔ مگر سب کچھ ہوا اور نہ ہوا تو بیفکری اور اطمینان ۔ اور ادھر اس سامان ترقی سے محروم اور تہذیب و تربیت سے عاری مخلوق کو دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ جس قدر اطمینان و راحت کبھی کبھی مہذبون کو حاصل ہوتا ہے اس قدر حصہ گاہ گاہ یہ غیر مہذب اور وحشی بھی لے لیتے ہین ۔ بیشک مہذب لوگ فرصت کے وقت باغون مین ٹہلتے ہوئے ۔ کلبون اور تھیٹرون مین ہنسی مذاق کرتے ہوئے بال اور ڈنر کی مجلسون مین اپنے دوستون اور عزیزون کے ساتھ ہم آغوش ہوتے ہوئے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ نہایت ہی مسرت اور اطمینان کی حالت مین ہین مگر جو وحشی تمام دن جنگلون مین بھیڑ بکریان چراتے یا جنگل کا ساگ پات اور گھاس پھوس سمیٹتے پھرتے

ہین اور اپنے ننگے جسمون پر گرمیون کی دہوپ اور جاڑون کی ٹھر برداشت کرتے ہین وہ بہی شام کے وقت جب بنسری بجانے اور وحشیانہ گیت گانے مین مصروف ہوتے ہین تو مہار بون کے بال اور تھپیٹرون سے کم لطف نہین اُٹھاتے - اور اُدھر وحشیون کی بے سامان زندگی اور آدہا پیٹ سوکھا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے شب و روز کی سخت محنت اور پھر اس پر زبردستون کا ظلم و ستم انکی بیکسی و بے بسی ان سب حالتون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ سخت رنج و فکر کی زندگی بسر کرتے ہین - مگر جو لوگ اپنی سر بفلک اور راحت بخش عمارتون مین آرام کرسیون اور گدیلون پر بیٹھے ہوئے اپنے کارخانون کا حساب کتاب پڑتال رہے ہین دیکھنے مین نہایت آرام سے بیٹھے ہوئے اور ایک نازک سی پر کی قلم کو محض دو انگلیون سے ہلاتے ہوئے معلوم ہوتے ہین ہموم و افکار کے جس بوجھ کے نیچے وہ دبے ہوئے ہین اُس کا اندازہ اُنکا دل ہی کر سکتا ہی زبان سے وہ بھی ادا نہین کر سکتے - بلکہ اس لحاظ سے ترقی کو اور بہی تنزل کہنا چاہئے کہ جس قدر رتبہ اور حیثیت مین ترقی ہوتی جاتی ہے اسی قدر ہموم و افکار اور دردسر بڑھتا جاتا ہے - اگر کوئی بڑے سوداگر ہین اور انہون نے ہر ملک مین کوٹھیان کھول رکھی ہین ہر کارخانہ مین حصے خرید رکھے ہین تو ان کے لئے خوشی اور مسرت کا سبب ہے اور بیشک نادار اور جاہل اس مسرت سے محروم ہے - مگر کہین کسی ملک مین لڑائی ہو جائے اور وہان کے نوٹون کا بھاؤ گرنے لگے کسی کارخانہ مین آگ لگ جائے کہین کوئی ریل ٹکرا سے غرض دنیا مین کوئی بڑا حادثہ گذرے ان کو اپنا دیوالہ نکلنے کا اندیشہ ہو جائیگا اور رات کی نیند اور دن کی بھوک جاتی رہے گی بلکہ کسی وقت ایسا غم پیدا ہونا بھی ممکن ہے جس سے وہ خودکشی کر لین - اگر وہ خوشی تھی تو یہ غم بھی ایسا ہے جس سے تنزل والون کو واسطہ نہین پڑتا - اگر کوئی بڑے صناع ہین بہت سی مفید اور کارآمد آلات کے موجد ہین اور اپنی ایجاد کو پٹینٹ کروا کر ہزارون کا فائدہ لے رہے ہین تو یہہ انکی بے نظیر مسرت ہے لیکن اس ہر وقت کے غور و خوض کے علاوہ جان کے دماغ کو اندر ہی اندر کھائے جاتا ہے اگر کسی نے ان کے ایجاد کردہ آلہ مین کوئی ادنےٰ سا پرزہ بڑہا کر اسکی سودمندی کو زیادہ

کر دیا تو اس سے انکی تجارت کو جو نقصان پہونچے گا اُس کا غم بھی اپنی آپ ہی نظیر ہوگا۔ اور یہی اور سب انسانی ترقیون کی کیفیت ہے کہ جس میں جس قدر راحت اور مسرت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر تکلیف اور رنج بھی ترقی کرتا ہے اور جس طرح کم حیثیت اشخاص اپنے سے بالا تر افراد کو دیکھ کر اُن کے علو جاہ کا رشک کرتے ہین اور چاہتے ہین کہ ہمین بھی یہی منزلت حاصل ہو۔ ویسے ہی عالی رتبہ لوگ کم تعلق افراد کو دیکھ کر اُن کے اطمینان اور بےفکری کا رشک کرتے ہین اور چاہتے ہین کہ ہمین بھی یہی سکون نصیب ہو۔ اور جیسے ایک گداے دلق پوش قاقم وسنجاب پہننے والے امیر کو دیکھ کر اپنی حالت پر افسوس کرتا ہے ویسے ہی عالیشان بادشاہ ایک درویش بینوا کو دیکھ کر اُسکی بےفکری کی میٹھی نیند سونے پر عش عش کرتا ہے۔ اور علی ہذا کسی بادشاہ کو ایک ملک فتح کرنے سے جو مسرت ہوتی ہے دوسری شکل مین اسی درجہ کی خوشی ایک بھوکے فقیر کو روٹی کا ٹکڑا ملنے سے حاصل ہو جاتی ہے اور کسی غریب اندھے کو ایک پیسہ کھو جانے سے جو رنج ہوتا ہے دوسری شکل مین اسی طرح کا غم ایک بادشاہ کو اُسکا صوبہ باغی ہو جانے سے پیدا ہوتا ہے۔

ترقی کرنے والون نے دوسرون کو کیا فائدہ پہنچایا

اب کہا جائیگا کہ ترقی کا یہ مطلب نہین کہ ترقی کرنے والے خود راحت و مسرت حاصل کرین۔ بلکہ ترقی کے معنی ہر چیز کی اصلی حقیقت اور حالت کو دریافت کرنا اور اس حقیقت اور حالت کے لحاظ سے جو فرائض ہر ایک کے متعلق ہون ان پر عمل کرنا اور اس کوشش مین کوشش کرنیوالون کو تکلیف ہو یا راحت اسکو نچھوٹی برداشت کرنا ہے مگر ترقی کی تعریف کو اس طرح بدلنے سے کیا مطلب نکلا؟ یہی کہ خود ترقی کرنے والون کی راحت اور مسرت نہ سہی مگر حقیقت اور فرائض کو معین کرنے سے آخری مدعا ہوگا تو یہی کہ عوام الناس راحت و مسرت پائین۔ اچھا تو اب اسی حیثیت سے ترقی کی انجام دیکھنا چاہیئے۔

تدابیر صحت کا فائدہ

بیشک تدابیر صحت اور ازالۂ امراض کے متعلق بہت کچھ ترقی ہوئی ہے

دوا میں ہیں تو ان کو خوش گوار قلیل المقدار اور سریع الاثر بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاتا۔ آلات ہیں تو انکی خوبی اور صفائی کی پہلے نظیر نہ تھی۔ اسکے متعلق تسلیم کا سامان اور معالجہ کے لئے مکانات اور اسباب جس قدر عمدگی سے مہیا کی جاتی ہیں کہ گذشتہ زمانہ کی ایسی تدبیروں کو زمانہ حال کی ترقی سے کوئی نسبت نہیں اور بیشک ان کوششوں سے پبلک کو بہت کچھ فائدہ پہنچا مگر ذرا خیال ہے کہ طبیعتیں بھی اب ایسی بے چین ہو گئی ہیں کہ جہاں گذشتہ زمانے میں بہت سی پیچیدہ "نشانوں کو بھی" اور "کہ کر ٹال دیا جاتا تھا اور مریض نہایت بے پروائی سے چلتے پھرتے اس تکلیف کو گذار دیا کرتا تھا اور روزانہ کاروبار یا فرائض منصبی کو معطل چھوڑنے کی نوبت بھی آتی تھی کہ مریض چارپائی سے اٹھ نہ سکے وہاں اب ایک پھانس لگ جانے پر اور گرمی دانے نکل آنے پر ڈاکٹروں کو فیس دیکر گھر پر بلایا جاتا ہے اور فرض منصبی سے رخصت حاصل کی جاتی ہے۔ غرض جسم کو خواہ کیسی ہی کم تکلیف ہو مگر دل و دماغ پر وہی رنج و اندوہ کا بار پڑتا ہے جو پہلے شاید سل و دق پر بھی پڑتا ہو۔ اور یہ خیال جو لا ان میں خلک سپتالوں کے رجسٹروں کو دیکھا جائے اور جو میلا وہاں روزانہ لگتا ہے اسکے ہجوم کا خیال کیا جائے اور ڈاکٹری دوکانوں جس قدر دواؤں کی بکری ہوتی ہے اس پر غور کیا جائے اور پھر اس کا مقابلہ پہلے اطبا کی مطب اور عطاروں کی دوکانوں سے کیا جائے تو دوا و تعداد دونوں میں نمایاں فرق نظر آئے گا پس کیا تہذیب کے ساتھ پیچیدہ امراض بھی زیادہ ہونے لگے ہیں؟ اگر یہ ہے تو اور بھی قباحت ہوئی۔ مگر نہیں حقیقت یہی ہے کہ آجکل پھانس اور گرمی دانے بھی پیچیدہ امراض میں شامل ہو گئے ہیں اور ان پر بھی وہی نالہ و بکا کیا جاتا ہے جو پہلے اسہال کبدی اور تپ محرقہ سے مخصوص تھا

یہ بلا تو خود علاج کی سہولت سے پیدا ہوئی ہے اب اسکے ساتھ دوسری ترقیوں کو ملا کر دیکھا جائے تو مرض و صحت کے متعلق اور بھی قباحت نظر آتی ہے پہلے وسائل نقل و حرکت نہایت

کم تھے اور سفر کرنا دشوار تھا اب ان میں آسانی ہوگئی تو آمد و رفت بھی بہت بڑھ گئی ہے اور صحت و مرض پر اس کا یہ اثر ہوا کہ کم بختی سے کہیں متعدی مرض پیدا ہو پھر لاکھ قرنطینے اور روک ٹوک کی جائے اس کا اثر کالے کوسوں پہنچتا ہے اور انسانوں کے ساتھ مرض بھی ریل اور اسٹیمروں میں سوار ہو کر افریقہ سے ایشیا اور ایشیا سے امریکا جا سر نکالتا ہے حالانکہ پہلے جب قافلے لٹتے تھے تو ایسے مرض کا ایک ہی ملک کے تمام شہروں میں پھیلنا بھی دشوار تھا۔

اصلاح حکومت کا فائدہ

اسی طرح قوانین حکمرانی کی اصلاح کرنے سے لوگوں کو بہت سی جبر و تشدد سے جو پہلے بیقاعدہ حکومتوں میں برداشت کرنے پڑتے تھے نجات ملگئی۔ مگر یہ ذرہ ذرہ معاملات کی چھان بین اور ہر معاملہ میں واجب و ناواجب کی تمیز اور ہر ایک کے متعلق جدا دستور کا استحقاق غرض ان باتوں کی تفصیل نے پبلک کا احساس بھی ایسا تیز کر دیا ہے کہ جہاں پہلے بڑے بڑے قضیہ باتوں کو صبر کی تدبیر سے دبا دیا جاتا تھا اب ذرا ذرا سی بات پر مقدمات ہائی کورٹ تک پہنچتے ہیں اور جہاں غیر مہذب یا نیم مہذب ملکوں میں اکثر اشخاص کو تمام عمر عدالت میں جانے کا اتفاق نہیں ہوتا وہاں مہذب ملکوں میں ہر شخص مجبور ہے کہ ایک طرف کسی ڈاکٹر کو اور دوسری جانب کسی پلیڈر کو اپنا طبی اور قانونی مشیر بنانے کے لئے مقرر کر چھوڑے کیونکہ کسی دوکان سے اترتے ہوئے ذرا سے نشیب فراز کے سبب پاؤں پھسل جانے پر ڈاکٹر کا علاج بھی ضرور ہے اور وکیل کی وساطت سے نالش بھی۔ اور یہ صرف طبیعت کی بے چینی اور احساس کی تیزی ہی نہیں بلکہ تہذیب کی ترقی سے اسباب معیشت بھی ضرور ہی ایسے گران ہو جاتے ہیں کہ پاؤں پھسلنے پر جو ایک آدھ دن کا کام چھوڑنا پڑ جاتا ہے تو اس کا نقصان بھی ناقابل برداشت ہوتا ہے اس لئے ترقی ہی نے مجبوری پیدا کر دی ہے کہ مروت کی آنکھ میں خاک ڈال کر تھوڑے سے ہرج پر بھی مجرم کو حوالات کی سیر کرائی جائے اور ایک دن بیکار رہنے کا معاوضہ وصول ہو۔

سہولت نقل و حرکت کا فائدہ

وسائل نقل و حرکت اور نامہ و پیام کی ترقی ایسا احسان ہے جسے پبلک

اس سے کسیطرح سبکدوش نہین ہوسکتی مگرجس قدر جان و مال کا نقصان اور خوفناک حادثے ریلون کے ٹکرانے سے واقع ہوتے ہین چھکڑون گاڑیون کے وقت مین انکا بہی نشان نہ تھا اور علی ہذا فن جہاز رانی نے جہان سفر کو آسان کر دیا ہے اور تجارت کو بیحد فائدہ پہنچایا ہے وہان انسان پر بحری لڑائی کی مصیبت بھی اسی کے ہاتھون پڑی ہے اور فن کی ترقی کے ساتھ یہ مصیبت بھی بڑھتی جاتی ہے۔ خشکی کے جنگ مین کچھ مرتے تھے تو کچھ بچ بھی رہتے تھے اب جن کا جہاز ٹوٹے وہ گولون سے بچے تو سمندر اُن کو ہضم کرنے کے لیے تیار ہے۔ اور اسکے علاوہ اس احساسی ترقی کا کیا علاج کہ جہان پہلے چھکڑون اور بھدی قسم کی بیل گاڑیون کو غنیمت سمجھا جاتا تھا وہان اب میل ٹرین کے مقابل مین پسنجر ٹرین پر سوار ہونے مین پہلی حالت کو دیکھا جائے تو جسم کو بے حد راحت ملی مگر قلبی تکلیف اور بے چینی ایسی ہے کہ گویا پیدل چلنا پڑا۔

وسائل نامہ و پیام کا فائدہ

اور اسی طرح اگر ڈاک اور تار مین خوشگوار خبرین نہایت سرعت سے پہنچ سکتی ہین تو فتنہ و فساد کی آگ بہی انہی وسائل سے ایک ملک سے دوسرے ملک مین نہایت تیزی سے پھیل سکتی ہے۔ اور اگر پہلے برسون عزیزون کی خیریت نہ معلوم ہو تو اضطراب نہ ہوتا تھا۔ اب ڈاک کا انتظار بھی ناگوار ہے اور تار کے بغیر صبر نہین آتا اور تار بہی اجنبط سے آمد و ٹری بھیجدیا جائے تو اتنی دیر جان سولی پر ہنتی ہے۔

غرض ترقی کے کسی شعبہ کو دیکھا جائے اِس سے اگر ایک طرح کی راحت پیدا ہوئی ہے تو دوسری طرح کی تکلیف بہی ایسی پیدا ہو جاتی ہے جو خواہ پہلی تکلیفون کے مقابل مین کسی قدر کم ہو مگر تکلیف ہونے مین شک نہین اور دنیا کو دار المحن کہنا جیسا وحشت کی حالت مین صحیح تھا تہذیب کے وقت بھی درست ہے۔

راحت و مسرت کی آرزو پر آنیکا بہی کوئی موقع ہونا چاہیئے

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ راحت اور مسرت کی تلاش اور ترقی کا جذبہ جو انسان کی فطرت مین ودیعت ہے اور نہ صرف انسان مین

بلکہ دوسری شکل مین ترقی کا خاصہ تمام مادہ مین ودیعت ہے کیا یہ نیچر کا نقص ہے اور اس کا کوئی فائدہ نہین ؟ کسی چیز کا فائدہ معلوم نہ کر سکنا اور بات ہی مگر یہ کہنا کہ اس مین کوئی فائدہ نہین نہایت زبردستی ہے اور ہم دیکھتے ہین کہ بہت سی فائدے جو ایک وقت پر نظر نہین آتے دوسرے وقت پر اُن سے انکار کی گنجائش نہین رہتی۔ جسم کے بہت سی خواص دریافت ہوئے ہین ان مین بعض مثلاً گریوٹی اور انرشیا یعنی کشش ثقل اور مادہ کی وہ خاصیت جس سے وہ سکون کی حالت مین سکون کو اور حرکت کی حالت مین حرکت کو ہمیشہ قائم رکھنا چاہتا ہے یہ اور بعض اور خاصیتین ایسی ہین جن کا فائدہ جسم کی ابتدائی ترقیون مین جبکہ وہ بے آباد کرون کی شکل مین ایک دوسرے کے گرد گھومنے لگے ہونگے نمایان ہوگیا تھا چنانچہ گریوٹی اور انرشیا سے انکی دوری حرکت پیدا ہوئی مگر سوراخدار ہونا جو جسم کا عام خاصہ سمجھا جاتا ہی اسکا فائدہ جسم کی اس حالت مین ہیچ تھا اور جب ترقی ہوکر نبات وغیرہ ایسے اجسام پیدا ہوئے جن کا قیام خوراک جذب کرنے پر منحصر ہے تو معلوم ہوا کہ سوراخدار ہونا ہی وہ خاصیت تھی جس سے جسم کو یہ ترقی یافتہ شکلین نصیب ہوئین اور اگر مسام نہ ہوتے تو نہ خوراک جذب ہوسکتی اور نہ نبات وحیوان کا جسم نشو ونما پاتا۔ پھر مادہ اور جسم کی بیشمار خاصیتین تھین جو نباتات اور حیوانات کے زمانے مین بھی گوشۂ کس مپرسی مین پڑی رہین اور یہ انسان ہی کی خاطر تھی جس کے لیئے نیچر کے لاتعداد خزانے پہلے سے بھرے رکھے تھے چنانچہ یہ آیا تو اس نے آسمان وزمین کو کھنگال ڈالا اور ہر چیز کی وہ وہ صفات دریافت کین اور ان سے کام لیا جن سی پہلے کچھ فائدہ معلوم نہ ہوسکتا تھا مثلاً اکثر اجسام کا جلنے کے قابل ہونا جس سے آگ پیدا ہوئی اِس کا فائدہ ابتدائی درجون مین محسوس نہ تھا اور جب مادہ نے ترقی کرکے اپنے تئین رُوح انسانی کا مرکز بنایا تو آگ کا وجود اسکی ضروریات زندگی مین شمار ہوا۔ علیٰ ہذا برقی رو کا معینہ قوانین کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچنا۔ یا سٹیم کا مصنوعی طور پر پیدا ہوسکنا یہ اور ایسی ہزارون خاصیتین ہین جن سے صرف انسان نے فائدہ اُٹھایا۔ اب یہ ایک

ترقی اور تلاش راحت و مسرت کا جذبہ ہے جس کو ہم موجود پاتے ہیں اور چنداں فائدہ نہیں دیکھتے۔ مگر جس طرح ان وقتوں میں ان فائدوں سے انکار کرنا (اگر کوئی انکار کرنیوالا ہوتا) غیر حقیقی تھا کیونکہ وہ بعد میں نظر آ گئے اسی طرح اس وقت اس جذبہ کے فائدے سے انکار کرنا نادانی ہوگا بلکہ نظر بہ حالات گذشتہ ضرور کہنا چاہیئے کہ ابھی کوئی اور انقلاب آنیوالا ہے جس کے بعد انسانی ترقی کا فائدہ نمایاں ہوگا اور ترقی کرنے والے کامل راحت و مسرت حاصل کرینگے اور تنزل کرنیوالے کامل رنج و تکلیف۔

راحت و غم مکمل کیونکر ہوگا | اس خیال کو واضح کرنیکے لیئے یہ دیکھنا چاہیئے کہ چاند سے جو روشنی زمین کو پہنچتی ہے وہ اگرچہ آفتاب ہی کی روشنی ہے مگر ایک واسطہ حائل ہو جانے کے سبب کمزور ہو گئی ہے اور اس لیے چاند کی روشنی کیسی ہی شفاف ہو اسکے ساتھ تاریکی کا نیز و ضرور موجود رہتا ہے اور اسکے برخلاف جب آفتاب سے براہ راست روشنی آتی ہے تو زمین بہ قدر روشن ہو سکتی ہے ہو جاتی ہے اسلئے کہ اب زمین اور آفتاب کے مابین کوئی واسطہ حائل نہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آفتاب بھی اپنی ذات سے روشن نہیں اور وہ بھی اصل میں ایک واسطہ ہے جس کے اندر سے کسی اور آفتاب کی روشنی دنیا کو منور کر رہی ہے اسلئے گو اسکی روشنی چاند کی روشنی سے زیادہ ہے مگر حقیقی روشنی سے وہ بھی کمتر ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسکے افعال بھی نقص سے پاک نہیں ہیں اور اسکی پیدا کردہ کوئی حالت ایک مختصر حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور اپنی ضد کو بالکل فنا کرنے میں پوری کامیاب نہیں ہوتی۔ اور اس طرح اول تو جس قسم کا نور اور اس کے اثر سے جس قسم کا سامان راحت و مسرت کسی وقت میں موجود ہوتا ہے خود وہی اپنی حالت میں مکمل نہیں ہوتا اور اسکی نقص سے جو تکلیف پیدا ہونی ضرور ہے وہ محسوس ہوتی رہتی ہے۔ اور دوسرے اگر ایک طرح کے سامان راحت و آسایش کا زمانہ ختم نہیں ہوا تو اس اثنا میں کوئی اور راحت اپنی حد کو پہنچکر تکلیف کا باعث ہو جاتی ہے اور موجودہ راحت کا لطف خاک میں ملجاتا ہے اور یہی کیفیت ہر ایک تکلیف کی ہے کہ اسکی محدودیت اور نقص سے کسی نہ کسی قسم کی راحت بھی محسوس

ہوتی رہتی ہے اور اس لئے دنیا کو جبتک کسی درمیانی واسطہ کی وساطت سے نور اور سامان نسبت ملتا رہیگا اسکا رنج و راحت مکمل نہ ہوگا لیکن جب دنیا ان واسطون سے رہائی پاکر براہ راست نور وحدت سے منور ہوگی اس وقت جو سامان راحت ترقی کرنے والون کے لئے اور جو اسباب زحمت تنزل کرنیوالون کے واسطے موجود ہونگے ظلم ہوگا اگر کہا جائے کہ وہ بھی نامکمل رہینگے

سوامی ویکانند جی کہتے ہین کہ[1]

"دنیا مین کوئی ترقی نہین - اگر ایک طرف بھلائی پیدا کی جاتی ہے تو دوسری طرف بہت سی برائی پیدا ہو جاتی ہے - غرض ہر ایک راحت کے ساتھ رنج موجود ہے اور ایسی حالت کی امید جس مین بالکل بھلائی ہو یا بالکل برائی خیال خام ہے - پس برائی دور یون ہی ہو سکتی ہے کہ بھلائی کی خواہش دور کر دی جائے"

سوامی کا یہ قول اس دنیا کے لحاظ سے بیشک درست ہے مگر انسان کے سب سے شریف اور بالا تر جذبہ ترقی کو ہمیشہ کے لیے بیہودہ کہنا ویسی ہی غلطی ہے جیسے سیارون کی ابتدائی حالت مین مسامون کے وجود کو اور نباتات اور حیوانات کے حالت مین جسم کے بہت سے خاصون کو بیفائدہ سمجھنے کی ہوتی - اور اسی طرح جو علاج وہ تجویز کرتے ہین کہ بھلائی کی خواہش کو دل سے نکال دیا جائے یہ بھی ویسا ہی ہے کہ چڑیا کا دودھ ملجائے مگر وہ نہین مل سکتی - یہ نیچر کو بدلنے کا سوال ہے جو انسان کے بس مین نہین ہوتا ایک طرف خود قدرت بھی اپنا قانون بدلنے کے لئے تیار نہین -

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا — خدا کی فطرت جس پر اس نے لوگون کو پیدا کیا ہے

لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (روم پارہ ۲۱ ع ۴) — خدا کی پیدائش مین تبدیل کو دخل نہین -

پس درست یہی ہے کہ بھلائی کی خواہش جو فطرت مین ودیعت ہے نہ اسکو چھوڑنا ممکن ہے اور نہ ایسی ضرورت - بلکہ انسان کا فرض ہے کہ اس عطیہ فطرت کی عزت کرے اور جو مناسب وسائل اسکو حاصل کرنے یا ترقی دینے کے ہین ان پر کاربند ہو اور پھر اپنے وقت پر اس کے حاصل ہونے

[1] ویدانت فلاسفی گیان یوگ - خلاصہ از باب چہارم -

کا انتظار کرے۔

آئندہ ترقی کے وسائل اب سوال یہ ہے کہ آئندہ ترقی کے وسائل کیا ہین ؟ دنیا مین انسان جو ترقی کر سکا ہے وہ علوم و فنون کی ترقی ہے اور جب آئندہ انسان ہی ہونگے تو کیا انکی ترقی بھی اسی قسم کی ہوگی اور کیا وہان کی جنت یہی ریل اور تار ایجاد کرنے والون کے حصہ مین آئیگی ؟ بیشک یہان ترقی اسی قسم کی ہے اور اس لیے کہہ تو سکتے ہین کہ وہان بھی یہی باتین ترقی کرینگی اور اگر یہان صرف ایک کرہ زمین کی آمد و رفت کو آسان کیا گیا ہے تو وہان مریخ اور عطارد اور دیگر نظام ہائے شمسی تک ریل اور بیلون جانے لگین گے اور وہ براق اور رفرف جو سنتے ہین کہ آنکھ کی جھپک مین زمین سے آسمان پر جا پہنچتے ہین وہ انہی چیزون کی ترقی یافتہ شکلین ہونگی۔ مگر نہین۔ ایسے مضمون مین ایسا سرسری فیصلہ یقیناً غلط ہوگا اور ہمین یہانکی ترقی کو امعان نظر سے دیکھنا چاہیئے۔

فورس اور انرجی کے مختلف مظاہر یہان ترقی کرنیوالا مادہ ہے اور ترقی کرنیکا ذریعہ قوت[1] اور قوت کی نسبت ثابت کیا گیا ہے کہ وہ دو قسم کی ہے۔ ایک قوت ذرات کو ذرات سے اور اجسام کو اجسام سے پیوستہ کرنا چاہتی ہے اور اسکو فورس یا قوت جاذبہ کہتے ہین اور دوسری قوت ایک کو دوسری سے جدا کرنا چاہتی ہے اور اسکو انرجی یا قوت ہاربہ کہتے ہین۔ فورس اور انرجی دونو کی مقدار معین ہے جسمین کمی زیادتی نہین ہو سکتی۔ مگر فورس کی نسبت فیصلہ ہے کہ وہ وزندار مادہ کے ہر ایک ذرہ مین چسپیدہ ہے اور ان سے علیحدہ نہین ہو سکتا لیکن انرجی ایتھر کی راہ سے ایک ذرہ سے دوسرے ذرہ اور ایک انبار سے دوسرے انبار کی طرف حرکت کرتی رہتی ہے۔ اور نیز انرجی بالقوہ اور بالفعل دو قسم مین منقسم ہے جب پتھر چھینکے پر رکھا ہو اور کلاک تیار ہو مگر کوک نہ دی ہو تو اس وقت دونو مین انرجی بالقوہ موجود ہے اور جب پتھر کو لڑھکایا جائے یا کلاک کو کوک دی جائے تو انرجی بالفعل موجود ہوجاتی ہے اور پھر کہا جاتا ہے کہ جس حد تک فورس غالب آتا جاتا ہے اور ذرات یا اجسام کو پیوستہ

[1] یہ مضمون مسٹر اڈورڈ کلاڈکی کتاب دی سٹوری آف کری ایشن کے مختلف مقامات سے اخذ کرتا ہوں۔

کرتا جاتا ہے انرجی وہاں سے نکل کر پرے سے پرے چلی جاتی ہے چنانچہ اسی لیے کہا گیا ہے کہ مادہ چونکہ محدود ہے اس لیے ایک وقت پر فورس تمام مادہ کو مجتمع کر لیگا اور انرجی کا ظہور ختم ہو جائیگا اور مادہ کے تمام اجزا باہم پیوستہ ہو کر دنیا کا خاتمہ ہو جائیگا ۔

غرض یہ کہ ترقی اپنی دونوں قوتوں پر منحصر ہے۔ اگر صرف فورس ہوتا اور انرجی اسکا مقابلہ نہ کرتی تو ابتدا سے تمام مادہ منجمد ہوتا اور کوئی ترقی ظہور پذیر نہ ہوتی اور اگر صرف انرجی ہوتی تو تمام ذرات اس قدر پھیل جاتے کہ پھر بھی ان سے کوئی اور شکل پیدا نہ ہو سکتی۔ مگر اب چونکہ یہ دونو موجود ہیں اس لئے اپنے مختلف مظاہر سے مختلف ترقیاں ظاہر کرتے آئے ہیں ابتدائی بخار کی شکل میں فورس نے کشش کیمیائی اور کشش اتصال کی شکل میں ذرات کو جمع کرنا شروع کیا اور انرجی نے حرارت اور روشنی کی شکل میں ایک کو دوسرے سے الگ کرنا چاہا۔ اس قسم کی نہایت پیچیدہ کوششوں کے بعد بخار کی یہ شکل بنی کہ جابجا ذرات کے انبار جمع ہو گئے۔ اور پھر ان میں کشش ثقل اور انرشیا کی شکل میں ہی جد و جہد شروع ہوا اور بعض بعض کے گرد گھومنے لگے۔ اُدھر آفتاب کا جسم کشش اتصال سے سکڑنے لگا اور ادھر زمین وغیرہ سیارے منجمد ہونے لگے اور نیز آفتاب کی انرجی روشنی حرارت اور عمل کیمیائی کی شکل میں ایتھر سے گذرتی ہوئی زمین تک پہونچی اور یہاں کی ہوا کو پھیلانے سے آندھیاں اور طوفان آنے لگے اور پانی کو گرم کرنے سے بھاپ اٹھنے لگی اور جہاں تک انرجی کا اثر تھا اوپر کو اٹھ کر پھر فورس کے اثر سے پانی اور برف بن کر نیچے کو آنے لگی۔ چنانچہ یہاں سے زمین کی ترقی شروع ہوئی اور نباتات اور حیوانات پیدا ہونے لگے۔ ان کی پیدائش اور ترقی کا باعث بھی وہی انرجی اور فورس کا مقابلہ ہے انرجی ان کے جسمانی ذرات کو ایک دوسرے سے جدا کرنا چاہتی ہے اور فورس انکو پیوستہ رکھنا چاہتا ہے اور جو اور ذرات خوراک کی شکل میں داخل ہوں ان کو بھی چسپاں کرتا رہتا ہے اور اسی طرح یہ اجسام نشوونما پاتے ہیں۔ مگر نباتات کی نسبت حیوان کے اندر یہ تفاوت ہے کہ نباتات ایک جگہ پر قائم رہکر اپنی جسمانی حالت میں ترقی کرتی تھی تو حیوان کو انرجی طبعی اور ارادی حرکتوں کی شکل میں دور دراز مقامات تک لیجانا چاہتی ہے اور فورس سکون و آرام کی خواہش بنکر ایک مقام پر رکھنا چاہتا ہے پھر ایک نبات سے دوسری نبات

اور ایک حیوان سے دوسرا حیوان خواہ مشہور قانون ارتقا کے موافق پیدا ہوتا ہو یا جیسا کہ پہلے خیال تھا ایک قسم کی نبات اور ایک قسم کے حیوان کے بعد زمین سے کسی نہ کسی شکل مین دوسری قسم کے نباتات اور حیوانات پیدا ہوتے رہتے ہون۔ غرض اس ترقی مین بھی وہی فورس اور انرجی کا جد و جہد ہے یا ایک طاقت پہلی پیداوار سے دوسری پیداوار کو اور شکل مین لیجانا چاہتی ہے اور ایک طاقت پہلی شباہت کو قائم رکھتی ہے اور اسی طرح آہستہ آہستہ ترقی ہو کر انسان تک نوبت پہونچتی ہے اب انسانی ساخت چونکہ حیوانی ساخت کے مشابہ ہے اسلیئے فورس اور انرجی اسکو بھی اسی طرح نشو و نما دیتی ہے جس طرح حیوان بڑھتا تھا اگر ایک انسان کی اپنی ترقی ہی ہے جس مین یہی دونو طاقتین دوسری شکل مین جلوہ گر ہین اور ایک دل و دماغ کے بعد دوسرا دل و دماغ کچھ زیادتی کرتا ہے جس کو انرجی کا اثر کہنا چاہیے اور کچھ پہلی حالت کو قائم رکھتا ہے جس کو فورس کیطرف منسوب کرنا چاہیئے۔ اس طرح باہمی تعلقات زبان۔ صنعت۔ علم۔ اخلاق اور مذہب مین ترقی ہوتی رہتی ہے ۔

سائنس کے مسلمات سے استدلالی رفتار مذہب تک جاسکتی ہے

یہان تک تو وہ باتین ہین جن کو سائنس نے تسلیم کیا ہے مگر آگے کے لیے کچھ تو سائنس اپنا مدعا یہی قرار دیا ہے کہ دنیا کی موجودہ حالت سے بحث کرے۔ اور اسکے آغاز و انجام کی نسبت تحقیق کرنا اسکے فرائض مین داخل نہین اور کچھ میرا خیال ہے کہ سائنس والون کا قصور یہی ہے کہ جس طرز سے وہ موجودہ حالت مین استدلال کرتے ہین وہی طرز اگر آغاز و انجام کے متعلق کار آمد ہو تو اسکی طرف بھولے سے بھی توجہ نہین کرتے حالانکہ نظام قدرت کو دیکھنے اور اسکے پراسرار اور حیرت انگیز قوانین کو دریافت کرنے کی نعمت جو انسان کو حاصل ہے وہ دنیا کی تمام نعمتون سے برتر ہے اور نیک و بد کو سمجھنا اسی نعمت پر منحصر ہے۔

مَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

جس شخص کو حکمت دی گئی اسے بہت بڑی نعمت دیگئی اور نصیحت عقلمند ہی حاصل کرتے ہین۔

(بقرہ پارہ ۳ ع ۳۷)

اور اس لیے اس نعمت سے کام لیکر صانع قدرت کی طرف توجہ کرنے اور اسکی خشیت اور محبت کو دلمین جگہ

دینے کے جو موقع اُن کو حاصل ہیں وہ دیگر اشغال ہین نصیب نہین ہوسکتے

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ   خدا کے بندون مین سے اُس سے اہل علم ہی ڈرتے ہین

(فاطر پارہ ۲۲ ع ۱۶)

اب یہی قوت کی وہ شکلین ہین جن مین سے فورس موجودہ حالت کو قائم رکھنا اور جو تغیر پیدا ہو اُس کو دور کرنا چاہتا ہے اور انرجی ہمیشہ پہلی حالت کو بدل کر جدید شکل پیدا کرنی چاہتی ہے غرض ایک قوت سلبی ہے اور عدم کیجانب میلان رکھتی ہے اور دوسری قوت ایجابی۔ اور وہ وجود کو بڑھانا چاہتی ہے۔ مادہ ایک ہے اور قوتین اس مین دو دو موجود ہین اور وہ بھی ایک دوسری کے خلاف پس کیا ان قوتون کی نسبت غور کرنا ضرور نہ تھا اور جب مادہ کی موجودہ حالت اور اس کے تغیرات کو دیکھ کر بیان کی کیفیتون کو عام سے عام فرض کرتے ہوئے ابتدا مین تمام فضا کو بخار کے بادل سے بھرا ہوا فرض کر لیا گیا ہے اور تجربہ کی چیزون سے تجربہ کے پرے تک خیال دوڑایا گیا ہے تو فورس کے عمل کو جو وجود کی شکلون کو معدوم کر رہا ہے اور انرجی کے عمل کو جو عمدہ سے عمدہ شکلین پیدا کرتی جاتی ہے عام سے عام کرتے ہوئے یہ خیال نہین ہوسکتا؟ کہ پیدائش کے متعلق جو احتمال قرین قیاس سمجھا گیا تھا قوت کی یہ دو رخی کارروائی خود اُسکو قوی کرتی ہے اور دنیا کی اصلیت چونکہ عدم ہے اسلئے وہ فورس کی شکل مین ہر مقام پر جلوہ گر ہے اور پیدا چونکہ خدا کی قوت علم نے کیا ہے اس لیئے وہ انرجی کی شکل مین ہر حالت کے بعد دوسری حالت کو بہتر سے بہتر کرتی جاتی ہے اور انھی دونو کیفیتون کا سبب ہے جو یہ دنیا آہستہ آہستہ ترقی کرتی ہے۔ ورنہ اگر محض عدم ہوتا اور کوئی قوت موجود کرنیوالی نہ ہوتی تو وجود کی کوئی شکل ظہور پذیر نہ ہوتی اور اگر عالم قدیم سے موجود ہوتا اور عدم سے وجود مین نہ لایا جاتا تو جو کچھ موجود ہوتا اپنی اعلی سے اعلی شکل مین ہوتا اور اس تدریجی ترقی کا نشان نہ ملتا۔ پس دُنیا آہستہ آہستہ اسلئے بڑھتی ہے کہ وہ خود اپنی اصلیت کیطرف میلان رکھتی ہے اور قوت علم اُسکو وجود کیطرف لانا چاہتی ہے چنانچہ جب یہ عمل شروع ہوا ہوگا تو چونکہ محض عدم کو وجود مین لایا تھا اسلئے ابتدا مین وجود کا اثر نہایت مخفی اور غیر محسوس ہوا ہوگا چنانچہ وہ وہی مدارج ہین جو بخار کے بادل سے پہلے گذر چکے ہونگے اور جنکی نسبت سائنس

کوئی فیصلہ نہین کر سکتی - مگر جہان سے علم اور احساس کا دور شروع ہوا ہے وہان سے ان دونو قوتون کی جد و جہد کی کیفیت اور اسکے مدارج پہلے کی نسبت واضح سے واضح ہوتے جاتے ہین اور اس لیے آغاز کی نسبت انجام کیلئے غور و فکر کرنا زیادہ سہل ہوگیا ہے -

ترقی کے مختلف درجات مین فورس اور انرجی کی شکل پلٹتی جاتی ہے -

چنانچہ اس نظام کی سادہ سے سادہ شکل جو خیال مین آسکتی ہے وہ نہایت وسعت مین پھیلے ہوئے باریک ذرات کا بادل ہے اِس سے پہلے اگرچہ ہزارون انقلاب ہوئے ہونگے مگر کم از کم ایک تو خیال مین آسکتا ہے جبکہ مادہ کو عدم سے وجود مین لایا گیا ہوگا اُس وقت عدم کا فورس وجود سے مانع ہوگا اور قدرت کی انرجی موجود کرنا چاہتی ہوگی جس سے ابتدائی باریک ذرات پیدا ہوئے ہونگے - اِس پہلی کوشش کے بعد اور ترقی ہونے لگی تو فورس چونکہ وجود کو روکنے مین کامیاب نہ ہوا اب اسکا اثر ذرات کی حرکت کو روکنے لگا اور اُدہر انرجی ذرات کو دور سے دور لیجانے لگی اور ترقی کا ایک اور قدم آگے بڑھا اور کرون کی ابتدائی شکل پیدا ہوئی - یہان سے حیوان کی پیدائش تک دیکھا جاتا ہے کہ بڑھانے اور روکنے والی دونو حرکتین طبعی ہین اور محض جسم تک محدود ہین گو ایک کے بعد دوسری مین کچھ نہ کچھ ترقی ضرور پائی جاتی ہے پہلے محض ذرات کو کھینچا یا بڑھایا جاتا تھا پھر ذرات سے بنے ہوئے بڑے بڑے کرون کو کھینچا اور دھکیلا جانے لگا - زمین آبادی کے قریب آئی تو بھاپ اور ہوا کی شکل مین کرون کے اجزا کو ان سے جدا کرنے اور پھر انکی طرف لانے کی کوشش شروع ہوئی نباتات مین جسم کی اجزا کو جدا نہین کیا جاتا بلکہ پیوستہ رہنے کی حالت مین نمو دیا جاتا ہے اور اُدھر سے اسکی مزاحمت ہوتی ہے - اب حیوان پیدا ہوا تو اگرچہ حرکت اسمین بھی جسم کو تھی مگر اب بجائے ایک کے دو طرح کی ہوگئی ایک تو اجزا کی وہی نشو ونما کی حرکت ہے جو نباتات مین تھی اور دوسری حرکت تمام جسم کو جا بجا پھرنے کی ہے اس حرکت کا نشان کُرون کی گردش مین بھی پایا جاتا ہے مگر یہان اور شان ہے - کُرے کا تمام جسم بھی حرکت کرتا ہے مگر ایک دائرہ مین اور اس سے باہر نہین جا سکتا اور نیز اُنکی حرکت محض طبعی ہے اور یہان حیوانات کسی دائرہ مین مقید نہین ہین اور مشرق سے مغرب تک جولان کر سکتے ہین اور نیز انکی حرکت

مین طبیعت کے علاوہ ان کے احساس کو بھی دخل ہے اور اپنے تصور وخیال کی مدد سے ارادہ کی شکل مین حرکت کرتے ہین۔ غرض ایک طرف ان کے جسم مین ایسی حرکتین پیدا ہوئین جو اور قسم کی مخلوقات مین نہ تھین اور دوسری طرف اُن کے دماغ مین حرکت پیدا ہوئی اور وہ اپنے خیال کو اشیاء گرد وپیش کیطرف لیجانے لگے۔ ان کے بعد انسان پیدا ہوا تو یہ آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری کا مصداق تھا۔ چنانچہ یہ وہ حرکت بھی رکھتا ہے جو نباتات مین ذرات کو نشو ونما دے رہی تھی اور وہ حرکت بھی رکھتا ہے جو حیوانات کو جا بجا لیے پھرتی تھی اور اسکے علاوہ دماغی حرکت کا وہ عالم ہے کہ حیوان جو اشیاء گرد وپیش کیطرف توجہ کرتا تھا تو صرف اُنکو کھانے کیلئے یا کسی اندیشہ کی حالت مین اس سے بھاگ جانیکے لئے اور انسان اپنے تصور کو نہ صرف چیز کیطرف لیجاتا ہے بلکہ اُسکی خاصیتون کیطرف لیجاتا ہے اسکی شکل کو بدلکر اور دوسری چیزون کے ساتھ ملا کر اور شکلین پیدا کرنے کیطرف اور پھر ان شکلون کی تاثیرون کیطرف لیجاتا ہے۔ غرض اپنی دماغی حرکت مین کسی حد پر محدود نہین ہونا چاہتا اور جہان تک جا سکے اِس سے بھی آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور نیز حیوان کیطرح صرف سطح زمین اور مختصر سی فضا مین محدود نہین رہتا بلکہ نیچے تحت الثرےٰ اور اوپر فلک الافلاک تک پہنچتا ہے اور اپنے خیال کو یہان تک دوڑاتا ہے کہ کائنات کی تمام فضا کو عبور کر جاتا ہے اور خالق کائنات تک پہونچنے کی کوشش کرتا ہے۔

آئندہ انقلاب مین ترقی اور بھی اعلیٰ ہونی چاہئے

غرض یہان تک تو وہ ترقی ہے جو دُنیا نے حاصل کی ہے اب جو آئندہ انقلاب ہونیوالا ہے کیا اسمین یہی ترقی ہوگی؟ کہ انسان دنیا کی چیزون کی تاثیرین دریافت کرتا رہے اور شکلین ایجاد کرتا جائے نہین - ایکدفعہ پھر پیچھے کو جاؤ اور دیکھو کہ ابتدائی ذرون کے پھیلنے اور سکڑنے کی حرکت ان کیلئے ترقی کی صورت تھی لیکن اگر کرہ بنجانے کے بعد اجسام مین بھی یہی ذرات کے پھیلنے اور سکڑنے کی حرکت رہتی اور آفتاب کے گرد دورہ کرنے کی حرکت پیدا نہ ہوتی تو محض ذرات کی حرکت اس درجہ کے لیے ترقی نہ ہوتی۔ اور اسی طرح نباتات کے اندر اجزا کا نشو ونما ان کے لئے ترقی ہے لیکن اگر حیوان مین بھی یہی وصف رہتا اور منہ مین غذا

آپڑنے پروہ بڑھ پھول سکتا مگر ارادی حرکت اور آمد ورفت کی طاقت نہ ہوتی تو جو بات نبات کے لیے ترقی ہے حیوان کے لیے وہی تنزل قرار پاتی - اور اسی طرح جو انسان حیوان کی طرح اپنی ہمت کو محض چرنے چگنے تک محدود رکھے اور دماغی حرکتوں کو کام میں نہ لائے تو خواہ ہاتھی جیسا موٹا اور شیر جیسا قوی ہو جائے مگر عقل اور دین سے بے بہرہ ہونیکے سبب یہ حالت اُسکے لیے تنزل سمجھی جاتی ہے حالانکہ حیوان کے لیے ترقی یہی ہے - پس جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہر انقلاب میں اس انقلاب کے مناسب ترقی کی اور شکل ہوتی ہے اور اس سے نیچے درجے کی ترقی اگر صرف وہی رہی تو تنزل سمجھی جاتی ہے اسلئے آیندہ انقلاب پر اگر یہی کائنات کی تحقیق اور ایجاد و اختراع کا شغل رہا تو اس حالت کے لحاظ سے تنزل کیوں نہ ہوگا بلکہ ضرور ہے کہ جس طرح پہلے ہر درجہ میں ترقی کی شکل بدلتی رہی ہے اس درجہ میں بھی کوئی اور شکل ہو - اور وہ کیا ہو سکتی ؟ یہاں حرکت ذرّوں سے شروع ہوئی - پھر جسم اور دماغ کو ہلایا جسم کی حرکت حیوان تک کمال کو پہونچی اور وہاں سے دماغی حرکت شروع ہوئی - انسان نے اپنے خیال کو تمام کائنات میں دوڑایا اور ابھی دوڑا رہا ہے آیندہ ترقی کائنات سے آگے ہونی چاہیے -

آیندہ ترقی معرفت میں ہوگی | چنانچہ اسکے لئے وہی چیز باقی ہے جسکی تلاش انسان کی فطرت میں ودیعت ہے اور جس کو اُس نے ہر گوشہ میں تلاش کیا کبھی اسے پتھر سمجھا اور کبھی درخت کبھی آفتاب سمجھا اور کبھی ماہتاب - مگر آخر میں اعتراف کیا کہ وہ ان سب سے بالا اور سب سے اعلیٰ ہے اور اسکو سمجھنا اور پا نا دیدۂ نظر کے لیئے ناممکن ہے پس آیندہ انقلاب میں اگر ترقی ہو سکتی ہے تو اسکی طرف - اور حقیقت میں نہ صرف مذہبی جذبہ بلکہ مادہ کی تمام حرکتیں جو اوپر کی طرف ہو رہی ہیں اور انسان کی عام خواہش جو اعلےٰ سے اعلےٰ منظروں کے لئے اسکی فطرت میں داخل ہے وہ اسی لیئے ہے کہ ایک وقت پیہ پیہ ترقی کرتا ہوا سب سے اعلیٰ ذات کی معرفت حاصل کرے اور اُسکے وصال سے بہرہ ور ہو - اور جس طرح نباتات میں تغذیہ اور نشوونما کی طاقت پیدا کر دی گئی تھی جو حیوانات میں کمال کو پہونچی اور حیوانات میں حس و حرکت کی طاقت پیدا کی جو انسان میں اپنی حد تک پہونچی اسی طرح انسان میں اُس بالاتر

مہتی کا خیال ودیعت کیا گیا جو آیندہ انقلاب مین اپنے کمال کو پہونچیگا۔ اور جس طرح یہان بعض انسان عدمی میلان سے متاثر ہوکر دنیوی حالت کے کمال یعنی علوم وفنون کیطرف توجہ نہین کرتے اور روز بروز تنزل کیطرف چلے جاتے ہین اور بعض اوپر کیطرف جانے قوت کو کام مین لاکر رازہاے قدرت کے ماہر اور اسکے مخفی خزانون کے مالک بنتے جاتے ہین۔ اسی طرح جو لوگ اسی عدمی میلان سے متاثر ہوکر دنیوی کمالات اور لذائذ حاصل کرنیکے بعد انہی کو ترقی کی انتہائی حد سمجھ لیتے ہین اور اس سے اوپر کسی اور ترقی کے لئے تیار نہین ہوتے وہ آئندہ انقلاب پر قرب ربانی کی نعمتون سے محروم اور فراق وبعد کی تکالیف مین مبتلا رہین گے اور جو اسکے برخلاف یہان کے فرائض ادا کرنے کے بعد اپنے لیے کچھ انتہائی فرائض بھی قرار دیتے ہین اور ان پر کاربند ہوتے ہین وہ بیشک آئندہ وہ ترقی دیکھینگے کہ یہان کی ترقیان اسکے سامنے ہیچ ہونگی۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ (آل عمران پارہ ۴ ع ۱۱)

یاد رکھو جس دن بعض چہرہ سفید ہونگے اور بعض سیاہ جن کے چہرہ سیاہ ہونگے انکو کہا جائیگا کہ کیا تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا؟ بس تم اپنے کفر کے سبب عذاب چکھو۔ اور جن کے چہرے سفید ہون گے وہ خدا کی رحمت مین رہین گے اور ہمیشہ رہین گے

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ ۚ أَفَلَا

خدا نے آسمان وزمین کو فضول پیدا نہین کیا۔ یہ اس لئے ہے کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلا دیا جاے اور ان پر ظلم نہ ہو۔ کیا تم دیکھتے ہو ان لوگون کو جنہون نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا یا ہوا ہے اور خدا کے مقرر کردہ قاعدون کے موافق وہ باوجود علم کے گمراہ ہوگئے ہین اور ان کے کان اور دل پر مہر لگ گئی ہے

تَذَکَّرُوْنَ ۔ وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِکُنَا اِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِکَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ۔

اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے اب انکو خدا کے سوا کون ہدایت دیگا کیا تم اس سے عبرت نہیں لیتے ۔ وہ لوگ کہتے ہین کہ صرف یہی دنیا ہے جسمین موت یا زندگی کا سلسلہ ہے اور ہم زمانہ کے اثر سے مرجاتے ہین اور کچھ نہین انکو کوئی علم نہین صرف اٹکل کی باتین کرتے ہین ۔

(جاثیہ پارہ ۲۵ ع ۳)

وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ وَوُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۔

بہت سے چہرے اس دن تر و تازہ ہونگے اور اپنے خدا کو دیکھتے ہونگے اور بہت سے چہرے اُس دن اُداس ہونگے اور سمجھتے ہونگے کہ اب حوصلہ شکن مصیبت آئی ۔

(قیامۃ پارہ ۲۹ ع ۱)

آئندہ ترقی کیلئے جو سامان ہونا چاہیے وہ اسی عالم مین مہیا کر دیا گیا ہے ۔

غرض دنیوی فرائض کے لحاظ سے یہان ترقی اور تنزل دونو طرح کی حرکتین موجود ہین اور اُخروی فرائض کے لحاظ سے وہان دو نو قسم کی رفتار اور اُس پر چلنے والے موجود ہونگے ۔ اور اگر یہان حیوان ہین دماغ کی ابتدائی حرکت موجود نہ ہوتی تو انسان ہین یہ حرکت کمال کو نہ پہونچتی ۔ اسی طرح اگر انسان کے دماغ مین دنیا کے اندر آسمانی خیالات اور اُسکے وسائل موجود نہ ہونگے یا اُن کو دبا دیا جائیگا تو آخرت مین اس حرکت کا کمال حاصل نہ ہوگا چنانچہ اسی لئے قدرت کیطرف سے اسکا اہتمام کیا گیا ہے ہر شخص کی فطرت مین یہ تلاش ودیعت کی گئی ہے اور پھر وقتاً فوقتاً اسکی رہنمائی کے سامان بہم پہونچائے گئے ہین ۔ اور چونکہ حرکت ذات باری کیطرف ہوگی اسلئے اس ذات پر یقین رکھنا اور اُسکو دائم و باقی سمجھنا اصل ایمان قرار دیا گیا ہے اور جن اعمال و اشغال سے اس عقیدہ کو پختگی اور اس خیال مین جلا اور رونق پیدا ہو اُن کو فرض و واجب ٹھرایا گیا ہے اور اس عقیدہ کا نہ ہونا کفر یعنی موجب تنزل اور اس خیال سے غافل کرنیوالے اعمال کو گناہ یعنی باعث ایذا و تنزل مانا گیا ہے اور نیز اس امر کیطرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ چونکہ ترقی قرب خدا مین ہونے کو ہے اسلئے خدا کی نسبت سچا اعتقاد ہونا چاہئیے ورنہ اگر کسی نے ایسی چیز کو خدا سمجھ لیا ہے جو حقیقت مین خدا نہین تو آخرت مین ترقی بھی وہ اسی خیال کیطرف کریگا اور اس خدا کا قرب نہ حاصل کر سکیگا ۔

حقیقت میں خدا ہے۔ ہان یہ ضرور ہے کہ ہر زمانہ کے لحاظ سے سچّا اعتقاد کسی قدر متفاوت ہو سکتا
ہے۔ اور محض اس تفاوت سے ترقی مین نقص واقع نہ ہوگا۔ مثلاً ابتدائے آفرینش میں جب اُس برتر
از خیال و قیاس ہستی کیطرف خیال نہ جا سکتا ہوگا اس وقت سچّا عقیدہ صرف یہی ہو سکتا تھا کہ
ہم سے برتر ایک ہستی ہے اور چونکہ خدا واقع میں انسان سے برتر ہے اسلئے اس عقیدے والے
آیندہ ترقی کے اہل ہو سکین گے۔ مگر آیندہ آنیوالون نے جب اپنی نفسانی آمیزش سے ہوا یا پانی
یا اور چیزون کو بعض طاقتون اور خاصیتون مین اپنے سے برتر سمجھ کر ان کو خدا مان لیا ہوگا تو
چونکہ واقع میں یہ چیزین خدا نہین ہین اسلئے اس مجمل اور سچے عقیدے مین اس غلط تفسیر نے
ملکر ضرور اثر کیا ہوگا اور آیندہ عالم مین وہ لوگ اسی خیال اور اسکے نتائج مین مبتلا رہین گے
اور سچے خدا کا قرب نہ حاصل کر سکینگے اور علیٰہذا جب اس غلط عقیدے کی اصلاح ہوئی ہوگی اور
بتایا گیا ہوگا کہ خدا ہوا اور پانی وغیرہ سے بھی بہتر ہے تو اس خیال میں پھر ترقی کی صلاحیت پیدا
ہوگئی ہوگی۔ اور اسکے بعد جب ہوا اور پانی پیدا کرنیوالی طاقتون کو دیوتا مانکر ان کے آگے سر اطاعت
جھکا یا گیا ہوگا تو اس غلطی نے پھر ترقی کی رفتار کو اور طرف منعطف کر دیا ہوگا۔ حتےٰ کہ رفتہ رفتہ خدا
کو سب محسوس اور غیر محسوس چیزون سے برتر اور سب پر قابض و متصرف مانا گیا ہوگا جو آیندہ ترقی
کے لئے مفید ہے اور پھر انسان نے اپنی آمیزش سے اُسے سب سے برتر مانتے ہوئے بعض
انسانون کو ایسا ٹہرا دیا ہوگا کہ خدا مین اور ان مین محض باپ بیٹے کا تفاوت رہگیا ہو۔ یا سب پر
قابض مانتے ہوئے بعض اشیاء کو ایسا عظیم الشان تصوّر کیا ہوگا کہ ان کو خدا کی مخلوق ماننے سے
انکار کر دیا ہوگا اور اس طرح بجائے ہر طرح سے کامل اور قادر خدا کو ماننے کے ایسے خدا کو مانا ہوگا
جو بعض انسانی نقصون سے متصف ہو اور بعض طاقتون مین ناقص جس کا اثر آیندہ ترقی (ہوا یا ان)
ہونا ضرور ہے اور انکو اسی رستہ پر جانا ہے جس کے نشانات انہون نے اپنے دل مین قائم کر چھوڑے
ہین۔ اور اگر واقع مین خدا سب نقصون سے پاک ہی تو اس خیال والے اس کیطرف نہین جا سکتے
غرض آیندہ ایسا باغ لگنے والا ہے جسکی تخم ریزی یہین ہو چکی ہے اور جو تخم ہوگا آخرت مین اسی کا

پھل ملیگا اور تخم مختلف ہون مگر پھل یکسان اس سے زیادہ خلاف عقل اور نامقبول خیال کوئی نہین ہو سکتا ؛

آئندہ ترقی غیر محدود ہوگی

یہان والے مانتے ہین کہ فورس ہر ایک ذرہ مین چسپیدہ ہے اور اس سے جدا نہین ہو سکتا اور اس کے خلاف انرجی ایک ذرہ سے دوسرے ذرہ اور ایک جسم سے دوسرے جسم کیطرف انتقال کرتی رہتی ہے اسکا باعث اُنھون نے خدا جانے اب کیا سمجھا ہے اور آئندہ اسکے متعلق کیا کیا تصویریان قایم کرینگے مگر اسمین شک نہین کہ دنیا کی ماہیت عدم ہے اور اس لئے اس کا ظہور ہر درجہ مین اور ہر ذرہ مین ہونا چاہیئے اور وجود دوسری ذات کی طرف سے عطا ہوا ہے اسلئے وہ عدم کی طرح اسکے ساتھ چسپیدہ نہین ہو سکتا اور اسلئے وہ انقلاب کے ہر درجہ مین اسی حد تک ظہور کرتا ہے جہان تک اس درجہ کو مکمل کرنے کے لئے ضرورت ہو اور اسکے بعد ظہور کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ مثلاً جب بخار کا بادل تھا تو اسکی اجزا مین انرجی کا ظہور اس شکل مین تھا کہ وہ ذرون کو ذرون سے جدا کرنا چاہتی تھی، اور مختلف سیارون کی جو شکل بنانی مطلوب تھی وہ اسی طرح کی انرجی سے پیدا ہو سکتی تھی اسلئے جبتک ضرورت رہی یہ عمل ہوتا رہا چنانچہ ادھر فورس کا عدمی اثر بھی کام کرتا رہا اور ادھر انرجی اپنا اثر دکھاتی رہی اور زمین وغیرہ سیارے پیدا ہو گئے۔ اور اب جو چیز پیدا کرنی مطلوب تھی وہ پیدا ہو گئی اسلئے انرجی کا وہ عمل کم ہونا شروع ہوا اور زمین بخار سے سیال اور سیال سے منجمد ہو گئی اور اس طاقت کا جو حصہ زمین مین ودیعت تھا اس کا اثر جاتا رہا اور پھر آئندہ جس قسم کی انرجی سے زمین کو آباد کرنا تھا اُسکا ظہور ہونے لگا یعنی انرجی آفتاب سے حرارت اور روشنی کی شکل مین سفر کرتی ہوئی زمین تک پہونچی اور اس سے بارش اور آندھی وغیرہ انقلاب پیدا ہونے لگے۔ اور اسکے بعد نباتات کو پیدا کرنے کے لئے اُن کے اجزائے جسم کو بڑھانے کی اور حیوانات مین اس کے علاوہ خود ان کے جسم کو اور نیز کسی قدر دماغ کو اطراف وجوانب مین حرکت دینے کی اور انسان مین ان تمام طرح کے ساتھ اسکے دماغ کو زمین و آسمان کے ہر گوشہ کیطرف اور خود پیدا کرنیوالے کیطرف متوجہ کرنے کی ضرورت تھی اسلئے ان انقلابون مین انرجی کا ظہور یکے بعد دیگرے ترقی کرتا رہا۔ مگر وہ مادہ جسمین نشو و نما ہونے

کو تھی اور وہ فضا جسمین حیوان حرکت کرنیکو تھا اور کائنات کا وہ میدان جسمین انسان اپنے خیال کو جولان دینے والا تھا یہ سب محدود ہین اور ان سب قسمون کی ترقی ایک معین حد سے آگے نہین بڑھ سکتی اسلئے اسطرح کے یہ تمام ظہور بھی ایک ایک وقت پر ختم ہوتے رہے اور ایک دن سب ختم ہو جائینگے لیکن ان ترقیون کے بعد آئندہ انسان کی قوت خیالیہ ذات ربانی کیطرف حرکت کرنے کو ہے اور ترقی قرب وبعد خدا مین ہونے والی ہے اور خدا کی ذات غیر محدود ہونے کے سبب وہ ترقی کسی نقطہ پر ختم نہین ہوسکتی اسلئے اسطرح کا وہ ظہور بھی جو آئندہ ہونے والا ہے غیر محدود ہوگا اور اسی سلئے کہا جاتا ہے کہ آنجہانی رنج وراحت دائمی اور ابدی ہے اور جو لوگ خدا سے قریب ہونگے وہ ہمیشہ قریب تر ہوتے جائینگے اور جو دور رہینگے وہ دور سے دور تر ہونے مین بھی کسی حد پر نہ ٹھیر سکینگے۔

روح صرف جسم مین رہکر ترقی کرسکتی ہے

غرض یہ یقین کرنیکی وجہ موجود ہین کہ جس وقت پر ترقی کا خاتمہ سمجھا جاتا ہے وہ حقیقت مین اب سے بہت زیادہ ترقی کا زمانہ ہوگا اور جو مخلوقات یہان پیدا ہوتی ہی اُس زمانے زیادہ آسانی سے پیدا ہوسکیگی اور ترقی کے لیئے چونکہ اور کوئی میدان نہین رہا اس لیے اُس وقت معرفت ربانی مین ترقی ہوگی اور چونکہ وہ ذات لامحدود ہے اسلئے وہ ترقی بھی لاانتہا ہوگی اب یہ دیکھنا باقی رہا کہ انسان مین جب ایک روح جیسی لطیف ہستی کو مانا جاتا ہے اور مرنے کے بعد اسکے قائم رہنے کا یقین کیا جاتا ہے تو خواہ مادہ کوئی اور شکل اختیار کرے یا نہ کرے اسکی کیا ضرورت ہے کہ روح انسانی دوبارہ جسم مین داخل ہو اور کیون نہین ہوسکتا کہ وہ مجرد رہکر معرفت ربانی یا اور حالات مین ترقی کرتی جائے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ محض احتمال قائم کرلینا کہ شاید ایسا ہو اور بات ہے لیکن یقین کرنے کیلئے کہ روح اپنی مجرد حالت مین ترقی کریگی یا کرسکے گی زیادہ ثبوت کی ضرورت ہے۔ اور غور کیا جاتا ہے تو قرائن اِسکے خلاف دلالت کرتے ہین کیونکہ اول تو روح باوجود جداگانہ ہستی ہوسکنے کے جو جسم مین ظہور کرتی ہے تو ضرور ہے کہ وہ اپنی ترقی مین جسمانی وسائل کی محتاج ہوگی ورنہ اگر خود ترقی کرنے کی قابلیت رکھتی تو جسم کے قید مین آنا بے سود ہوتا۔ اور دوسرے کوئی مجرد ہستی ہو اور پھر ترقی کرے یہ مسئلہ بھی قابل غور ہے۔ یہان مادہ ترقی کرتا ہے تو اسکی یہ صورت ہے کہ اجزا یا ہم کبھی ایک شکل سے پیدا

ہوتے ہین اور کبھی دوسری شکل سے اور کبھی کسی مرکب سے بعض اجزا خارج ہو جاتی ہین او بعض اور داخل ہوتی ہین اور ایک حالت سے دوسری حالت اعلیٰ و اوتا افضل ہوتی جاتی ہے اور پھر اعلیٰ شکلون ہین عقل و شعور کا ظہور ہوتا ہے اور جسمانی ترقی کے ساتھ وہ ترقی شروع ہوتی ہے جسے روحانی ترقی کہا جائے تو ہمین کوئی تصور پیدا ہوتا ہے یا کوئی جلوہ نظر آتا ہے۔ اس تصور یا اس جلوہ کو قوائے الیہ محفوظ رکھتی ہین اور آئندہ اس سے عمدہ تصور یا جلوہ پیدا ہونیکا موقع آتا ہے اور اس عمل سے خیالات جسمانی ہون یا روحانی ترقی کرتے رہتے ہین۔ غرض ترقی کا جو تجربہ انسان کو ہے اسمین ترقی کرنیوالیکے لئے بہت سے ذرائع اور وسائل کی ضرورت ہی اسلئے جو چیز اجزا سے پاک اور مجرد ہو مجرد رہکر اُسکی ترقی خیال مین بھی نہین آسکتی چہ جائیکہ اس پر یقین کیا جائے اور اسی لئے خدا جو مجرد اور یگانہ ہستی ہے جو لوگ اسے مانتے ہین تو ازل سے ابد تک الآن کما کان تسلیم کرتے ہین اور اسکی ذات کو ترقی یا تنزل کیطرف جاتے ہوئے مان نہین سکتے پس روح بھی جبتک اپنی مجرد حالت مین رہیگی ترقی یا تنزل سکے جس درجہ پر ہوگی اس سے آگے نہ بڑھ سکیگی اور ترقی کریگی تو اسی صورت مین کہ جسم مین داخل ہو اور جو وسائل جسم کو ترقی دیتے ہین اور جو نور اسکو روشن کرتا ہے اس سے مدد لے اور اس لئے ضرور ہے کہ جب مادہ آئندہ انقلاب مین ترقی کرے اور اعلیٰ شکلین پیدا ہون تو روح انسانی ان مین ظہور کرے اور مدارج ترقی پر فائز ہو +

غرض اعتراض تو روحانی حشر کو تسلیم کرنیوالے کیا کرتے ہین کہ جسمانی حشر مین ترقی نہین ہوسکتی یا وہ ترقی دائمی نہ ہوگی مگر حقیقت اسکے خلاف کھلتی ہے کہ روحانی ترقی کے لئے ذریعہ ہی جسمانی ظہور ہے۔ رہا اس ترقی کا دوام سو ہم ذکر کر چکے ہین کہ مادہ اپنی ذات سے ہمیشہ تک قائم رہسکتا ہے اور اسمین جو انقلاب ہوتے ہین وہ انرجی کے اثر سے ہین اور انرجی کی نسبت ہم دیکھتے ہین اور اوپر غور کر چکے ہین کہ اسکا ظہور جس قدر ابتدائی یا بالواسطہ ہے اسی قدر شکلون کا انقلاب بھی جلدی ہوتا ہے چنانچہ زمین کی ابتدائی حالت مین ذرات کی شکلین

اور نیز ماہتاب کے اثر سے اسکی پیداوار ان چیزون کی عمر بہت مختصر ہے اور نیز یہ بھی ہمنے دیکھا ہی کہ انرجی کا ظہور جس حالت کو پیدا کرنا چاہتا ہے اس حالت کے کمال تک وہ ظہور قائم رہتا ہے۔ پس جب یہ نظام انجام کو پہونچے گا اور تمام وسائط ختم ہو جانے پر آفتاب وحدت کا نور براہ راست جلوہ کریگا اور جب انرجی کا ظہور معرفت ربانی مین ترقی دینے کو ہوگا اور وہ ذات غیر محدود ہے تو اس وقت نور کے دوام سے اس کی پیدا کردہ شکلین بھی دائمی ہونگی اور معرفت کی ترقی بھی ہمیشہ جاری رہیگی ؎

ارواح کے لئے مادہ کی کمی نہین

یہان ایک سرسری سا اعتراض اور ہے کہ زمین پر جاندار مخلوق اس کثرت سے ہے کہ پانی کے ایک قطرے اور ہوا کے ایک ذرہ مین لاکھون کی تعداد موجود ہے پس اگر یہ سب دوبارہ زندہ کئے جائین اور نیز اس عالم مین موت اور زندگی کا سلسلہ بھی جاری نہ ہو تو مادہ جس سے ان سب کے لئے اجسام بنائے جائین میسر نہ آئیگا۔ مگر یہ اعتراض ذرائع قدرت کو اپنے خیال کے موافق محدود سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے ورنہ قدرت نے جس طرح زندگی نہایت فیاضی سے تقسیم کی ہے اسی طرح مادّہ کو پیدا کرنے مین بھی بخل کو کام نہین فرمایا۔ اول تو فرداً فرداً انواع حیوانات کو دیکھئے کہ ایک عورت کے پیٹ سے جس قدر اولاد پیدا ہوتی ہے وہ زیادہ سے زیادہ ہو تب بھی دس بیس سے آگے نہین بڑھ سکتی مگر وہ مادہ جو ایک ایک عورت کے رحم مین انسانی اجسام بنانے کے لیے مہیا کیا گیا ہے اسکو پیدا ہونیوالی اولاد کی تعداد سے کوئی نسبت نہین یعنی حسب تحقیق جدید عورت کے رحم مین دس ہزار کے قریب انڈے شمار کئے گئے ہین۔ یہی حال اس ذخیرہ کا سمجھنا چاہئے جو حیوانات کے ہر ایک نوع مین ان کے نطفون کے لئے مہیا کیا گیا ہے اور اسی طرح درختون مین دیکھا جاتا ہے کہ درخت کا تخم جس قدر آیندہ اسکی نسل بڑھانیکے لئے کام آتا ہے اس سے بہت زیادہ ہر درخت مین پیدا کیا جاتا ہے چنانچہ اسکی بیشمار مقدار انسان کے تصرف مین آتی ہے بہت کچھ حیوانات لیجاتے ہین اور پھر بھی بہت کچھ پختگی سے پہلے اور پیچھے جھڑ کر ضائع ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت تو ذخیرہ پیدائش کی ہے جس کا جوہر ضرورت سے بہت زیادہ

مہیا کیا گیا ہے اب ان تخمون کو ذرات کی کثرت اور انکی ترتیب کے لحاظ سے دیکھئے کہ ایک دیو ہیکل بڑ کا درخت ہے جسکی جڑ۔ تنہ۔ شاخ۔ پتہ۔ اور پھل سب کے اجزا کا خلاصہ ایک بیج مین اس طرح جمع کردیا جاتا ہے کہ اُس کا حجم ذرہ کے برابر ہوتا ہے اور پھر یہ تخم جب بویا جائے تو وہی ذرات پھیل کر ویسا ہی دیو ہیکل درخت پیدا کردیتے ہین۔ اس وقت بیشک تخم کے ساتھ بہت سے ذرات خوراک سے بھی پیوستہ ہوئے ہین مگر درخت کی ہر جزو مین تخم کا بھی کوئی نہ کوئی ذرہ ضرور ہے جسکی وجہ سے درخت اپنی نوع کے خصائل اور شکل ظاہر کرتا ہے ورنہ اگر تخم کے ذرات ایسے ہی تھوڑے ہوتے جیسے اسکی شکل سے ظاہر ہوتے ہین اور باقی اجزا بیرونی خوراک سے مہیا ہوتین تو کوئی ہمجنس درخت دوسرے سے مشابہ نہ ہوتا۔ پھر دیکھو کہ لکڑی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑہ ہوتا ہے اسے جلاتے ہین تو دھوان اس قدر پھیلتا ہے کہ گھر بھر جاتا ہے اب اجزائے لطیفہ جو اس قدر حجم مین پھیل سکتے ہین وہی ہین جو لکڑی کے ٹکڑے مین ایک چھوٹے سے حجم مین مقید تھے اور یہی اصول ہے جس سے ہومیوپیتھک طبابت مین ایک رتی دوا کا کروڑوان حصہ بلکہ اس سے بھی کمتر استعمال ہوتا ہے اور اس ذرہ کے استعمال سے دوا کا اثر ظہور کرتا ہے غرض یہ کہ قدرت ذرات کو پیوستہ کر کے بڑے مقدار کو چھوٹے حجم مین اور پھیلا کر تھوڑی مقدار کو بڑے حجم مین پیدا کرسکتی ہے اور اسی عمل سے اندازہ کیا گیا ہے کہ جب عالم بخار کے بادل کی شکل مین تھا تو اس وقت کی ایک آدھی رتی کا حجم اُس وقت کئی ملین مکعب میلون مین پھیلا ہوا تھا۔ تو جب نیچر کی یہ قوت خود اسی نظام مین نظر آتی ہے کہ وہ تھوڑی تھوڑی اجزا سے بڑے بڑے حجم کے اجسام بنا سکتی ہے تو اس وقت جبکہ اس سے بھی اعلےٰ نظام ہوگا اور کام کرنیوالا نور اپنے مرکز سے بیواسطہ ظہور کریگا اس وقت جس قدر ارواح اجسام سے مفارق ہونے پر باقی رہ سکتی ہین وہ خواہ اسی تعداد مین ہون جو یہان جاندار مخلوق کی نظر آتی ہین یا اس مخلوق کی کوئی اعلےٰ انواع ہون جن کو ایسی پائدار روح میسر ہے کچھ ہی ہو قدرت اس وجہ سے محتاج نہین ہوسکتی کہ مادہ کم ہے اور اسکی اجزا سب مین تقسیم نہ ہوسکین گی۔

آیندہ ترقی مین اجسام کی حالت

پس اگر روح کوئی چیز ہے جس نے یہان مادہ مین ظہور کرکے ترقی کی ہے تو آیندہ انقلاب پر جب مادہ اور اعلےٰ شکلین حاصل کریگا روح بھی ضرور ان شکلون مین ظاہر ہوکر ترقی کریگی اور اسکے علاوہ یہان والون کی حالت کو دیکھ کر چند اور کیفیتین بھی معلوم ہوتی ہین۔ یہان نباتات اور حیوانات مادہ سے پیدا ہوتے ہین اور ان کی تمامتر توجہ بھی مادی کیطرف ہے اور ترقی بھی صرف نوع کے لحاظ سے ہوتی ہے یعنی ایک نوع سے دوسری نوع ترقی یافتہ ہوتی ہے ورنہ شخصی ترقی کا ان مین نشان نہین رہا انسان اسکی ترقی اگرچہ جسم کی وساطت سے ہوتی ہے لیکن ترقی کی رفتار اوپر کیجانب ہی اور جسم سے خیال کیطرف اور خیال مین کائنات سے خالق کائنات کیطرف بڑھتا ہوا جاتا ہے اور نیز یہان ان سب کی پیدایش اس نور کی وجہ سے ہی جو مادہ سے خارج ہوتا ہے تو اب جس وقت اس حرارت اور روشنی کا اثر ختم ہو جائیگا اور ثوابت اور سیارے تاریک ہو نیکے بعد محض ذات ربانی کے نور سے دوبارہ وجود حاصل کرینگے اس وقت مادہ کی جو اجزا نباتی اور حیوانی شکلین اختیار کرینگی ان مین انکی ذاتی حیثیت اور نور کی حیثیت دونو کا اثر ہونا چاہئے۔ نباتیت اور حیوانیت وہ چیز ہے جسمین مادی ترقی کی حیثیت ہو اور شخصی ترقی کی قابلیت نہ ہو اور نور کی حالت یہ ہے کہ وہ اس وقت غیر مادی سرچشمہ سے براہ راست ظاہر ہوتا ہی اسلئے ضرور ہے کہ یہ چیزین اس وقت بھی مادی وجود حاصل کرین مگر غیر مادی نور کے اثر سے ان مین ایسی ترقی ہو کہ مادی حرارت اور روشنی سے ہونی ممکن نہین اور اسلئے چاہئے کہ اس وقت کی نباتات اور حیوانات اب سے بہت زیادہ لطیف اور اعلےٰ جسم رکھتے ہون مگر شخصی ترقی کے قابل نہ ہون اور انکے برخلاف اس وقت انسان مین چونکہ وہ مادہ کے وساطت سے ترقی کرتا ہے اسلئے یہ حیثیت اور دماغی ترقی یا تنزل کرتا رہا ہے اس لیئے یہ حیثیت بھی ہوگی اور معرفت ربانی کا اشتیاق یا اس سے بیگانگی ظاہر کرتا ہے اسلئے یہ حیثیت بھی ہوگی اور ادھر اس کا ظہور غیر مادی سرچشمہ سے ہے اس لیئے اسکی حالت مین ان سب حیثیتون کا اثر نمایان ہونا چاہئے۔ مادہ سے تعلق رکھنے کے سبب مادی وجود حاصل کریگا اور چونکہ اسمین روحانیت بیشتر نمایان ہے اور ادھر نور بھی غیر مادی ہے

اس لئے اس کا اس وقت کا جسم نباتات اور حیوانات کے اس وقت کے جسم سے بہت زیادہ لطیف ہوگا اور چونکہ دماغی اور جسمانی ہر طرح کی ترقی کی قابلیت رکھتا ہو اسلئے نباتات اور حیوانات کی طرح ایک حالت میں مقید نہ رہیگا بلکہ جس طرح یہاں اپنی ترقی کے میدان میں بڑھتا گھٹتا رہے وہاں بھی اپنی طاقتوں کے موافق جو یہاں سے لیکر گیا ہے ترقی اور تنزل کرتا رہیگا - اور اسکی روحانی ترقی کے لیے ہم دیکھ چکے ہیں کہ غیر محدود میدان ہے اور وہ ذات ربانی سے قریب یا بعید ہونے میں ابدالآباد تک ترقی کر سکے گا - رہی جسمانی حالت سو اسکے لئے ہم دیکھتے ہیں کہ حیوان کی ترقی یا تنزل محسوسات کیطرف نقل و حرکت کرنے پر منحصر ہے اور جو حیوان اس بارہ میں زیادہ چست ہوتا ہے وہ جسمانی قوت اور فربہی میں دوسروں پر فایق رہتا ہے - اور اسی حالت کو اسکے لئے بہتر سمجھتا ہے اسکے بعد انسان کی ترقی چونکہ محسوس سے غیر محسوس کیطرف جانے اور اپنے سود و بہبود کے متعلق نتایج نکالنے اور عمل کرنے پر منحصر ہے اس لیئے اسکی جسمانی حالت کی بہتری بھی اسی طرز عمل پر موقوف ہے چنانچہ جو لوگ علم و ادب و تہذیب و تربیت کیطرف توجہ کرتے ہیں ان کے اجسام جاہلوں اور وحشیوں کی نسبت نازک ہو جاتے ہیں مگر اسکی بجائے دل و دماغ نہایت چست اور تیز ہو جاتا ہے اور وہ لوگ اپنی ذہنی قوتوں سے اور غیر محسوس طاقتوں کو دریافت کرنیسے وہ وہ کام لیتے ہیں جو وحشیوں کے قوائے اور بھاری جسموں سے نہیں ہو سکتے اور اس لیئے یہ دبلے اور نحیف مگر دانا لوگ ان لوگوں پر غالب رہتے ہیں جو وحشت میں ترقی کرنے سے اپنے سے ایک درجہ نیچے ہو گئے ہیں اور جسمانی اور روحانی حالت میں حیوانوں سے ملگئے ہیں اور اسی لیئے انسانی درجہ میں جسمانی لطافت اور دماغی چستی کو ترقی سمجھا جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر درجہ میں ترقی جس طرز عمل پر منحصر ہے اسی طرز عمل سے جسمانی حالت بھی متاثر ہوتی ہے اور اسی حالت کو جسم کی ترقی سمجھا جاتا ہے - اب جبکہ انسانی حالت میں آئندہ انقلاب ہوگا اور جب اسکی ترقی غیر محسوس مادی اشیاء کو سمجھنے کی بجائے غیر محسوس غیر مادی ہستی کی معرفت پر منحصر ہوگی اس وقت بھی اسکی جسمانی حالت اس طرز عمل سے متاثر ہوگی اور وہی اس حالت میں جسمانی ترقی سمجھی جائیگی اور جب یہاں غیر محسوس مگر مادی طاقتوں کی طرف توجہ

کرنے سے جسم نازک اور لطیف ہو جاتا ہی تو وہان غیر مادی نور سے پیدا ہونے اور غیر مادی ہستی کیطرف توجہ کرنے کے سبب جسمانی لطافت اور بھی زیادہ ہوگی اور جس قدر روحانی نور اور جلا مین ترقی ہوتی جائیگی اسی قدر جسمانی لطافت بڑہتی جائیگی اور اس کے خلاف جو لوگ اس ہستی سے بعید ہوتے جاینگے وہ جسمانی حالت مین بہی اپنے درجہ سے کمتر ہوجائینگے اور کثافت مین ترقی کرتے جائینگے جیسا کہ یہان انسانی ترقی مین کوتاہی کرنے سی جسمانی حالت حیوانوں کی سی ہو جاتی ہے۔

لیکن اسمین شک نہین کہ جسم اور جسمانی ترقی محدود ہے اسلئے ایک وقت پر لطیف ہونے والون کی لطافت اپنی حد کو پہونچ جائیگی اور وہ لوگ ایسے لطیف ہو جائینگے کہ جس قدر لطافت ہم اس وقت ایک انسان کے اندر ایک روح کو تصور کر کے خیال مین لاسکتے ہین شاید اس وقت کی جسمانی لطافت اس سے بہی زیادہ ہو۔ اور پہر اس سے آگے چونکہ روحانی لطافت اور قرب خداوندی کی لذت رہجائیگی جسکی کوئی انتہا نہین اسلیے وہ اس جسم لطیف کیساتھ اس لطافت مین ہمیشہ ہمیشہ بڑہتے جائینگے اور اسیطرح ادھر کثیف ہونیوالون کی کثافت بہی محدود ہے پس اس حالت پر پہونچکر کیا ہونا چاہیے؟ پھر لطیف ہونے لگین۔ یہ تنزل کا ترقی بنجانا ہے جو ممکن نہین۔ فنا ہو جائین یہ اس سی بھی زیادہ ناممکن ہے۔ اور لطیف جسم کیطرح اسی حالت پر قائم رہین اسکا بھی احتمال نہین۔ کیونکہ گو عجیب بات ہی مگر واقعہ ہے کہ ایتھر کا سا نازک جسم لامحدود عرصہ تک قائم رہ سکتا ہے اور حرارت وغیرہ قوتین ہمین تغیر پیدا نہین کرسکتین مگر پہاڑ ایسا بھاری جسم حوادث کے اثر سے یومًا فیومًا بدلتا رہتا ہے البتہ اُسکے قیام کی ایک صورت ہے جو یہان بھی دیکھی جاتی ہے اور دنیا کے منظرون سے اسکی شہادت ملتی ہے وہ یہ ہے کہ اجزائے اصلیہ قایم رہین اور غیر اصلیہ بدلتی جائین چنانچہ ان لوگون کا یہی حشر ہونا چاہیے کہ روحانی بُعد زیادہ سے زیادہ ہوتا جائے اور جسمانی اجزا بدلتے رہین۔

حشر کے متعلق اسلامی تعلیم

غرض اس عالم کے فنا ہونے پر دوبارہ پیدا ہونیکی یہی صورت ہی جو سمجھ مین آتی ہے اور یہی ہے جسکی تعلیم اسلام کیطرف سے دیگئی ہے چنانچہ اسلام نے حشر جسمانی قرار دیا ہے اور تمام جسمانی راحت و رنج کے سامان مثلًا ادھر باغ اور نہرین اور اُدھر آگ اور تپش وغیرہ کو تسلیم کیا ہے لیکن چونکہ

وہ عالم نہایت اعلےٰ ترقی کا عالم ہے اسلئے وہان کا سامان بھی یہان کے سامان سے نہایت اعلیٰ ہوگا اور اسکی مفصل کیفیت انسان کی سمجھ سے بالاتر ہوگی پس جو الفاظ اسکے لئے استعمال کئے گئے ہین انکی نسبت کہنا چاہیئے کہ ان سے بعینہٖ وہ معنی جو ہم اس دنیا مین سمجھتے ہین مقصود نہین ہین بلکہ جو سامان یہان سب سے اعلےٰ ہوتا ہے اسکے ذکر سے وہان کے سامان کا ایک مکمل سا نمانہ کھینچا گیا ہے اور اسی لیئے قرآن مین ایک طرف ان چیزون کا ذکر ہے تو دوسری طرف یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ انجہانی رنج و راحت کی کیفیت جیسی کچھ حقیقت مین ہے کسی انسان کے تصور مین نہین آسکتی اور مختصر یہ ہے کہ وہان کی راحت سب سے بڑی راحت ہے اور وہان کی تکلیف سب سے بڑی تکلیف ہو چنانچہ ارشاد ہے

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سجدہ پارہ ۲۱ ع ۲)

کوئی شخص نہین جانتا جو ان کے اعمال کے صلہ مین انکے لیئے راحت کا سامان آیندہ عالم مین مہیا ہے

بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ (سبا پارہ ۲۲ ع ۱)

جو لوگ آخرت پر ایمان نہین رکھتے وہ عذاب اور دور کی گمراہی مین مبتلا رہین گے ۔

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ (زمر پارہ ۲۴ ع ۲)

ان کے لیئے خدا کے پاس جو وہ چاہین سب کچھ ہوگا اور یہ نیکوکارون کا صلہ ہے ۔

لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ (مومن پارہ ۲۴ ع ۶)

ظالمون کو انکا عذر مفید نہ ہوگا اور ان کے لئے برا گھر مقرر ہے ۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۭ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ (حم سجدہ پارہ ۲۴ ع ۴)

وہان تمہارے لیئے ہی جو تمہارا دل چاہے اور تمہارے لئے ہے جو خواہش کرو۔ یہ بخشندہ و مہربان خدا کی مہمانی ہے ۔

فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (زخرف پارہ ۲۵ ع ۱۴)

اسمین وہ کچھ ہوگا جس کو دل چاہے اور آنکھون کو بھلا معلوم ہو اور تم اسمین ہمیشہ رہوگے ۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ (محمد پارہ ۲۶ ع ۱)

اور جو کافر ہون انکے لیئے ہلاکت ہو اور انکے اعمال کا نتیجہ گمراہی

اور پھر جا بجا ترقی و تنزل کا ذکر کیا گیا ہے چنانچہ مومنین کی نسبت فرمایا ہے کہ انکو بہشتی نعمتون کے علاوہ خدا کی رضامندی کی نعمت دیجائیگی جو سب سے بڑھکر ہے اور ان کو بہشت مین رکھکر پاکیزہ باتون کیطرف اور قرب خداوندی کیطرف ہدایت کی جائیگی اور درجہ بدرجہ ترقی کرینگے اور کفار کی نسبت ارشاد ہے کہ انکو عنایت خداوندی اور لطافت و پاکیزگی کا کوئی حصہ ملیگا وہ پیچھے کیطرف لوٹائے جائینگے اور انکو چڑھتے سے چڑھتا عذاب ہوگا اور انکی جلدیں گل جائینگی تو اور جلدیں دی جائینگی اور ان کو ہر طرف سے موت گھیر لیگی مگر وہ مرینگے نہیں۔

للذين اتقوا عند ربهم جنات تجري من تحتها الانهار خالدين فيها وازواج مطهرة ورضوان من الله والله بصير بالعباد (آل عمران پارہ ۳ ع ۱۰)

اہل تقوے کیلئے خدا کے پاس جنت ہے جس کے نیچے نہرین جاری ہین وہ اسمین ہمیشہ رہین گے اور پاک جوڑے ہین اور خدا کی رضامندی ہے اور خدا اپنے بندون کو دیکھ رہا ہے۔

ومساكن طيبة في جنات عدن ورضوان من الله اكبر ذلك هو الفوز العظيم (توبہ پارہ ۱۰ ع ۹)

(مومنین کیلئے) ہمیشہ رہنے کی بہشت مین پاکیزہ مقامات ہین اور خدا کی رضامندی ہے جو سب سے بڑی ہے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

وهدوا الى الطيب من القول وهدوا الى صراط الحميد (حج پارہ ۱۷ ع ۳)

اور ان کو پاکیزہ باتون کی طرف ہدایت کی جائیگی اور قابل تعریف خدا کے رستہ کیطرف ہدایت کیجائیگی۔

فلا اقسم بالشفق والليل وما وسق والقمر اذا اتسق لتركبن طبقا عن طبق (وانشقت پارہ ۳۰ ع ۱)

مین قسم کھاتا ہون شفق کی اور رات کی اور جو رات مین داخل ہے اور چاند کی جبکہ وہ مکمل ہو- اے لوگو تم درجہ بدرجہ چڑھو گے

ان الذين يشترون بعهد الله وايمانهم ثمنا قليلا اولئك لا خلاق لهم في الآخرة ولا يكلمهم الله ولا ينظر اليهم

جو لوگ خدا کے عہد اور اپنے وعدون کو تھوڑی قیمت پر بیچ دیتے ہین ان کے لئے آخرت مین کوئی حصہ نہین اور نہ خدا ان سے کلام کریگا قیامت

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ (آل عمران پارہ ۳ ع ۵)

کے دن اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کریگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا (نساء پارہ ۵ ع ۳)

اے اہل کتاب تم اس قرآن پر بھی ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا ہے اور جو تمہاری کتابوں کی بھی تصدیق کرتا ہے اور یہ کام اس سے پہلے کرلو کہ ہم چہروں کو محو کردیں اور ان کو پچھلی طرف پھیریں

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ (نساء پارہ ۵ ع ۵)

جو لوگ ہمارے نشانات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو عذاب میں داخل کرینگے جب انکی کھال گل جائیگی تو ہم اور جلد بدل دینگے تا وہ عذاب چکھیں۔

وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ (ابراہیم پارہ ۱۳ ع ۱۶)

اور اس (دوزخی کو) ہر طرف سے موت گھیریگی مگر وہ مریگا نہیں اور اس سے پرے اور بھی سخت عذاب ہے

وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا (جن پارہ ۲۹ ع ۱)

اور جو اپنے رب کے ذکر سے روگردان ہو اس کو وہ چڑھتا ہوا عذاب دیگا۔

كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا (مدثر پارہ ۲۹ ع ۱)

ہاں وہ ہمارے نشانات سے عناد رکھتا تھا میں اسکو چڑھنے کی تکلیف دونگا۔

اجتماعی تربیت سے اجتماعی خصائل بدل نہیں سکتے

قیامت کے ذکر میں طول ہی قیامت کا ہو گیا ہے مگر ابھی ایک اعتراض کا ذکر باقی ہے اور وہ یہ کہ دنیا میں اور ترقی کے اس درجہ میں جس کو آئندہ ترقی کی نسبت ناقص سمجھا جاتا ہے انسان اکثر ایک رستہ کو چھوڑ کر دوسرا رستہ اختیار کرلیتا ہے اور نیک سے بد اور بد سے نیک ہو جاتا ہے اور نہ صرف خود بلکہ اپنے اثر اور قوت کے موافق دوسروں کو ان کے رستوں سے منحرف کرکے اپنے رستہ پر لگا لیتا ہے اور نہ صرف انسان پر بلکہ تربیت اور تعلیم سے حیوانوں اور درختوں پر بھی اثر ڈال سکتا ہے اور ایک حد تک ان کے عادات و خصائل کے بدلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو جب

آئندہ عالم مین وہ اور ترقی کریگا تو ضرور ہے کہ اس وقت بھی تعلیم و تربیت سے بدون کو نیک اور نیکون کو بد بنا دینے کی قوت بطریق اولےٰ ہوگی اور اسلیئے جو لوگ یہان سے بدی کا اثر لیکر گئے ہین اُن کا آئندہ عالم مین نیک ہو جانا اور نکو کارون کا بد ہو جانا ممکن ہے۔

اِس اعتراض مین تعلیم و تربیت کی قابلیت پر زور دیا گیا ہے اسلیئے دیکھنا چاہیئے کہ نباتات حیوانات اور انسانات مین تعلیم و تربیت کس حد تک موثر ہوتی ہی۔ نباتات پر انسان بیشک تصرف رکھتا ہے اور عمدہ تخم عمدہ کھاد اور اصول باغبانی کو کام مین لاکر درخت کی شکل پھول کا رنگ پھل کا ذائقہ سب کچھ کسی نہ کسی حد تک بدل سکتا ہی مگر ایک درخت کا نشو و نما اور اسکی اجزا کا اوپر کو بڑھنا ایسا وصف ہے کہ انسان کا اس پر کچھ اختیار نہین اور وہ اگر چاہے کہ کوئی درخت ایک حد تک پھیل کر آئندہ اسی حد پر قائم رہے اور نمو کو چھوڑ دے تو ممکن نہین۔ حیوان پر انسان کا بہت اختیار ہے اور تربیت سے اسکی عادتون کو بہت کچھ بدل سکتا ہے مگر خوراک کا خاصہ ایسا راسخ ہے کہ اس پر اور اسکے اثر پر انسان کا کوئی اختیار نہین اور جو خصلتین نباتی خوراک سے نبات خوار مین اور جو اثر حیوانی خوراک سے گوشت خوار مین راسخ ہو چکے ہین وہ تربیت سے بدل نہین سکتے۔ اور یہی کیفیت انسان کی ہی کہ اسکی عقل و شعور کو تحریک دیکر یا عادت ڈال کر بہت سے اچھے اور بُرے انقلاب پیدا کیئے جا سکتے ہین لیکن بہت سے خصائل اسمین بھی ایسے راسخ ہین کہ تربیت اُنکو بدل نہین سکتی۔ مثلاً جو فطرتاً بہادر واقع ہوا ہے اسکو بزدل اور بزدل کو بہادر نہین بنا سکتے۔ اور جس فن یا پیشہ کی قابلیت فطرت مین ودیعت ہی اسے روک کر دوسرے کام کیطرف متوجہ کرین تو ہرگز کامیابی نہین ہوتی۔

مگر یہ وہی قابلیتین ہین جو پیدائش سے پہلے پیدا ہو چکی ہین اور کام بیشک سب خدا کے حکم سے ہوتے ہین لیکن یہ عالم اسباب ہی اور یہان کا کوئی فعل بغیر کسی سبب کے پیدا نہین ہوتا۔ اس لیئے یہ قابلیتین جو پیدا ہوئی ہین تو وہ بھی ضرور کسی نہ کسی سبب سے ہین۔ اور ان اسباب کا ہر شخص کی حالت مین معین کرنا اور سمجھنا کہ فلان فلان وجوہات سے یہ اثر پیدا ہوا ہے۔ نہایت دشوار ہے مگر مجمل طور پر اتنا ضرور یقین ہے کہ مختلف آب و ہوا۔ مختلف خوراک اور مختلف طریقہ ہائے زندگی یہی وہ اصلی اسباب ہین جو دنیا کی

مخلوق پر اثر کرتے ہین اور ایسے اثر بار بار پیدا ہونے سے افراد اور اقوام کی فطرت پر پائدار نقش قائم ہوتے ہین اور وہی نقش نطفہ پر اثر کرتے ہوئے آئندہ پیدا ہونیوالی نسلون مین فطرت بناتے ہین اور دوسری طرف انھی اسباب کے بدلنے سے جو وقتاً فوقتاً مخالف اثر پیدا ہوتے رہتے ہین وہ اپنی اپنی قوت وضعف کے مطابق کبھی پہلے اثر کو بالکل معدوم اور کبھی ضعیف کر دیتے ہین اور یون ایک ملک ایک قوم اور ایک نسل کی فطرتون مین باہم اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

غرض جو خصائل انسان کی فطرت مین داخل ہین اور جو تربیت سے بدل نہین سکتے اگر وہ بے سبب پیدا نہین ہوئے (اور بیچ مین کسی چیز کے بے سبب پیدا ہونے کی نظیر موجود نہین) تو ضرور وہ خصائل ایسی چیزون کے اثر ہین جو انسان کی پیدائش سے پیشتر موجود تھین اور جنھون نے انسان کے جسم مین داخل ہو کر اپنے اثر کو اس مین راسخ کر دیا ہے اور یہی کیفیت اُن خواص کی ہے جو نبات اور حیوان مین ناقابل تربیت ثابت ہوئی ہین کہ وہ بھی انکی پیدائش سے پہلے کسی اور چیز مین موجود تھے اور اسی چیز کا نبات اور حیوان کی شکل مین آنا اس اثر کو قوی کر دیتا ہے چنانچہ آفتاب کی کشش سے اجزائے زمین اور بخار کا اوپر کو اٹھنا جس سے آندھی اور بارش وغیرہ مظاہر پیدا ہوتے ہین یہ خاصہ نبات کی پیدائش سے پہلے زمین مین موجود تھا اور جب وہی اجزا نبات مین داخل ہوئے تو اپنے اثر کو بھی ساتھ لائے اور نبات کو نشو ونما کی وہ قابلیت دی کہ تربیت سے دور نہین ہو سکتی۔ اسی طرح نبات مین یہ قابلیت تھی کہ جو چیز انکی گرفت مین آجائے اسے جذب کر کے فائدہ اٹھائین مگر جابرانہ حملہ کرنے کی صفت جو حیوان مین ہے وہ نبات مین مفقود تھی اسلئے جب نباتی اجزا نبات خوار حیوان مین درآئین تو اپنی غربت اور مسکینی کا اثر ساتھ لائین اور اُدھر حیوانی اجزا گوشت خوار حیوان مین تحلیل ہوئین تو ان سے سفاکی اور خونریزی کی عادتین پیدا ہوئین اور دونو قسم کے اثرون کا بدلنا ناممکن ہو گیا۔ اسی طرح انسان کو جن اجزا نے بنایا اور جن ارواح نے اسمین اپنا اثر دخل کیا انکی خاصیتین ایسی راسخ ہوئین کہ تربیت کے قابل نہ رہین۔

غرض معلوم یہ ہوا کہ تربیت کا اثر جس قدر ہے وہ انھی خصائل مین ہے جو کسی درجہ انقلاب مین

تازہ موجود ہوئی ہون ۔ چنانچہ نبات مین خوراک لینے کی عادت تازہ موجود ہوئی تھی اور اسی مین دخل و تصرف کرنے سے کچھ اثر ہو سکتا ہے اور انسان اور حیوان مین حرکت ارادی اور فعل و شعور کی قوتین تازہ پیدا ہوئی تھین اور انہی مین اصلاح ہو سکتی ہے لیکن جو اوصاف ایک درجہ مین پیدا ہون اور پھر اس درجہ سے ترقی کر کے دوسرے درجہ مین آئے تو وہ اوصاف قابل تربیت نہین رہتین چنانچہ زمینی اجزا کی صفات نبات مین آکر اور نباتی اور حیوانی اجزا کی صفات حیوان اور انسان مین آکر ایسی مضبوط ہوئین کہ تربیت سے بدل نہین سکتین ۔ بلکہ انسان مین دیکھا گیا ہے کہ ایک درجہ سے ترقی کر کے دوسرے درجہ مین آنے کی بھی ضرورت نہین اور صرف تھوڑے سے انقلاب سے اوصاف راسخ ہو جاتی ہین ۔ کیونکہ قوم اور اسکی آئندہ نسلین انقلاب کے ایک درجہ یعنی نوع انسانی مین شامل ہین اور باوجود اسکے قومی خصائل انکے نطفون مین اگر جب دوسری نسل مین ظاہر ہوتے ہین تو انکو بدلنا دشوار ہو جاتا ہے اور اگر دقت سے کچھ اصلاح ہو بھی سکتی ہے تو قومی خاصہ کو بالکل فنا کرنا یقیناً محال ہوتا ہے اور جب یہ کیفیت ہے تو جس وقت دنیا مین آئندہ انقلاب ہوگا اور یہ نظام بدلکر کسی اور نظام سے پیدائش کا آغاز ہوگا اُسوقت جو خلاصے یہان کی مخلوق مین پیدا ہو چکے ہین وہ دوبارہ پیدا ہونے پر یقیناً راسخ اور نا قابل ترتیب ہونگے اور اسلئے نہین کہہ سکتے کہ یہان کی نیک اور بد عادتون کا جو نتیجہ ہے وہ وہان کی اصلاحی کوشش سے بدل سکیگا ۔

اور یہی زمین کے آباد ہونے پر نباتی اور حیوانی پیدائش ضمنی انقلاب ہین اور دیکھا جاتا ہے کہ ان کے اثر سے ایک درجہ کی خاصیت دوسرے درجہ مین راسخ ہو جاتی ہے تو جب ان سے بھی بڑا انقلاب ہوگا اور زمین تباہ ہونے کے بعد دوسری شکل مین آباد ہوگی اس انقلاب کے اثر سے یہان کے خواص کا راسخ ہونا اور بھی ضروری ہوگا ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہین کہ زمین سے جس قدر مخلوق پیدا ہوتی ہے اسکو اگرچہ حسب مصلحت بیشمار گوناگون شکلون مین پیدا کیا گیا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ تدویر نے ان سب شکلون پر ایسا اثر کیا ہے کہ کوئی شکل اس وصف سے خالی نہین ۔ ذرات ۔ کنکر ۔ پتھر اور معدنیات ہین تو ان مین کوئی مثلث یا مربع یا اور شکل کا نہین ۔ اور جو صنعتین لاکھون ہین مگر لمبا ہو یا چھوٹا

سب مین گولائی کا اثر موجود ہے۔ درخت بنتے ہین تو ان کے تنے اور شاخین کیسی ہی کھردری ہون پتے کیسے ہی مختلف ہون پھل کیسی ہی شکل کا ہو سب کسی نہ کسی حد تک گول ہوتے ہین اور چوکھونٹا یا تکھونٹا یا کوئی اور زاویہ وار شکل نظر نہین آتی۔ جاندار کے اندرونی اور بیرونی اعضا باہین ٹانگین۔ دھڑ اور سر۔ یا دل۔ جگر۔ تلی۔ گردہ سب مدوّر کی مختلف شکلین ہین۔ اور زاویہ دار کوئی بھی نہین۔ تو سبب کیا کہ زمین آبادی سے پہلے گول ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس کی اجزا جب آیندہ انقلاب اور شکلون مین آئین تو اس اثر کو ایسی مضبوطی سے اپنے ساتھ لائین کہ اب ہم لاکھ کوشش کرین کسی تربیت سے کوئی درخت یا کوئی حیوان یا کسی کا کوئی حصہ زاویہ دار نہین بنا سکتے۔ پس جب اس بڑے انقلاب مین اور ویرانی سے آبادی کیطرف آنے پر پہلے درجہ کی خاصیت دوسرے درجہ مین اصلاح پذیر نہ رہی اور ضمنی انقلابون مین جو ایک آبادی کے اندر واقع ہوئی یہی کیفیت نظر آئی تو جب یہی مادہ دوبارہ آباد ہوگا اس وقت بھی یہان کا نیک اور بد میلان جو ایک عمر کے غور و تامل اور اعمال و اشغال سے قائم ہو چکا ہے وہان جاکر تغییب و تحریص سے نہ بدل سکیگا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنۡ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنۡ نَصِيرٍ۔ (فاطر پارہ ۲۲ ع ۴)	کیا ہمنے تمکو ایسا زمانہ نہین دیا جسمین اصلاح پاسکتا ہے جو اصلاح پانا چاہے۔ پس اب (عذاب) چکھو کیونکہ ظالمون کا کوئی مددگار نہین ہوسکتا۔



حامد حسین ناطقی

باب چہاردہم

حشر روحانی اور تناسخ

حشر روحانی- بہشت اور اسکا سامان بہشتی عورتین- تناسخ- اختلاف حالات اور تناسخ- کوئی درجہ اختلاف سے خالی نہین ہوسکتا- روح جسم سے پہلے موجود نہین ہوتی- بعض پیدائشی میلان مختلف ہوتے ہین- اثر پیدا ہونے کی صورتین- عام طور پر اثر کا تفاوت- انسانی خیالات کا اُتار چڑھاؤ- جذبات کا اثر نسل پر- دو نطفون کے اختلاف کے لیئے موروثی اسباب ہوسکتے ہین- خدا کی خالقیت اور روح کی قدامت وغیرہ مسلمات سے تناسخ کا تعلق چاند سورج اور مادہ کے بار بار آنے سے تناسخ کا ثبوت- سقراط کی تین دلیلین تناسخ پر- تیسری دلیل سے تناسخ کو تعلق نہین- دوسری دلیل دو طرح سے ناقص ہے- ضد سے ضد کا پیدا ہونا عام قاعدہ نہین- ضد کا ضد کیطرف آنا- زندگی اور موت پر جاری نہین ہوسکتا- اس عالم مین روح کا دوبارہ جسم مین آنا خلاف عقل ہے- درجات کی ترقی سے اثر مین ترقی ہوتی جاتی ہے- مذہبی ترقی کا اثر نیچے کے درجات سے فائق ہونا چاہیئے- عبادت کا مفید طریق- دنیوی بے اعتدالی کو مذہب بھی عقل کیطرح برا کہتا ہے اسلیئے کہ یہان کے کاروبار مذہبی ترقی کے وسائل ہین- مذہب کی خاص اپنی ترقی- دنیوی نیک اطوار اسکے بالا تر ہے- مذہب کی خاص اپنی ترقی کا اثر بھی دیگر ترقیون سے بالاتر ہوگا- مرنے کے بعد قیامت کا انتظار باعث تکلیف نہین ہوسکتا-

حشر روحانی جیسے ایک نادیدہ ہستی کا یقین انسانی فطرت مین داخل ہے اسی طرح آئندہ زیست کا اعتقاد بھی ہمیشہ سے انسان کا طبعی میلان رہا ہے اور جس طرح عقول بشری کی آمیزش سے نادیدہ ہستی کے متعلق کئی طرح کے عقیدے پیدا ہوگئے ہین اسی طرح آئندہ زیست کبھی کئی شکل سے مانا جاتا ہے چنانچہ ان مین سے ایک مشہور عقیدہ جس کو فلسفیانہ اور معقول سمجھا جاتا ہے یہ ہے کہ آئندہ عالم مادی نہ ہوگا بلکہ ارواح اپنی مجرد حالت مین ہمیشہ قائم رہینگی اور خدا سے قریب یا بعید ہونے کی وجہ سے یا کسی اور طرح ترقی و تنزل کرینگی گویا ان لوگون کے خیال مین مادی طاقتون کے ختم ہوجانے پر یا موجودہ

اصطلاح کے مطابق آفتاب کی انرجی صرف ہو جانے پر قوت کا کوئی اور سرچشمہ موجود نہیں جس سے دنیا کا سلسلہ جاری رہ سکے - اور جس طرح زمین کے سرد ہو جانے پر آفتاب کی حرارت نے اسکو دوبارہ بھی ترقی دی تھی اس طرح تمام نظام شمسی کے سرد ہو جانے پر کوئی اور نور اسکو گرمانے کے قابل نہ ہوگا اور چونکہ ہم مادی آفتاب کے زیر اثر کسی اور سرچشمہ کو دیکھ نہیں سکتے اسلئے گویا یقین ہے کہ واقع میں بھی نور کا صرف یہی سرچشمہ ہے - غرض اس خیال کے مطابق لازم آتا ہے کہ اس مادی عالم کی حرارت جب ہی مستقل طور پر اسی میں موجود ہے اور خدا کی طرف سے اس کا فیضان نہیں ہوا اسلئے جب یہ ذخیرہ ختم ہو جائیگا تو مادہ کسی اور نور سے منور نہ ہو سکیگا - اور خدا کا تعلق اگر کچھ ہے تو وہ عالم ارواح سے ہے اور اس لیئے ارواح خدا کے نور سے یا اپنی فطری قوت سے ہمیشہ قائم رہ سکینگی - غرض جو لوگ خدا کے وجود سے انکار کرتے ہیں اور صرف اسی عالم کو مانتے ہیں ان کے دلایل اس فرقہ کو ایسے مسلم ہیں کہ وہ مادی حشر و نشر کو تسلیم کرنے کے لیئے آمادہ نہیں ہوتے اور اسلئے ایسے لوگوں کا مذہبی میلان قابل تعریف ہے کہ اہل عقل کے مفروضہ عاقلانہ استدلال کو تسلیم کرنے کے باوجود مرنے کے بعد روحانی طور پر موجود رہنے کے خیال سے مذہبی عقیدے کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اگر خدا موجود ہے اور اگر اس نے عالم کو موجود کیا ہے تو پھر مادی قوت صرف ہو جانے کے بعد مادہ کے بیکار رہنے کی کوئی وجہ نہیں - بلکہ جس طرح کسی ملک پر تصرف کرنے کے لیئے پہلے فوج کو جا بجا پھیلانے کی ضرورت ہوتی ہے اور تصرف ہو جانے کے بعد اسکو مختلف چھاونیوں میں ٹھیرا دیا جاتا ہے اور امن ہو جانے پر چھاونیوں کی تخفیف شروع ہوتی ہے حتی کہ اگر ملک میں تہذیب و شائستگی عام اور کامل ہو جاوے تو ان وسائل کی ضرورت نہیں اور صرف مرکز سلطنت کی قوت امن و انتظام کے لیئے کافی ہو سکتی ہے یہی صورت اس نظام کی نظر آتی ہے کہ اسکو عدم سے وجود میں لانے کیلئے نور کو ہر جگہ منتشر کرنے کی ضرورت تھی اسلئے اس وقت تمام فضا میں انرجی کو پھیلا دیا گیا - اسکے بعد وجود کو ترقی دینے کیلئے نور کو مختلف مرکزوں میں جمع کرنے کی ضرورت تھی اور اس لیئے ثوابت اور سیاروں کا سلسلہ جاری ہوا - اب جبکہ تمام بیرونی مرکزوں سے نور کو واپس لیا جائیگا

اور ایک مرکزِ حرارت کے سوا کسی قوت کا ظہور نہ رہیگا تو وہ وہی وقت ہوگا جبکہ ابتدائی مرحلے طے ہو چکینگے اور مرکزِ حرارت کے اثر سے مادہ اعلےٰ تر شکلین اختیار کریگا۔ اور دوسری جانب ہم دیکھ چکے ہین کہ جسم کے بغیر روح مجرد کے ترقی کرنے کی کوئی صورت نہین اور اسی لیے اس کو یہان جسمانی وسائل عطا کئے گئے ہین تو جس وقت آیندہ مادہ کی اعلےٰ تر شکلین موجود ہونگی اس وقت روح کا ان شکلون مین ظاہر ہوکر ترقی کرنا اور بھی سہل ہوگا اور اس طرح پر معلوم ہوا کہ روحانی حشر ماننے والے کا اندیشہ کہ مادہ بیکار ہو جائیگا بے بنیاد ہے اور انکا عقیدہ کہ روح مجرد ترقی کریگی بے ثبوت ہے اور اسکے خلاف جسمانی حشر کا عقیدہ نظامِ عالم کے مطابق اور قرینِ قیاس ہے۔

بہشت اور اسکا سامان

افسوس ہے کہ روحانی جزا و سزا ماننے والون کیطرف سے کوئی ثبوت دیکھنے مین نہین آیا تا کہ اسکی نسبت غور کیا جاتا اور انکی جس قدر قوت ہے وہ جسمانی حشر پر اعتراض کرنے مین صرف ہوتی ہے اور اعتراض بھی اگرچہ ظریفانہ مذاق کو پورا کرنے سے زیادہ قیمت نہین رکھتے مگر چونکہ ان بزرگوارون کا یہی عطیہ ہے اسلئے ہمین بھی ان سے لطف اٹھانے مین دریغ نہین چنانچہ یہ دکھانے کے لیے کہ جسمانی حشر و نشر انسان کی اپنی طبیعت کا اختراع ہے۔ سوامی ویکانند فرماتے ہین[1] کہ

"عرب مین پانی کا قحط ہے اسلئے عربی پیغمبر نے ایسا جنت ایجاد کیا جسمین محلون کے نیچے دریا بہتے ہون میرے وطن مین بکثرت سیلاب آتے رہتے ہین اور پانی کی بہت افراط ہے اسلئے اگر مین یا یورپ والے بہشت کا خیال باندھتے تو ایسی جگہ فرض کرتے جہان سالون مین کبھی ایک آدھ دفعہ بارش ہو"

اِس اعتراض مین ظاہر کیا گیا ہے کہ جو آسائش کا سامان بہشت مین فرض کیا گیا ہے وہ خود دنیا مین آسائش کا موجب نہین چنانچہ جن کو اِس سے سابقہ پڑا ہے وہ اسکی تکلیف سے تنگ ہین اسلئے بہشت مین جہان کوئی تکلیف نہ ہونی چاہئے یہ صورت کیونکر موزون ہوگی؟ اور بیشک دریاؤن کی کثرت اور سیلابون کا زور جس ملک مین ہو وہان والون کیلئے ایسا ہی باعثِ عذاب ہے جیسے آتش فشانی یا زلزلہ اور ہمکو افسوس ہے کہ سوامی جی ایسی تکلیف مین رکھے گئے۔ مگر حقیقت مین دریا اور چیز ہے اور نہر کا لفظ جو قرآن مین مذکور ہے اور معنی رکھتا ہے۔ دریا اس روانی کو کہتے ہین جو اختیار مین نہ ہو اور اپنے زور سے

[1] کتاب گیان یوگ ویدانت فلاسفی باب سیزدہم۔

جس طرف رُخ کرے رکاوٹون کو دور کرتی ہوئی نکل جائے مگر اسکے خلاف نہر کی روانی اپنے اختیار مین ہوتی ہے اور اس کا پانی جہان ضرورت ہو اپنی مرضی سے پہنچایا جاتا ہے۔ اور یہی ترجمہ کا ذرا سا تفاوت ہے جس سے مضمون کو بدنما کرنے مین کامیابی ہوئی ہے۔ چنانچہ دریا اگر اپنے گرد نواح کو فائدہ پہنچاتا ہے تو سیلاب کیوقت نقصان بھی بہت کرتا ہے مگر نہر سے کسی نقصان کا اندیشہ نہین ہوتا۔ بلکہ پانی بہم پہونچانے کی سب سے مکمل صورت ہی یہ ہو سکتی ہے اور موجودہ تہذیب نے اس طریقہ کو یہان تک ترقی دی ہے کہ صرف زمین مین نالیان کھود کر پانی کو نشیب کیطرف لانے کے علاوہ مشینون اور نلکون کے ذریعہ سے چھوٹی چھوٹی نہرین گھرون کے کونے کونے تک پہونچائی جاتی ہین اور جو راحت اور آسایش اس تدبیر سے پیدا ہوتی ہے وہ آبرسانی کے کسی اور طریق سے ممکن نہین اور سوامی جی کے وطن کی نسبت تو ہم کہہ نہین سکتے شاید وہان والون کو پانی کی جھلک بھی ناگوار ہو۔ مگر اور سب جگہ نہر کی یہ مختلف شکلین بالضرور راحت اور آسائش کا موجب ہین اور خود یورپ مین اس طرح کی نہرین کئی کئی منزل کے بالاخانون تک پہونچتی ہین اور جو لوگ ان کے فواید سے آشنا ہین اگر وہ اس حالت مین نہ رکھے جائین تو یقیناً اپنے تئین دوزخ مین سمجھین۔ غرض دنیا مین کوئی ملک ہو راحت اور خوشحالی کا سامان اس سے بڑھکر نہین ہو سکتا کہ عالیشان مکان ہون۔ پائین باغ ہون اور پانی ہر جگہ با آسانی میسر آسکے اسلئے یہ اعتراض کہ بہشت مین جو سامان بیان کیا جاتا ہے وہ دنیا مین آسائش کا موجب نہین بالکل غلط ہے۔

رہی یہ بات کہ آیا بہشت مین بعینہ دنیا کے سے باغات اور نہرین ہونگی؟ سو اسکی کیفیت یہ ہے کہ بیشک جسمانی حشر ہے جس کو عقل تسلیم کرتی ہے اور جسمانی حشر ہے جس کا اسلام کو اعتراف ہے

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ (سیپارہ ۲۳ ع ۵)	انسان کہتا ہے کہ بوسیدہ ہڈیون کو کون زندہ کریگا کہدو وہی زندہ کریگا جس نے انکو پہلی بار پیدا کیا ہے۔

مگر اس عالم مین قوت بالواسطہ اور محدود و بمقدار مین اور خاص سمت سے مادہ پر عمل کرتی ہے اور آیندہ عالم کا وہ وقت ہو سکتا ہے اور اسکو اسلام تسلیم کرتا ہے جبکہ غیر محدود قوت بیواسطہ اور بے سمت جلوہ گر ہوگی

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا... وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ط (زمر پارہ ۲۴ ع ۸)	اور زمین اپنے خدا کے نور سے چمکیگی.... اور لوگون کا حق فیصلہ ہوگا۔ اور اُن پر ظلم نہ ہوگا۔

اسلئے اُس وقت کی تمام کیفیتین دنیوی فہم و ادراک سے بالاتر ہین۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ط (سجدہ پارہ ۲۱ ع ۲)	کوئی شخص نہین جانتا جو راحت ان کیلئے مقدر ہے

اور انکی نسبت صرف اسی قدر کہا جا سکتا ہے کہ جو سامان اُس وقت کیلئے مطلوب ہوگا وہ وہان کی ترقی یافتہ مخلوق کو بافراط میسر آئیگا جس طرح یہانکی ترقی یافتہ مخلوق کو یہان کا سامان بافراط میسر ہے

وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ط (زخرف پارہ ۲۵ ع ۱۳)	اس مین اُن کو ملیگا جو دل چاہے اور آنکھ کو بھلا معلوم ہو

اس کے بعد جو باغات اور نہرون کا ذکر کیا جاتا ہے تو نہین کہہ سکتے کہ ایسے ترقی یافتہ عالم مین اسی دُنیا کی سی نہرین اور باغات ہونگے لیکن چونکہ وہ عالم ہوگا جسمانی اسلئے ضرور ہے کہ کسی نہ کسی شکل کے جسمانی لوازم وہان موجود ہون اور جسمانی ہونے کی وجہ سے یہان کے جسمانی لوازم سے یک گونہ مشابہت رکھین۔ پس خواہ وہ نہایت اعلےٰ ہون اور یہ نہایت ادنیٰ مشابہت کی وجہ سے ان کے لئے یہان کے الفاظ استعمال کرنے جائز ہونگے اور یہ کہنا صحیح ہوگا کہ بہشت مین محل ہونگے باغات ہونگے اور ہر طرف نہرین جاری ہونگی "

ہم دیکھتے ہین کہ ہندوستان کے کسی دیہاتی کے سامنے جب یورپ کی وکٹ اور فٹن اور موٹر وغیرہ سینکڑون فیشن کی سواریون مین سے کسیکا ذکر کرنا ہو تو دیہاتی کی زبان مین چونکہ صرف ایک چھکڑے یا بہلی کا لفظ موجود ہے اور وہ یورپ کے مختلف الفاظ کو سمجھہ نہین سکتا اسلئے اس کے سامنے تمام سواریون کے لئے گاڑی اور بہلی ہی کہنا پڑتا ہے خواہ اُسوقت کوئی شوخ طبع یہ پھبتی اُڑائے کہ وحشی ہونیکے سبب بہلی کے سوا اور کچھہ دیکھا نہین اسلئے یورپ مین اسی قسم کی بہلیان فرض کرتا ہے مگر کہنے والیکو سننے والیکی استعداد کے موافق گفتگو کرنی ضرور ہے اور سننے والے کے دماغ مین

اور کوئی لفظ نہین اسلیئے بہلی ہی کہنا پڑتا ہے۔ اور دیہاتی کی عقل یورپ کی سواریون کا خیال قائم کرنے سے جس قدر کوتاہ ہے یہان والون کی عقل آنجہانی کیفیت کو تشخص کرنیکے لئے اس سے بہت زیادہ ناقابل ہے پس اُن کیفیتون کو یہان والون کے سامنے جو باغات اور نہرون کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے تو سمجہنا چاہیئے کہ جس قدر بہلی سے یورپ کی گاڑیان اعلٰے ہین یہان کے باغات اور نہرون سے وہان کا سامان اس سے بہت زیادہ برتر ہوگا اور یہ الفاظ کا قصور ہے جسکی وجہ سے صرف اتنے اظہار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

غرض اس موقع پر سوامی جی نے نہر کی بجائے دریا کا لفظ رکھ کر اپنے لکچر کو ایک ظرافت آمیز فقرہ سے مزین کیا تو اچھا ہوا کہ قہقہ اور چیرز کی آواز سے جو مسرت ایک ظریف کو حاصل ہوا کرتی ہے وہ سوامی جی کو میسر آئی۔ لیکن اگر انصاف پسندی کا ذوق ظرافت کے اشتیاق پر غالب ہوتا اور نہر کے لفظ کو واٹر ورکس اور پمپ سے ترجمہ کیا جاتا تو دیکھتے کہ عموماً محل اور باغ اور نہر اور پہر نہر کی یہ ترقی یافتہ شکلین اس عالم کی سب سے بڑی ضرورتین ہین اور معلوم ہوتا کہ اسلامی بہشت مین نہرون کا ذکر اسلیئے نہین کہ عرب مین پانی کا کال تہا بلکہ یہ شکل ہی ایسی ہے کہ بہشت کی اعلیٰ راحت کو ظاہر کرنے کے لیئے دنیوی سامان مین اس سے بہتر کوئی چیز نہین۔ اور اگرچہ اس ترجمہ پر چیئرز کا شور بلند نہ ہوتا لیکن راست بیانی مین جو روحانی لُطف ہے وہ ضرور خوش وقت کرتا۔

بہشتی عورتین — اسی قسم کا وہ اعتراض ہے جو کسی ستم ظریف نے بہشتی عورتون کی نسبت کیا ہے کہ انکی وجہ سے بہشت رنڈیون کا چکلہ معلوم ہوتا ہے۔ گویا عورتون کی وجہ سے بہشت نفسانی بداعتدالیون کے سوا اور کسی مصرف کا نہین۔ حالانکہ عورتین اس دنیا مین بہی پیدا کی گئی ہین اور پھر بہی دنیا ہے جسمین رہکر انسان نے ہزارون قسم کی جسمانی اور روحانی ترقیان کی ہین اور جو ترقی کرنے والے ہین اُن کے لیئے عورتون کی رفاقت کوئی مزاحمت نہین کرتی بلکہ ان کے جائز تعلقات اور بہی حوصلہ افزائی اور اطمینان کا باعث ہوتے ہین۔ بیشک ایک زمانہ تھا جبکہ عورتون کو محض نفسانی خواہش پوری کرنیکا آلہ۔ تمام برائیون کا سرچشمہ اور تمام انسانی

کمالات سے محروم سمجھا جاتا تھا اور اسلئے اُن وقتون مین جو لوگ کسیقدر فلسفیانہ دماغ رکھنے کے سبب نفسانی بے اعتدالیون کو بُری نظر سے دیکھتے تھی مگر وحشیانہ زمانہ کے اثر سے عورتون کی اصل قدر وقیمت نہین سمجھ سکتے تھے انکی تعلیم مین اکثر عورتون سے نفرت دلوائی گئی ہے اور اُن سے قطع تعلق کرنا باعث ترقی اور موجب نجات ٹھیرایا گیا ہے۔ اور وہی تعلیم ہے جو اگرچہ عملاً نہین مگر اعتقاداً اکثر لوگون کے دلون پر آجتک قبضہ کئے ہوئے ہے چنانچہ جو شخص یہی خیال رکھتا ہو اور عورت کے لفظ کو شرارت کا مرادف سمجھتا ہو وہ بیشک بہشت مین عورتون کے موجود ہونے سے اسکو رنڈیون کا چکلا سمجھنے مین مجبور ہے۔ مگر یہ اُسکے اپنے دماغ کا قصور ہوگا۔ اور ایسا وحشیانہ اعتقاد رکھنے سے واقع مین کوئی عالم عورتون کے وجود سے چکلا نہ بنجائیگا۔ کیونکہ حقیقت مین عورت کو بھی وہی دل و دماغ اور ہر طرح کے کمالات کی قابلیت دیگئی ہے جو مرد کو حاصل ہے۔ اور عورت مرد کے ہمدرد ہمراز اور تمام اغراض زیست مین کلّی متحد الخیال ہونیکے سبب مرد کا عورت کی جائز رفاقت مین بدی مین مبتلا ہونا ایک طرف خود یہی رفاقت بدخیالات اور نامناسب خواہشون کو رد کرنے مین اور ہر طرح کی خوبی اور برتری حاصل کرنے مین ایسی مدد دیتی ہے جو مرد کے لیئے مرد کی رفاقت مین ممکن نہین اور اسکی معیت مین جس قدر بے اعتدالی اور کجروی کا اندیشہ ہے اُسکا الزام عورت کی ذات پر نہین بلکہ اُن بدعادتون پر ہے جنمین مرد بھی ایسا ہی مبتلا ہوتا ہے جیسے عورت۔ اور جہان یہ صورت ہو بلکہ پاکباز عورت کسی مرد کی ہمنشین ہو تو اسکے اثر سے مرد کو بھی بڑی حد تک پاکبازی کی ترغیب ہوتی ہے اور اگر دونون نیک نہاد ہون تو اُن کے لیئے خود یہی دُنیا بہشت کا نمونہ ہے اور ایسا گھرانہ اخلاقی اور روحانی کمالات کے اس معراج کو پہونچ سکتا ہے جو تجرد مین بسر کرنیوالون کے امکان مین نہین۔ کیونکہ ایسے لوگون کے دلمین اکثر بدخیالات کا ہجوم رہتا ہے مگر نیک عورت کی رفاقت مین ایسے خیالات گذر نہین پاتے اور تمامتر قلبی توجہ روحانیت اور عالم بالا کے مشاہدہ و مراقبہ مین صرف ہوسکتی ہے۔

پس جب یہ کیفیت ہے اور عورت کا عنصر انسانی ترقی کیلئے ایسا ضروری ہے تو بہشت جو اعلا انتہا

ترقی کا گھر ہے۔ امین عفیفہ عورتوں کا وجود کیونکر نفسانی بے اعتدالیوں کا باعث ہوگا اور کیا وجہ ہے جس سے وہ چکلا کہلانیکا مستحق ہے اور اگر کسی تاریک زمانے میں ایسا اعتراض صحیح سمجھا جاتا تھا تو آج جبکہ زمانہ عورت کی قدر و قیمت کو بخوبی سمجھ چکا ہے اور

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط عورتین تمہارا لباس ہین اور تم ان کا لباس ہو

(بقرہ پارہ ۲ ع ۲۳)

کی آواز جو ایک عرصہ تک غیر مانوس سمجھی جاتی رہی ہے اب اُسکی صداقت سے کسی عاقل کو انکار نہین ہوسکتا اس وقت عورتون کے وجود سے بہشت کو چکلے کا خطاب دینے والے نہین معلوم کس زمانے کی روح اپنے جسم مین رکھتے ہین ٭

تناسخ | آیندہ زیست کے متعلق روحانی جزا و سزا کے بعد ایک اور احتمال قابل غور ہے اور وہ یہ کہ یہان کی نیک و بد جزا و سزا کیلئے اسی جہان مین پیدا کئے جاتے ہین اور اپنے اعمال کے مطابق نیک یا بد حالت مین رہتے ہین۔ اِس احتمال مین حشر جسمانی فرض کیا گیا ہے اور جس طرح روحانیت کے حامیین کو مادہ کی موجودہ شکل کے تباہ ہونے پر اسکی آیندہ ترقی سے انکار تھا اسی طرح ان لوگون کو بھی یہ مسئلہ مسلم نہین ہے مگر روحانیت والے اِس زیست کے بعد روحانی فضا مین ایسا بلند اُڑتے ہین کہ فہم و ادراک کی تمام گرفتون سے پرے نکل جاتے ہین اور یہ لوگ اپنی جگہ پر ایسے جمکر بیٹھتے ہین کہ آئندہ کے لیئے یہی کہین اور جانا گوارا نہین کرتے اور ہمنے جو ان دونون کے خلاف اس نظام کے بعد ایک اور نظام کو قرین قیاس سمجھا ہے تو اسلئے کہ ہم مادہ کے انقلابون سے تسلیم کرتے ہین کہ ایک دن یہ نظام ختم ہوجائیگا اور قوت کو مادہ مین حرکت کرتے ہوئے اور بتدریج اسکی بعض اجزا کو چھوڑتے ہوئے اور مرکز کیطرف جاتے ہوئے دیکھ کر سمجھتے ہین کہ قوت اسی رفتار سے ایک دن اپنے اصلی مرکز پر جاکر ٹھیر جائیگی اور مرکز اگر دائمی ہے تو اس وقت قوت کا فیضان بھی ایک حالت پر قرار پکڑ لیگا۔ اور پھر ہم دیکھتے ہین کہ بعض اجزا سے قوّت کے خارج ہوجانے پر اور مادہ کی حالت بدلنے پر واقع مین کوئی تباہی واقع نہین ہوتی بلکہ مادہ آئندہ انقلاب مین پہلی صورت کے مناسب حال کوئی اور اعلیٰ شکل مین

جلوہ گر ہوتا ہے اور اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ جس مادہ نے انسانی شکل تک ترقی کر لی ہے وہ آیندہ اِس زیست کے مناسب حال اور لطیف تر شکل اختیار کریگا - اور اس سلسلہ خیال سے ہمنے سمجھا ہے کہ مذہب کیطرف سے جو جسمانی حشر و نشر کا دعوی پیش ہوا تھا اس کے لیئے دنیا مین قرائن اور علامات موجود ہین اور چونکہ روحانی حشر کے لیے کوئی ایسا ثبوت پیش نہین ہوسکتا اس لیئے ہمنے اس پر یقین کرنے سے معافی مانگی تھی - اب جو یہ دوسرا دعوی پیش کیا جاتا ہے تو اس پر بھی یقین جبھی ہوسکتا ہے کہ مناظر قدرت اِسکی شہادت دین اور ضرور ہے کہ جو ثبوت پیش کیا جاتا ہے اُس مین غور کیا جائے اور چونکہ روحانی جزا و سزا کی نسبت ثبوت پیش نہین ہوسکتا تھا اسلیئے اس کی نسبت فیصلہ بھی مختصر تھا مگر اس دوسرے احتمال کو ماننے والے اسکے ثبوت پر بہت کم زور دیتے ہین اس لیئے روحانیت کی نسبت اسمین کسی قدر تفصیلی بحث ہوسکتی ہے -

اختلاف حالات اور تناسخ | چنانچہ مناظر قدرت مین سے انسانی حالت کا تفاوت ان لوگون کے نزدیک اس مسئلہ کا بیّن ثبوت ہے اور وہ کہتے ہین کہ بنی نوع انسان ایک دوسرے سے بہت مختلف اور متمائز حالات رکھتے ہین بعض غریب ہین بعض امیر بعض بیوقوف ہین بعض عقلمند بعض مریض ہین اور بعض تندرست - اور یہ اختلاف حالت ضرور کسی نہ کسی بھلائی یا برائی کا عوض ہے ورنہ خدا تعالی جو ان حالات کا خالق ہے ظالم ٹھیرتا ہے - اور ان مین سے وہ حالات جو بعد از سن رشد پیدا ہوتے ہین انکی نسبت گمان ہوسکتا ہے کہ وہ اسی زندگی کے عملون کا نتیجہ ہین - مگر جو طفولیت مین پیش آتے ہین یا مادر زاد ہوتے ہین ان حالات کو اس زندگی کا نتیجہ نہین کہہ سکتے پس ضرور ہے کہ اس زندگی سے پہلے کوئی اور زندگی ہوگی جس کے اعمال کی جزا و سزا اس زندگی مین دی گئی اور اسی طرح اس حالت موجودہ کی مکافات کسی آیندہ زندگی مین ملیگی اور یون آمد و رفت کا ایک غیر متناہی سلسلہ ثابت ہوتا ہے ٭

کوئی درجہ اختلاف سے خالی نہین ہوسکتا - | اِس دلیل مین فطری اختلاف کی علت تلاش کرنے کے لئے اس زیست سے پہلے اور زیست فرض کیگئی ہے اور چونکہ اس زیست کو بھی بغیر مختلف حالات کے تسلیم

نہین کر سکے اسلئے اس سے پہلے اور نیست مانی گئی ہے اور یون پیچھے کو سلسلہ زندگیان مانتے ہوئے جب یہ وقت پیش آئی کہ خود یہ ہین اور یہ نظام قدیم ثابت نہ ہو سکا اور ایک وقت پر اس کا آغاز ماننا پڑا اور آغاز ماننے سے ایک وقت پر انسان کا اول دفعہ مختلف حالتون مین پیدا ہونا لازم آیا تو اس قبلیہ سے پہلے عوالم فرض کئے گئے اور مانا گیا کہ اسی طرح کے انسانی آبادیان پہلے بھی ہوتی آئی ہین جن کی روحین ان عوالم کے تباہ ہونے پر آئندہ عوالم مین آباد ہوتی گئین اور اختلاف کو اپنے ساتھ لیتی آئین لیکن ایک مشکل امر کو واقعہ فرض کر لینے کے بعد جو اور دقتین پیش آتی ہین ان کے لیئے مشکل سے مشکل تر دعوون کا بے ثبوت ماننا تھا اور بات ہے ورنہ عقلی اور نیز مذہبی طور پر دیکھتے ہوئے قدیم خدا کے سوا اور کوئی نہین - اور جن لوگون نے اپنی فیاضی سے قدامت کے منصب کو تقسیم کرنا چاہا ہے وہ بھی خدا کے ساتھ مادہ کو یا زیادہ سے زیادہ روح کو اس فخر مین شریک کر سکے ہین - اور ان تینون کے سوا مادہ کی مختلف شکلین اور امتزاج اور مادہ کے مختلف تعلقات خواہ کیسے ہی دیرینہ اور مسلسل ہون مگر ان کے حادث ہونے مین شک نہین اور اول تو ان کا مرکب ہونا خود ہی حادث کی دلیل ہے اور دوسرے روح اور مادہ کو قدیم مانکر خدا کی خدائی اور اس کا دخل و تصرف ہی صرف یہ ہے کہ مادہ کو مختلف شکلون مین جلوہ گر کرے اور روح کو مادہ کے ساتھ ملا کر انواع و اقسام کی مخلوقات بنائے اور اگر اس فعل کو بھی قدیم اور نامخلوق مانا جاوے تو دنیا کو خدا سے کوئی تعلق نہین رہتا پس خواہ اس عالم سے پہلے ہزارون بلکہ لاکھون اسی طرح کی انسانی آبادیان فرض کیجائین ایک وقت ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے جبکہ خدا نے مادہ اور روح کو ان کے قدیم سکون اور راحت سے نکال کر اس سلسلہ کو جاری کیا ہوگا اچھا تو اس وقت جبکہ ارواح کو اجسام مین پہلی دفعہ آنے کا موقع ملا ہوگا چونکہ کوئی گذشتہ تخم نہ تھا جسکی وجہ سے وہ مختلف حالتون مین ظہور کرین اسلئے اسوقت نہ غربت اور امارت کا تفاوت ہوگا نہ نادانی اور دانائی کا اور نہ ضعف و توانائی کا بلکہ حیوانون کے اندر بھی چونکہ انسانی روحین مانی جاتی ہین جو زیادہ بداعمالی کے سبب ان جونون مین داخل کیگئی ہین اور اس ذلیل حالت کو بھگت رہی ہین اس لیئے اس وقت یہ کیفیت بھی نہ ہوگی اور تمام بری اور بحری حیوانات مفقود ہونگے اور چونکہ عورت مرد مین بھی

بڑا تفاوت ہوا اور یہ فرقہ بھی بعض ایسی تکلیفیں برداشت کرتا ہے جن سے مرد کو سابقہ نہیں پڑتا۔ اسلئے اسوقت یہ تفاوت بھی نہ ہوگا۔ غرض یہ کہ اگر حالات کا اختلاف تناسخ کے سبب سے ہو تو لازم آتا ہے کہ ابتدا سے آفرینش میں صرف عاقل تندرست۔ توانا اور صاحب ثروت مرد پیدا ہوئے ہوں گے۔ مگر یہ نتیجہ صریح غلط ہے اس لیے کہ اول تو علوم عقلیہ کی شہادت یہ ہے کہ پیدائش کی ابتدا جب کبھی ہو حیوانات سے ہوئی ہوگی اور انسان سب کے بعد پیدا ہوا ہے اور انسان بھی ابتدا میں سب برابر اور نئی حالت میں تھا۔ اور دوسرے یہ بھی یقینی ہے کہ ایسی حالت میں وہ مخلوق ہرگز قائم نہیں رہ سکتی کیونکہ مختلف حالات نہ ہونے سے دنیا کے کاروبار چل نہیں سکتے اور حیوانوں کے نہ ہونے سے لاتعداد فائدے اور ضروریات مفقود رہتی ہیں اور عورتوں کے نہ ہونے سے آئندہ نسل جاری نہیں رہ سکتی اسلئے ابتدا میں اگر ایسی مخلوق پیدا ہوتی تو ضرور تھا کہ چند روز میں تباہ ہو جاتی مگر چونکہ ایسا نہیں ہوا اور انسانوں کا سلسلہ برابر جاری رہا ہے اسلئے ماننا پڑتا ہے کہ ابتدا سے یہ تمام اختلافات جو قیام اور ترقی کے لئے ضروری ہیں موجود رہے ہونگے اور جب ابتدا سے ہیں تو ضرور ہے کہ تناسخ کی وجہ سے نہیں ہیں۔

روح جسم سے پہلے موجود نہیں تھی

غرض ہم دیکھتے ہیں کہ حالات کا اختلاف قیام عالم کے لئے ایسا ضروری ہے کہ پیدائش کا کوئی وقت اسکے بغیر فرض نہیں کیا جا سکتا اور اسلئے اسکو گذشتہ زندگی کا نتیجہ اور انسان کے اپنے اعمال کا اثر نہیں کہہ سکتے۔ اور اس موقع پر جو خیال کیا جاتا ہے کہ انسان کے اپنے عمل کے بغیر اسکی حالت کو بہتر یا بدتر بنانا ظلم ہوگا تو یہ خیال پیدا ہونے اور اسکی وجہ تلاش کرنے کی ضرورت اسی لئے واقع ہوئی کہ پہلے اصول موضوعہ کے طور پر ارواح کو اور اجسام کو دو جداگانہ مشخص چیزیں مانکر ارواح کے وجود کو قدیم مان لیا گیا تھا اور پھر اکثر اجسام کو ناقص اور عمدہ زیست کے ناقابل دیکھ کر خیال ہوا تھا کہ ان ارواح کا کیا قصور ہے جو ایسے اجسام میں داخل کیگئیں اور ان ارواح میں کیا خوبی ہے جو عمدہ اجسام رکھی گئی ہیں۔ اور پھر یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ شاید ارواح کے اپنے نیک اور بد اعمال ہوں گے جنکی جزا و سزا اس شکل میں دی گئی اور چونکہ اعمال جسم میں داخل ہونے کے بغیر ہو نہیں سکتے۔ اس لئے موجودہ زندگی سے پہلے اور جسمانی زندگیاں فرض کیگئی تھیں۔ مگر علاوہ ان قباحتوں

کے جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں حقیقت میں یہ اصول موضوعہ ہی غلط ہے اور بیشک جسم میں روح کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا لیکن یہ کہ وہ جسم سے پہلے موجود تھی یا یہ کہ قدیم ہے یہ عقل کا فیصلہ اسکے خلاف ہی۔ یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ قدیم ایک سے زیادہ ہو نہیں سکتے۔ رہا ارواح کا اجسام سے پہلے پیدا کیا جانا اور پھر جسم میں داخل کرنا اس کی نسبت امام غزالی علیہ الرحمہ قرآنی آیت فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (حجر پ۱۴ ع۳) جب ہم اسے بنایا اور اسمیں اپنی روح پھونکی کی تفسیر میں فرماتے[1] ہیں کہ

"ارواح اگر اجسام سے پہلے موجود ہوں تو یا وہ ایک ہی روح ہوگی یا بہت ہونگی۔ اگر ایک ہو اور وہی تمام اجسام سے تعلق رکھے تو چاہئے کہ جو اوصاف و عادات زید میں ہوں وہی عمر میں ہوں حالانکہ یہ غلط ہے۔ اور اگر بہت ہوں تو اس صورت میں وہ یا ایک دوسری سے مشابہ ہونگی یا مغائر لیکن کوئی دو چیزیں باہم مشابہ ہوں اور پھر دو ہیں یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ کسی نہ کسی وجہ سے ان میں مغائرت بھی ہو۔ مثلاً ایک ہی مقدار کی سیاہی دو جسموں میں ہو تو اپنی مقدار کی جہت سے وہ ہم مثل ہے اور دو جسموں میں ہونے کے سبب دو سیاہیاں کہلاتی ہیں یا ایک ہی جسم میں ایک دفعہ ایک سیاہی موجود ہو اور دوسرے وقت میں دوسری تو سیاہی ہونے میں وہ دونو ہم مثل ہیں اور زمانہ کے اختلاف سے دو ہیں۔ یا ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ پر جو سیاہی موجود ہے اگر ہم ذہن میں اسکو تقسیم کریں تو سیاہی ہونے کی وجہ سے ہم مثل اور دائیں بائیں جانب واقع ہونے کی وجہ سے اسے دو ٹکڑے کہ سکیں گے لیکن اگر کوئی چیز ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ پر موجود ہو اور تقسیم بھی نہ ہو سکے تو وہ کسی طرح دو نہیں ہو سکتیں۔ پس ارواح بھی اگر اجسام سے پہلے موجود ہونگی تو متعدد اسی صورت میں ہو سکتی ہیں کہ بالکل ہم مثل نہ ہوں اور کسی نہ کسی وجہ سے باہمد گر متفاوت ہوں۔ اب انکو باہمد گر متفاوت ماننا تو دیکھنا چاہئے کہ تفاوت دو قسم کا ہے۔ ایک ماہیت اور نوع کا تفاوت ہی جیسے آگ اور پانی یا سیاہی اور سفیدی میں۔ اور ارواح میں یہ تفاوت ممکن نہیں کیونکہ زید و عمر کی نوع اور ماہیت ایک ہی اور ایک ایسی اعراض کا

[1] کتاب المضنون الصغیر الموسوم بالاجوبۃ الغزالیۃ فی المسائل الاخرویۃ +

تفاوت ہوتا ہے جو ماہیت مین داخل نہ ہون جیسے گرم اور سرد پانی ہین۔ اور ارواح مین یہ تفاوت بھی نہین ہوسکتا کیونکہ ایک ماہیت پر مختلف عوارض اسی صورت مین آسکتے ہین کہ اُسکے بیرونی تعلقات مختلف ہون۔ مثلاً پانی کی ماہیت ایک ہے اور پھر کھاری یا میٹھا اور گرم یا سرد اور مفید یا مضر وغیرہ صفات جو اسکو عارض ہوتی ہین تو اسی لیئے کہ بیرونی اشیا اس پر اثر کرتی ہین اسلئے ارواح مین بھی جو عوارض کا اختلاف پیدا ہوسکتا ہے تو اسی وقت جبکہ وہ اجسام سے متعلق ہون اور اجسام سے پہلے چونکہ کوئی تعلق موجود نہین اسلیئے عوارض کا کوئی اختلاف بھی نہ ہوگا اور جیسا ان کے اجسام سے پیشتر موجود ہونے کی تمام صورتین یعنے ایک ہونا یا متعدد ہونا اور متعدد ہوکر ہم شکل ہونا یا متفاوت ہونا سب ناممکن ہین تو ارواح کا اجسام سے پیشتر موجود ہونا بھی ممکن نہین۔ البتہ جسم مین رہکر چونکہ صفائی یا کدورت اور نیکی یا بدی وغیرہ عوارض پیدا ہوگئے ہین اسلئے جسم سے مفارقت کرنے پر انکا متعدد ہوکر اور ان عوارض کے سبب باہم متغائر ہوکر موجود رہنا ممکن ہے"

غرض یہ کہ زندہ جسم مین چونکہ روح کے نشانات پائے جاتے ہین اور اُسکا جسم سے پہلے موجود ہونا قرین قیاس نہین اسلیئے یہی کہنا چاہیئے کہ جس وقت کسی جسم مین زیست کی قابلیت پیدا ہوتی ہے اسیوقت حکم ربانی سے اِس جسم کے حسب حال روح پیدا ہوجاتی ہے چنانچہ امام موصوف فرماتے ہین کہ "حق یہ ہے کہ روح انسانی اسیوقت پیدا کیجاتی ہے جبکہ نطفہ اسکو قبول کرنے کے لئے مستعد ہو" اور جب یہ کیفیت ہے تو جیسا کہ اہل وحدت شہود کا خیال ذکر کیا جاچکا ہے انسانی حالت کا بلکہ دیگر تمام مخلوقات کا اختلاف اسی لئے ہے کہ مادہ بتدریج عدم سے وجود کیطرف آرہا ہے اور اُسکے تمام درجات مین جس جس قدر عدم کا ظہور ہے اسی قدر نقص اور عیب پائے جاتے ہین اور جس قدر وجود مین ترقی ہوئی ہے اسی قدر کمال اور خوبی کا ظہور ہورہا ہے۔

چنانچہ اسکے رو سے اگر انسان امراض و تکالیف مین مبتلا ہوتا ہے تو اسی واسطے کہ عدم ہونے کے سبب کامل وجود اسکو حاصل نہین ہوا اور اگر کسی قوم مین مراعیل اور اپاہج زیادہ ہوتے ہین تو اسی لیئے کہ وہ دوسری

قوم کی نسبت کمال وجود مین اور بھی کم ہے اور ترقی یافتہ اقوام مین بھی بعض افراد بدحال آفت رسیدہ مرجود رہتے ہین تو اسی لیے کہ ایسا وجود جو عدم سے نکلا ہو ہمہ وجوہ کامل نہین ہوسکتا اور اگر بچے جوانوں کی نسبت زیادہ تباہ ہوتے ہین تو اسی لیے کہ وہ جوانون کی نسبت نور وجود سے کم منور ہین۔ اور اگر کوئی انسان دوسرے کو قتل کرتا یا نقصان پہونچاتا ہے تو اسی لیے کہ وجود کی جس قدر تکمیل نوع انسانی مین ہونی چاہیئے وہ ابھی اُس حد کو نہین پہونچا اور اسی طرح انسان سے کمتر درجات مین جو نقص اور عیب ہین تو اسی لیے کہ شاہراہ وجود مین وہ اور بھی پیچھے ہین۔ غرض جو کچھ نقص ہے وہ اپنی اصلیت یعنی عدم کا ہے اور خدا نے جو ہمکو پیدا کیا تو اسی لیے کہ خیر پیدا ہو کر ترقی کرے[۱]"

اور اس بنا پر انسان اور حیوانات مین روح کو پیدا کرنا اور ناقص وجود کو ناقص اور اس سے کامل تر وجود کو کامل تر بنانا خدا کیطرف سے ظلم نہین بلکہ انعام ہے کہ جس جسم مین کسی قسم کی روح حاصل کرنے کی قابلیت پیدا ہوئی اُسے اسی قسم کی زندگی دیدی گئی یا بالفاظ دیگر اسمین اسی قسم کی روح پیدا کر دی گئی۔ ظلم جب ہوتا کہ مادہ مثلاً نباتیت سے ترقی کر کے حیوانی روح حاصل کرنے کے قابل ہوتا مگر اسکو اس ترقی سے محروم رکھا جاتا اور جیسی روح اس درجہ مین پیدا ہوسکتی ہے وہ عطا نہ ہوتی۔ یا حیوانیت سے ترقی پا کر وحشی انسان بننے کے قابل ہوتا مگر اسکا حیوانی درجہ سے بڑھنا جائز نہ رکھا جاتا۔ یا نطفہ مین قوت بینائی کے سوا اور تمام قابلتین انسانی روح حاصل کرنے کی موجود ہوتین لیکن اسکو نابینا انسان بنانے کی بجائے بیجان نطفہ رہنے دیا جاتا۔ یون کہنے کو تو اسوقت کہا جائیگا کہ نابینائی کی تکلیف اُٹھانے سے یہی بہتر تھا کہ وہ بیجان رہتا۔ مگر یہ خیالی فیصلہ ہے اور انسانی وجود کو خواہ کیسا ہی ناقص ہو بیجان مادہ سے بدتر سمجھنا غلط دعوی ہے اور ایسا خیال کرنیکے وقت اُس اندھے سے پوچھنا چاہیئے کہ وہ اپنی اس تکلیف پر موت کو ترجیح دیتا ہے؟ جس کا جواب وہ یقیناً اپنی لاٹھی سے دیگا اور کبھی فنا اور موت پر راضی نہ ہوگا اور یہی حال اور تمام ادنٰی حالت والون کا ہے بلکہ حیوانون تک کوئی بھی اپنے موجودہ نقص کے سبب فنا پر رضامند

نہین ہوتا اور کیسی ہی تکلیف ہو انمین بسر کرنے کو موت سے بہتر سمجھتا ہے اور بات یہی ہے کہ خواہ اورون کی نسبت کیسی ہی بُری ہو مگر پھر بھی وہ اچھی چیز ہے جو مخلوق کو جلیلے قدر مراتب زندگی اور رُوح کے نام سے عطا ہوئی ہے۔

بعض پیدائشی میلان مختلف ہوتے ہین

مسیو لوئی فگیئے لکھتے ہین کہ[1]

"اکثر انسانون مین بعض پیدائشی میلان اور رغبتین ہوتی ہین جو خواہ نیک ہون یا بد کسی تعلیم و تربیت اور کسی ترغیب و تحریص سے دور نہین ہو سکتین اور ان مین باہم اس قدر اختلاف ہے کہ ایک باپ کے دو بیٹے ہین۔ ایک علم و کمال کی طرف رغبت رکھتا ہے۔ اور دوسرا جہالت اور بدی کا مشتاق ہے۔ پس اگر یہ زندگی ابتدائی زندگی ہے تو ایک ہی ملک مین ایک ہی قوم اور ایک ہی گھر مین ایک ہی قسم کی تعلیم و تربیت کے ہوتے مختلف میلان کیونکر پیدا ہو سکتے ہین اور ضرور ہے کہ یہ سب گذشتہ زندگی کے نتائج ہین"

اثر پیدا ہونیکی صورتین

یہ باتین تو وہی ہین جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے مگر مسیو فگیئے اپنی معقول پسندی سے اختلاف حالات کو دیکھتے ہوئے اسباب کیطرف بھی توجہ کرتے ہین اور تلاش کے باوجود کوئی وجہ اختلاف موجود نہین پاتے اور بیشک اگر مادی سبب کوئی نہ ہو اور موجودہ صورتون مین مادہ بہمہ وجوہ مکمل ہو تو پھر اختلاف کا موجود ہونا ضرور باعث تعجب ہے اور انہون نے ایک باپ کے دو بیٹون کی مثال بھی ایسی پیش کی ہے جسمین دو مختلف شکلین بظاہر یکسان مادہ سے اور ایک ہی قسم کے حالات مین پیدا ہوئی ہین اسلئے ہمین بھی غور کرنا چاہیئے کہ کیا واقع مین مادہ اور حالات گرد و پیش مین کوئی اختلاف نہ تھا اور کیا فی الحقیقت اختلاف عادت کے لیے تناسخ کے سوا کوئی وجہ نہین ہو سکتی؟

عام طور پر اثر کا تفاوت

لیکن چونکہ عادت بھی ایک قسم کا اثر ہے اسلئے پہلے ہمین دیکھنا چاہئے کہ عام طور پر دنیا مین اثر پیدا ہونے کی کیا صورت ہوتی ہے اور بیشک ہم دیکھتے ہین کہ آگ جسطرح کبھی

[1] کتاب دی ڈے افٹر ڈیتھ باب شانزدہم۔

ہے اسمین جو چیز ڈال دیجائے خاک سیاہ ہوجاتی ہے دھوپ تیز ہوتی ہے تر چیز رکھدو سوکھی سب سوکھ کر کھر نکھ ہوجاتی ہے۔ ایسے عام اور قوی اثر بھی ہوتے ہین مگر ساتھ ہی ایسے اثر بھی نظر آتے ہین جو بہت آہستہ عمل کرتے ہین۔ درخت مین پھل پھول اور پتہ وغیرہ کے اجزا باہم پیوستہ ہوتے ہین مگر درخت کے اندر کی لہرین اور بیرونی واقعات کا اثر ان تک پہنچتا ہے تو سب پر ایک عمل نہین کرتا بلکہ بعض ذرات پر کچھ عمل کرتا ہے اور ان کے ساتھ کے پیوستہ ذرون پر کچھ اور۔ ایک ذرہ شوخ سرخ رنگ کا ہے تو دوسرا اُس کے پاس ہی براق سفید یا گہرا سیاہ۔ کسی لہر نے بعض اجزا کو بگاڑ دیا ہے۔ عفونت۔ افسردگی بلکہ سمیت پیدا کردی ہے تو قریب کے ذرات جن تک وہ لہر نہین پہنچی اپنی خوشگواری اور صحت فزائی کی حالت پر قائم ہین ایک شخص ایسے پھل کا ایک حصہ کھا لیتا ہے تو تکلیف اٹھاتا ہے اور دوسرا دوسرے حصہ سے لذت پاتا ہے اور آگ اور دھوپ کا عام اثر بھی جو ہم دیکھتے ہین وہ بھی حقیقت مین عام نہین۔ اسمین بھی یکسان جلنے والی چیز جلتی ہو اور یکسان خشک ہونیوالی خشک ہوتی ہے۔ ورنہ جن چیزون کی اجزا مین تری اور خشکی کا تفاوت ہو یا جو اجزا فاصلہ پر ہونے کے سبب آگ اور دھوپ کے کامل اثر سے متاثر نہین ہوتین وہ باوجود پیوستہ ہونیکے کبھی بالکل محفوظ رہتی ہین اور کبھی کم اثر قبول کرتی ہین اور جو تاثیر آگ اور دھوپ سے پیدا ہوتی ہے وہ بعض ذرات مین پورے طور پر نمایان ہوتی ہے اور بعض ذرات اِس کے خلاف اپنا پہلا اثر قائم رکھتے ہین۔ چنانچہ آگ سے پکے ہوئے کھانے مین بعض اجزا قابل ہضم ہوجاتی ہین تو بعض کو کھانے سے ہیضہ تک نوبت پہنچتی ہے غرض یہ کہ تمام سلسلہ کائنات کا ذرا ذرا تفاوت اگر دیکھنے والیکو حقیر معلوم ہوتا ہے مگر قدرت کا عمل انہی تفاوتون سے بڑے بڑے نتائج پیدا کرتا ہے۔

انسانی خیالات کا آثار چڑھاؤ ان واقعات کو پیش نظر رکھنے کے بعد چونکہ انسانی عادات وخصائل کا ذکر ہے اِسلئے انسانی خیالات کے اُتار چڑھاؤ کو بھی دیکھنا چاہئے کہ اس کے دل مین مختلف اور بعض اوقات نہایت مخفی اسباب سے ایسے انقلاب ہوتے رہتے ہین کہ ابھی کوئی شخص رحم محبت

اور خوف خدا کے غلبہ سے کانپ رہا ہے اور آنجہانی خیالات مین محو ہو کر دنیوی لذائذ سے متنفر ہے
اور ابھی فور اً دل مین کوئی ایسی لہر اُٹھی ہے کہ ایک طرف دُنیا کا لالچ پیدا ہو گیا ہے دوسری طرف
شہوانی خیالات نے غلبہ کیا ہے اور انسان ایسا مغلوب ہو گیا ہے کہ خدا کا وصیان اور آنجہانی
غور و فکر سب بھول گئے ہین اور کوئی دھکیلنے والا اسے گناہ کیطرف دھکیلنے لگتا ہے اور ادھر
کسی وقت رندی و سیاہ کاری کے خیالات مین غرق ہے مگر دفعتہً ایسی ہیبت طاری ہو گئی ہے کہ
تہوڑی دیر کے لئے اس کا دل عابد صد سالہ سے بھی زیادہ منور ہو گیا ہے اور یہ انقلاب نہ صرف انہی
لوگون کو پیش آتے ہین جو تہوڑی دیر کے لیے کسی خاص خیال مین مصروف ہوئے ہون بلکہ تمام
عمر سیہ کاری مین بسر کرنیوالے اکثر اوقات ایک آن مین نیکی کیطرف راغب ہو جاتے ہین اور مدۃ العمر
زہد و پارسائی کی مشق کرنیوالے دفعتہً اپنے اندر گناہ کا وسوسہ موجود پاتے ہین اور نہ صرف کبھی کبھار
بلکہ ایسے جذبات دل مین پیدا ہمیشہ ہوتے رہتے ہین البتہ مدت تک ایک ہی قسم کی مشق کرنیوالون
مین مخالف جذبہ کا عملی ظہور ضرور کسی بڑی قوت پر منحصر ہے اور کمتر واقع ہوتا ہے

جذبات کا اثر جسم پر اور پھر ان جذبات کا اثر دوران خون اور دیگر جسمانی حرکات اور اعضا پر
ایسا ہوتا ہے کہ کبھی تمام جسم کانپ اُٹھتا ہے اور کبھی لذت یا خوف کی لہر سر سے پاؤن تک جاتی
معلوم ہوتی ہے کبھی عرق آتا ہے اور کبھی جسم گرم ہو جاتا ہے یا چہرہ تمتماتا ہے اور ایسے اثر کبھی زور
سے ہوتے ہین کبھی ہلکے۔ اور کبھی یہ لہرین تمام جسم مین پھیل جاتی ہین اور کبھی خاص خاص حصون
تک محدود رہتی ہین۔

جذبات کا اثر نسل پر اور پھر انسانی خیالات کا اثر اُسکی نسل پر دیکھا جائے تو انواع و اقسام کی عادتین
نہ صرف صلبی اولاد مین بلکہ اولاد کی اولاد اور انکی نسلون مین اور قومون مین راسخ اور قائم نظر آتی
ہین جو کبھی کسی مورث کے قوی اثر سے اکثر فردون مین نمایان ہوتی ہین اور کبھی بعد کے اور اندرونی
اور بیرونی اثرون سے مخلوط ہو کر کبھی کبھی اور کسی کسی شخص مین دکھائی دیتی ہین۔

دو لطیفون کے اختلاف کیلئے موروثی اسباب ہو سکتے ہین ان حالات کو مد نظر رکھنے کے بعد غور کرنا چاہیئے کہ جس شخص کے ان متعدد بیٹے

مختلف اوقات میں پیدا ہوئے ہیں وہ شخص خواہ نیک ہو یا بد۔ مختلف جذبات اور وسوسوں کا اسکے دل میں پیدا ہونا بھی ایسا ہی ممکن ہے جیسا کہ اور لوگوں کے دلمیں۔ اور ان جذبات کا کسی وقت ایسا قوی ہونا بھی ممکن ہے کہ دوران خون اور جسم کے دیگر حرکات پر کم و بیش اثر کرے۔ اور پھر ایسے اثر بن کا اس وقت پیدا ہونا بھی ممکن ہے جبکہ اسکے جسم میں کوئی نطفہ تیار اور خارج ہونیکے قریب ہی بلکہ اس وقت بھی ایسے جذبات کا غلبہ کرنا ممکن ہے جبکہ نطفہ اسکے جسم سے خارج ہو رہا ہے۔ اور یہی کیفیتیں اس عورت کو پیش آسکتی ہیں جس کے رحم میں نطفہ قرار پاتا ہے اور جس کے رحم کے انڈے انسانی جسم کا بڑا حصہ بنتے ہیں۔ بلکہ جس وقت تک نطفہ اسکے رحم میں رہکر کمال کو پہونچتا ہے اس عرصے میں بھی کسی بڑے جذبہ کا پیدا ہونا اور اثر کا اسکے جسم پر اور جسم کے ساتھ جنین تک پہنچنا اور بھی ممکن ہے اور نہ صرف اسی عرصہ تک بلکہ ایام شیرخوارگی تک کے جذبات جو دودھ پلانے والی میں پیدا ہوں شیرخوار تک اثر پہنچا سکتے ہیں اور اس طرح ایک ولادت میں ایک اثر اور دوسری ولادت میں دوسرا اثر پیدا ہونا ممکن ہے۔

یہ تو وہ صورت ہی جبکہ ولادت کا زمانہ مختلف ہو اب اگر ایسی صورت فرض کیجائے جس میں دو توام بچے پیدا ہوئے ہیں[۱] اور خواہ اسکے ساتھ یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ ان دونو کے نطفہ نے ایک ہی توبت میں قرار پکڑا ہے تاہم وہ دو ہیں اور ایک انڈے اور ایک نطفہ کے ذرات دوسرے انڈے اور دوسرے نطفہ کے ذرات سے ممتاز ہیں۔ اور جس وقت وہ دونو تیار اور خارج ہونیکے قریب ہیں اس وقت خواہ انکے ذرات ایک دوسرے سے متصل واقع ہوں مگر جس ظرف میں ہیں اسکی کسی قدر فضا کو ضرور گھیرتے ہونگے اور علیحدہ جب دونو نطفے ماں کے رحم میں انڈوں سے ملے ہوں گے اس وقت بھی کچھ نہ کچھ فضا ان سے معمور ہوگی اور وہ دونو فضائیں

---

[۱] توام بچے پیدا ہونے کیلئے طبی طور پر کوئی خاص سبب معین نہ قرار نہیں پائی اور جو کچھ علمائے فرنگی آج تحقیق کر سکے ہیں وہ یہ ہے کہ عموماً عورت کے بیضدان سے ہر مہینہ پر ایک انڈا حرکت کرکے رحم میں آتا ہے اور اگر اس وقت مرد کا نطفہ اس سے ملجاتا ہے تو حمل قرار پاتا ہے۔ مگر کبھی کسی وجہ سے ایک بیضہ سے یا دونو بیضدون سے دو انڈے یا شاذونادر زیادہ بھی رحم میں آجاتے ہیں اور اگر مرد کا نطفہ سب سے ملجاتا ہے تو متعدد بچے ایک حمل میں پیدا ہوجاتے ہیں۔

دو نطفون کے ذرات کو گھیرنے کی وجہ سے دو حصون مین منقسم ہونگی اسلئے اس وقت یہی ممکن ہے کہ مان یا باپ کے دل مین کوئی جذبہ پیدا ہو اور جسم پر اثر کرے اور اسکی لہر وہان تک اگر ختم ہو جہان تک فضا مین ایک نطفہ یا ایک انڈے کے ذرات موجود ہین اور دوسرے نطفہ یا دوسرے انڈے کے ذرات تک وہ اثر بالکل نہ پہنچے یا کم پہنچے - اور اس کے علاوہ اگرچہ فرض کیا ہے کہ دونو نطفے ایک نوبت مین خارج ہوئے ہین مگر ایک نوبت مین خارج ہونیکی بہی حرکتین متعدد ہوتی ہین اسلئے ایک حرکت مین ایک نطفہ کے ذرات خارج ہونیکے بعد یہی ممکن ہے کہ دفعۃً کوئی نیک یا بد جذبہ غالب آ گئے کیونکہ جذبہ کا پیدا ہونا ایک آن کا کام ہے اور اسمین کسی عرصہ کی ضرورت نہین اور یون دوسری حرکت کے وقت اس جذبہ کا اثر دوسرے نطفہ پر عمل کرے اور اس وجہ سے ایک بچہ ایک خیال لیکر پیدا ہو اور دوسرا اس کے خلاف میلان رکھے ؀

پھر اسکے ساتھ اُن جذبات اور میلانون کا خیال بھی کر لینا چاہئے جو پرے کے آبا واجداد مین پیدا ہو چکے ہوتے ہین اور اُنکی لہرین اپنی قوت و ضعف کے مطابق نسل مین چند یا کئی پشتون تک پہنچتی ہین اور ان لہرون کے قوت و ضعف کے علاوہ یہ بہی ہوتا ہے کہ کسی شخص مین بعد کے واقعات اور بیرونی اثر کسی وقت کسی جذبہ کو بڑھا دیتے ہین اور اس لئے ایسے شخص کی اسوقت کی اولاد مین اُسکے اپنے جذبہ کا بہی اثر ہوتا ہے اور جو اسی قسم کا جذبہ مورث اعلے کیطرف سے سرایت کر چکا ہے وہ بہی اثر کرتا ہے اور اسلئے ایسے شخص کا بچہ دو قوتون سے متاثر ہو کر اس جذبہ مین اور بہی پختہ ہو جاتا ہے - اور یہ بہی ممکن ہے کہ باپ کا جذبہ کم طاقتور ہو اور تہوڑا اثر کرے لیکن اس تہوڑے سے میلان کی وجہ سے مورث اعلے کا اسی قسم کا جذبہ اس اولاد مین دوسری کی نسبت زیادہ قوت سے ظہور کرے ؀

پس جب یہ کیفیت ہے اور دنیا مین یہ اور اسی قسم کے اور ہزارون پیچ در پیچ اسباب کا سلسلہ جاری ہے تو ایک مان باپ - ایک سوسائٹی اور یکسان تربیت کو دیکھ کر غور کرنیوالون کو کیونکر یقین آتا ہے کہ مان باپ سوسائٹی اور تربیت کے علاوہ اور کوئی اثر کرنیوالا سبب باقی نہین - اور کیون نہین کہا جا سکتا کہ اسباب و علل کا دریا جو ابتدا سے جاری ہے ہر ایک ذرہ پر عمل کرتا ہے اور اس دریا

کی ایک لہر سے متاثر ہو کر ایک نطفہ تیار ہی ایسا ہوا تھا کہ اس کو پاکیزہ زندگی دیجائے اور دوسری لہر نے دوسرے نطفہ کو بنایا ہے ایسا تھا کہ وہ ناپاک روح کا مسکن ہو اور عدم سے وجود میں لانیوالی اور مردہ سے زندہ کرنے والی قوت ہر چیز میں جو قابلیت دیکھتی ہے اُسکے مناسب حال وجود اور زندگی کی شکل عطا کرتی ہے ؟

اب رہا یہ سوال کہ علت و معلول کا یہ سلسلہ کیوں جاری کیا گیا اور عدم سے وجود میں آنے کی تدریجی رفتار کیوں رکھی گئی جس سے وجود کی ناقص اور مکمل شکلیں مختلف پیدا ہوئیں سو پہلے مفصل ذکر ہو چکا ہے کہ دُنیا کو موجودہ نظام سے پیدا کرنے کی وجہ ہی عقدہ ہے جو حل نہیں ہو سکتا اور یہی ایک سوال ہے جس کا جواب نہ تناسخ کے عقیدہ سے ملتا ہے۔ نہ مہاتما بدھ کی تھیوری سے اور نہ روح اور مادہ کو قدیم ماننے اور نہ وحدت شہود کے استدلال سے۔ کیونکہ بدی او رعیب کی وجہ خواہ کچھ ہو اسکا ظہور اسی لیے ہوا ہے کہ دُنیا کو پیدا کیا گیا اور اگر ایسا نہ کیا جاتا اور خواہ مادہ اور روح موجود بھی ہوتیں مگر انہیں سکون کی حالت میں رہنے دیا جاتا تو سوائے عدم کے اور کوئی نقص موجود نہ ہوتا اور اگر خدا اسکے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تو اسکی قدرت محدود ہوگی لیکن جبکہ کسی نہ کسی مصلحت سے ایک دفعہ یہ عمل شروع ہو گیا ہے اور مادہ کو بتدریج ترقی دینے کا سسٹم جاری ہو چکا ہے تو پھر اسکے بعد آئندہ واقعات کیلئے ان تمام احتمالات میں سب سے زیادہ قرین عقل وہی خیال ہے جو اہل وحدت شہود پیش کرتے ہیں کہ اپنی رفتار میں مادہ جس جس حد تک ترقی کرتا گیا ہے اسی حد تک عمدہ شکلیں اور نیک اثر ظاہر ہوتے جاتے ہیں اور جس جس حد تک نقص باقی رہتا آیا ہے اسی حد تک عیب اور بدی کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ اور اس لئے شروع جس طرح پر کیا گیا ہے اسکی وجہ معلوم نہیں لیکن بعد میں نہ کسی کے ساتھ رعایت ہو اور نہ کسی پر ظلم

(ملاحظہ ہو باب دہم کتاب ہذا)

خدا کی خالقیت اور روح کی قدامت وغیرہ مسلمات سے تناسخ کا تعلق۔

دنیا میں انسانی حالت کا اختلاف ہی ایک ایسا واقعہ تھا جسے دیکھکر بعض غور کرنیوالوں نے تناسخ کا احتمال قائم کیا اور ہمنے دیکھا کہ اس واقعہ کو غور سے دیکھنے پر ثبوت کا تناسخ کا نشان نہیں ملتا اور اسکے علاوہ آن جن طریقوں سے اس

دعویٰ کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ان سے اگرچہ ثبوت کو کوئی واسطہ نہیں مگر کہنے والے ان کو بھی دلائل قاطعہ کا خطاب دیتے ہیں اسلئے دیکھ لینا ضرور ہے۔[1] چنانچہ کہا جاتا ہے کہ خدا کی صفت خالقیت قدیم ہے اور ادھر روح قدیم ہے اور نیز اسکے سب عادات و خصائل بھی قدیم ہیں اور کام کرنا اسکے خصائل میں داخل ہے۔ اور ایک اور موقع پر کہا گیا ہے کہ روح کا جسم کو دھارن کرنا بھی عادت ہے۔ ان باتوں کے ضروری ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا ہمیشہ ارواح کو مختلف اجسام میں داخل کرتا رہتا ہے۔

اس دلیل کے مقدمات میں سے ایک خدا کی خالقیت کا مسئلہ بیشک مسلم ہے اور کسی مذہب کو اس سے انکار نہیں۔ مگر ایک تو کوئی صفت رکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسکا بالفعل ظہور بھی ہر وقت ہوتا رہے۔ مثلاً انسان میں نوشت و خواند اور گویائی کی صفت ہے لیکن ضرور نہیں کہ وہ ہر وقت اس صفت کو ظاہر کرتا رہے بلکہ ایسی صفات کے ہونے سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے اس خاصہ سے کام لے سکتا ہے۔ اسی طرح خدا کی نسبت بھی دوام صفت کے یہی معنی ہیں کہ وہ جب چاہے ان کا ظہور کر سکتا ہے کیونکہ وہ علاوہ اور صفات کے علم اور ارادہ کی صفت بھی رکھتا ہے اور کوئی کام مجبور ہو کر نہیں کرتا اسلئے صفت خالقیت میں بھی وہ مجبور نہیں کہ ہر لحظہ اور ہر وقت اسکا ظہور ہوتا رہے اور دوسرے اگر صفات کے دوام سے یہی معنے لیے جائیں کہ ہر وقت ان کا بالفعل ظہور ضرور ہے تب بھی یہ لازم نہیں آتا کہ بار بار ایک ہی روح کو مختلف اجسام میں داخل کرتا رہے بلکہ نئی نئی ارواح اور نئے نئے عالم پیدا کرنے ہی سے صفت خالقیت کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

رہی روح کی قدامت اور اسکی صفات کی قدامت اور صفات کے ہمیشہ ظہور کرنیکا دعوےٰ سو انمیں سے کوئی ایک بھی ثابت نہیں۔ قدیم سوائے ایک ذات کے اور کوئی ہو نہیں سکتا۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ ارواح اور انکی صفات قدیم ہیں تو قدیم ہونے سے صفات کا دائمی ظہور ثابت نہیں ہوتا چنانچہ رحم غضب عدل علم وغیرہ ارواح کی صفات ہیں اور اس مسلک کے مطابق قدیم ہونی چاہئیں

---

[1] یہ دلیلیں پنڈت لیکھرام پشاوری کی ایجاد ہیں۔ کتاب ثبوت تناسخ ۔

مگر دنیا مین کوئی شخص نہین جس سے یہ صفات ہر وقت ظاہر ہوتی رہین پس ارواح مین ان صفات کے ہونے سے یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ انکو جب موقع ہو ظاہر کر سکتی ہین۔ اور اگر ان سب باتون سے قطع نظر کیجائے اور صفات ارواح کو قدیم اور ہمیشہ ظاہر ہوتے ہوئے مان لیا جائے تب بھی جسم دھارن کرنیکو روح کی عادت قرار دینا یہی وہ دعوے ہے جس کو ثابت کرنے کیلئے دلائل کی ضرورت ہے۔ کیونکہ عادت جبھی ثابت ہوگی کہ اسکا بار بار ضرور ہو اور روح کا بار ظہور کرنا اور روح کو جسم مین آنے کی عادت ہونی حقیقت مین ایک ہی دعوی ہے یعنی تناسخ۔ اور اسی کو ثابت کرنے کی ضرورت تھی۔ پس بار بار آنے کیلئے عادت ہونیکو دلیل گردانا خود دعوے کو دعوے کیلئے دلیل ٹھیرانا ہے۔ اور پھر روح کا جسم مین آنا اگر عادت ہو تو ان کے مسلک کے مطابق وہ عادت قدیم بھی ہوگی اور جو چیز قدیم ہو اس کے لئے خالق کی ضرورت نہین اسلئے روح کے جسم مین آنیکے لئے بھی خالق کی ضرورت نہین اور یہ وہ نتیجہ ہے جس سے خدا کی خدائی نابود ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک مادہ اور روح قدیم ہے اور جب روح اور مادہ کی صفات اور روح کا مادہ مین داخل ہونا بھی قدیم ٹھیرا۔ تو پھر دنیا کے لئے کسی موجد کی ضرورت نہین رہتی۔ غرض تناسخ مانا تو اسلئے جاتا تھا کہ خدا سے ظلم کا الزام دور کیا جاوے اور تناسخ ماننے کیلئے جو مقدمات تسلیم کئے گئے انہون نے خدا کو موجود بھی نہ رہنے دیا۔

> چاند سورج اور مادہ کے بار بار آنے سے تناسخ کا ثبوت۔

اور ایک دلیل دنیا کے دیگر واقعات سے تیار کی جاتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ چاند اور سورج اور سیارے گاہ طلوع کرتے ہین اور گاہ غروب ہوتے ہین اور ان کو دیکھ کر جاہل کہتا ہے کہ اور سیارے آگئے حالانکہ جاننے والے جانتے ہین کہ وہی سیارے ہین اسیطرح ارواح بھی وہی بار بار آتی ہین اور نادانون کو معلوم ہوتا ہے کہ نئی ارواح پیدا ہوئین اور کبھی کہتے ہین کہ مادہ مکانات نباتات اور حیوانات وغیرہ مین بار بار ظہور کرتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ روح بھی اجسام مین بار بار ظہور کرتی ہے۔

یہان بعض اشیا مین ایک خاصہ فرض کیا گیا ہے اور پھر اسکو عام گردان کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ روح مین بھی وہی خاصہ موجود ہے۔ مگر اول تو جو خاصہ سیارگان وغیرہ مین دیکھا گیا ہے اسکی اور شکل ہے

اور روح کے لئے اور شکل کا خاصہ فرض کیا جاتا ہے کیونکہ سیارگان جو طلوع غروب یا دورہ کی حرکت سے بار بار آتے جاتے ہین اسکی وجہ یہ ہے کہ حرکت کے سبب وہ ایک خاص مقام یعنے سطح زمین پر سے ہر وقت نظر نہین آسکتے ورنہ حقیقت مین وہ اسی دُنیا پر اور اسی جسم مین موجود رہتے ہین اور ہمیشہ ایک دائرہ پر حرکت کرنے مین مصروف ہین - اور اسی طرح مادہ کے بار بار آنے کی یہ صورت ہے کہ وہ اجزا سے مرکب ہی اور اجزا کے جمع ہونے سی کبھی ایک شکل پیدا ہوتی ہے اور کبھی دوسری اور اس طرح اجزا ہمیشہ اپنے اجتماع کی وضع بدلتی رہتی ہین ورنہ مادہ کبھی کہین جاکر واپس نہین آتا جس سے کہا جائے کہ وہ بار بار آتا ہے بلکہ اسکی نسبت صحیح اظہار یہ ہے کہ وہ ایک ہی چیز ہے جو موجود رہتی ہے اور ہمیشہ اپنی شکلین بدلتی رہتی ہے - اور اسکے برخلاف روح کے بار بار آنے کی شکل مانی جاتی ہی کہ وہ ایک مستقل جوہر ہے جو کسی دوسری چیز یعنے مادہ کی چند اجزا کے ایک خاص شکل مین جمع ہونے پر ان مین ظہور کرتی ہے اور اجزا کے متفرق ہوجانے پر اُن سے الگ ہوکر کسی اور مجموعہ مین جو اسی طرح کی خاص شکل مین جمع ہوگیا ہو ظاہر ہوتی ہے - اور سیارون سے مشابہت جب ہوتی کہ کسی دوسری چیز مین ظہور نہ کرتی اور نہ اُس چیز کے تباہ ہونے پر غائب ہوتی بلکہ خود کسی قسم کی حرکت سی کبھی سامنے آجایا کرتی اور کبھی گم ہوجاتی - اور مادہ سے مشابہت اس صورت مین ہوسکتی تھی کہ خود صاحب اجزا ہوتی اور مادہ کیطرح اسکی اجزا کبھی ایک شکل مین ظاہر ہوتین اور کبھی دوسری شکل مین - اور جب یہ صورت نہین اور روح کے لئی جو خاصہ فرض کیا گیا ہے اسکی مثال دُنیا مین نظر نہین آتی تو یہ قیاس عقلی طور پر کوئی وزن نہین رکھتا ؞

اور دوسرے اگر صرف یہی دیکھنا ہو کہ مادہ کا اور روح کا تعلق ہے اور مادہ پر ایسی حالتین طاری ہوتی ہین جنکی حقیقت خواہ کچھ ہو مگر اسکو بار بار آنے کے لفظ سے تعبیر کرسکتے ہین اسلئے مادہ سے تعلق رکھنے والے کو بھی سمجھہ لینا چاہیئے کہ وہ بھی بار بار آتا ہوگا اور پھر یہان بار بار آنے سے یہ خاص مطلب لینا چاہیئے کہ اُسکا تعلق بار بار ہوتا ہے تو یہ صرف شاعرانہ استدلال ہوگا ورنہ تعلق کی کوئی صورت خیال مین نہین آتی جسکی وجہ سے اگر مادہ بار بار اپنی شکلین بدلتا ہو تو روح بھی ایک

ہی اسمین بار بار حلول کرتی رہے۔ کیونکہ اگر مادہ اور روح کا تعلق کارندہ اور آلہ کا ہے یعنی مادہ آلہ ہے اور روح کارندہ تو اس تعلق کے واسطے ضرور نہین کہ ایک کے دوبارہ موجود ہونے پر دوسرا بھی دوبارہ آئے۔ ہم دیکھتے ہین کہ ایک نجار مختلف تیشون سے کام لے سکتا ہی تو ایک ہی تیشہ مختلف نجارون کے ہاتھ مین بھی کام دے سکتا ہے اور اگر ظرف و مظروف کا تعلق ہے تو بھی دونو کا بار بار آنا ضرور نہین اور اگر ایک چیز مختلف برتنون مین رکھی جا سکتی ہے تو ایک ہی برتن مین ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری رکھ سکتے ہین۔ اور اگر راکب و مرکوب کا تعلق ہے تو بھی ایک گھوڑے پر مختلف اشخاص اور ایک شخص مختلف گھوڑون پر سوار ہو سکتا ہے۔ اور اگر حاکم و محکوم کا تعلق ہے تو بھی ایک بادشاہ مختلف ملکون پر حکمران ہو سکتا ہے۔ اور ایک ملک ایک بادشاہ کی حکومت سے نکل کر دوسرے اور اس سے تیسرے کے قبضہ مین جا سکتا ہے غرض دو چیزون کے ملنے پر جس قدر تعلقات سمجھ مین آ سکتے ہین اُنین سے کسی پر یہ نتیجہ مترتب نہین ہوتا کہ اگر مادہ مکرر آئے تو روح بھی دوبارہ آئے۔ اور یہ وجہ ایک چیز کا خاصہ دوسری چیز مین مان لینا ایسا ہے جیسے کہا جائے کہ چونکہ سنکھیا مین زہر کی خاصیت ہو اسلئے دودھ بھی وہی اثر رکھتا ہو اور یہی حال سیارگان کی آمد و رفت اور روح کے تناسخ کا ہے کہ ان مین کوئی تعلق نہین جسکی بنا پر ایک امر کے ثابت ہونے سے دوسرے کا ثبوت لازم آئے کیا جسطرح سال کے بارہ مہینون مین ایک ہی سورج بار بار آتا ہے اور جسطرح مہینہ کے تیس دنون مین ایک ہی چاند بار بار نکلتا ہے اسیطرح سال کے بارہ مہینہ بھی ایک ہی مہینہ اور مہینہ کی تمام تاریخین ایک ہی تاریخ ہین؟ اگر اسی طرح کی غیر متعلق باتین ایسی دلیلون سے ثابت ہو جائین تو بیشک سیارگان کے بار بار آنے سے ارواح کا بار بار ظہور کرنا بھی ثابت ہو جائیگا۔

اور تیسرے اگر مان لیا جائے کہ مادہ کے بار بار آنے اور روح کے بار بار آنے کی ایک ہی صورت ہے تو بھی غور کرنے کی بات ہو کہ شکل مادہ سے براہ راست تعلق رکھتی ہو اور خود مادہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اور روح کی حقیقت جو کچھ ہے ہم سمجھ نہین سکتے مگر اتنا جانتے ہین کہ اس کا

تعلق شکل کے تعلق کے بعد ہوتا ہے یعنی اجزاے مادی شکل پہلے اختیار کرتی ہین اور بعد مین جاندار بنتی ہین - اور ہم دیکھتے ہین کہ باوجود مادہ کے بار بار آنے کے شکل جو اس سے براہ راست پیدا ہوتی ہے اور روح سے پہلے تعلق پکڑتی ہے ایکدفعہ اگر ابداً آبادتک دو بارہ نہین آتی اور اجزا وہی ہون مگر شکل ہمیشہ نئی سے نئی ہوتی ہے تو جو چیز شکل کے بعد تعلق پکڑتی ہے اسکی نسبت کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ وہ بار بار ضرور آنی چاہیے -

سقراط کی تین دلیلین تناسخ پر

حکیم سقراط کو جب زہر دیا گیا ہے تو اسکے عزیزون اور شاگردون کو اسکی مفارقت سے جو صدمہ ہوا ہوگا ظاہر ہے مگر وہ فلاسفر تھا اور فلاسفر کی شان سے بعید ہے کہ ایسے افکار سے دل کو پریشان کرے اسلئے اُس نے اپنا یہ وقت نہایت استقلال سے گزارا اور فلسفیانہ طرز سے اپنے ہمراہیون کو تسلی دیتا رہا چنانچہ اُسکی اُسوقت کی گفتگو سے جو اس نے اپنے شاگرد سمیاز وغیرہ سے کی ہے تین دلیلین تناسخ پر پیدا ہوگئی ہین (کتاب پلیٹو) ان مین سے پہلی دلیل مین یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پیدا ہوتی ہے اور ضد کی طرف عود کرتی ہے - اور زندگی اور موت بھی باہم ضدین ہین اسلئے وہ بھی ایک دوسری سے پیدا ہوتی رہین گی اور موت کے بعد زندگی اور زندگی کے بعد موت کا چکر جاری رہیگا - دوسری دلیل مین وہ کہتے ہین کہ ہم دو چیزون کو دیکھکر کبھی اُن کو مساوی کہتے ہین اور کبھی غیر مساوی اسلئے ایسی چیزون کے علم اور اُنکی مساوات یا عدم مساوات کے علم سے پہلے ہمکو مساوات کا مفہوم معلوم ہونا چاہیئے اور ان چیزون کو ہم حواس سے دریافت کرتے ہین اور حواس پیدا ہوتے ہی حاصل ہوجاتے ہین اِسلئے مساوات کا مفہوم جو ان سے پہلے حاصل ہے وہ پیدائش سے پہلے معلوم ہوا ہوگا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ روح پیدایش سے پہلے موجود تھی اور تیسری دلیل مین کہتے ہین کہ مرکبات کبھی نہ کبھی تحلیل ہوجاتے ہین اور بسائط تحلیل ہونے سے پاک ہین - اور مرکبات محسوس ہوتے ہین اور بسائط حواس کی گرفت سے باہر ہین اور انسان کے اندر ایک جسم ہے جو دیدنی اور مرکب قسم سے ہے اور ایک روح ہے جو نادیدنی اور بسیط ہے - اور جسم ترکیب کے قاعدہ کے موافق تحلیل اور فنا ہوجاتا ہے اسلئے چاہیئے کہ روح حسب قاعدہ بساطت تحلیل

اور فنا نہ ہو۔ بلکہ مرنیکے بعد قائم رہے

تیسری دلیل سے تناسخ کو تعلق نہین۔

یہ دلائل قابل قدر ہین اسلئے کہ ایک بڑے فلاسفر کی مرتے وم کی یادگار ہین اور حکیم فلاطون کا شکر گزار رہنا چاہیے جس کی قلم سے یہ تمام مکالمہ من وعن محفوظ رہ سکا۔ مگر دلائل کی حقیقت دیکھنے پر کہنا پڑتا ہے کہ ان مین سے تیسری دلیل مین اگر ثابت کرنے کی کوئی چیز ہی تو یہ کہ انسان کے اندر ایک بسیط روح موجود ہے اور ہمنے دیکھا کہ اسی کو عالی قدر حکیم نے اصول مسلمہ کے طور پر مان لیا ہے اور بات وہی نکلی پہلے جو لکھا گیا ہے کہ گو عقلی ثبوت کوئی نہ ہو مگر مذہبی جذبہ بالاتفاق انسان کے اندر ایک جوہر بسیط کو مانتا ہے۔ پس اگر وہ موجود ہے تو پھر مرنے کے بعد اس کے قایم رہنے مین شک نہین اور اسی قدر اس دلیل سے بھی ثابت ہوا۔ اور اس سے زیادہ یعنی یہ کہ روح دوبارہ اسی دنیا مین آئیگی اس کا اس دلیل سے کوئی تعلق نہین ؛

دوسری دلیل دو طرح سے ناقص ہے

اور اسی طرح دوسری دلیل کو اگر تسلیم کیا جائے تو اس سے صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ روح پیدایش سے پہلے موجود تھی اور تناسخ کا ثبوت اس سے بھی نہین ملتا۔ اور نیز اس دلیل کے مقدمات مین بھی بہت کچھ کلام ہے۔ کیونکہ پیدا ہوتے ہی حواس ظاہری کا کام کے قابل ہونا اور چیزون کی مساوات کو پہچاننا اور نیز مساوات اور نامساوات کو معلوم کرنے سے پہلے مطلق مساوات کا علم ہونا سب باتین قابل اعتراض ہین۔ اور ہم دیکھتے ہین کہ بچہ جب اپنے حواس سے کام لینے لگتا ہے تو پہلے چیزون کو صرف دیکھنا شروع کرتا ہے اور انکی مساوات اور عدم مساوات وغیرہ ذہنی فیصلے ایک طرف وہ مدت تک انکی محسوس اوصاف مین بھی تمیز نہین کرسکتا اور ایک شوخ لال رنگ کی چیز دیکھ کر جھپٹتا ہے وہ چیز چھپا دی جاتی ہے اور اس سے پھیکے رنگ کی بلکہ بسا اوقات اور رنگ کی چیز دیدی جاتی ہے اور بچہ پہلی چیز سمجھکر خوش ہو جاتا ہے مدت کی مشق سے رنگ وغیرہ پہچاننے لگتا ہے تو بڑائی چھٹائی پھر بھی عرصہ تک محسوس نہین ہوتی۔ ایک انڈا چھپا لینے کے بعد دوسرا انڈا جو اس سے کسیقدر چھوٹا بڑا ہو سامنے کرنے سے اکثر دھوکا

کہا تا ہے اور غور و تامّل کا طویل زمانہ درکار ہوتا ہے جسکے بعد چیزون کی مساوات اور عدم مساوات وغیرہ صفات جو عقل سے تعلق رکھتی ہین پورے طور پر ممیّز ہوں اور پھر ان چیزون کی مساوات و عدم مساوات اور بہتری و بدتری وغیرہ صفات کو دیکھنے سے مطلق مساوات اور مطلق بہتری وغیرہ مفہوم ذہن نشین ہوتے ہین اور بجائے اسکے کہ مساوات کا علم پہلے موجود ہو انسانی ترقی کی رفتار یہ ثابت ہوتی ہے کہ وہ اپنا علم جزئیات سے شروع کرتا ہے اور ان سے انتقال کرتا ہوا کلیات کی طرف جاتا ہے اور اس لئے مساوات کا علم رکھنے کیواسطے ضرور نہین کہ روح جسم سے پہلے موجود ہو ٭

ضد سے ضد کا پیدا ہونا عام قاعدہ نہین۔

غرض یہ دلیلین ضعیف ہونیکے باوجود تناسخ سے کوئی تعلق نہین رکھتین البتہ پہلی دلیل اگر صحیح ہو تو اس سے بیشک تناسخ ثابت ہوگا مگر اول تو اسکا پہلا مقدمہ قابل غور ہے۔ بیشک ہم دیکھتے ہین کہ رات سے دن پیدا ہوتا ہے اور دن سے رات یا بیجان سے جاندار بنتا ہے اور جاندار سے بیجان اور یہان ایک ضد دوسری ضد سے ظاہر ہوئی مگر تمام دنیا کی صرف یہی شکل نہین بلکہ جو مثالین خود حکیم نے دی ہین ان ہی سے بعض کی اور صورت ہے۔ وہ کہتے ہین کہ تیز سست سے پیدا ہوتا ہے اور سست تیز سے۔ مگر یہ خاصہ عام نہین اگر بعض چیزون کی رفتار تیز اور پھر تیز سے سست ہو جاتی ہے تو بعض چیزین ایسی ہین کہ انکی رفتار ہمیشہ ایک قاعدہ پر رہتی ہے مثلاً روشنی حرارت اور آواز کی رفتار اپنے اپنے مقدار اور فاصلہ کے لحاظ سے جس طرز پر واقع ہے اس سے کبھی انحراف نہین کرتی اور ایسا نہین ہوتا کہ تیز سے سست ہو تو پھر سست سے تیز ہو جائے۔ اسی طرح سیارون کی حرکت جس قاعدہ پر جاری ہے اُس سے تخلف نہین ہوتا۔ اور اگر جدید تحقیقات کو مدنظر رکھا جائے تو زمین کی محوری حرکت ایک صدی مین ایک سیکنڈ کی کسر کے برابر سست ہوتی جاتی ہے اور اسی قدر دن بڑھتا جاتا ہے مگر ایسا ہونیکا گمان بھی نہین کہ پھر کبھی اسکی یہ حرکت تیز ہونے لگے۔ اور پھر کبھی تیزی سے سستی کیجانب عود کرے۔ اور اسی طرح اور مثالین جو وہ دیتے ہین کہ بہتر پہلے بدتر ہوتا ہے اور منصفانہ غیر منصفانہ۔ یہ کچھ بھی سمجھ مین نہین آتا۔ اگر محض بہتری و بدتری اور منصفانہ و غیر منصفانہ کو دیکھا جائے تو یہ اوصاف ہمیشہ ایک حالت پر ہین اور بہتری بدتری اور بدتری بہتری کبھی نہین ہوسکتی۔ اور اگر ان افعال کو

دیکھا جائے جن کو یہ صفتیں عارض ہوتی ہیں تو بھی یہی حال ہے کہ جو افعال منصفانہ ہیں مثلاً فریادی کی فریاد کو سننا اور مجرم کے جرم کو غور وخوض سے تحقیق کرنا یہ افعال ہمیشہ منصفانہ ہیں اور کبھی غیر منصفانہ نہیں ہو سکتے اور ان کے خلاف کرنا ہمیشہ غیر منصفانہ ہے اور کبھی منصفانہ نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح جو فعال بہتر ہیں مثلاً اپنے فائدہ میں حق سے تجاوز نہ کرنا اور دوسرے کو نقصان پہنچانے سے پرہیز کرنا یہ امور ہمیشہ بہتر ہیں اور ان کے خلاف ہمیشہ بدتر۔ اور اگر اشیا کو دیکھا جائے جن کو بہتر یا بدتر کہہ سکتے ہیں تو ان میں سے جو مرکبات ہیں وہ چونکہ اس نظام میں فنا و تحلیل کا نشانہ ہیں اسلئے انکی صفات بھی بجا نہیں رہتیں۔ مگر پھر بھی ضرور نہیں کہ جو بہتری اور بدتری ایک دفعہ کی تحلیل میں نابود ہوئی ہے پھر وہی اجزا مرکب ہوں اور وہی بہتری یا بدتری عود کرے اور ضرور ایک ضد دوسری ضد کیطرف آئے۔ اور اُدھر جو بسائط یا عناصر ہیں اُن میں جو نیک و بد صفات قدرت کیطرف سے ودیعت ہیں وہ ہمیشہ اپنے حال پر رہتی ہیں اور کبھی ایک ضد سے دوسری ضد کیطرف نہیں جاتیں +

رہا رات دن اور جاندار اور بیجان کا انقلاب سو گرچہ یہ قدرت کا بڑا کرشمہ ہے مگر اسکی وجہ دیکھی جائے تو اُدھر ایک ہمیشہ چمکنے والا آفتاب ہے جو روشنی دیتا ہے اور ادھر ہمیشہ حرکت کرنیوالی زمین ہے جو روشنی کو اخذ کرتی ہے۔ اور ایک کی سکون اور دوسری کی حرکت سے ایک یکسان رہنے والا قاعدہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیشہ زمین کے نصف حصہ پر روشنی کا اثر پہنچے۔ اسلئے حقیقت میں روشنی تاریکی سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ ایک حصہ روشنی کا ہے جو ہمیشہ زمین کے گرد گھومتا رہتا ہے اور اس کے مقابل ایک حصہ تاریکی کا اسی طرح گردش کرتا رہتا ہے اور زمین کے ایک حصہ پر رہنے والیکے سامنے کبھی روشنی آجاتی ہے اور کبھی تاریکی۔ اور جاندار کی بیجان سے اور بیجان کی جاندار سے پیدا ہونے کی حقیقت بھی جیسا کہ جدید تحقیقات کا منشا ہے یہ ہے کہ جان ہمیشہ جان سے پیدا ہوتی ہے یعنی ایک جاندار کیطرف سے بیجان کے اندر جان کا فیضان ہوتا ہے اور اس سے آگے اس بیجان پر یہ اثر پہنچتا ہے اور ادھر بیجان اجزا اپنی تشکلوں کو بدلنے سے ایک جسم کے بعد دوسرا جسم بناتی رہتی

ہین اور اس طرح جان کا سلسلہ جان دار سے جاندار کی طرف اور ہیجان کا ہیجان سے ہیجان کی طرف جارہا ہے ۔

اور ان کے بعد اور اشیا اور اُن کی بعض صفات ایسی نظر آتی ہین جو ہمیشہ ایک حال پر رہتی ہین اور ضد سے ضد کی طرف عود نہین کرتین ۔ مثلاً مادہ اور دُنیا کا دوسرا عنصر یعنی قوت اور انکی صفت وجود ایسی چیز ہے کہ جب سے ہے ہمیشہ ایک حالت پر ہے اور کبھی وجود سے عدم اور عدم سے وجود اُن پر طاری نہین ہوتا ۔ اور اسکے علاوہ روح حکیم کی رائے کے مطابق ازل سے ابد تک موجود ہے اور وجود و عدم مین انقلاب نہین کرتی ۔ اور ویسے بھی روح اگر ہے تو جب سے ہے ہمیشہ موجود ہے اور اگر عدم سے وجود کی طرف آئی ہے تب بھی آیندہ وجود سے عدم کی طرف جانے کا احتمال نہین ۔

غرض ہمنے دیکھا کہ روشنی حرارت وغیرہ کی رفتار ہمیشہ ایک قاعدہ پر رہتی ہے اور سیارگان کی حرکت مین اگر انقلاب ہے تو ہمیشہ تیزی سے سستی کیطرف یعنی ایک سمت کو ۔ اور بہتری و بدتری یا منصفانہ و نامنصفانہ صفات اور ان سے متصف ہونیوالے افعال ہمیشہ یکسان رہتے ہین ۔ اشیاء بسیطہ جوان سے متصف ہین وہ بھی ہمیشہ ایک حالت پر ہین ۔ اور مادہ اور قوت کا وجود کبھی ضد کی طرف نہین جاتا ۔ اور نہ روح ضد کیطرف انتقال کرتی ہے ۔ البتہ مرکبات ہمیشہ تحلیل و ترکیب کا ہدف ہین اور انکی حالت بدلتی رہتی ہے اور حالت کیساتھ انکے نیک و بد صفات مین انقلاب ہوتا رہتا ہے ۔ مگر انکا انقلاب بھی ایسا بے ترتیب ہوتا ہے کہ اسکے لئے ضد سے ضد کی طرف آنا یا مناسب سے مناسب کی طرف جانا کوئی ایک قاعدہ مقرر نہین کیا جاسکتا کبھی کسی انقلاب مین بدتری سے بہتری پیدا ہوتی ہے اور آیندہ انقلاب مین اس سے زیادہ بہتری نظر آتی ہے تو پھر کوئی ایسا انقلاب ہوتا ہے کہ بہتری کے تمام درجات معدوم ہوکر کوئی بڑے درجہ کی بدتری پیدا ہوجاتی ہے ۔ پھر کبھی بتدریج بدتری کیطرف اور کبھی بتدریج بہتری کیطرف انتقال ہوتا ہے تو کبھی دفعۃً بڑے درجہ کی بدتری سے بڑے درجہ کی بہتری پیدا ہوجاتی ہے

مثلاً درخت پیدا ہوا ہے اور مناسب آب و ہوا سے بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ پھل پھول لانے لگتا ہے
یہ بہتری سے بہتری کیطرف ترقی ہے اور پھر سوکھنے لگتا ہے اور ایک دن فنا ہو گیا ہے یہ بہتری
سے بدتری کی طرف تنزل۔ مگر لہلہاتے درخت پر کاٹنے والا کبھی تبر ایسا پڑتا ہے کہ دم مین گلزار
کی جگہ خاک اڑنے لگتی ہے اس انقلاب مین دفعۃً بڑے درجہ کی بہتری سے بڑے درجہ کی بدتری پیدا
ہوگئی ہے اور کبھی خشکی اور امساک سے کھیت تباہی کے قریب ہوتا ہے کہ دفعۃً مناسب ہواؤن کے
چلنے اور بروقت بارش کے برسنے سے سوکھی کھیتی ہری ہو جاتی ہے۔ اس وقت بڑی بدتری سے
فوراً بڑی بہتری پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر کبھی ایک ہی حالت دیر تک قائم رہتی ہے اور کبھی نیک
اور بد انقلاب جلدی جلدی ہونے لگتے ہین۔ مدعا یہ کہ بسائط اور لطیف اشیا مثلاً مادہ عناصر
روشنی حرارت اور افعال نیک و بد وغیرہ خاص قوانین کے زیر اثر ہین اور ان مین ضد سے ضد
کی طرف آنا ثابت نہین ہوتا۔ اور مرکبات اور ان کے حالات قوانین پر ایسے مختلف اور پیچیدہ
عمل کرتے ہین کہ ہر چیز اور ہر چیز کی ہر ایک حالت مین ہر آن کے اندر نئی سے نئی شان نظر آتی
ہے اور ایک قاعدہ معین نہین ہو سکتا ؀

ضد کا ضد کیطرف آنا زندگی اور موت پر جاری نہین ہو سکتا

یہ دیکھنے کے بعد کہ ضد سے ضد کیطرف آنا قدرت کا عام قانون نہین
دلیل کے دوسرے مقدمہ یعنی زندگی اور موت کی ضدیت کو دیکھا جائے
تو زندگی اور موت کی حقیقت دو چیزون کا باہم ملنا اور جدا ہونا ہے۔ اور ان مین سے ایک چیز یعنی
جسم مرکب ہے اور دوسری چیز یعنی روح بسیط ہے۔ اور جس وقت روح کا جسم سے فراق ہوا ہے اس وقت
جسم چونکہ مرکب ہے ضرور ہے کہ وہ تحلیل ہو اور تحلیل ہونیکے بعد اسکی اجزا مرکبات کے قاعدے کے
موافق ضرور ہے کہ کہین نہ کہین اور کسی نہ کسی شکل مین رہین اور ان شکلون کو بدلتی رہین۔ اب اگر یہان
ضد سے ضد کیطرف آنیکا یہ مطلب لیا جائے کہ ایک وقت پر یہ اجزا پھر اسی شکل مین جلوہ گر ہون
تو یہ صورت ممکن نہین معلوم ہوتی کیونکہ تحلیل ہونیکے بعد کچھ اجزا گیس بن کر اڑ گئی ہین اور ہواؤن
نے انکو کہین سے کہین پہنچا دیا ہے اور کچھ اجزا زمین مین ملکر اسکی شکل ہو گئی ہین اور ان مین سے

کچھ ممکن ہے کہ قرن ہائے دراز تک اسی حالت مین پڑی رہین اور کچھ نباتی شکل مین بدل جائین
اور پھر نبات کے فنا ہونے پران مین سے اکثر گیس بنکر اُڑجائینگی اور کچھ جانداروں کی خوراک مین
صرف ہونگی۔ اور اس طرح ان اجزا مین سے بعض کا کسی جاندار یا خود کسی انسان کے جسم مین آنا
ممکن ہے۔ مگر سب کے سب اسی شکل مین پیدا ہون اور مرنیکے بعد انسان کی تمام اجزا اسی پھر انسان
ہی بنایا جاوے اسکا امکان نہین۔ اور اگر ضد سے ضد کی طرف آنے سے یہ مطلب ہے کہ جسم انسانی
کی اجزا تحلیل ہونیکے بعد کسی نہ کسی شکل مین مرکب ہونگی تو شک نہین کہ ایسا ضرور ہوگا۔ لیکن اسی
طرح کہ بعض اجزا کچھ شکل اختیار کرینگی اور بعض کچھ۔ اور بعض کبھی جاندار کے جسم مین آجائینگی ورنہ بعض
ممکن ہے کہ ابدالآباد تک بیجان حالت مین رہین۔ اب روح کی نسبت جو ایک جسم سے الگ ہوئی
ہے غور کرنے کے وقت ہم دنیا کے تمام مرکبات اور بسائط کو دیکھ ڈالتے ہین ان مین جسمانی مرکبات
کو دیکھا کہ ترکیب کے بعد تحلیل ہوتے ہین تو پھر تحلیل کے بعد اسی پہلی ترکیب کی طرف عود نہین کرتین
مادی بسائط مین سے ایتھر اگر دیگر اجزائے مادی کے کسی مجموعہ مین داخل ہو بھی تو وہان سے الگ
ہو کر ہمیشہ تک مجرد حالت مین رہ سکتا ہے اور ممکن ہے کہ دنیا کے انقلابات سے متاثر نہ ہو۔ چنانچہ
اسی بنا پر زمین وغیرہ سیارون کی اٹماسفیر یعنے کرہ ہوائی سے پرے اس کو تمام فضا مین پھیلا
ہوا مانا جاتا ہے۔ اسکے بعد غیر جسمانی بسائط کو لو تو بہتری و بدتری یا منصفانہ و نامنصفانہ حالت کی
جو فرد کسی ایک چیز مین ایک وقت پر موجود ہوتی ہے پھر خواہ اسی چیز پر اور ہزارون طرح کے بہتر
اور بدتر حالتین آئین مگر وہ پہلی حالت کبھی موجود نہین ہوتی۔ یہ دعوی سرسری نظر سے غلط معلوم
ہوگا کیونکہ برف پینے سے ہمنے ہزارون دفعہ یکسان خنکی محسوس کی ہے اور آگ تاپنے سے بارہا ایسی
ہی گرمی۔ مگر جس کو ہم یکسان کہتے ہین سائنٹیفک طور پر وہ کبھی بھی یکسان نہین۔ کوئی عالم کیمیا ہزار
دفعہ پوٹاشیم کلوریٹ سے آکسیجن یا سمندر کی ریت سے کلورین پیدا کرے کبھی دو دفعہ بھی ایک تجربہ
سب حیثیتون سے برابر نہ ہوگا۔ پوٹاشیم کلوریٹ یا ریت کی جو مقدار ایک دفعہ لی ہے بالکل ٹھیک وہان
سے اتنی ہی مقدار کبھی نہ لیجائیگی اور جو حرارت ایک وقت پر فضا مین موجود ہے یا مصنوعی طور پر

بہم پہنچائی گئی ہے۔ ٹھیک اتنی ہی حرارت کبھی مہیا نہ ہو سکیگی اور جس قدر وقت ایکدفعہ خرچ ہوا ہے ٹھیک اتنا ہی وقت پھر کبھی صرف نہ ہو سکیگا اور اسلیئے جس قدر گیس ایک دفعہ پیدا ہوئی ہے بالکل اسیقدر کبھی پیدا نہ ہو سکے گی۔ اور جونیک یا بد اثر اس فعل سے ایک دفعہ پیدا ہوگا وہ پھر کبھی نہ ہوگا۔ اور یہی حال برف پینے اور آگ تاپنے کا ہے کہ مقدار اور وقت اور کیفیت ہر طرح سے ہر دفعہ دوسری دفعہ سے متفاوت ہوگی اور اس لیئے جو بہتری یا بدتری کسی فعل سے ایک بار متعلق ہوئی ہے وہ دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو چکی اور کبھی ہاتھ نہ آئیگی۔ اور یہی حال شکل اور دیگر خواص کا ہے کہ ایک دفعہ تعلق پیدا کرنے کے بعد پھر وہی شکل اور وہی خاصہ کبھی پیدا نہین ہوتا۔ غرض یہ کہ بسائط جس طرح کے ہمارے پاس موجود ہین وہ ہمیشہ کے لئے اور ایک دفعہ تعلق پیدا کرنے کے بعد آئندہ کیلئے الگ رہ سکتے ہین اور مرکبات کی اجزا اگرچہ شکلین بدلتی رہتی ہین مگر سب اجزا پھر ایک جگہ جمع ہون یہ ممکن نہین اور بعض اجزا ہمیشہ کیلئے جاندار ہین نہ آئین ممکن ہے۔ تو روح جو بسیط ہے اس پر بساطت کا قاعدہ جاری کرو تو اور ترکیب کا قاعدہ جاری کرو تو اس کیلئے یہ فیصلہ کہ ایک دفعہ تعلق پیدا کرنیکے بعد بار بار جسم مین آتی رہے گی اور زندگی اور موت کا چکر ہمیشہ جاری رہیگا ایسا دعوی ہے جو بساطت اور ترکیب دونو حیثیتوں سے غلط ہے اور ضد کا ضد سے پیدا ہونا نہ دنیا کا عام قانون ہے اور نہ زندگی اور موت مین جاری ہو سکتا ہے۔

اس عالم مین روح کا دوبارہ جسم مین آنا خلاف عقل ہے

غرض تناسخ کے بارہ مین جہان تک غور کیا گیا ہے یہ مدعا ہرگز ثابت نہین ہوتا کہ روحین جسم سے مفارقت کرنے کے بعد پھر اسی زندگی کو دوبارہ حاصل کرتی ہین بلکہ شکل اور دیگر صفات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ایسا ہونا ممکن بھی نہین اور صرف یہی نہین بلکہ ابھی سراغ آگے چلتا ہے اور نتیجہ اس سے یا دہ قوی پیدا ہوتا ہے۔ یہان سے طریق تحلیل و ترکیب کو پھر غور سے دیکھنا چاہیئے۔ چنانچہ نظام قدرت کے جو قوانین دریافت ہوئے ہین ان مین ایک اثر شیا یعنی قانون استمرار بھی ہے

اور اسکا مقتضا یہ ہے کہ جس چیز کو حرکت دی جائے اسمین حرکت کا میلان ایسا پیدا ہوتا ہی کہ اگر خارجی مزاحمتین نہ ہون اور سطح زمین یا ہوا کے تصادم سے رکنا نہ پڑے تو حرکت ہمیشہ ہمیشہ تک جاری رہ سکتی ہے۔ اور آدھر جب سکون پیدا ہو تو وہ سکون بھی خارجی محرک اسباب سے دور ہوتا ہے ورنہ ممکن ہے کہ چیز تا ابد ساکن رہے۔ پس جب کوئی مرکب تحلیل ہوتا ہی اور اُسکی اجزا باہر کو حرکت کرنے لگتی ہے یا جب متفرق اجزا کسی سبب سے جمع ہو کر سکون حاصل کرتی ہین تو تحلیل کے بعد اجزا کی حرکت اور ترکیب کے بعد اُن کا سکون دور اسی سبب سے ہوتا ہی کہ خارجی اسباب اس حرکت اور اس سکون کی مزاحمت کرتے ہین اور اس وجہ سے مرکبات یکے بعد دیگری شکلین بدلتے رہتے ہین اور اگر کسی مرکب پر یا بعض اجزاے متفرقہ خارجی اسباب اثر نہ کرین تو ایسی اجزا اور ایسے مرکب کا ہمیشہ تک ایک حالت پر رہنا ممکن ہی۔

حکیم سقراط تو بہت قدیم زمانے مین تھے ان کے بعد بھی بہت عرصہ گذرا ہی جسمین قدرت کے اس قسم کے قاعدے دریافت نہ ہوے تھے اور اس لئے اس زمانے مین رات دن کی گردش اور جاندار اور بے جان کی پیدایش کو دیکھ کر یہ خیال ہو گیا ہو گا کہ ضد اپنی ضد سے پیدا ہوتی ہی اور ضرور ہے کہ پھر ضد کیطرف عود کرے۔ مگر اب اس ایک قانون کو دیکھنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ضد کا ضد کیطرف میلان رکھنا غلط ہے اور چونکہ ہر طرح کے انقلاب حرکت و سکون کی مختلف شکلون سے ہوتے ہین اور حرکت و سکون مین قانون استمرار جاری ہے اسلئے ثابت ہوتا ہی کہ ہر حالت اپنے تئین قائم رکھنے کا میلان رکھتی ہے اور کوئی بھی ضد کیطرف جانا نہین چاہتی اور جو انقلاب پہلی حالت کو بدلتا ہے اسکے لئے کوئی نہ کوئی خارجی سبب ہوتا ہی۔

اور خارجی اسباب جو یہان متحرک کو ساکن اور ساکن متحرک کرتے ہین وہ اگرچہ نہایت کثرت سے اور بہت پیچیدہ ہین مگر انکا اصل الاصول یہ ہے کہ آفتاب کی حرارت اور روشنی اور دوسری قسم کی کرنین عمل کرتی ہین اور اس عمل سے کہین حرارت کہین بخار۔ کہین ہوا کہین بارش پیدا ہوتی ہے اور گوناگون لہرون کے پیدا ہونے سے اجزا کسی جھنڈ سے الگ ہوتی ہین اور قانون

استمرار انکی حرارت جاری رکھتا ہے اور باہر کی مزاحمتین حرکت کو روکتی رہتی ہین - اس کشمکش مین وہ اجزا کہین چھوٹے چھوٹے اور کہین بڑے بڑے جھنڈون مین جمع ہوتی جاتی ہین اور سکون پیدا ہونیکے بعد پھر قانون استمرار ان کو ساکن رکھنا چاہتا ہے اور باہمی کشش انفصال جس حیثیت کی ہو اتنی ہی قوت سے اجزا کو پیوستہ کرنے کی کوشش کرتی ہے - چنانچہ کچھ کچھ مجموعے پیوستہ ہوکر ٹھوس بن جاتے ہین اور ان مین سے جو نمو کی طاقت رکھتے ہین وہ اور اجزا کو جو وہان جمع ہو جائین جذب کرتے رہتے ہین اور ساتھ ہی ان پر متفرق کرنیوالی طاقتین اپنا عمل شروع رکھتی ہین اور جس قدر اجزا کو ممکن ہوتا ہے جدا کرتی رہتی ہین اور اس طرح تمام نظام مین ہمیشہ جمع و تفریق کا عمل جاری رہتا ہے -

اس سلسلہ کو دیکھنے کے بعد یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ عمل کیلیئے عامل کا زبردست اور معمول کا کمزور ہونا بھی ایک قانون قدرت ہے اور جہان کہین دو مقابل قوتین باہم مساوی واقع ہوتی ہین وہان دونون کا عمل باطل ہو جاتا ہے اور پھر غور کرنیکی بات یہ ہے کہ یہان عمل کرنیوالی طاقتین اگرچہ خود جسم نہین رکھتین مگر اجسام سے ظہور کرتی ہین اور ادھر شکل وغیرہ صفات بھی گو بسیط اور غیر جسمانی ہین مگر وہ بھی اجسام سے ظاہر ہوتی ہین اسلیئے عمل کرنیوالی قوتین اور صفات قوت مین برابر ہین اور اس لیئے ایک کو دوسری پر تسلط نہونا چاہیئے - مگر کسی جسم کی ترکیب سے پہلے اسکی شکل اور دیگر صفات معدوم ہین اور عمل کرنیوالی قوتین موجود اسلیئے اس وقت عمل کرنیوالی قوتون کو ان پر ایک درجہ فوقیت حاصل ہے اور اسی سلیئے ان قوتون کے اثر سے شکل اور دیگر صفات پیدا ہو جاتی ہین اور پیدا ہونے کے بعد اگرچہ یہ قوت مین ان کے برابر ہو جاتی ہین مگر پھر بھی صفات ہین اور موصوف کے بغیر قائم نہین رہ سکتین اور ادھر عمل کرنیوالی قوتون کا تسلط اجزاے مادی پر ہمیشہ باقی رہتا ہے اسلیئے قوتین اجزا کو تبدیل کرتی ہین اور تبدیل کے ساتھ پہلی شکل اور دیگر صفات معدوم ہو جاتی ہین - اور پھر جو شکل وغیرہ صفات کبھی بعینہ پیدا نہین ہوتین تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اجزا پر قوتون کا تسلط ہے مگر ایسا قوی تسلط نہین کہ اجزا کو متفرق کرنے کے بعد ہر ایک جزو جہان پہلے موجود تھی ٹھیک اسی جگہ پر

دوبارہ رکھی جائے اور جو اجزا الگ ہو سکے اور گردتعین انکو بالکل اسی تناسب سے جگہ دی جائے بلکہ ہمیشہ ایک ترکیب کے بعد دوسری ترکیب مین خواہ بعینہ وہی اجزا ہون بعینہ پہلی وضع سے مرکب نہین ہوسکتے اور اسی لیے پہلی شکل اور دیگر صفات بھی موجود نہین ہوتین۔

اب اسکے بعد جو ہم روح کی نسبت غور کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ روح اگر قدیم سے موجود ہوتی تو بسیط ہونے کے سبب جسمانی قوتون کو اس پر کبھی تسلط نہ ہوتا اور وہ جسم سے پیوستہ نہ ہوسکتی۔ مگر جیسا کہ اوپر امام غزالی رح کی تحقیق سے ثابت کیا جاچکا ہے بات یہی ہے کہ روح جسم سے پہلے موجود نہین ہوتی اور اُسکے عدم ہی کا نقص ہے جس کے سبب عامل قوتون کو اس پر ترجیح ہوتی ہے اور انکے عمل سے جسم کے مرکب ہونے پر روح پیدا ہوجاتی ہے اور پھر جسم سے مفارق ہونے کے بعد جیسا کہ مذہبی جذبہ کا بالاتفاق فیصلہ ہے اگر وہ باقی رہتی ہے اور شکل وغیرہ صفات کیطرح اپنے قیام کے لیئے جسم کی محتاج نہین تو پھر قانون استمرار کے مطابق وہ اس حالت کو ہمیشہ تک قائم رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور بسیط ہونے کے سبب جسمانی قوتون سے مغلوب نہین ہوسکتی۔ اسلیئے جبتک تحلیل و ترکیب کا عمل ان جسمانی قوتون کی وساطت سے ہوتا رہیگا ممکن نہین کہ روح دوبارہ جسم مین لائی جائے۔ اور گو یہ عجیب معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کو پیدا کرنیکی طاقت ہو پیدا ہونے کے بعد وہی قابو مین نہ رہے مگر امر واقع ہے اور ہم دیکھتے ہین کہ آفتابی حرارت کا ایک حصہ زمین پر آکر اسکی تری اور خشکی سے بخار پیدا کرتا ہے لیکن وہی بخار پیدا ہوکر ایسا قوی ہوجاتا ہے کہ قابو مین رہنا ایک طرف بارش کی شکل مین خود پیدا کرنے والی حرارت کو دبا لیتا ہے۔ اسی طرح روح بھی اگرچہ پیدا انہی قوتون کے عمل سے ہوتی ہو مگر پیدا ہونے کے بعد اپنی بساطت کے سبب ان قوتون کی گرفت مین نہین رہسکتی۔ مگر اس سے نتیجہ کیا نکلا؟ یہی کہ جس وقت یہ نور جسمانی وسائط سے آزاد ہوتا ہوا اپنے غیرجسمانی مرکز پر پہونچیگا اور تمام نظام موجودہ فنا ہوکر وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا کے مطابق زمین و آسمان خدائی نور سے براہ راست منور ہوگا اُس وقت غیرجسمانی قوت اپنی غیرمحدود کشش سے غیرمحدود اثر پیدا کریگی اور اُس وقت غیرجسمانی اور بسیط روحین مجبور ہونگی کہ دوبارہ اجسام سے پیوستہ ہوکر جو خواص اِس دُنیا سے اپنے ساتھ لے گئی ہین اُن کے

نتائج ظاہر کریں *

درجات کی ترقی سے اثر مین ترقی ہوتی جاتی ہے۔

اور دوسرے یہ امر بھی غور کے قابل ہو کہ موجودات مین جو انقلاب ترقی کی جانب ہوئے ہین انکا اثر بہی درجہ بدرجہ متفاوت ہوتا گیا ہے مثلاً اجزاے زمین یا معدنیات ترقی کی ابتدائی درجہ مین ہین اور ان کے ذرات مین اس حرکت کے سوا جو براہ راست آفتاب سے پیدا ہوتی ہے کوئی اندرونی حرکت نہین اسلئے اس ترقی مین حسب حالات اچھی اور بُری یا مضر اور مفید شکلین پیدا ہوگئی ہین مگر فائدہ حاصل کرنے یا نقصان سے بچنے کی کوئی قابلیت ان مین موجود نہین۔ درخت چونکہ ان سے ترقی یافتہ ہے اسلئے اپنے ذرات کو پھیلانے اور بیرونی ذرات کو جذب کرنے سے فائدہ حاصل کرنے کی قابلیت اسمین پیدا ہو گئی ہے لیکن نقصان سے بچنے کی قابلیت جیسی اجزائے زمین مین معدوم تہی ویسی ہی اسمین بہی مفقود ہے اور اس کے علاوہ یہ نقص بہی موجود ہے کہ درخت کا تمام وقت اپنی خوراک جاذب کرنے مین صرف ہوتا ہی اور اگر چند لحظہ کیلئے بہی درخت کی تمام جڑون کو زمین سے نکال لیا جائے اور جو مدد زمین سے پہنچتی ہے وہ کچھ دیر کے لئے بند کر دی جائے تو درخت فوراً اس نقصان کا اثر محسوس کرتا ہے۔ درخت کے بعد حیوان پیدا ہوا تو جو ترقی درخت نے کی تہی اسکے ساتھ حیوان مین علے قدر مراتب نقصان سے بچنے کی قابلیت بہی پیدا ہو گئی ہے اور دوسرا نقص بہی کسیقدر رفع ہوا ہے یعنی اسکا کچھ وقت خوراک حاصل کرنیکی کوشش سے بچ کر دوسرے کامون مین بہی صرف ہونے لگا ہی اور اگرچہ تنفس کے ذریعہ سے وہ بہی فضا کی اجزا کو پیہم جذب کرتا رہتا ہے جس طرح درخت اپنے مسامون سے متواتر کام لیتا ہے مگر جو بڑا حصہ خوراک کا کہانے کی شکل مین اور نبات مین زمین کے اندر جسم مین داخل ہوتا ہے اسمین یہ تفاوت ہو گیا ہو کہ درخت اسکو بہی پیہم جذب کرتا رہتا تہا مگر حیوان کی اپنی خوراک کیلئے خاص اوقات مقرر ہو گئے ہین اور وہ باقی وقت دیگر کاروبار مین صرف کرسکتا ہے اور ان اوقات مین جو کام اس سے جبری طور پر انسان لینے لگا ہے ان کامون سے بیشک اسکی نشوونما اور جسمانی طاقتون کو نقصان پہنچتا ہے اور اس سلئے دیکھا جاتا ہے کہ پالتو جانور جنگلی جانورون جیسے قوی

اور پست نہین ہوتے۔ لیکن حیوان طبعی طور پر بھی اکثر خوراک لینے کے فعل کو بند کر کے تلاش خوراک یا تناسل کے افعال مین مصروف ہوتا ہے اور ان کامون سے اسکو جسمانی نقصان نہین پہنچتا۔ حالانکہ درخت خوراک جذب کرنیکے سوا اور کوئی کام نہین کر سکتا ؎

اب انسان کو دیکھین تو اسمین اور حیوان مین یہ تفاوت نظر آتا ہے کہ حیوان اپنی کوششون سے صرف موجودہ ضرورتون کو پورا کر سکتا ہے اور موجودہ نقصان سے بچ سکتا ہے اور اگرچہ وہ درخت کی طرح اپنا تمام وقت کھانے مین صرف نہین کرتا لیکن پھر بھی اسے بہت سا وقت خوراک کی تلاش مین صرف کرنا پڑتا ہی اور اس تمام کوشش کے باوجود صرف موجودہ حالت کیلئے اپنا یا اپنے بچون کا پیٹ پال سکتا ہے مگر اسکے خلاف انسان جسمانی طور پر حیوان سے کمزور اور جسمانی آلات سے محروم ہونیکے باوجود نہ صرف موجودہ ضرورت اور موجودہ تکلیف کیلئے اہتمام کرتا ہے بلکہ ہزارون طرح کی تدبیرون سے اپنے لئے اپنے کنبہ کیلئے اور اس سے بڑھ کر اپنے ملک اور قوم کیلئے موجودہ اور آئندہ بڑی حد تک پیش بندی کر سکتا ہے۔ اور جس قدر وقت صرف کرنے پر حیوان محض اپنی جان کو بقدر ضرورت فائدہ پہنچاتا ہے انسان اس عرصہ مین اپنے لئے اور غیرون کے لئے ضرورت سے بہت زیادہ عیش و آرام اور تکلف کے وسائل بہم پہنچاتا ہے۔

یہ وہ ترقی ہے جو انسان نے عقل و شعور کی مدد سے حاصل کی لیکن ایک نقص اب بھی موجود ہے وہ یہ کہ اگرچہ اسکا وقت کھانے مین اور موجودہ ضرورتون کو پورا کرنے مین اس قدر صرف نہین ہوتا جس قدر حیوان کو کرنا پڑتا ہے۔ مگر تاہم دنیا مین رہکر وہ دنیوی کاروبار اور خوراک اور دیگر اسباب معیشت کے اہتمام سے بیفکر نہین ہو سکتا اور خواہ کوئی شخص یا کوئی قوم کیسی ہی بام ترقی پر چڑھ جائے اپنی ضروریات کے لئے ایسا انتظام نہین کر سکتی کہ ہمیشہ کیلئے یا کم از کم کچھ عرصہ کے لئے فرصت اور بیکاری مین بسر کر سکے کیونکہ ایسا کرنے پر دوسرے لوگ جو زندگی کی دوڑ مین تیز قدم ہوتے ہین آگے بڑھ جاتے ہین اور انکی عقل و شعور اور تہذیب و تمدن کی ترقی سے کچھ تو پیچھے رہنے والون کا تہذیب و تمدن جو اپنے وقت پر مفید ہوتا ہی اس وقت غیر مفید ہو جاتا ہے اور کچھ وہ لوگ اپنے غلبہ سے ایسے لوگون کو

بجا و بیجا نقصان پہنچانے کے قابل ہوجاتے ہیں اور یوں اپنے سامان معیشت پر بھروسہ کرنا خواہ وہ کیسا ہی عظیم الشان ہو ضرور تباہی و بربادی کا موجب ہوتا ہے اسلیئے دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ عقل و شعور سے بہرہ ور ہیں وہ جس قدر ترقی کرتے ہیں اسی قدر سامان معیشت کی فراہمی میں زیادہ سرگرم ہوتے ہیں اور اُدھر جو لوگ نادانی سے دنیوی کاروبار میں تساہل روا رکھتے ہیں وہ خواہ اپنے خیال میں روحانی اور مذہبی ترقی میں منہمک ہوں مگر اس معرکۂ زیست میں ضرور شکست کھاتے ہیں اور ناداری کے ساتھ طرح طرح کے روحانی اور جسمانی امراض اور صعوبتوں میں مبتلا رہکر ذلیل زندگی بسر کرتے ہیں یا معدوم ہوجاتے ہیں۔

مذہبی ترقی کا اثر نیچے کے درجات سے فائق ہونا چاہئے

غرض ہمنے دیکھا کہ دنیوی ترقی کے ہر درجہ میں موجودات نے پہلے درجہ کی نسبت زیادہ فائدہ حاصل کیا ہے اور بیشتر نقصان سے رہائی پائی ہے اور عقل و شعور تک پہنچکر جلب منفعت اور دفع مضرت میں اور کسی درجہ کی مخلوق آنکی برابری نہیں کر سکتی۔ البتہ ابھی تک کاروبار دنیا کے دردسر اور اسباب معیشت کے اہتمام سے فراغت نہیں ہوئی اب انسانی ترقی کا ایک درجہ اور یعنی مذہب اور معرفت ربانی کا جذبہ باقی ہے پس اگر جذبہ میں ترقی اور تنزل کرنیکا وہی نتیجہ ہو جو اہل تناسخ مانتے ہیں کہ ترقی کرنیوالوں کو اسی دنیا میں خوشحال اور تنزل کرنیوالوں کو بدحال پیدا کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ درجہ میں ترقی ہو مگر اثر میں پہلے درجات کی نسبت کوئی تفاوت نہ ہو کیونکہ اس سے پہلے درجات یعنی عقل شعور وغیرہ کا بھی یہی اثر تھا کہ ان میں ترقی کرنے سے حسب مدارج خوشحالی اور تنزل کرنے سے بدحالی نصیب ہوتی ہے اور اُدھر افکار معیشت سے فراغت نہ عقل کی ترقی سے ہو سکتی ہے اور نہ مذہبی ترقی پر روح کو اسی جہان میں پہنچنے سے میسر آسکتی ہے۔ اور عقل چونکہ دنیا کی طرف لگائی جاتی ہے اسلیئے اُس کا دنیوی افکار سے رہائی نہ پانا قرین قیاس ہے لیکن توجہ ہو خدا کی طرف اور ترقی ہو معرفت ربانی میں اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ پھر اسی دنیا میں آکر انہی افکار میں بسر کریں اور ایسے خیالات میں محو رہیں جو خدا سے غافل کرنیکا موجب ہوں ایسی عالی کوشش پر یہ انجام ہرگز زیبا نہیں۔ اِسلئے چاہئے کہ مذہبی ترقی اور تنزل کا اثر عقل و شعور

کی ترقی و تنزل سے زیادہ ہوتا حسب قاعدہ ایک درجہ سے دوسرا درجہ فائق اور برتر قرار پائے

عبادت کا مفید طریق

لیکن ایسا اثر کیا ہوگا؟ اسکو تلاش کرنے سے پہلے ایک شبہ کو حل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ دنیوی تکالیف جو عقلی کوتاہی سے پیش آتی ہیں مذہبی طرز گفتگو مین انکو بھی گناہ کی سزا کہا جاتا ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ مذہب کے نزدیک یہ تکالیف بھی مذہبی تنزل کا اثر ہین اور اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے مذہب کا اصلی مدعا اگرچہ نادیدہ ہستی کی تلاش اور خدا کا وصال ہے لیکن اس غرض تک پہنچنے کیلئے وسائل کی ضرورت ہے اور وسائل مین اگرچہ ذکر شغل اور مراقبہ و مشاہدہ یعنی مختلف طریقہ ہائے عبادت بھی ایک ضروری عنصر ہین۔ مگر ایک تو انسان اس دنیا مین رہکر ہمہ تن اُدھر مصروف نہین ہو سکتا اور دوسرے عبادت مین ایسا مصروف رہنا کہ دیگر فرائض انسانی کو یک لخت ترک کر دیا جائے اس غرض کیلئے بالعموم مفید بھی نہین۔ کیونکہ انسان کی طبیعت ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ ایک خیال کو ہمیشہ کے لئے اپنے دل مین قائم نہین رکھ سکتا اور اگر تمام وقت اوراد و نوافل مین بسر کرے تو ایسے وقت کا بہت سا حصہ قطعاً عبادت مین اور درحقیقت غفلت ملال یا نفسانی خواہشون کی کشمکش مین صرف ہوگا اور وہ چند لحظے ہونگے جو خالص یاد الٰہی مین گذرین۔ بیشک بعض نفوس قدسیہ ایسے ہو سکتے ہین جو مستثنے طور پر اپنا تمام یا اکثر وقت ایک خیال مین اور خدا کی یاد مین بسر کرین لیکن یہ محبت کا انتہائی درجہ ہے اور سب انسان اس درجہ تک پہنچنے سے قاصر ہین۔ اس لئے یہ طریق بھی باستثنائے بعض سب کیلئے مفید نہ ہوگا۔ اور اگر فرائض دنیوی کو بھی ادا کیا جائے مگر انکی بجا آوری مین یہ خیال رہے کہ کوئی فعل اپنی جائز حدود سے باہر نہ ہو اور جلب منفعت اور رفع مضرت مین وہی تدابیر اختیار کی جائے جو قوانین قدرت اور منشا خداوندی کے مطابق ہو۔ اور یون بالواسطہ خدا کا شوق اور یاد الٰہی کی صلاحیت پیدا کرتے ہوئے خاص اوقات مین کسی خاص طریق عبادت سے بیواسطہ خدا کی طرف توجہ ہو تو اس طریق سے جس قدر عرصہ دنیوی کاروبار مین صرف ہوگا اسمین یاد خدا اِس طرز سے دل مین رہیگی کہ ملال نہ ہوا اور جو تھوڑا سا وقت خالص عبادت مین صرف ہوگا اسمین کچھ تو پہلے

خیالات کی وجہ سے اور کچھ عبادت کے مختصر ہونیکے سبب خدا کی طرف دھیان لگانا آسان ہوگا اور اسوقت خدا کی طرف کامل توجہ رکھنے کے بعد پھر دنیوی کاروبار مین مصروف ہونے پر ان کے بجا اور بیجا ہونیکا خیال اور بھی پختگی سے جاگزین رہیگا اور یون عبادت ہی کاروبار اور کاروبار ہی عبادت کیطرف آمد و رفت رکھنے سے یاد الٰہی رفتہ رفتہ دلمین گھر کرتی جائیگی اور سالک ایسے بڑے فواید اسقدر جلدی سے حاصل کریگا کہ نہ تمام وقت عبادت مین صرف کرنے سے میسر ہو سکین اور نہ ہمیشہ دنیوی کاروبار مین مصروف رہنے سے حاصل ہون - اور ہم لوگ جو اکثر شکایت کرتے ہین کہ عبادت مین لطف نہین آتا - اور دنیوی خیالات خدا کی طرف متوجہ نہین ہونے دیتے - یا یہ کہ گوشہ نشین اور زاہد فرقہ اکثر اخلاقی طور پر نہایت کمزور ثابت ہوتا ہے تو وجہ یہی ہے کہ ہم دنیادار دنیا کے کامون مین بجا اور بیجا یا خدا کی خوشنودی و ناراضی کا خیال نہین رکھتے اور بالواسطہ یاد خدا کی صلاحیت پیدا نہین کرتے اور دن رات کا بیشتر حصہ کامل غفلت مین گذارنے کے سبب نماز کے وقت بھی اسی غفلت کا شکار رہتے ہین اور اُدھر تارک الدنیا فرقہ صرف ہاتھ کو تسبیح پر اور زبان کو خدا کے نام پر جاری رکھتا ہے ورنہ ایک ہی کام کرتے رہنے سے جو تکان اور ملال پیدا ہوتا ہے اس سے بیہودہ خیالات اور بھی ترقی کرتے ہین اور قلبی نور و جلا جو ہونا چاہئے پیدا نہین ہوتا - اور یہ ہمارا اپنا قصور ہے ورنہ مذہبی تعلیم مین یہ نکتے ظاہر کر دئے گئے ہین اور فرمایا ہے کہ کسی طرف منہ کرنا یا کسی سمت خاص سے آنا جانا یا قربانی و کفارہ وغیرہ درحقیقت نکوکاری نہین ہے بلکہ نکوکاری خدا کی اطاعت - کاروبار مین اتقا اور حسن سلوک پر منحصر ہے اور سب سی بڑا مدعا خدا کی یاد ہے لیکن خاص طریق عبادت یعنی نماز کا یہ فائدہ ہے کہ اس وقت کی توجہ سے کاروبار مین برائی سے بچنے کی عادت پختہ ہوتی ہے - اور نیز حکم دیا گیا ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر دنیوی کاروبار مین مصروف رہو اور بیواسطہ ذکر خدا کرنے کے بعد بالواسطہ یاد خدا کو ترقی دیتے رہو ارشاد ہے

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ	عبادت کے وقت مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنا کوئی نیکی نہین ہے نیکی یہ ہے کہ خدا پر قیامت پر الہامی کتابون پر اور انبیاؤن پر ایمان لاؤ-

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَ
الْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَ
السَّآئِلِيْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ
وَاٰتَی الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا
وَالصّٰبِرِيْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ
الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ؕ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۲)

اور باوجود مال کی محبت کے رشتہ دارون کو یتیمون کو مسکینون کو مسافرون کو اور مانگنے والون کو دو اور غلامون کو آزاد کرنے مین خرچ کرو۔ اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ جب عہد کرو تو عہد کو پورا کرو اور خوف تکلیف اور لڑائی کے وقت صبر سے کام لو۔ جو ایسا کرے وہی سچا نکوکار ہے اور وہی متقی ہے۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ
اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ؕ
(بقرہ پارہ ۲ ع ۲۴)

(عربی جاہلون کی طرح خاص اوقات مین) گھرون کی پشت سے داخل ہونا نیکی نہین بلکہ نیکی تقویٰ ہے تم دروازون کی راہ آؤ مگر پرہیزگاری اختیار کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا
مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ
ذٰلِكَ ذِكْرٰی لِلذّٰكِرِيْنَ ۚ (ہود پارہ ۱۲ ع ۹)

دن اور رات کے خاص وقتون مین نماز پڑھو کیونکہ نیکی برائی کو دور کرتی ہے اور یہ نصیحت ان کیلئے ہے جو یاد رکھین۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ
يَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْكُمْ (حج پارہ ۱۷ ع ۵)

قربانی کا گوشت اور خون خدا تک نہین پہنچتا بلکہ خدا تک تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ
الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ
وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ (عنکبوت پارہ ۲۱ ع ۵)

جو کتاب تم پر وحی کی گئی ہے اسے پڑھو اور نماز پڑھا کرو کیونکہ نماز بیحیائی کے افعال اور بدکاریون سے روکتی ہے اور خدا کی یاد سب سے بڑی چیز ہے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ
وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا
لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ؕ (جمعہ پارہ ۲۸ ع ۲)

جب نماز ختم ہو تو زمین پر پھیل جاؤ اور خدا کا فضل یعنی معیشت کا سامان تلاش کرو اور خدا کو بہت یاد رکھو تا تم فلاح پاؤ۔

دنیوی بے اعتدالی کو مذہب بھی عقل کیطرح برا کہتا ہے اسلئے کہ یہان کے کاروبار مذہبی ترقی کے وسائل ہین۔

غرض مذہب کا مدعائے نظر اگرچہ دنیا سے پرے اور خیال و قیاس سے باہر ہے مگر اس تک پہونچنے کے وسائل ہین بہت تھوڑا حصہ دنیا سے الگ رہنے کا ہے اور زیادہ تر دنیا اور دنیا کے کاروبار ہین۔

اور اس لئے مذہبی تعلیم مین جہان خدا کی طرف بلایا جاتا ہے وہان ساتھ ہی دنیاوی کاروبار کے اصول بھی بتائے جاتے ہین اور یہی اصول دنیوی زیست کی خوبی اور بدی پر بھی اثر کرتے ہین اسلئے مذہبی تعلیم کا یہ حصہ عقل کے دائرہ اقتدار مین بھی داخل ہے۔ چنانچہ قواعد صحت کی پابندی۔ حصول منفعت مین اور رفع مضرت مین میانہ روی اور بندگان خدا کے حقوق کی نگہداشت مذہب کے نزدیک باعث نجات ہین تو عقل کے نزدیک بھی یہی امور انسانی ترقی اور بہبود کیواسطے ضروری ہین۔ اور ناپاک معاشرت۔ شہوانی اور غضبی خواہشون کا غلبہ اور اتلاف جان ومال مذہب کے نزدیک باعث ہلاکت ہین تو عقل کے نزدیک بھی یہی باتین سوسائٹی کو مضر ہین۔ غرض ان امور کی نسبت فیصلہ کرنے مین عقل اور مذہب متحد ہین اور صرف یہ تفاوت ہے کہ عقل کی نظر اسی زندگی تک محدود ہے اور وہ اعتدال پسندی کو اسلئے اچھا کہتی ہے کہ افراط وتفریط سے گو فوری راحت ومسرت حاصل ہو مگر انجام مین خود اپنے تئین تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے اور مذہب یہ بھی دیکھتا ہے کہ افراط وتفریط سے اپنی تکلیف کے علاوہ دوسرون کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور وہ بھی اسی خدا کی مخلوق ہین اس لیئے ایسا کرنا اسکی رضامندی کے خلاف ہوگا اور اس صورت سے دنیوی کاروبار مین جس قدر اہتمام عقل کو ہے مذہب ان کو اس سے بھی زیادہ مہتم بالشان سمجھتا ہے اور اسلئے دنیوی کاروبار کے لیئے جو مفید اصول ہوسکتے ہین انکی تعمیل اور عدم تعمیل کے اثرون کو جس طرح عقل کیطرف منسوب کرسکتے ہین اور کہہ سکتے ہین کہ یہ اثر عقل کی اطاعت یا عدم اطاعت سے مرتب ہوا ہے اسی طرح ان اعمال کو مذہب کیطرف بھی منسوب کیا جاسکتا ہے اور ان کے اثر کو مذہبی جزا اور سزا کہہ سکتے ہین چنانچہ حرامکاری حرام خوری۔ صداقت کی خلاف ورزی اور صداقت پسندون کی ایذارسانی سے جو نقصانات ارتکاب کرنیوالون کو پہنچتے ہین ان کو عاقلانہ طرز کلام مین اصول معاشرت

کی خلاف ورزی کا نتیجہ اور مذہبی رنگ مین خدا کا غصہ اور گناہ کی سزا کہا جاتا ہے -

مذہب کی خاص اپنی ترقی دنیوی نیک اطواری سے بالاتر ہے

غرض ہمنے دیکھا کہ دُنیا کے نیک اصول خدا تک پہنچانے کا ذریعہ ہین اور دُنیا مین خوشحال رہنے کا مدار اور اسلئیے یہان تک مذہبی اور عقلی اغراض متحد ہین اور اسی سلئیے ان افعال کا اثر دونو کی طرف منسوب ہوتا ہے - مگر دونو کا باہمی سفر یہین تک ختم ہوجاتا ہے اور عقل چونکہ دُنیا کو اسی زندگی کے تعلق سے دیکھتی ہے اسلئیے ایسے اصول دریافت کرنے جس سے یہ زندگی عمدگی سے گذرے عقل کے لئیے معراج ہے اور آئندہ کے لئیے نہ اسکی کوئی ترقی باقی ہے اور نہ اس کا کوئی اثر اور اگر ہے تو صرف یہ کہ جس طرح نشو ونما کیطرف متوجہ ہونے سے نشو ونما مین اور حرکت ارادی کی طرف متوجہ ہونے سے حرکت ارادی مین ترقی ہوتی ہے اسی طرح عقلی طور پر معاملات دُنیا مین غور کرنے سے عقل مین ترقی ہوتی ہے اور ادھر مذہب دُنیا کو اس نظر سے بھی دیکھتا ہے کہ وہ خدا کی مخلوق ہے اور اسکے ساتھ نیک یا بد سلوک کرنے سے خدا کی خوشنودی یا نارضامندی حاصل ہوگی اور اس سے خدا کا قرب یا بعد حاصل ہوگا اسلئیے مذہب کیواسطے دُنیا کو درست کرنے کے بعد آئندہ بے انتہا ترقی کا موقع ہے اور اسی سلئیے اُسکے آثار بھی آئندہ بے انتہا ہونگے چنانچہ نشو ونما - حرکت اور عقل کیطرح ایک اثر تو یہین نظر آتا ہے کہ مذہبی طور پر معاملات دنیا مین غور کرنے سے مذہب مین ترقی ہوتی ہے اور یہی وہ درجہ ہے جہان سے عقلی اور مذہبی ترقی کا اثر مختلف ہونا شروع ہوتا ہے چنانچہ جو لوگ دنیا کو عقلی طور پر دیکھتے ہین اور مختلف قوانین قدرت کو معلوم کرنیسے معاشرت کے عمدہ اور راحت بخش اصول دریافت کرتے رہتے ہین ان کے اِس فعل سے عقل کو بیحد ترقی ہوتی ہے لیکن ایسے لوگ مذہب کیطرف توجہ نہ کرین تو ممکن ہے کہ مذہبی ترقی سے بالکل محروم رہین - اور ایسا ہی جو لوگ عقل سے بالکل محروم ہون اور غور و فکر کا مادہ نہ رکھین لیکن مذہبی تعلیم سے زہد و اتقا اور حسن و سلوک پر کاربند رہین انکی مذہبی ترقی کا یہ اثر ضرور ہوگا کہ یادِ خدا دل مین جگہ کرتی جائیگی اور وصال ربانی کی قابلیت پیدا کرینگے مگر اِس فعل سے عقلی ترقی ہرگز پیدا

نہ ہوگی اور وہ لوگ سائنٹسٹ اور فلاسفر نہ ہوسکینگے۔

مذہب کی خاص اپنی ترقی کا اثر بھی دیگر ترقیوں سے بالاتر ہوگا۔

یہاں تک تو مذہبی اور عقلی ترقی کے وہ اثر تھے جن کے بارہ مین اختلاف نہین۔ اب مذہب کی اپنی ترقی کا وہ اثر رہا جو اس زندگی کے بعد پیدا ہونے کو ہے اور جسکی نسبت اہل تناسخ مانتے ہین کہ وہ دوبارہ اسی دُنیا مین اعلیٰ قدر مراتب پیدا کرنے سے ظاہر ہوگا لیکن جب ہم دیکھتے ہین کہ جس درجہ سے عقل اور مذہب کے اغراض مختلف ہوئے ہین اس درجہ سے جو اثر اسی زندگی مین پیدا ہونا شروع ہوا ہے وہ باہمدگر مختلف ہی یعنی عقل کا اثر عقلی ترقی اور مذہب کا اثر مذہبی ترقی ہے تو جو اثر اس سے بھی ایک درجہ آگے بڑھنے اور خدا کی معرفت حاصل کرنے یا اسکی ذات سے بعید ہونے پر پیدا ہوگا اور جس کے لئے اِس زندگی کے بعد دوبارہ پیدا ہونے کی ضرورت ہو وہ بھی چاہیئے کہ ترقی کے تمام ابتدائی درجات سے ممتاز ہو۔ اور جو اثر بیجان مادہ کی ترقی سے ہوتا ہے کہ اُسکے ناقص اجزا سے ناقص اور کامل تر اجزا سے کامل تر شکلین پیدا ہوتی ہین اور اچھے ہون یا بُرے سب حوادث کے اثر سے فنا ہو جاتے ہین۔ اور جو اثر نباتی اور حیوانی ترقی سے پیدا ہوتا ہے کہ اُن کے ناقص اور کامل افراد حسب حیثیت منفعت حاصل کرتے ہین لیکن جلب منفعت اور دفع مضرت مین اپنے سے بالاتر درجات کی نسبت کمتر رہتے ہین اور جو اثر عقلی ترقی سے پیدا ہوتا ہے کہ اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے سے خوشحالی اور بدحالی نصیب ہوتی ہے لیکن خوشحالی مین افکار معیشت سے فراغت کبھی نہین ملتی اور بدحالی مین راحت و مسرت سے بالکل محرومی کبھی نہین ہوتی۔ اِن سب سے اعلےٰ اثر مذہبی ترقی پر مرتب ہونا چاہیئے اور وہ یہی ہو سکتا ہے کہ مادّہ مین عقلی ترقی کی قابلیت پیدا ہونے پر پیدائش کی شکلین اس سے پیشتر کی شکلون سے اعلےٰ ہونے لگی تھین مذہبی ترقی کا اثر ہونے پر اس سے بھی اعلےٰ ہون اور حوادث کا اثر قبول نہ کرین۔ تا مادی ترقی سے امتیاز ہو۔ اور عقلی ترقی کیوقت دفع مضرت اور جلب منفعت کے وسائل مین ترقی ہوئی تھی مذہبی ترقی کے وقت اِن وسائل کے اور بھی اعلےٰ اشکل ہوتا نباتی اور حیوانی ترقی سے فوقیت ظاہر ہو۔ اور پھر عقلی ترقی و تنزل سے

برتر ہونے کے سبب مذہبی حالت کی ترقی و تنزل دونوں نامحدود ہوں تا اسکا درجہ تمام ماتحت ترقیوں سے بالا رہے اور چونکہ ایسا اثر اس دنیا میں اور اس آفتاب کے زیر اثر ہو نہیں سکتا اسلئے یہ بھی وقت ہوگا جبکہ مادہ ترقی کرکے بالواسطہ نور سے مستغنی ہو جائیگا اور آفتاب وحدت کا نور بیواسطہ جلوہ گر ہوکر تمام تنزل اور ترقی کی شکلوں کو انکی مکمل حالت میں ظہور بخشیگا۔ اور چونکہ مذہب غیر محدود اور مکمل نور کی تلاش کرتا ہے اسلئے غیر محدود نور ہی اسکا اثر ظاہر کریگا اور اس سے جو شکل بنیگی مکمل ہوگی اور جو اثر ظہور کریگا غیر محدود ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ مذہب میں جو لوگ ترقی کرینگے وہ بیشک اعلےٰ زندگی پائینگے۔ مگر جو تنزل کرینگے اور خدا سے دور رہینگے وہ اعلیٰ زندگی کے مستحق نہ ہونگے اور دوبارہ اسی دنیا میں بھیجے جائینگے تو یہ احتمال بھی یہاں کی شہادت سے غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہاں جو انسان اپنی انسانی ترقی کو چھوڑتے ہیں اور عقل و شعور میں تنزل کرتے ہیں وہ اور ان کی نسل انسانی درجہ سے اتر کر گھوڑے اور بیل کی شکل اختیار نہیں کرتی۔ بلکہ رہتے انسان کی شکل میں ہیں اور ان تکلیفوں میں مبتلا رہتے ہیں جو عقل و شعور کو ترک کرنیکا نتیجہ ہیں۔ اسی طرح آئندہ انقلاب میں جو لوگ مذہب میں تنزل کرینگے وہ بھی چاہئے کہ اپنے درجہ سے اتر کر دنیوی حالت کی طرف نہ آئیں اور اسی درجہ میں رہکر ان سعادتوں سے محروم رہیں جو مذہبی ترقی پر مرتب ہیں۔

غرض یہ کہ مذہب کا مدعا دنیا سے بالاتر قرار دینا اور پھر اسکی جزا و سزا کیلئے اسی دنیا اور اسکی محدود شکلوں اور ترقیوں کو معراج ٹھیرانا مذہب کو اسکے اپنے مدعا سے جدا کرنا اور اپنے درجہ سے نیچے گرا دینا ہے اور مختصر یہ کہ دنیا کی مختلف شکلیں اور یہاں بہتری یا بدتری کا ظہور دنیوی قوانین کے مختلف مظاہر اور انکی پابندی یا خلاف ورزی کے اثر سے ہوتا ہے اور ان اثروں کو مذہبی قرار دینا صرف اس وجہ سے درست ہے کہ یہاں کے کاروبار اس ترقی کے لئے وسائل کا کام دیتے ہیں ورنہ دراصل مذہبی ترقی یا تنزل جس طرح دنیا سے پرے ایک بالاتر ہستی کی نسبت سے ہے اسی طرح اسکا اثر بھی دنیا سے باہر اور اس بالاتر ہستی کے بیواسطہ جلوہ پر منحصر ہے۔ فنا کسی چیز کو نہیں اور مادہ فنا

نہ ہو مگر منجمد برف کا تودہ بن کر پڑا رہے قوانین قدرت کے خلاف ہے۔ اور یہان کا ایک ذرہ بہی کبہی بیکار نہ ہوگا۔ اِسلئے یہ سب کچھ بہی کام آئیگا اور اُدہر ارواح جو پیدا ہوچکی ہین وہ بہی کام دینگی اور نور جو مرکز کیطرف جا رہا ہے مرکز پر ٹہیر کر ان سب کو وہ نور بخشیگا جو ابدالآباد تک قائم رہے ؂

مرنیکے بعد قیامت کا انتظار باعث تکلیف نہین ہوسکتا

حشر ونشر کا حال جہان تک مقصود تہا لکہا جاچکا ہے۔ اب صرف ایک سرسری سے اعتراض کا ذکر اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ جزا وسزا کو ایک خاص وقت تک موقوف رکہنے سے ارواح کو بہت سا وقت انتظار مین بسر کرنا پڑیگا۔ اور وہ وقت بھی مختلف ہوگا کیونکہ جو روحین ابتدائے آفرینش مین جسم سے الگ ہوچکی ہین وہ بہت بڑے عرصہ تک انتظار مین رہینگی اور جو آخر زمانے مین فوت ہونگی انکو نسبتہً کمتر وقت لگیگا لیکن یہ اعتراض موجودات بسیطہ کو مرکبات پر قیاس کرنے سے پیدا ہوا ہے حالانکہ ان دونو کی حالت جداگانہ ہے۔ مرکبات پر بیشک زمانہ کا اثر ہوتا ہے اور کسی وقت کوئی راحت پیدا ہوتی ہے جس کا زمانہ گذرتا ہوا محسوس نہین ہوتا اور کبہی کوئی تکلیف پہنچتی ہے جس کا وقت بہت دراز معلوم ہوتا ہے اور کبہی کوئی وقت بیکاری اور انتظاری مین گذرتا ہے تو اجزائے جسمانی اور قوائے دماغی خارجی اسباب سے متاثر ہوکر حرکت کرنا چاہتی ہین اور انتظار کے سبب انکو رکنا پڑتا ہے اسلئے کسل اور بے چینی محسوس ہوتی ہے مگر یہ سب اسی وقت تک ہے کہ جسمانی ترکیب قواعد ترکیب کے موافق کام کرسکتی ہو۔ ورنہ جب کسی سبب سے جسمانی ترکیب مین خلل واقع ہو اور اُسکا اثر بڑہتا ہوا دماغی قوتوں تک پہنچے اور انکو معطل کردے تو ایسی حالت مین دیکہا جاتا ہے کہ بہت بہت عرصہ بیکاری وغفلت مین گذرجاتا ہے اور ہوش آنے پر وہ ایک آن کے برابر بہی معلوم نہین ہوتا۔ حالانکہ یہ وہ وقت تہا جبکہ روح جسم سے متعلق تہی اور صرف قوائے جسمانیہ کو بیکار کردیا گیا تہا تو جس وقت روح کو جسم سے بالکل مفارقت ہوجائیگی اس وقت بسیط اور مجرد ہونے کے سبب اُس پر حوادث کا اثر نہ ہوگا اور نہ انتظار وملال کا گذر۔ روح یہان سے تاریک ہوکر گئی ہو یا روشن جس حالت مین ہوگی اُس پر کروڑ ہزار برس اور ایک آن برابر ہے ؂

اختتام

کفارہ اور نجات دہندہ کی ضرورت - خدا تک پہنچنے کیلئے پاکیزگی کی ضرورت ہی - پاکیزگی دل کی ہونی چاہیئے - توبہ سے دل صاف ہونے مین شک نہین - گناہ کی لذت کو ترک کرنا اور پارسائی کی تکلیف اٹھانا کفارہ ہے - دوسرے کی تکلیف سے دل صاف نہین ہو سکتا - خدا خود کھینچنا چاہے تو اسے کفارہ دہندہ تکلیف اٹھانیکی بھی ضرورت نہین - دنیا مین ہادی کی ضرورت ہی - مدد بیشک باہر سے اور اوپر سے آتی ہے مگر مقامی استعداد کے اختلاف سے اسکے ظہور مختلف ہوتے ہین - اختلافات کو دیکھنے کا نتیجہ - نتیجہ کے بعد کا فرض -

کفارہ اور نجات کی ضرورت - ریورنڈ اٹڈون گریوس ایک مضمون انسان کی مذہبی ضرورتون پر لکھتے ہین[۱] چنانچہ اُن کے نزدیک جس طرح انسان کی اور فطری ضرورتین ہین اسی طرح مذہبی جذبہ کے متعلق بھی چند ضرورتین اسکی فطرت مین داخل ہین - چنانچہ ایک جانب اسکو کمال تک پہنچنے کی ضرورت - کسی کے ساتھ دائمی وصال حاصل کرنیکی ضرورت اور بقائے دوام کی ضرورت ہے اور دوسری جانب گذشتہ جرائم اور اُن کے نتائج سے نجات پانے کی اور کسی نجات دہندہ کی ضرورت ہے پہلی قسم کی ضرورتون کو جس طرح پر وہ ثابت کرتے ہین اسکا خلاصہ یہ ہے کہ انسان مین یہ خواہشین فطرۃً ودیعت ہین اور اسکے دل سے خود بخود یہ آواز اٹھتی ہے کہ مجھے کامل بننا چاہئے اور ایسے عزیز کی رفاقت حاصل کرنی چاہئے جس سے مفارقت نہ ہو اور فنا نہ ہونا چاہیئے - ان تینون ضرورتون کو مفصل لکھنے کے بعد دوسری قسم کی ضرورتون کا یون ذکر کرتے ہین کہ

"لوگ اکثر گذشتہ جرمون کی پروا نہین کرتے اور کہتے ہین کہ اپنی حالت کو درست کر لینے کے بعد گذشتہ گناہون کے لئے کفارہ کی ضرورت نہین رہتی، اور توبہ کرنے کے بعد گناہ کی سزا کو ضروری سمجھنا خدا کو صفت انتقام سے متصف کرنا ہے" ہم اسوقت اس مہتم بالشان سوال سے کہ "آیا گناہگار کے لئے

[۱] رسالہ ہندوستان ریویو - الہ آباد - محرریہ جنوری ۱۹۰۵ء

کفارہ ضروری ہونیکے بغیر اصلاح حال ممکن ہے" قطع نظر کرکے دیکھتے ہین کہ کیا واقع مین کفارہ کا مطالبہ خداکو منتقم بناتا ہے۔ اب اگر دنیا مین ایک طرف خدا اور دوسری طرف گنہ گار صرف یہی دونو موجود ہوتے تو بیشک اس خیال مین قوت ہوتی۔ لیکن واقع مین یہ کیفیت نہین ہم یقین رکہتے ہین کہ کفارہ کا مطالبہ اسلیئے نہین کہ اسکے بغیر خدا کا غصہ فرو نہین ہوتا۔ یا اُسکا جلال قائم نہین رہتا۔ بلکہ وہ اسلئے ہے کہ خدا کی اخلاقی حکومت فضا جیسی وسیع اور زمانہ جیسی طویل ہو۔ مکافات یا انتقام وغیرہ الفاظ کو بحث مین لانے سے اکثر واقعیت کو سمجہنے مین غلطی ہوتی ہے بلکہ سزا کا لفظ بہی جبتک کہ وہ صرف ایک پہلو کو ظاہر کرے اور وہ پہلو بہی کچھ زیادہ مہتم بالشان نہو یعنی گناہ کے بدلے کی تکلیف۔ اس حال مین اس لفظ سے بہی غلط فہمی واقع ہوتی ہے۔ جبکہ ہم سزا دیتے ہین تو تکلیف یا رنج کو مصنوعی طور پر گناہ کے ساتھ وابستہ نہین کرتے بلکہ تکلیف اور رنج لازمی نتیجہ ان اخلاقی قوانین کو توڑنے کا ہے جن کو خدا نے عالم کے انتظام اور بہتری کیلیئے قائم کیا ہے۔ اور درستی اور نظام کو قائم رکھنے کیلیئے ضرورت ہو کہ گناہ کے لازمی بدانجامی ظاہر کیجائے اور انسان کے لیئے اس نکتہ کو سمجھنا اور خیال مین رکھنا ضروری ہے اور اسی سے کفارہ کی ضرورت ثابت ہوتی ہو پس بدی پر تکلیف کا مرتب ہونا خدا کے انتقام کا نشان نہین بلکہ اسکے رحم اور خوبی کو ظاہر کرتا ہے دنیا کا کیا حال ہو اگر گناہ کو بے سزا اور بے مزاحمت چھوڑ دیا جائے"

اسکے بعد وہ سوال کرتے ہین کہ آیا کسی گنہ گار کیلیئے بیگناہ کا تکلیف اٹھانا کفارہ ہوسکتا ہے؟ اور جواب مین لکھتے ہین کہ

"ایسا دنیا مین ہر جگہ دیکھا جاتا ہے اور نیک اور محب وطن مرد اور عورتین دوسرون کے لیئے تکلیف برداشت کرتے اور انکو تکلیف سے بچاتے نظر آتے ہین" پھر فرماتے ہین کہ "ممکن ہے کہ خدا خود انسان کے گناہ کا کفارہ بنے اور اپنو ربانی رحم کے ساتھ اُسکو اپنی طرف کھینچے۔ اس سے یقیناً اسکی حقیقی عظمت کم نہوگی وہ رحم اور محبت کا خدا ہے اس لیئے یہ فعل اسکی صفات سے بالکل متناسب ہوگا" پھر لکھتے ہین کہ "اگر گذشتہ اعمال کیلیئے کفارہ ممکن ہو تو بھی اس سے کامل نجات

حاصل نہین ہو سکتی۔ کیونکہ گذشتہ گناہون سے انسان ایسا کمزور ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی خواہشون کو روکنے اور راستی کے راہ پر چلنے کے ناقابل ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جو کچھ مجھے بننا چاہئیے مین نہین بن سکتا بلکہ اکثر بھول بھی جاتا ہے کہ مجھے کیا بننا چاہئیے۔ اور اس طرح نہ صرف اپنے مدعا تک پہنچنے مین ناکام رہتا ہے بلکہ وہ رستہ بھی اسکی آنکھون سے اوجھل ہو جاتا ہے اور اسلئے انسان کو گذشتہ گناہون سے نجات پانے کی ضرورت ہے تو گناہون کے اِن نتائج سے بھی نجات پانے کی ضرورت ہے اور اس سے نجات دہندہ کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ اور اگرچہ اس ضرورت سے اکثر کو انکار ہے لیکن منطقی طور پر ہرگز نہین۔ کیونکہ جو لوگ خود اپنے تئین اپنا نجات دہندہ مانتے ہین اُنکے اصول کا نقص خود اُنکو کسی نہ کسی نجات دہندہ کا قائل بناتا ہے جو اُنہین نجات حاصل کرنے مین مدد دے۔ اور عجیب بات ہے کہ روحانی نجات دہندہ سے انکار کرنیوالون کا رہنما خواہ وہ گوتم بدھ ہو یا شنکر آچاریہ یا محمد صلعم کبھی نہ کبھی خدا کا اوتار یا عنایت خداوندی کا خاص الخاص ذریعہ مانا جاتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے تئین بغیر تعلیم۔ کفارہ یا روحانی مدد کے بچا نہین سکتا اور ضرور ہے کہ مدد باہر سے آئے اوپر سے آئے۔"

خدا تک پہنچنے کیلئے پاکیزگی کی ضرورت ہے۔

پادری صاحب نے یہ مضمون نہایت قابلیت سے لکھا ہے۔ اور بیشک مذہب اگر کوئی چیز ہے تو اسکی حقیقت ایک بالاتر ہستی کو ماننے کے سوا اور کچھ نہین اور اسکو ماننا انسان کے دلمین خود بخود یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس ہستی کا وصال سب سے بڑی نعمت ہے اور سب سے بڑا کمال ہے اور اس خیال اس نعمت و کمال کو حاصل کرنیکی آرزو پیدا ہوتی ہے اور ساتھ ہی دلمین یہ عقیدہ بھی فطرۃً ودیعت ہے کہ اس ہستی کو ملنے یا اس کمال کو حاصل کرنیکا موقع اس زندگی اور اسکے علائق سے نجات پانیکے بعد ہوگا اور اس طرح کمال تک پہنچنا اس ہستی کیساتھ دائمی وصال حاصل کرنا اور ہمیشہ کے لئے باقی رہنا یہ آرزوئین مذہبی جذبہ سے پیدا ہوتی ہین اور اسلئے ان کو مذہبی ضرورتین کہنا بجا ہے مگر دنیا مین جس قدر مذہبی اختلافات موجود ہین وہ ان ضرورتون کو پورا کرنے کے وسائل مین پیدا ہوتے ہین۔ اور پادری صاحب کا منشا اسی اختلاف کو دور کرنے اور خاص وسائل معین فرمانے کا ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ گنہگار اور ناپاک زندگی بسر کرنے والے

کمال اور وصال ربانی کو حاصل نہین کر سکتے اسلئے پاکیزگی کی ضرورت ہی اور پاکیزگی اُن کے خیال مین تبھی پیدا ہوسکتی ہے کہ ناپاکی کا عوض اور کفارہ ادا کیا جائے اور نیز ناپاکی کا زنگ دور کرنے کے لیئے کوئی خدائی طاقت رکھنے والا ہادی ہو اسلئے اُن کے نزدیک یہ تینون چیزین مذہب کی دوسرے درجہ کی ضرورتین ہین اور چونکہ مذہب عیسوی مین اِن ضرورتون کا اہتمام کیا گیا ہے اس لیئے اُنکا ضمنی دعوٰی ہے کہ یہ مذہب تمام مذاہب سے فائق ہے اور بیشک اگر کفارہ اور نجات دہندہ کی ایسی ہی ضرورت ہو جیسی وہ ظاہر کرتے ہین اور اگر واقعہ مین خدا کبھی اُن گناہگارون کیلئے خود کفارہ بن گیا ہو جو اُسکی بادشاہت مین داخل ہونیکا اعتراف کرتے ہین اور اِس غرض کے لئے اُس نے کبھی نجات دہندہ کی شکل مین ظہور کیا ہو تو پھر مذہب عیسوی کی فوقیت مین کلام نہین مگر حقیقت یہ ہے کہ ان سب باتون مین کلام ہے اور مسلّم صرف اس قدر ہے کہ انسان کو خدا سے ملنے کیلئے دل کو صاف کرنا ضرور ہے اور اسی صفائی کو حاصل کرنے کے وسائل وصال ربانی کے وسائل ہوسکتے ہین۔ مگر اس مقدمہ کو بھی عام طور پر تسلیم کرلینا اور بات ہی اور جس وجہ سے وہان تک پہنچنے کیلئے صفائی کی ضرورت ہی اسکو تلاش کرنا اور ہے چنانچہ وجہ دریافت ہونیکے بعد وسائل کو معین کرنا چاہئے۔

پاکیزگی دل کی ہونی چاہئے

اب اگر خدا کوئی جسم ہوتا اور کسی خاص مکان مین موجود ہوتا تو ایک تو وہان جانے کیلئے وسائل نقل و حرکت کی ضرورت ہوتی یا اگر وہ جسمانی ہونیکے ساتھ لطیف مزاج اور عالی دماغ بھی ہوتا تو کسی حد تک جسمانی پاکیزگی اور ظاہری نمود کی حاجت ہوتی۔ اور دوسرے ایسے کام کرنے کی ضرورت ہوتی جس سے اسکو راحت یا فائدہ پہنچے اور وہ خوش ہوکر ہمارے جانے پر خیر مقدم کہے۔ مگر دل مین صفائی ہوتی یا نہ ہوتی اور کسی سے کینہ ہوتا یا محبت ان باتون کا وہان جانے نہ جانے پر کچھ اثر نہ ہوتا لیکن مشکل یہ ہوئی کہ مذہب نے خدا کو جسم سے پاک جسمانی اوصاف سے منزّہ اور تمام حاجتون سے بے نیاز بتایا اور اس تک جانے کی ضرورت اس لیئے بتائی کہ خود انسان کو اس سے ملنے پر کمال حاصل ہوتا ہی۔ اور اس وجہ سے نہ انسان کو جسمانی طور پر کہین آنے جانے کی ضرورت رہی اور نہ وسائل نقل و حرکت کی یا خدا کو راحت پہنچانیوالے افعال کی حاجت رہی۔ اب رہ گیا دل و دماغ اور دیکھا گیا کہ انکو ہم کسیطرف لگا سکتے ہین اسلئے ماننا پڑا کہ دل کو

اس طرف لگانا ہی وہ ذریعہ ہے جس سے غیر جسمانی ہستی تک رسائی ہوسکتی ہے۔ اور دلی توجہ کی یہ صورت ہے کہ جس طرف اسے لگایا جائے اس طرف ترقی ہوتی جاتی ہے اور اسکے خلاف سے غفلت ہونے لگتی ہے اور اُدھر خدا کامل صداقت اور راستی ہے اسلئے سمجھا گیا کہ دل میں صداقت کی محبت اور عقائد اور اعمال دونوں میں صداقت کا لحاظ رکھنے سے ترقی کرتے ہوئے کامل صداقت تک رسائی ہوسکیگی اور اسکا خلاف کرنے سے اس طرف سے غفلت پیدا ہوگی۔ چنانچہ اس طرح عبادت۔ صداقت۔ عدالت وغیرہ اوصاف خدا تک پہنچنے کے وسائل اور کار ثواب قرار پائے۔ اور انکے خلاف افعال خدا سے دور کرنیوالے اور گناہ سمجھے گئے ۔

توبہ سے دل صاف ہونے میں شک نہیں ۔

وسائل کے بارہ میں اس حد تک کسی مذہب کو انکار نہیں مگر اب انسانی حالت کو دیکھا گیا اور بہت سے لوگوں کو گناہ میں مبتلا پایا گیا اور سوال ہوا کہ یہ لوگ خدا کو کس طرح پاسکتے ہیں۔ بالعموم یہ جواب ملا کہ اِن افعال کو چھوڑ کر صداقت اختیار کرنے سے۔ اور ایک طرف سے آواز آئی کہ یہ کافی نہیں بلکہ کفارہ بھی ضرور ہے۔ اس کہنے والے نے کہا تو یہاں تک ہے کہ عملی طور پر کفارہ کے بغیر اصلاح حال ممکن ہی نہیں۔ گویا حد ہوگئی۔ مگر پھر بھی دیکھنا تو چاہیئے شاید اصلاح حال کی کوئی صورت نکل سکے۔ یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ گناہ وہ افعال ہیں جن میں حق اور صداقت سے غفلت ہوتی ہے اب اگر کوئی شخص انمیں مبتلا ہے اور وہ انکو چھوڑنا بھی نہیں چاہتا اور خدا تک پہنچنے کی خواہش نہیں رکھتا تو جب تک اسکی یہ حالت ہے کوئی مذہب اس کیلئے تدبیر کار نہیں نکال سکتا۔ لیکن اگر اس کے دل میں وصال ربانی کی خواہش پیدا ہو اور اسوقت اپنے تئیں اُن افعال میں مبتلا دیکھے جو اس کی محبت کے خلاف ہیں تو اس صورت میں اسے بیشک افسوس ہوگا۔ مگر یہ افسوس کیا ہے؟ ہم کسی چیز کو یاد رکھنا چاہتے ہیں مگر بھول جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کا خیال آتا ہے اور بھول جانے پر افسوس ہوتا ہے تو جس قدر افسوس زیادہ ہوتا ہے اُسی قدر اس وقت اُس چیز کی یاد دلپر نقش ہوتی ہے۔ اسی طرح یہاں محبت کی خواہش ہے۔ اور محبت کو کم کرنیوالے افعال پر افسوس ہے اسلئے جس قدر افسوس زیادہ ہوگا اسی قدر محبت کا جوش ترقی کریگا۔ اور اگر اس افسوس سے ان افعال کو

ترک کرنیکا اور آئندہ کیلئے محبت کو بڑھانیوالے افعال پر کاربند ہونیکا عزم ہوگیا ہے اور اس عزم کے موافق عمل بھی ہونے لگا ہے یعنی سچی توبہ میسر ہوئی ہے تو پھر جو محبت پیدا ہوگی اسمین ترقی نہ کرنیکے معنی؟ اور اصلاح حال ناممکن ہونیکی کیا وجہ؟

گناہ کی لذت کو ترک کرنا اور پارسائی کی تکلیف اٹھانا کفارہ ہے۔

رہا یہ کہ کفارہ کی بھی ضرورت ہی۔ سو بیشک اس قدر مسلم ہے کہ جو تکلیف پارسائی پر کاربند ہونے سے پیش آئے اسے برداشت کرنا اور جو لذت یا راحت گناہ سے حاصل ہوتی ہی اسے ترک کرنا ضرور پڑتا ہے اور اس کے بغیر وصال ربانی کا خیال وہم سے زیادہ نہین اور اسلئے کہہ سکتے ہین کہ اسوقت کی تکلیف کفارہ ہے اس راحت کے لیئے جو اس نے گنہ گاری کی حالت مین حاصل کی ہے۔ اور بیشک ایسے کفارہ کے بغیر اصلاح حال ممکن نہین لیکن اگر کفارہ سے یہ مطلب ہو کہ خدا کو بھلانیوالے افعال سے لذت ہم حاصل کرین اور کسی اور کے تکلیف اٹھانے سے اس لذت کا کفارہ ہوجائے اور اس شخص کی ایسی جفاکشی سے ہمارا دل خدا کی محبت سے معمور ہو تو اس دعوے کو عقلی طور پر سمجھانے کی کوشش فضول ہے۔

دوسرے کی تکلیف سے دل صاف نہین ہوسکتا

وہ کہتے ہین کہ دنیا مین نیک بدون کیلئے تکلیف اٹھاتے اور انکو تکلیف سے بچاتے نظر آتے ہین۔ بیشک ایسا ہوتا ہی مگر انہی افعال مین جن کو محض جسم سے تعلق ہے۔ یعنی کہین آگ لگتی ہے اور گھر والون کی کسی نادانی کا نتیجہ ہوتی ہی۔ نیک دل اس مین کود پڑتے ہین۔ آگ کو بجھاتے ہین۔ جہانتک ممکن ہوتا ہے اسباب کو جلنے سے بچاتے ہین اور جو کچھ جل چکتا ہے باہمی امداد سے اسکی تلافی کرتے ہین۔ یا کوئی ملک اپنی جہالت یا سستی کے سبب کسی ظالم کی دست برد سے مغلوب ہوجاتا ہے اور محب وطن اشخاص اپنی جان جوکھون مین ڈالکر اسے ستبرد سے محفوظ رکھتے ہین جس طرح یہ مدد پہنچ سکتی ہے۔ اسی طرح اس صورت مین بھی مدد کا پہنچنا ممکن تہا جبکہ خدا جسم ہوتا اور لوگ اسکی طرف جانیکی بجائے خلاف سمت کو چل پڑتے تو نیک بندے بھی اپنے سیدھے رستے سے ہٹکر ان کے پیچھے دوڑتے۔ انھین پکڑتے۔ ہاتھ پاؤن باندھکر گنہون پر ڈالتے۔ چھکڑون مین لادتے اور گھسیٹتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچا دیتے مگر اینو دل کا معاملہ ہی۔ وہ سیہ ہوچکا ہے اور محبوب کا نقش جو اس پر کندہ

ہونا چاہئے مٹا ہوا ہے اسوقت ضرورت ہی تو اس آئینہ کو صیقل کرنے کی اور اگر کفارہ ہی تو وہ رگڑ جو خود اسکو چھیلے - مگر اسکی بجائے چھیلا جاتا ہے کسی اور آئینہ کو جو پہلے ہی صاف ہی اور سزا دی جاتی ہی اُس ہستی کو جو جرم سے پاک ہی اسلئے کیونکر ممکن ہے کہ ایسے غیر متعلق فعل سے گنہ گارون کے دل کی سختی دور ہو اور خدا کی محبت ترقی کرے

خدا خود کھینچنا چاہی تو اُسے کفارہ بنکر تکلیف اُٹھانیکی بھی ضرورت نہین

وہ کہتے ہین کہ ممکن ہی خدا خود کفارہ بنی اور اپنے رحم سی بندہ کو اوپر کھینچے - اسمین دوسرا جملہ بیشک صحیح ہے اور خدا کا رحم بندون کو کھینچنے کیلئے کافی ہی - مگر اول تو سوجودات کا نظام بآواز بلند کہتا ہے کہ ہر مسبب کے لیئے سبب ہوتا ہی - اور اگر وہ چاہتا تو اپنی لامحدود قدرت سی سب افراد کو ایک سطح پر رکھتا مگر اُسکا قانون ہے کہ جس قدر صلاحیت ہو اسی قدر انعام ملتا ہے اور دوسرے اگر وہ بندون کے افعال اور اُن کے نتائج کے قانون کو توڑ کر اپنے لامحدود رحم سے کھینچنا چاہے تو اس قانون کی بھی ضرورت نہین کہ خود اُن کیلئے تکلیف اُٹھائے اور کفارہ بنے - اور اگر خدا کو کفارہ بنایا جاتا ہی تو گویا تسلیم کیا جاتا ہی کہ رحم کو استعمال کرنیکے لیے کسی ضابطہ کی ضرورت ہی اور نجات دینے کیلئے کوئی سبب ہونا چاہئی اور جب کسی ضابطہ اور سبب کی ضرورت ہی تو ضابطہ وہی قرار دینا چاہئے جو دُنیا کے دیگر ضابطون سے مشابہ ہو اور سبب وہی ماننا چاہیے جو مسبب کے مناسب حال ہو یعنی یہ کہ اگر گناہون سی پشیمانی ہوگی تو محبت بڑھیگی اور محبت بڑھیگی تو وصال ہوگا - نہ یہ کہ سبب تلاش بھی کیا جائے اور پھر ایسے سبب کو مانا جائے جس کا کوئی تعلق ثابت نہ ہو یعنی ایک سزا پائے اور دوسرے کا دل صاف ہو -

دنیا مین ہادی کی ضرورت ہے

اسی طرح ایک نجات دہندہ کی ضرورت جو پادری صاحب کو محسوس ہوتی ہی اس سی اگر یہ مطلب ہو کہ ایسے نجات دہندہ کی ضرورت ہی جس مین خدا خود ظہور کرے اور وہ خدائی طاقتون سی انسان کو اپنی طرف کھینچے تو اسکی ضرورت مسلّم نہین کیونکہ گو تمام دُنیا خدا کیطرف سے ہی اور یہان کے تمام واقعات اسی کی قدرت سے ہوتے ہین مگر اُسکا قانون یہی ہی کہ اُسنے تمام واقعات کو ایک دوسرے پر مرتب کیا ہی اور اس سلسلہ مین جب نوبت انسان کی پیدائش تک پہنچی ہی تو اسمین ہر قسم کی ترقیون کیلئے یہی دستور رکھا گیا ہے کہ ایک خواہش سب کے دل مین موجود ہوتی ہی اور چند افراد یہ قابلیت رکھتے ہین کہ اس خواہش کو ترقی دیکر کسی ایجاد تک پہنچائین اور پھر اُنکی رہنمائی سے وہ لوگ جو ویسی ہی خواہش رکھتے ہون اس قابلیت کو تعلیم و تعلم سے حاصل کرین - غرض یہ کہ دُنیا

ہین خدا بیواسطہ اور خود ظہور کرکے کوئی کام نہین کرتا۔ بلکہ ابتدائی خواہش سب کے اندر اور ایجاد و دریافت کی قابلیت بعض ہین ودیعت کرکے مختلف علوم و فنون کو ترقی دیتا ہے پس مذہب کے لئے اس عام قانون قدرت کے خلاف کسی خاص شکل ہین خود ظہور کرنا اور اپنی خدائی طاقت سے لوگون کو کھینچنا بقول پادری صاحب "منطقی طور پر" تسلیم نہین ہوسکتا۔ اور اگر پادری صاحب کا یہ مدعا ہو کہ کسی انسانی رہنما کی ضرورت ہے تو یہ بیشک درست ہے اور فی الحقیقت انسان نفسانی خواہشون سے ایسا مغلوب ہوجاتا ہے کہ جو خواہش دل ہین نیکی کی جانب جانیکے لئے ودیعت ہے اکثر اسے کھو دیتا ہے اور نیز خواہش موجود ہو جب بھی اکثر اپنے خبث باطن سے بدی کو نیکی سمجھ لیتا ہے اور جس نور کا فیضان جناب باری کیطرف سے ہو رہا ہے اُسکو قبول کرنیکی صلاحیت ضائع کر دیتا ہے اور ہمیشہ ایسے ممتاز اشخاص چند ہوتے ہین جو اپنے دل کو آلائشون سے پاک رکھ سکتے ہین اور وہ نور جو ہر شخص کی فطرت ہین ودیعت ہے ان لوگون ہین ترقی پاکر انکو ایسی جلا دیتا ہے کہ آئندہ اور نور ربانی کو اخذ کرنے کے قابل ہوجاتے ہین اور اپنی اپنی استعداد کے موافق جلوہ ہائے معرفت کے تجربون یا بالفاظ دیگر وحی و الہام سے نیکی اور بدی ہین تمیز کرنے اور وصال ربانی کے طریق دریافت کرنے ہین کامیاب ہوتے ہین۔ اور انکی وساطت سے عوام کو اس منزل کی شناسائی اور راہ روون کی صعوبتون اور کامیابیون کی تفصیل معلوم ہوتی ہے

مدد بیشک باہر سے اور اوپر سے آتی ہے مگر مقامی استعداد کے اختلاف سے اسکے ظہور مختلف ہوتے ہین۔

غرض ہمکو پادری صاحب سے اس بارہ ہین اتفاق ہے کہ ایسے رہنماؤن کی ضرورت ہے اور یہ بھی ہم مانتے ہین کہ جلوہ ہائے معرفت ایک بالاتر ہستی کا تجربہ ہے اور اسلئے جیسا کہ اپنے مقام پر ذکر ہو چکا ہے اس فعل ہین فاعلی حرکت خدا کی طرف سے ہے اور انسان کا فرض صرف انفعالی قابلیت کو پیدا کرنا ہے اور اسلئے پادری صاحب کا یہ قول بالکل سچا ہے کہ "ضرور ہے کہ مدد باہر سے آئے اوپر سے آئے"، لیکن اس قدر ماننے سے کسی مذہب کو دوسرے پر ترجیح نہین ہوسکتی کیونکہ ایسے نفوس قدسیہ بہت سے گذرے ہین اور ہر مذہب کسی نہ کسی ایسے ہی رہنما کی پیروی کرتا ہے اور ان ہین جو اختلاف ہے وہ اسلئے ہے کہ کچھ تو جلوہ ہائے معرفت کو قبول کرنیکی استعداد ہین مختلف رہی ہین اور جیسا کہ عام طور پر ترقی کا قاعدہ ہے یہان بھی معرفت بتدریج ناقص سے کامل ہوتی گئی ہے اور مذہبی تعلیم ہین مختلف اقسام کے نقص رہ جانے سے مذہبون کی شکلین مختلف ہوگئی ہین اور کچھ بعد ہین انکی تعلیم کو پورے

طور پر محفوظ نہ رکھنے سے یا اپنی نفسانی خواہشوں کو ملا دینے سے اصلی تعلیم پر کئی طرح کے پردے پڑتے گئے ہیں پس اب ایک تعلیم کو دوسری پر ترجیح دینے کیلئے اسکے سوا کوئی سبیل نہیں کہ عقل کو معیار گردانا جائے اور تعلیم کو فطرۃ اللہ سے مقابلہ کر کے کامل غور و تدبر سے غلط آمیزشوں کو نکالا جائے - اور چونکہ مذہبی جذبہ خدا کی طرف بلاتا ہے اور نیز اس زندگی کے بعد آئندہ بقائے دوام کا یقین دلواتا ہے اسلئے مذہب میں غور کرنیکے لئے یہی تدبیر مناسب ہے کہ خدا کی نسبت جس قدر مختلف خیالات مذاہب نے پیش کئے ہیں یا معاد کے متعلق جس قدر عقاید پیدا کئے گئے ہیں انکو دیکھا جائے کہ عقل کے نزدیک ان دو نو عقیدوں میں کونسا احتمال قرین قیاس ہے اور کس کی نسبت عقل سلیم اور قوت استدلال ناممکن یا غیر اغلب ہونیکا فیصلہ کرتی ہے -

اختلافوں کو دیکھنے کا نتیجہ

چنانچہ اس تحریر میں اس موضوع کے متعلق جس قدر غور ہو سکا ہے اس کا نتیجہ یہ پیدا ہوا ہے کہ ایک علیم و قدیر ہستی قدیم سے موجود ہے اور اس نے اپنے علم و قدرت سے اس کائنات کو نیست سے ہست کیا ہے اور اسمیں وجود اور اسکی ترقی کا وہ سلسلہ قایم کیا ہے جو اگر اسکی مشیت ہو تو ابدالآباد تک جاری رہیگا - اور جس چیز میں جس حد تک استعداد ہے وہ اسمیں لا محدود ترقی کریگی - اور اس ترقی کی ایک صورت ہے جس پر چلنے سے اس ہستی کا قرب اور قرب کی نعمتیں حاصل ہونگی اور دوسری صورت پر کاربند ہونے سے اس سے بُعد اور بُعد کی تکالیف پیش آئینگی اور یہ نتیجہ ان قوانین قدرت کو مطالعہ کرنیسے پیدا ہوا ہے جو اس کائنات میں جاری ہیں - اور جو اقوال مذہبی قدرت کیطرف منسوب کئے جاتے ہیں انمیں سے انہی کو مستند مانا گیا ہے جو قدرت کے افعال سے مطابقت رکھتے ہوں - اور اثنائے تحریر میں اکثر بزرگواروں کے موافق و مخالف اقوال سے بحث کی گئی ہے اور اب آخر میں پادری صاحب کی وجہ سے اس کوشش کا تجربہ کیا گیا ہے جو ایک بڑے مذہب کیطرف سے بعض غیر ضروری عقائد کو ثابت کرنیکے لئے کیجاتی ہے - اور دیکھا گیا ہے کہ ایسی کوشش کیلئے خواہ کیسے ہی قابل اشخاص سے کام لیا جائے مدعا کو ثابت کرنا دشوار ہے - البتہ جو کچھ پادری صاحب کی تحریر سے ثابت ہو سکتا ہے اور جسکی نسبت اس تحریر میں پہلے بھی بہت کچھ غور ہو چکا ہے وہ یہ ہے کہ اس ہستی کا قرب حاصل کرنیکے لئے قلبی پاکیزگی کی ضرورت ہے اور قلبی پاکیزگی ظاہر ہے کہ صداقت سے ہو سکتی ہے اس لئے قرب خداوندی کیلئے صداقت کی ضرورت ہے اور اعتقاد ہو یا عمل - قول ہو یا فعل ہر امر میں راستی ہی وہ نور ہے

جو دل کو روشن کرنا ہی اور نا راستی اور غلطی کسی شکل مین ہو وہ زنگ ہے جو آئینہ دل کو مکدّر اور جلوۂ ربانی کے ناقابل بناتا ہے۔

نتیجہ کے بعد کا فرض

پس اگرچہ نتیجہ۔ اگر گذشتہ تحریر کو بنظر انصاف دیکھا جائے تو نہایت واضح اور ناقابل اشتباہ ہی۔ مگر آہ ! اس نتیجہ پر پہنچکر نظر علی حالت۔ کو تلاش کرتی ہی اور اپنی ہوا و ہوس اور اعمال ناشائستہ سے بد نتیجہ مرتب ہونیکا خوف ہوتا ہی۔ اور اگر یہی حالت ہی تو ہلاکت مین شبہ نہین۔ قدرت کے قوانین محکم ہین اور کوئی جاکر کنوئین مین گرے یا غلطی سے جان مصیبت آنی ضرور ہی بلکہ جاکر گرنے مین پہلے سی ہلاکت کا خوفناک ویو نظر آنے لگتا ہے۔ پس کاش یہ علم نہ ہوتا ! تا جو مصیبت آنیکو ہے اسکے علاوہ اپنی حالت کا افسوس کم از کم اس زندگی مین سوہان روح نہ ہوتا مگر اپنے افعال اپنے ساتھ کچھ بھی سلوک کرین اسمین شبہ نہین کہ نجات راستی پر کاربند ہونے اور نا راستی کو بہمہ وجوہ ترک کرنے پر منحصر ہے۔ اور ہوا و ہوس کا ایک طوفان اور نا واجب خیالات کا ایک دریا ہے جسکو کاٹ کر ساحل مقصود پر پہنچنا ہوگا۔ اور اب جبکہ فضائے عدم سی تنگنائے وجود مین قدم رکھا ہی تو جو واقعات پیش آئین انہین برداشت کرنے سی مفر نہین۔ رستہ معلوم ہونے پر افسوس کرنا نفس کا دھوکا ہے۔ ورنہ عمل کی بنیاد علم ہے۔ اگر جاذبۂ ربانی مدد کرے تو کیا عجب ہے کہ نشانہائے راہ منزل تک پہنچانے مین مدد دین اور اسکی رحمت سی اس طوفان کو عبور کرنے مین سہولت ہو۔ خدا کا نام لیکر سفر زندگی کو نشانہائے ہدایت کے موافق طے کرنیکی کوشش ضروری ہے۔ اور یہان سے چلنا اور وہان تک پہنچنا اس کے فضل و کرم پر موقوف ہ

درین طوفان بے پایان - درین دریائے موج افزا
دل افگندیم - بسم اللہ مجریہا و مرسا ہا

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ

تمت بالخیر

نام کتاب	تعداد صفحات	نام مصنف	قیمت
کتاب المحبت والشوق مصنفہ امام غزالیؒ	۱۱۳	ترجمہ نواب محسن الملک مرحوم	۸ر
الصلوٰۃ والسلام	۲۴۰	قاضی محمد سلیمان	عہ ۱۴ر
تہذیب اللسان	۱۴	مولوی محمد امام الدین	ار
سوانح سلطان حیدر علی	۴۰۸	مولانا اشہری مرحوم	۱۳ر
سوانح ٹیپو سلطان	۲۳۶	”	۸ر
تاریخ التاریخ	۵۰	مولانا محمد مرتضےٰ	۳ر
صلہ رحم	۳۲	مولانا عبدالحی	۲ر
روح کی بیماری	۸۴	مولانا فدا علیخان ایم اے ..	۴ر
معیار الاخلاق	۴۸	خواجہ غلام الحسنین	۶ر
تفسیر السموات	۱۲۰	سر سید احمد مرحوم	۸ر
الایمان	۱۱۶	مولانا محمود علی پروفیسر رندہیر کالج کپورتھلہ	۶ر
[illegible]ت احمدیہ معہ تصویر سرسید	۷۶۰	سرسید مرحوم	عہ ۸ر
ادلۃ الکرام فی اثبات عقاید الاسلام	۱۸۲	منشی عطا محمد	عہ ر
الاسلام	۱۶۸	مولوی فتح محمد	۸ر
حقیقۃ السحر	۴۸	اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم ..	۳ر
دین الفطرۃ	۵۸	علامہ شیخ محمد عبدالعزیز شاویش مصری ..	۶ر
اسلام کی حقیقت	۳۲	منشی عطا محمد	۴ر
اسلام کی دنیوی برکتیں ..	۱۳۶	اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم	۸ر
تقلید و عمل بالحدیث	۱۳۴	نواب محسن الملک مرحوم	۸ر
شہادۃ الفرقان علی جمع القرآن	۱۳۰	شیخ عطاء اللہ پلیڈر	۸ر
الدین لیسر	۴۰	مولانا حالی	۳ر

نام کتاب	تعداد صفحات	نام مصنف	قیمت
تطبیق مذہب و سائنس	۴۸	مترجمہ مسٹر عبداللہ منہاس	۳ر
کانشنس	۲۰	سر سید مرحوم	۱ر
فطرت اور قانون فطرت	۶۴	نواب محسن الملک مرحوم	۳ر
تدبیر	۴۸	مولانا حالی	۲ر
یورپ اور قرآن	۴۴	مولوی چراغ علی مرحوم	۳ر
تحقیق اناجیل ہر دو حصہ	۲۹۵	ڈاکٹر صادق علی خان	عہ
حضرت ہاجرہ	۳۶	مولانا عنایت رسول و مولوی چراغ علی مرحوم	۲ر
تاریخ القرآن	۱۰۵	اسلم جیراجپوری	عہ
حضرت عیسیٰ	۲۰	مولوی چراغ علی مرحوم	۱ر
مہدی آخر الزمان	۴۰	سر سید مرحوم	۲ر
سلیمان علیہ السلام	۶۸	مولوی چراغ علی مرحوم	۴ر
تمدن اسلام حصہ اول و دوم	۵۱۶	جرجی زیدان	ے
اسلام اور سوشیل ریفارم	۶۲	محمد رفیق بک مصری	۸ر
المراۃ المسلمہ	۱۸۰	علامہ فرید وجدی	۸ر
مسلمانوں کی تہذیب	۵۴	نواب محسن الملک مرحوم	۴ر
مسلمانوں کی ترقی اور ان کے تنزل کے اسباب	۱۲۸	”	۳ر
فطرۃ الاسلام	۲۴۸	صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن	۱عہ
معرکہ مذہب و سائنس	۵۲۰	ظفر علیخان بی اے	ے
فلسفۃ القرآن	۳۶	مولانا عبداللہ العمادی	۲ر
فلسفہ ابن عربی	۲۰	”	۲ر
صناعۃ العرب	۵۲	”	۳ر

مفصل فہرست معہ سوانح عمری نواب محسن الملک مرحوم ار کے ٹکٹ آنے پر مفت ارسال کی جاتی ہے

المشتہر

مینیجر مطبع روز بازار امرت سر